حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

مترجم
علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ○ لاہور

کلام المرغوب

ترجمہ

کشف المحجوب

تصوف کی لازوال اور شہرۂ آفاق کتاب

تصنیفِ عظیم

ابو الحسن سید علی بن عثمان ہجویری قدس سرہ العزیز

مترجم

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	کشف المحجوب
تصنیف عظیم	ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	ابوالحسنات سید محمد احمد قادری
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	اپریل 2002ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	1Z41
قیمت	-/150 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

ترتیب

باب	عنوان	صفحہ
۲۱	آدابِ صحبت	۵۳۸
۲۲	آدابِ صحبتِ اقامت	۵۴۳
۲۳	آدابِ صحبتِ سفر	۵۴۶
۲۴	کھانے کے آداب	۵۴۹
۲۵	چلنے پھرنے کے آداب	۵۵۱
۲۶	سفر و حضر میں سونے کے آداب	۵۵۳
۲۷	بولنے اور چپ رہنے کے آداب	۵۵۷
۲۸	آدابِ سوال و ترکِ سوال	۵۹۱
۲۹	آدابِ نکاح و تجرد	۵۹۵
۳۰	سماعِ قرآن اور اس کے متعلقات	۶۰۰
۳۱	سماعِ شعر اور اس کے متعلقات	۶۰۷
۳۲	سماعِ لحن و نغمہ	۶۰۹
۳۳	احکامِ سماع	۶۱۳
۳۴	اختلافِ سماع	۶۱۷
۳۵	مقاماتِ سماع	۶۱۸
۳۶	وجد، وجود، تواجد	۶۲۵
۳۷	رقص اور متعلقاتِ رقص	۶۲۸
۳۸	جامہ دری	۶۳۰
۳۹	آدابِ سماع	۶۳۱

دیباچہ

از حکیم محمد موسیٰ امرتسری

حامداً و مصلیاً

مخدوم الاولیا، سلطان الاصفیا حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ العزیز اس قدسی گروہ کے سرخیل ہیں جو امام رُسل ہادی سبل حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و بارک وسلم کی کمال محبت و متابعت سے ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام اور بلند مراتب پر فائز ہو کر خلافتِ الٰہیہ اور حضرت سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کبریٰ کے منصب جلیلہ پر متمکن ہوتے ہیں اور چونکہ انھوں نے اپنے آپ کو محبوب خدا کی محبت میں فنا کر دیا ہوتا ہے انہیں بھی مقام محبوبیت عطا ہو جاتا ہے اور وہ زمین پر خلیفۃ اللہ اور مظہر انوارِ خدا اور نائب محبوب خدا ہوتے ہیں۔ للہٰذا

۱- ان کی ظاہری زندگی میں بے پناہ فیض رشد و ہدایت جاری ہوتا ہے۔

۲- برزخی زندگی میں قاسم فیوض و برکات ہوتے ہیں اور ان کا روحانی فیض عوام و خواص کے لئے یکساں ہوتا ہے۔

۳- ان کی تعلیمات و ارشادات طالبانِ راہ خدا کے لئے مُرشد طریق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر مرتبۂ استعداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔

چنانچہ بہ عطائے الٰہی و بہ فیض سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ نے

۱- اپنی حیاتِ مبارکہ میں کفرستانِ ہند میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اپنی روحانی قوت اور نظر کیمیا اثر کے ذریعے بے شمار گم گشتگانِ بادیہ کفر و ضلالت کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا اور ان کے سینوں کو نورِ اسلام سے منور فرمایا۔

۲- بعدِ وصال حضرت شیخ کا مزار پر انوار فیض رسانِ عالم اور منبع روحانیت و طمانیت ہے ع

نام فقیر تنہا نما یا ہو قبر جنا ندی جیوے ہو

۳ - ان کے ارشادات گرامی و افاضاتِ عالی (کشف المحجوب) بجائے خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرضکہ ایسی محبوبیت و مقبولیت امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بہت کم اولیاء کرام کو حاصل ہوئی ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حالاتِ زندگی

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ برصغیر پاک و ہند کے اوّلین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار گوہر باران کے فیضان کی وجہ سے عرصہ نو سو سال سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے اور ان کی کشف المحجوب اطراف و اکنافِ عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ بایں ہمہ ان کے حالات بابرکات پر کوئی قدیم کتاب نہیں ملتی۔ میرے خیال میں اس کی وجوہ یہ ہیں۔

(ا) جس زمانے میں حضرت داتا صاحب نے لاہور میں شمع ہدایت روشن کی۔ اس وقت یہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم جمے تھے اور پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں جن مورخین نے تاریخ نویسی کا آغاز کیا۔ انھوں نے تاریخ کو اپنے آقایانِ نعمت (فاتحین) کے گرد گھمانا شروع کر دیا۔ اور بعد کے مورخین نے صرف ان بزرگوں کے مختصر حالات لکھے۔ جن کے آستانوں پر ان کے ممدوحین کو شرفِ حاضری نصیب ہوا۔

(ب) جن حضرات نے بادشاہوں سے ہٹ کر صرف ان نفوس قدسیہ، جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی، کے حالاتِ زندگی اور ان کی اسلامی و روحانی خدماتِ جلیلہ کی تفصیلات کو قلم بند کیا، ان کی تالیفات کو اس خطّے کی ازلی بدنصیبی (بہ سلسلۂ اتلافِ کتب) نے محفوظ نہیں رہنے دیا۔

ظاہر ہے کہ بزرگانِ دین کے تذکرہ نویسوں میں سے اکثر فنِ تاریخ کے ماہر نہ تھے۔ لہٰذا وہ بزرگوں کے حالات لکھتے وقت، واقعات کے سنین کا صحیح تعین نہ کر سکے۔ جس کے باعث تاریخ دانوں کو بدظنی کا موقع مل گیا۔

بہر حال حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ پر بھی ضرور کام ہوا ہوگا۔ مگر وہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ جہانگیری عہد کے مشہور تذکرہ نگار محمد غوثی بن حسن شطاری، حضرت داتا صاحب کے حالات کے ذیل میں بسال ۱۰۲۲ھ لکھتے ہیں

"تواریخ مشائخ کے سابقہ مصنفین کا خیال ہے کہ کشف المحجوب کے مصنف وہ بزرگ ہیں جن کا مزار مبارک لاہور میں ہے" [۱]

محمد غوثی نے سابقہ مصنفین کا جو حوالہ دیا ہے اس سے واضح ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کے حالات کے بہت سے ماٰخذ تلف ہو چکے ہیں ـــ ان ماٰخذوں کے اتلاف کا نتیجہ ہے کہ

چون ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

کے مصداق بیاں کے دانشور، تاریخ و تحقیق کے نام پر کوئی نہ کوئی نیا افسانہ پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں [۲]

بہ ہر حال موجود و معلوم تذکروں میں سے تذکرۃ الاولیا، از شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ میں صرف دو جگہ حضرت داتا صاحب کا اسم گرامی درج ہے۔ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات فوائد الفواد اور قدر نظامی میں بھی ان کا ذکر خیر ہوا ہے۔ ان کے بعد کے ایک ایسے ماٰخذ سے ایتھے (ETHE) نے علمی دنیا کو متعارف کرایا ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ اس کا نام رسالۂ ابدالیہ ہے جو حضرت مولانا محمد یعقوب بن عثمان غزنوی کی تالیف ہے [۳]۔ پھر مولانا جامی نے نفحات الانس میں، شیخ احمد زنجانی نے تحفۃ الواصلین (غیر موجود) میں [۴]، ابوالفضل نے آئین اکبری میں، عبدالصمد بن افضل محمد نے اخبار الاصفیا (خطی) میں، لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس (خطی) میں، مولانا محمد غوثی نے گلزار ابرار میں، محمد دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیا میں، مولانا محمد بقا [۵] اور بختاور خاں نے ریاض الاولیا میں ذکر کیا ہے۔ حضرت داتا صاحب کے حالات پر

---

[۱] اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار۔ تالیف محمد غوثی طبع آگرہ ۱۳۲۶ھ ص: ۲۵ [۲] اس سلسلہ کی ایک کڑی "حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش" مؤلفہ پروفیسر شیخ عبدالرشید ہے، جسے مرکزی اردو بورڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔

[۳] رسالہ ابدالیہ نمبر ۴۰۰۱، انڈیا آفس لائبریری لندن منشاء کشف المحجوب۔ [۴] اس کے خطی نسخے بعض لائبریریوں میں موجود ہیں مفتی غلام سرور نے داتا صاحب کے حالات کے سلسلے میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ [۵] کتب خانہ آصفیہ نمبر ۱۱۵

قدیم ماخذ ہیں۔ ان کے بعد لالہ سبحان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التواریخ میں اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں ضمناً ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں سے لالہ گنیش داس وڈیرہ نے چار باغ پنجاب میں، مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاصفیا اور حدیقۃ الاولیا میں، مولوی نور محمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں حالات لکھے ہیں اور ان کے بعد کے مؤلفین نے ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

مگر ان سب تذکروں اور تاریخوں کے مندرجات کے پڑھنے سے مستند اور قابلِ استناد تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے۔ حتیٰ کہ صحیح سن پیدائش بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ تاریخ وصال میں بھی اختلاف ہے۔ اور حضرت کے ورود لاہور کا مسئلہ بھی خاصا پریشان کن ہے۔ غرض کہ حضرت داتا صاحب کے مستند حالاتِ زندگی، اسی قدر ملتے ہیں جتنے انھوں نے خود کشف المحجوب میں بیان کئے ہیں۔

نام و نسب

ابوالحسن کنیت، علی اسم گرامی ہے ——— مفتی غلام سرور نے بحوالہ تاریخ متقدمین شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے۔

حضرت مخدوم علیؒ، بن عثمانؒ، بن سید علیؒ، بن عبدالرحمٰنؒ، بن شاہ شجاع ——— بن ابوالحسن علیؒ، بن حسین اصغرؒ، بن سید زید شہیدؒ، بن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بن علی کرم اللہ وجہہ[1]

مشہور ماہر علم انساب پیر غلام دستگیر نامی مرحوم (م ۱۳۸۲ھ) نے یہی شجرۂ نسب تاریخ جلیلہ[2] اور بزرگانِ لاہور میں درج کیا ہے۔ مگر پانچویں بزرگ کا نام عبداللہ اور حسین میں شجاع شاہ تحریر کیا ہے[3] اور درج ذیل نوٹ دیا ہے:

---

[1] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم، ص: ۲۳۲

[2] تاریخ جلیلہ طبع دوم، ص: ۲۰۴

[3] بزرگانِ لاہور، ص: ۱۰۴

"مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے، وہ ٹھیک نہیں کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں وہ امام زین العابدین بن امام حسین، بن علی کے فرزند تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

آریانا دائرۃ المعارف میں حضرت داتا صاحب پر جو مختصر اور غیر تحقیقی مقالہ درج ہے اس میں لکھا ہے

"مولوی غلام سرور لاہوری در خزینۃ الاصفیاء در شرح حال او از سیادت او ذکر می نماید، فاز یا خذ خود نام نمی برد، جز اینکہ می گوید در تواریخ قدیم نسب او را چنیں شمردہ اند .... بہ ہر حال در ذکر نسب او آنچہ مورد اعتماد است و جامی و دارا شکوہ نیز آں را واثق دانستہ اند، ہماں ذکر مختصر یست کہ خود شیخ در کشف المحجوب نمودہ و دراں ہیچ گونہ اشارتی نہ تصریحا و نہ کنایۃ بہ طرف سیادت خود نمودہ است تنہا در غزنی خانوادہ کہ خود را بہ شیخ منسوب و اولاد او می دانند خود را سید می شمارند۔" [1]

ترکِ نسب شانِ فقر اور نشانِ عشق ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

اسی بنا پر سیدنا غوث الثقلین حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ غوثیہ جو ایک خاص حالت میں لکھا گیا، کے سوا کہیں اپنے آپ کو سید نہیں لکھا۔ لہٰذا صاحب مقالہ مذکور کا اس طرف خیال جانا تعجب کی بات ہے۔ بہ ہر حال ایسے لوگوں کے اطمینان کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ دارا شکوہ سے دو سو سال پہلے فوت ہونے والے سید محمد نوربخش جو ماہر انساب بھی تھے، نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب شجرۃ الاولیاء میں حضرت داتا صاحب کو سید لکھا ہے [2] اور جو یہ لکھا ہے کہ "غزنی میں وہ خانوادہ جو اپنے آپ کو حضرت شیخ سے منسوب

---

[1] آریانا دائرۃ المعارف، جلد اول، طبع کابل۔ ص: ۱۴۷

[2] سلسلۃ الذہب شجرۃ الاولیاء، حصہ دوم، ص ۳۲

کرتا ہے اور ان کی اولاد جانتا ہے اور اپنے آپ کو سادات میں شمار کرتا ہے"۔ کچھ عجیب سی بات ہے۔ یہ لوگ حضرت داتا صاحب کے ہم جد ہوں گے۔

مولد و موطن

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ افغانستان کے شہر غزنی کے رہنے والے تھے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

"علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری"۔

داراشکوہ لکھتا ہے:

"حضرت غزنی کے رہنے والے تھے۔ جلاب اور ہجویر غزنی کے محلوں میں سے دو محلے ہیں۔ پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے۔ پھر ہجویر میں منتقل ہو گئے تھے۔ ان کے والد ماجد کی قبر غزنی میں ہے۔۔۔۔۔۔ اور ان کی والدہ محترمہ کی قبر بھی ان کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل ہے، اور ان کے خاندان کے تمام افراد صاحب زہد و تقویٰ تھے[1]۔۔۔۔۔۔ میں ان کے والدین اور ماموں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں[2]۔"

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے تحریر کیا ہے۔

"زبیری صاحب کمشنر بہاولپور نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ (زبیری صاحب) غزنی گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا[3]۔"

سالِ ولادت

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کا سالِ ولادت کسی قدیم کتاب میں درج نہیں۔ اس دور کے مؤلفین نے ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔ پروفیسر نکلسن کا خیال ہے:

---

[1] سفینۃ الاولیاء (فارسی) طبع کانپور ۱۹۰۰ء بار دوم، ص: ۱۶۴

[2] " " " ص: ۱۶۵

[3] مقالات دینی و علمی، حصہ اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ۱۹۶۰ء ص: ۲۲۲

"ان کی پیدائش دسویں صدی کے آخری دھاکہ میں یا گیارھویں صدی کے ابتدائی دھاکہ میں ہوئی ہوگی"[۱] یعنی سنہ ۳۸۱ھ تا سنہ ۴۰۱ھ

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں :

"اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی کے شروع میں ہوئی ہوگی"[۲]

ڈاکٹر معین الحق کی رائے یہ ہے :

"بعض لوگوں نے ان کی پیدائش کا سال سنہ ۴۰۰ھ لکھا ہے۔ لیکن اس کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔"[۳]

منشی محمد دین فوق رقم فرماتے ہیں :

"ان کی پیدائش کا قرب سنہ ۴۰۰ھ یا سنہ ۴۰۱ھ کو حاصل ہوتا ہے۔"[۴]

سالِ ولادت کے باب میں مذکورۃ الصدر قیاس آرائیوں کی تائید رسالہ ابدالیہ سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی رسالۂ مذکورہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویری وقتاً فوقتاً محمود غزنوی کے دربار میں جاتے تھے اور انھوں نے عنفوانِ شباب میں ایک ہندی فلسفی سے مناظرہ بھی کیا تھا۔[۵] عنفوانِ شباب سے بیس اکیس سال عمر فرض کر سکتے ہیں۔ محمود سنہ ۴۲۱ھ میں فوت ہوا لہٰذا رسالہ ابدالیہ کی اس روایت کی بنا پر حضرت کا سالِ ولادت سنہ ۴۰۰ھ کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے۔

بقولِ لین پول، محمود غزنوی سنہ ۳۸۸ھ/۹۹۸ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ گویا حضرت داتا صاحب، سلطان محمود کے دورِ حکومت میں اس وقت پیدا ہوئے۔ جب کہ وہ پاک و ہند پر متعدد بار حملہ آور ہو چکا تھا۔ اور حضرت داتا صاحب اس غازی کے پاس اس کی زندگی کے آخری دو برسوں میں آتے جاتے رہے ہوں گے۔

---

[۱] کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکلسن، ص ۱۱ (دیباچہ) [۲] مقالاتِ دینی و علمی، ص : ۲۲۲

[۳] معاشرتی و علمی تاریخ طبع کراچی، ص : ۲۱ [۴] داتا گنج بخش، ص : ۵

[۵] فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری مرتبہ اسیتھے، ۱۰۷۴ اور دیباچہ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکلسن، ص : ۱۰

اساتذہ

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ علوم ظاہری و باطنی کے بحرِ زخار تھے۔ ان کی یہ عظمت اسی کی واضح دلیل ہے۔ کہ انھوں نے متعدد علماء و فضلاء سے اکتسابِ علوم کیا ہوگا۔ مولانا جامی نے صرف "عارف و عالم بودہ" لعل بیگ لعلی نے "در فنون علوم ماہر بود" اور مفتی غلام سرور نے "جامع بود میاں علوم ظاہر و باطن" لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ مگر کشف المحجوب جہاں داتا صاحب کے مختصر حالات سے آگاہ کرتی ہے وہاں ان کے ایک باقاعدہ استاد کے نام نامی کی بھی نشاندہی کرتی ہے ـــــ حضرت نے اپنے ایک اُستادِ گرامی حضرت ابو العباس بن محمد شقانی کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"مرا با وی انسی عظیم بود و وی را بر من شفقتی صادق، و در بعضی از علوم استادِ من بود ....." [1]

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ جواں عمری ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے۔ انھیں فطرتاً ولی اللہ ہونے کا مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ یعنی وہ بطنِ مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے۔ صاحب رسالۂ ابدالیہ کا بیان ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری نے سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کی موجودگی میں بمقام غزنی ایک ہندوستانی فلسفی سے مناظرہ کیا اور اسے اپنی روحانی قوت سے ساکت و صامت کر دیا [2] ـــــ ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ سلطان محمود کی زندگی کے آخری برسوں میں ہوا ہوگا اور اس وقت حضرت کی عمر بیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔

مرشدِ ارشد

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ جنیدیہ میں حضرت ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی [3]

[1] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۲۱۰

[2] دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ از نکلسن) ص: ۱۰

[3] ختل یا ختلان، بدخشاں کے مغرب میں دریائے جیحوں کے دائیں کنارے پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔

قدس سرہٗ (م ۳۵۰ھ) سے بیعت تھے۔ شجرۂ طریقت سلطانِ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم تک اس طرح منتہی ہوتا ہے :

"حضرت شیخ علی ہجویری مرید شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختّلی کے وہ مرید حضرت شیخ حصری کے وہ مرید شیخ ابو بکر شبلی کے وہ مرید حضرت جنید بغدادی کے وہ مرید شیخ سری سقطی کے وہ مرید حضرت معروف کرخی کے وہ مرید حضرت داؤد طائیؒ کے، وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے وہ مرید حضرت حسن بصری کے اور وہ مرید حضرت علی المرتضیٰ کے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے پیر و مرشد کے علوِ مقام کے بارے میں لکھتے ہیں :

"صوفیۂ متاخرین میں سے اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختّلی ہیں۔ طریقت میں میری اقتدا (بیعت) ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر اور روایات (حدیث) کے عالم تھے۔ اور تصوّف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے تھے۔ حضرت حصری کے رازدار مرید تھے، ابو عمر قزوینی اور ابو الحسن سالبہ کے ہم عصر تھے۔ صحیح گوشہ نشینی کے لئے ساٹھ سال تک تنہائی کی تلاش میں پھرتے رہے اور مخلوق کے ذہنوں سے اپنا نام محو کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ زیادہ تر جبلِ لکام[۱] میں قیام پذیر رہے۔ عمر طویل پائی۔ اپنی ولایت کی بہت سی دلیلیں اور نشانیاں رکھتے تھے لیکن صوفیہ کی رسُوم اور لباس کے پابند نہ تھے اور رسُوم میں جکڑے ہوئے صوفیوں سے درشتی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ کسی کو باہیبت نہیں دیکھا"[۲]

جس روز حضرت ختّلی کا وصال ہوا حضرت داتا صاحب ان کی خدمت میں حاضر تھے اور مرشدِ ختّلی نے مریدِ ہجویری کی گود میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی تھی۔ اس واقعہ

---

[۱] جبلِ لکام، سلسلۂ کوہ لبنان کا وہ حصہ ہے جو انطاکیہ اور مصیصہ سے متصل ہے۔

[۲] کشف المحجوب طبع تہران، صفحہ: ۲۰۸

کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ ختلی بروز وصال بیت الجن میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے' گھاٹی پر جو بانیار (رود بانیاں) اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ دم رحلت ان کا سر میری گود میں تھا، اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔ اس حالت میں انہوں نے فرمایا: اے بیٹا! میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ تمام مواقع اور حالات میں نیک و بد کو پیدا کرنے والا خدائے عزوجل ہے، لہٰذا اس کے کسی فعل پر کبیدہ نہ ہونا، اور رنج کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا —— اس کے سوا اور کوئی لمبی وصیت نہیں کی اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔"[1]

حضرت بایزید بسطامی اور مشائخ طیفوریان (رحمہم اللہ) سُکر کو ترجیح دیتے تھے۔ اور حضرت جنید اور ان کے پیرو صحو کو سُکر پر فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ختلی اور حضرت ہجویری (رحمہما اللہ) جنیدی ہونے کی وجہ سے صحو کی افضلیت کے قائل تھے۔ کشف المحجوب میں اپنے مرشد کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ سُکر بازیچۂ اطفال اور صحو مردوں کا میدان فنا ہے:

"شیخ من گفتی و وی جنیدی مذہب بود کہ شکر بازی گاہ کودکان است و صحو فنا گاہ مردان و منکہ علی بن عثمان الجلابی ام، می گویم: بہ موافقت شیخم۔"[2]

سید محمد نوربخش رحمہ اللہ (م ۸۶۹ھ) بانی سلسلہ نوربخشیہ جن کے سلسلے کے منتسبین اپنے شیخ کے مسلک سے ہٹ کر گمراہ اور بے دین ہو چکے ہیں، نے حضرت داتا صاحب کو دو بزرگوں شیخ ختلی اور شیخ ابوالقاسم گرگانی کا مرید و خلیفہ لکھا ہے:

" ...... حضرت علی ہجویری ہم از یں سلسلۂ جنیدیہ منسلک است

---

[1] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۱۰۹

[2] ایضاً ص: ۲۳۲

کہ او مرید (دو) خلیفہ دو مشائخ اند ، یکے شیخ ابوالقاسم گرگانی .... دوم شیخ ابوالفضل ابن ختلی ....."[1]

مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ گرگانی ، داتا صاحب کے شیخ صحبت یا شیخ تربیت ہیں نہ کہ پیر بیعت۔

ہم عصر مشائخ سے استفادہ

حضرت شیخ ختلی کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ کرام کے فیض صحبت و شرف مکالمت سے بہرہ یاب ہوئے جن کا ذکر خیر کشف المحجوب میں مسطور ہے۔ مثلاً ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی قدس سرہٗ کے بارے میں فرماتے ہیں :

"مرا با وی اسرار بسیار بود و اگر باظہار آیات مشغول شوم از مقصود باز مانم"[2]

ابوالقاسم امام قشیری قدس سرہٗ سے بھی صحبتیں رہیں۔ اور ان کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے :

"اُستاد امام و زین اسلام عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن القشیری اندر زمانہ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ و معلوم ست اہل زمانہ را از روزگار وی و انواع فضلش ، اندر ہر فن وی را لطائف بسیار است و تصانیف نفیس جملہ بالتحقیق و خداوند تعالیٰ حال وزبان وی را از حشو محفوظ گردانیدست"[3]

حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی قدس سرہٗ کے ساتھ ماوراءالنہر میں محبت و دوستی رہی۔ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں :

---

[1] کتاب سلسلۃ الذہب ، شجرۃ الاولیاء از سید نور بخش - طبع لاہور ۱۹۰۲ء حصہ دوم - ص - ۲۲

[2] کشف المحجوب طبع تہران - ص : ۲۱۲

[3] ایضاً ص : ۲۰۹

"خواجہ احمد حمادی سرخسی میارزوقت و مدتی رفیق من بود واز کار وی عجائب بسیار دیدم، وی از جوان مردان متصوفہ بود..." [1]

حضرت ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی قدس سرہٗ، جو صاحب تصانیف عالم و عارف تھے، ان کی تصانیف ان ہی کے روبرو پڑھیں:

"شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی از رؤسا متصوفہ بود و زبانی نیکو داشت اندر تحقیق، و میلی عظیم داشت بہ حسین بن منصور و بعضی از تصانیف وی بر وخواندم۔" [2]

حضرت ابو سعید ابو الخیر، شیخ ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان رحمہما اللہ اور متعدد دیگر اولیاء اللہ سے ملاقاتوں کا حال کشف المحجوب کے مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ صرف خراسان میں تین سو صوفیہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔[3]

حضرت خضر علیہ السلام سے استفادہ

لعل بیگ لعلی نے لکھا ہے حضرت شیخ علی ہجویری بہت سے اولیاء وقت کو ملے اور ان کے ہم صحبت رہے نیز حضرت خضر علیہ السلام سے گہری دوستی رکھتے تھے اور ان سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا تھا:

"و بسیاری از اولیا روقت را دریافتہ و با ایشان ہم صحبت بودہ و با خضر علیہ السلام دوستی عظیم داشتہ واز وی علم ظاہری و باطنی فرا گرفتہ" [4]

حنفی المذہب

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی المذہب تھے، سیدنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اسی سبب سے انھوں نے امام موصوف کا نام نامی و اسم گرامی

---

[1] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۲۱۶ [2] کشف المحجوب طبع تہران، ص ۲۱۱

[3] کشف المحجوب طبع سمرقند، ص: ۲۱۶ [4] ثمرات القدس حقی د ملکہ صاحبزادہ حضرت نوشاہی دستر قیود شرف

نہایت تعظیم و تکریم سے اس طرح رقم فرمایا ہے:

"امام اماماں و مقتدائی سُنیاں، شرف فقہاء و عز علماء ابوحنیفہ بن نعمان بن ثابت الخزاز رضی اللہ عنہ" [۱]

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کمالات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے' اپنا ایک ایمان افروز خواب بیان کیا ہے اور اس سے ایک نہایت لطیف نکتہ اخذ کیا ہے' فرماتے ہیں:

"میں ملک شام میں تھا کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روضۂ اطہر کے سرہانے سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے ہیں اور ایک بڑے شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں جس طرح کہ شفقت سے بچے کو گود میں لیتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرکار کے پائے اقدس کو بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں جنہیں حضور نے اٹھایا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ قوت معجزہ میرے اس باطنی خیال سے آگاہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا: یہ شخص تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام یعنی ابوحنیفہ ہے۔ مجھے اس خواب سے اپنے آپ اور اپنے وطن والوں سے بڑی اُمیدیں قائم ہو گئیں' اور مجھے اس خواب سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ حضرت امام اعظم ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی اور طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور صرف احکام شرع کے لئے باقی و قائم ہیں۔ اس لئے کہ ان کے حامل اور رہبر خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انہیں خود چلتے دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ وہ باقی الصفت ہیں اور جو باقی الصفت ہوتا ہے وہ احتمالی امور میں مخطی ہوتا ہے۔ یا مصیب چونکہ انہیں اٹھا کر لے جانے والے حضور پُرنور ہیں اس لئے وہ اپنی ذاتی صفات سے فانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے باقی ہیں۔ جب پیغمبر سے کسی خطا کا صدور ممکن نہیں تو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے اس سے بھی خطا کا صدور ممکن نہیں۔ یہ ایک لطیف رمز ہے۔" [۲]

نکاح

عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

"قیدِ ازدواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی' البتہ ایک مقام پر آپ جیسی

---

[۱] کشف المحجوب طبع سمرقند۔ ص ۱۱۷ [۲] کشف المحجوب۔ طبع سمرقند۔ ص: ۱۲۱

یوں بیان کر دیا کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقات محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے، پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان ہے اتنا مجمل کہ تفصیلات کا کچھ پتا نہیں چلتا، لکھا ہے [۱]

"منکہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم بتقدیر وی بفتنہ اندر افتادم وظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ با من کردند بی آنکہ رویت بودہ و یک سال مستغرق بودم، چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود، تا حق تعالیٰ مرا بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارۂ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمد للہ علی جزیل نعمائہ" [۲]

پروفیسر نکلسن نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

"ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا" [۳]

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

"شادی کے متعلق ان کو جو معاملہ پیش آیا وہ خوش آیند ثابت نہ ہوا" [۴]

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

"میسور (۲۰۹) یہ خیال کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ حضرت بغیر شادی کے رہے"

سید صباح الدین عبدالرحمٰن رقمطراز ہیں:

"تعلقات زناشوئی سے پاک رہے" [۵]

مگر اسی مجمل عبارت سے جناب محمد دین فوق مرحوم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت نے ایک شادیاں کیں، لکھتے ہیں:

"حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی، کہاں ہوئی، جہاں انھوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ "گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا، مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا۔ اور میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے

---

[۱] تعریف اسلام، طبع سوم، ص: ۲۷ [۲] کشف المحجوب طبع سمرقند، ص: ۴۷۰

[۳] دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ نکلسن)، ص: ۱۰

[۴] مقدمہ کشف المحجوب، نسخہ مولوی محمد شفیع ۱۹۶۹ء، ص: ۳ [۵] بزم صوفیہ، ص: ۷

ہی گرفتار ہو گیا — یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے۔ اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہو گی"

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں :

"چنانچہ (داتا صاحب) لکھتے ہیں "ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور بخشش اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی" یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد آپ کی دوسری عورت کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر آپ نے تادمِ وصال نکاح کا نام نہیں لیا....." [1]

فوق صاحب نے اس عبارت کا ٹھیک ترجمہ نقل نہیں کیا اور اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی درست نہیں۔ لہٰذا زیرِ بحث اقتباس کا ترجمہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔

داتا صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں :

"اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا ہوا تھا — مگر بہ تقدیرِ الٰہی پھر میں اس فتنہ میں گرفتار ہو گیا اور میرا ظاہر و باطن اس (کسی عورت) کی صفات کا جو مجھ سے دوسروں نے بیان کی تھیں، اسیر ہو گیا، اور اسے دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا — چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ لطف اور فضلِ تمام سے عصمت (گناہ سے بچنے کی قوت) کو میرے بے چارہ دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے (اس فتنہ) سے نجات دلائی" [2]

اس عبارت پر غور کیا جائے تو حسبِ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں :

(۱) حضرت نے نکاح کیا تھا، مگر اہلیہ جو ان کی مزاج شناس نہ تھیں، وفات پا گئیں۔ پھر گیارہ سال

---

[1] داتا گنج بخش مطبوعہ ۱۹۱۲ء ص : ۱۳-۱۴ [2] کشف المحجوب طبع سمرقند ص : ۳۶۶

تک تزویج کے تصور و خیال سے بھی نا آشنا رہے۔

(ب) گیارہ سال بعد ایک عورت جسے اُنھوں نے دیکھا بھی نہیں تھا، محض دوسروں سے اس کی خوبیاں معلوم ہونے پر اس کی محبت میں اسیر ہو گئے اور ایک سال تک اس عشق مجازی میں مبتلا رہے۔

(ج) صوفیہ کے نزدیک عشق مجازی میں گرفتار رہنا ابتلا میں مبتلا رہنا ہے۔ یہ حضرات مجاز میں گرفتاری کو مصیبت و آفت سمجھتے ہیں، اس لئے کہ یہ منزل نہیں ہے اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ تو قدرت الٰہی نے انھیں مجاز سے نکال کر حقیقت کی راہ پر ڈال دیا اور جو لوگ صورت ظاہری اور مظاہر محسوسہ کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں، وہ برباد ہو جاتے ہیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں:

ہر کہ شد در عشق صورت مبتلا   ہم ازاں صورت فتد در صد بلا

حاصل کلام یہ کہ حضرت نے ایک شادی کی تھی، اہلیہ کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ایسی عورت کی خوبیوں پر فریفتہ ہو گئے، جسے اُنھوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال محو فرما دیا۔ لہٰذا دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔

تصانیف

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی نو دیگر تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔ بعض کے سرقہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے۔ بہر حال ان نو تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱- دیوان۔ اس دیوان کو کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا (کشف، ص:۲)۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مجموعۂ اشعار عربی میں تھا یا فارسی میں، اور اپنا تخلص بھی ظاہر نہیں فرمایا۔ اس کے باوجود کشف الاسرار کے واضع نے ان کا اصلی تخلص گھڑ کر ایک غیر معیاری غزل اور چند اشعار بھی شامل کر دیئے ہیں۔

۲- کتاب فنا و بقا۔ مسئلہ فنا و بقا میں (کشف، ص: ۹۷)

۳- اسرار الخرق والمؤنات۔ ظاہری اور باطنی مرقعہ کے آداب میں (کشف، ص: ۹۳) اس کتاب کا نام فارسی کے تمام ایڈیشنوں میں یہی لکھا ہے مگر ژوکوفسکی ایڈیشن میں اسرار الخرق والملونات درج ہے۔

۴۔ الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ: مسائل توحید پر (کشف، ص: ۳۹۰) اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہ متوفی ۲۴۰ھ کی بھی ہے جو کشف المحجوب کے مآخذوں میں شامل ہے اور اسی نام کی ایک کتاب ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م ۲۴۳ھ) کی تصنیف بھی ہے جو لندن سے چھپ چکی ہے۔

۵۔ کتاب البیان لاہل العیان ۔ در معنی جمع و تفرقہ (کشف، ص: ۳۳۳)

۶۔ نحو القلوب ۔ مسئلہ جمع پر مفصل کتاب ہے (کشف، ص: ۳۳۳)

۷۔ منہاج الدین ۔ طریقت تصوف اور مناقب اصحاب صفہ میں ہے اور حسین بن منصور حلاج کا حال بھی بیان کیا ہے (کشف ص: ۲، ۹۹، ۱۹۲) دیوان کی طرح اسے بھی کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا۔

۸۔ ایمان ۔ ایمان اور اثبات اعتقاد مشائخ میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام نہیں بتایا (کشف، ص: ۳۶۸)

۹۔ شرح کلام منصور ۔ حسین بن منصور حلاج کے کلام کی شرح (کشف، ص: ۱۹۲)

ژوکوفسکی کا سہو ۔۔۔ فاضل موصوف نے حضرت شیخ کی تصانیف میں ایک نام فرق فرق دیا ہے[1] حالانکہ یہ ان کی کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کشف المحجوب کے ایک باب کا نام ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داتا صاحب نے بغداد شریف کے نواح میں ملاحدہ کا ایک ایسا گروہ دیکھا جو حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کا مدعی تھا اور ان کے کلام سے اپنی زندیقیت کو سہارا دیتا تھا اور حلاج کے معاملہ میں مبالغہ کرتا تھا، جس طرح کہ روافض حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت میں غلو کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"اندر رد کلمات ایشان بابی بیاورم اندر فرق فرق انشاء اللہ عز و جل"[2]

"بابی بیاورم" سے ژوکوفسکی کا ذہن ایک مستقل تصنیف کی طرف منتقل ہو گیا حالانکہ اس کی مصحح و محشی کشف المحجوب کا تیرھواں اور مطبوعہ سمرقند کا یہ چودھواں باب ہے۔

"باب فی فرق فرقهم ومذاهبهم وآیاتهم ومقاماتهم وحکایاتهم"[3]

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب از ژوکوفسکی طبع تہران، ص: ۵۰ [2] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۱۹۲
[3] کشف المحجوب طبع تہران، ص ۲۱۸

کشف الاسرار: آٹھ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت داتا صاحب کی طرف منسوب ہے جو غالباً پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا[1]۔ پھر اس کے متعدد اردو ترجمے شائع ہوئے۔ طرفہ یہ کہ اکثر محققین نے اسے حضرت داتا صاحب کی تصنیف سمجھ لیا اور اس سے استناد کرتے رہے، حالانکہ یہ رسالہ بزبانِ حال اپنے وضعی ہونے کی خود شہادت دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل مقالہ پھر کبھی لکھا جائے گا۔ سرِدست اس کی صرف نقاب کشائی کرنا مقصود ہے۔

(الف) کشف الاسرار کے جعلی ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ یہ سبک ہندی میں ہے اور کشف المحجوب کی نثر دورِ اول یعنی دورِ سامانیاں کی ہے اور ان دونوں کی زبان میں فرق کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

(ب) اس کا مؤلف اپنے پراگندہ خیالات کو ایک مشہور و معروف بزرگ کے نام سے مشتہر دیکھنے کا خواہاں تھا، یا اپنے کسی بڑے (جیسا کہ حسام الدین کا نام لیا ہے) کو داتا صاحب سے پہلے کا بزرگ ثابت کر کے اپنی دکان چمکانا چاہتا تھا[2] علمی اعتبار سے بھی بے مایہ ہے۔

(ج) یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پنج ہزاری اور ہفت ہزاری خطابات مغلیہ دور میں ایجاد ہوئے یعنی حضرت داتا صاحب کے کئی سو سال بعد ـــ مگر کشف الاسرار کا واضع لکھتا ہے:

"بعنم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد مُشتِ گرد ہستی"[3]

ہفت ہزاری کی بات تو کچھ ایسی ہے کہ آج کوئی صاحب اپنے ابا جان کا تذکرہ لکھنے بیٹھیں تو یہ بیان فرمائیں کہ وائسرائے ہند نے انھیں اعلیٰ خدمات کے صلے میں ستارۂ خدمت کا خطاب عطا کیا تھا۔

---

[1] اس رسالہ پر سنِ اشاعت تحریر نہیں، مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا بیان ہے کہ چھ ورق کا ایک رسالہ فقر نامہ مشہور بہ کشف الاسرار کے نام سے کشف المحجوب ہی پر مبنی کر کے شاید ۱۸۷۰ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا۔ (مقالات دینی و علمی حصہ اول ص: ۱۲۸)

[2] حضرت داتا صاحب کے مزار کی مرجعیت کے پیش نظر کئی اور مزاروں کے مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا کہ یہ داتا صاحب سے پہلے کے بزرگ ہیں اور داتا صاحب یہاں حاضری دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ سید احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیوں کے مزارات (قبور بی بیانِ پاکدامن) کے مجاوروں نے دورِ آخر کے مؤلفوں سے یہ لکھوا دیا کہ یہ سید زادیاں کربلا کے حادثۂ فاجعہ کے بعد لاہور آ گئی تھیں۔ اسی طرح حضرت پیر کی کے مجاوروں سے فلام پیر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ داتا صاحب کا فرمان ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے ان کے مزار پر حاضری دیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو حضرت پیر کی کو حضرت داتا صاحب کا اُستاد کہنے سے بھی نہیں چوکتے وغیرہ وغیرہ۔ [3] کشف الاسرار طبع لاہور ص ۴

(۵) لکھا ہے..... پسری تولد شد امام بخش نام نہادند[۱]....
ظاہر ہے کہ داتا صاحب کے زمانہ میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

(۶) آخر رسالہ میں تحریر ہے:
"از گفتۂ من رنجی نہ کُنی وغصہ نہ کُنی کہ من راست گفتہ ام ع
بر رسولاں بلاغ باشد و بس" [۲]

سعدی کا مصرعہ داتا صاحب کا نقل کرنا کرامت ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

(۷) لکھا ہے:
"اے علی! ترا خلق می گوید گنج بخش وانہ پیش خود نہ داری
در دل خود جا مدہ کہ پنداراست گنج بخش ورنج بخش حق است" [۳]

کشف الاسرار پر اعتماد کرنے والے مؤلفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت شیخ علی ہجویری اپنی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب ہو گئے تھے مگر یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت شیخ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے۔ مفتی غلام سرور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ نے انھیں گنج بخش کہا، قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگانِ چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(۸) اس وضاع (مؤلفِ کشف الاسرار) کی دین سے خبرداری ملاحظہ ہو:
"در تفسیر آمدہ است واز حسام الدین لاہوری شنیدم اگر
مردی بر گورِ مادر و پدر سجود کند کافر می شود" [۴]

اب کشف الاسرار اور کشف المحجوب کے بیانات میں تضاد ملاحظہ ہو:

کشف الاسرار	کشف المحجوب
از قبلۂ خود شنیدہ بودم	علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی
زاد من ہجویر است [۵]	ثم الہجویری

---

[۱] کشف الاسرار طبع لاہور، ص: ۷ [۲] کشف الاسرار، ص ۸ [۳] کشف الاسرار، صفحہ: ۵
[۴] کشف الاسرار ص: ۳ [۵] کشف الاسرار ص: ۴

یعنی ہجویریاں کا دوسرا مسکن تھا۔

"... معشوق بگزیں و جان خود را
فدای او کن و بگو کہ اگر جان در سر او
فدا شود، رواست" [1]

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس
آنکہ مرا حق تعالی یازدہ سال از آفت تزویج
نگاہ داشتہ بود ہم بہ تقدیر وی بفتنہ اندر
افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ
با من کردند بی آن کہ رویت بودہ و یک
سال مستغرق بودم چنانکہ نزدیک بود
کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالی بکمال
لطف و تمام فضل خود عصمت باستقبال دل بیچارۂ
من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت
والحمد للہ علی جزیل نعمائہ" [2]

حضرت داتا صاحب عشق مجازی سے نجات پر خدا کا شکر بجا لا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں دین کے تباہ ہونے کا خطرہ تھا مگر صاحب کشف الاسرار معشوق پر فدا ہونے کی تلقین کر رہا ہے۔ اگر اس سے عشق حقیقی مراد ہو تو بھی یہ داتا صاحب کا انداز بیان نہیں ہے۔

چوں در ہندوستان آدم نواحی لاہور
را جنت مثال یافتم [3]

من اندر دیار ہند در بلدہ لہانور کہ از
مضافات ملتان است درمیان ناجنساں
گرفتار شدہ بودم [4]

کشف المحجوب کی عبارت تو یہ واضح کر رہی ہے کہ حضرت داتا صاحب لاہور میں اپنے آپ کو ناجنسوں میں قید مجبور رہے ہیں اور کشف الاسرار ان کے لئے اس ماحول کو جنت مثال قرار دے رہی ہے اور داتا صاحب کے زمانے میں لاہور کو لہانور یا لہاور وغیرہ لکھا جاتا تھا۔ لاہور اس وقت نہیں لکھا جاتا تھا۔

---

[1] کشف الاسرار، ص: ۲
[2] کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص: ۴۲۷
[3] کشف الاسرار، ص: ۳
[4] کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص: ۱۵۱

"بیت و اشعار بسیار گفته ام دیوانی گفتم
بسیار طبعها و پسندیده و از تطرِ خود گزیناں
برآمده: اے طالب من! ہر روز برائے
دیدنِ دیدار یار می روم، لیکن گاہی گاہی
جنگِ من آں ماہ خنداں می آید و دیوان
را بدیں حالت گفتہ بودم وقتی کہ روی
یار دیدہ می غزل اندہا نم بے فکر بر آمدی
دماں فکری نہ کردہ ام۔[۱]

"...... مرا ایں حادثہ افتاد دوبار، یکی
آنکہ دیوان شعرم کسی بخواست و باز
گرفت و اصل نسخہ جز آں نہ بود، آں
جملہ بگردانید و نام من از سرِ آں
بیفگند و رنج من ضائع گردانید
تاب اللہ علیہ:[۲]

کشف الاسرار کے ان اقتباسات سے واضح ہے کہ یہ اندازِ بیان اور طرزِ زندگی صاحبِ ہجویر
داتا صاحب کا نہیں ہے۔ اور انھوں نے اپنے دیوان کے سرقہ کا ذکر بڑے دکھ کے ساتھ کیا
ہے نیز پوری کشف المحجوب میں اپنا کوئی شعر درج نہیں کیا۔ مگر اس وضاع نے ایک غیر معیاری
غزل اور دو شعر بھی ان کے سر منڈھ دیئے ہیں۔

قارئین کرام کی تفریحِ طبع کے لئے ایک اور اقتباس نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں:

"پیری بود شیخ بزرگ نام او شان مرا گفتند کہ اے علی کتابی درین عصر
تصنیف بکن کہ یادگاری تو باند گفتم یَا اَیُّھَا الشَّیْخ اِنْ لَا یَعْلَمُ مَنْ عَلِمَ
بسیار حیپید سِن من الحال اِثنا عشر کہ ہستند، درمیان ہمیں عمر در بلدۂ ہجویر
تصنیف کردہ ام، او را دادم او مرا گفت کہ تو بزرگ خواہی شد...."[۳]

اس زبان کی خوبیاں اور لطافتیں تو عیاں ہی ہیں مگر کشف المحجوب میں اس واقعہ کا
کوئی ذکر نہیں ملتا ―― تفریحِ طبع کا سامان اس میں یہ ہے کہ اس کا مؤلف چونکہ لاہور کا
باشندہ ہے اور یہاں بے حد اصرار کرنے والے کو کہتے ہیں "چمڑ ای گیا ہے" یعنی چیٹ
ہی گیا ہے۔ لہٰذا اس نے شیخ بزرگ کے بہت زیادہ اصرار کو "بسیار چیپید" سے

---

۱ کشف الاسرار، ص: ۷
۲ کشف الاسرار، ص: ۴
۳ کشف المحجوب، ص ۲۰

کے ذریعے واضح کیا ہے۔

کشف المحجوب

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف کشف المحجوب جو انھوں نے آغوشِ رحمتِ خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے، مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے اور اولیاء متقدمین کے حالاتِ بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے۔ نیز فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے[1] اور اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ کشف المحجوب کاملین کے لئے رہنما ہے تو عوام کے لئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ عوام میں سے اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولت عرفان و ایقان حاصل ہوتی ہے۔ اور شک و شبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بار بار کے مطالعہ سے حجابات اٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اس نادرو بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ اکابر اولیاء اللہ نے خود اس سے استفادہ کیا اور طالبانِ حق کو اس سے مستفید ہونے کی تلقین فرمائی۔ اس لئے کہ اس میں ناقصوں اور کاملوں کے لئے سامانِ ہدایت موجود ہے اور اس کے برعکس بعض کتب تصوف فصوص الحکم وغیرہ میں صرف خواص بلکہ اخص الخواص کے لئے رہنمائی ہے اور ناقصین کے لئے حیرانی و سرگردانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

[1] اگرچہ "کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف" (عربی) تالیف امام ابوبکر بخاری کلابادی قدس سرہٗ (م ۳۸۰ھ یا ۳۸۵ھ) کی نفیس فارسی شرح بنام "شرح تعرف" تالیف امام ابراہیم بن اسمٰعیل مستملی بخاری قدس سرہٗ (م ۴۳۴ھ) جو ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں پہلی بار لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ کشف المحجوب سے پہلے لکھی گئی تھی۔ مگر یہ مستقل تصنیف نہیں بلکہ عربی متن (تعرف) کی فارسی شرح ہے۔

وجہ تسمیہ و کیفیت کشف المحجوب

کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے جو انھوں نے جناب ابو سعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر لکھی اور ان کے سوالات کی اساس پر یہ زرانی صحیفہ تیار ہوا۔ اس مبارک کتاب کی وجہ تسمیہ اور غایت تصنیف حضرت شیخ کے قلم اعجاز رقم نے یہ لکھی ہے :

"یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس کتاب کو کشف المحجوب (پنہاں کو عیاں کرنے والی) کے نام سے موسوم کیا ہے اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے موضوع اور مطالب کو عیاں کر دے اور اہلِ بصیرت اس کا نام سنتے ہی جان لیں کہ اس میں کیا ہے اور یہ واضح رہے کہ اولیاء اللہ اور عزیزانِ بارگاہ خداوندی کے سوا تمام عالم (دعالمیاں) رموز و اسرارِ خداوندی کے حقائق کو سمجھنے سے محجوب و مستور ہیں، چونکہ یہ کتاب سیدھی راہ بتانے اور عارفانہ کلمات کی تشریح و توضیح اور بشریت کے حجاب رفع کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ لہٰذا اسے کسی اور نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حجاب کا اٹھنا محجوب (پوشیدہ) کی موت ہوتا ہے۔ اسی طرح حجاب کا آنا مکاشف (ظاہر شدہ) کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے ..." [1]

حضرت نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں تحریر فرمائی اور اس کا تین چوتھائی حصہ یقیناً لاہور میں لکھا۔ وہ ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں :

"اس وقت اس سے زیادہ ممکن نہیں، اس لئے کہ میری کتابیں غزنی (حرسہا اللہ) میں رہ گئی ہیں اور میں ہند کے شہر لاہور میں جو مضافاتِ ملتان میں سے ہے، ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں" [2]

حضرت نے اپنی کتابوں کے غزنی رہ جانے کا جو ذکر کیا ہے، اس سے یہ نہیں سمجھا جانا چاہئے کہ ان کے پاس کتابیں بالکل نہیں تھیں بلکہ وہ شاکی اس لئے ہیں کہ ایک متبحر عالم اور فاضل مصنف کو جس بہتات

---

[1] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۴ [2] کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص: 115

سے کتابوں کی ندرت ہوتی ہے، وہ یہاں پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

"امام قشیری کی طرح شیخ ہجویری نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب[1] لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، شیخ کے خیالات میں بڑی صفائی اور انداز بیان میں بڑی گیرائی ہے، تصوف کی کتابیں اب تک عربی میں تھیں، اس لئے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی، حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے۔"[2]

پھر لکھتے ہیں:

"شیخ ہجویری کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں"[3]

شیخ ابو سعید ابوالخیر نے اپنی رباعیات، شیخ عبداللہ ہروی نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویری نے اپنی کشف المحجوب کے ذریعہ تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچایا ہے۔[4]

کشف المحجوب

صوفیۂ کرام اور مورخین کی نظر میں

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہٗ (م ۷۲۵ھ) کی نہایت اہم بات ان کے ملفوظات دُررِ نظامی (خطی)[5] مرتبہ شیخ علی محمود جاندار میں درج ہے:

---

[1] نظامی صاحب نے یہ جملہ کس بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ وگرنہ وہ جانتے ہیں کہ تصوف اور شریعت جدا جدا نہیں ہیں۔

[2] تاریخ مشائخ چشت طبع دہلی، بار اول ۱۹۵۳ء ص ۹۸

[3] ایضاً، ص ۹۹

[4] ایضاً، ص ۱۰۲

[5] دُررِ نظامی کا اردو ترجمہ دہلی سے چھپ چکا ہے مگر اس وقت پیش نظر نہیں۔

"وہ می فرمودند کشف المحجوب از تصنیف علی ہجویری است قدس اللہ سرہ العزیز
اگر کسے را پیرے نباشد، چوں ایں را مطالعہ کند او را پیدا شود ......
من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام"[1]

چنانچہ حلقہ بگوشان حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، جن کتب تصوف کے مطالعہ کے شائق تھے ان میں کشف المحجوب شامل تھی۔ برنی لکھتا ہے:

"و اشراف و اکابر کہ بخدمت شیخ پیوستہ بودند در مطالعہ کتب سلوک و صحائف احکام طریقت مشاہدہ می شد و کتاب قوت القلوب و احیاء العلوم و ترجمہ احیاء العلوم و عوارف و کشف المحجوب و شرح تعرف و رسالہ قشیری و مرصاد العباد و مکتوبات عین القضاۃ و لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری و فوائد الفواد امیر حسن را بواسطہ ملفوظات شیخ خریداران بسیار پیدا آمدند و مردمان بیشتر از کتابیان از کتب سلوک و حقائق باز پرس کردند"[2]

سلطان التارکین حمید الدین حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۸۳۰ھ) خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد ارشد (حضرت رکن الدین) کی شان میں متعدد مدحیہ نظمیں لکھی ہیں۔ ایک نظم میں اپنے مرشد کے کمالات کو تیس معتبر کتب کے اسماء سے بیان کیا ہے۔ کشاف اور کشف المحجوب کی بندش ملاحظہ ہو۔

گشت کشاف کشف ہم محجوب ـــــ فہم تو اسے فہیم ذوالاقدار[3]

شہزادہ محمد دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ھ) نے لکھا ہے:

"حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بران سخن نیست و مرشدی است کامل

---

[1] بحوالہ تصوف اسلام از عبد الماجد دریا بادی طبع اعظم گڑھ، بار سوم، ص: ۵۲

[2] تاریخ فیروز شاہی برنی سرسید ایڈیشن کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص: ۳۴۶

[3] گلزار (دیوان حاکم)، مرتبہ تاثی طبع لاہور ۱۹۳۶ء، ص: ۱۴۰

درکتب تصوف بخوبی آن در زبانِ فارسی کتابی تصنیف نہ شدہ" [1]
شیخ محمد اکرم براسوی صابری علیہ الرحمۃ (م ۱۱۷۹ھ/۱۷۵۹ء) اپنی مشہور تصنیف اقتباس الانوار
جو ۱۱۳۲ھ میں لکھی گئی، میں رقم طراز ہیں:

"صوفیہ کے طبقۂ اول میں علوم و اسرار مشائخ، طالبوں کو رموز و اشارات میں تعلیم کئے جاتے تھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور چند تصانیف بھی ان کی تھیں، جنہیں عوام پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر طبقۂ ثانی میں جب سید الطائفہ جنید بغدادی، خواجہ ابوالحسن نوری، خواجہ ابو سعید خراز اور خواجہ ابو بکر شبلی کا دور دورہ ہوا تو انھوں نے رموز و اشارات یعنی اخفا کے طریقہ کو ترک کر کے طالبوں کو ان علوم کا علانیہ درس دینا شروع کر دیا، اس وقت سے ہر سلسلہ کے مشائخ نے تصوف پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی لہٰذا اس موقع پر صرف ان چند معتبر کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا مطالعہ جمیع مشائخ کا معمول ہے۔ پہلی کتاب جو خانوادۂ جنیدیہ میں لکھی گئی طبقاتِ صوفیہ تصنیف ابو عبدالرحمٰن سلمی ہے، اور اس کے بعد شیخ علی بن عثمان ہجویری غزنوی جنیدی نے کشف المحجوب لکھی ....." [2] (ترجمہ بتغیر یسیر)

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

"شیخ علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب از مشہور و معروف ترین کتب وی است و ہیچ کس را بروی جائے سخن نی بلکہ پیش ازیں درکتب تصوف ہیچ کتابی بہ زبان فارسی تصنیف نہ شدہ بود" [3]

محمد بن عبدالوہاب قزوینی (ایران) مقدمہ تذکرۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں:

---

[1] سفینۃ الاولیاء طبع کانپور، ص ۱۶۴
[2] اقتباس الانوار (فارسی) مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ۱۸۹۵ء، ص ۲۹
[3] خزینۃ الاصفیاء طبع لکھنؤ، جلد دوم، ص ۲۳۲

"ولی درزبانِ فارسی آنچہ درنظر است دو کتاب است کہ قبل از تذکرۃ الاولیا تالیف شدہ، یکی کشف المحجوب لارباب القلوب[1] لابی الحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری الغزنوی المتوفی سنۃ ۴۶۵ .... و دیگر ترجمہ طبقات الصوفیہ .... للسلمی کہ آں را شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد الانصاری الخزرجی المتوفی ۴۸۱ درمجالس وعظ وتذکیر املا نمودہ"[2]

کشف المحجوب

بحیثیت ماخذ کتبِ تصوف

کشف المحجوب کو صوفیۂ کرام کے مشہور و مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر کتابوں کا مآخذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے —— حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ) نے اپنی معروف ترین کتاب تذکرۃ الاولیاء میں کشف المحجوب سے صوفیۂ متقدمین کے حالات اور ان کے اقوال معمولی سی تبدیلیِ الفاظ کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ ملک الشعرا بہار نے لکھا ہے:

"عطار ظاہراً از کتاب کشف المحجوب استفادہ کردہ است وغالباً عبارات آں بدونِ ذکرِ خود کتاب یا مؤلف با اندک تصرفی کہ تبدیل کہنہ بہ نو باشد نقل نمودہ است"[3]

ملک الشعرا بہار نے سبک شناسی (ص: ۲۰۹-۲۰۶) میں اس کی واضح مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

---

[1] کشف المحجوب کے نام کے ساتھ "لارباب القلوب" کا اضافہ غلط ہے اس غلطی کا سبب آئندہ بیان ہوگا۔

[2] مقدمہ تذکرۃ الاولیا، طبع تہران بارسوم، ص ۸۔

[3] سبک شناسی یا تاریخ تطور نثر فارسی از شادروان محمد تقی بہار "ملک الشعرا" جلد دوم طبع تہران بار دوم، ص ۲۰۶۔

روسی مستشرق ژدکوفسکی کی تحقیق یہ ہے:

"شیخ عطار در تذکرۃ الاولیا، خود مکرر از کشف المحجوب ہجویری جلابی غزنوی استفادہ کردہ و در موارد متعدد بدون ذکر ماخذ، از او اقتباساتی کردہ است و در اغلب این موارد فقط بذکر عبارت (نقلست) اکتفا ورزیدہ" [۱]

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الاولیاء میں صرف دو مقام پر حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کا اسم گرامی تحریر کرکے ان کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اول سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ (م ۱۵۰ھ) کے حالات میں [۲] دوم: حضرت ابن عطا رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۳۰۹ھ) کے ذکر میں [۳]

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا استفادہ:

نفحات الانس میں مولانا جامی نے کشف المحجوب سے چند بزرگوں کے حالات لئے ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ ختلی قدس سرہٗ کے حالات کشف المحجوب ہی سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح دیگر مقامات پر بھی اخذ و استفادہ کیا ہے۔ —— اس موقع پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ زمانۂ قدیم میں اخذ و استفادہ کا یہی طریقہ تھا لہٰذا اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ (۷۸۲ھ) اپنے مکاتیب شریف میں کشف المحجوب کی عبارات بطور سند نقل کرتے ہوئے، حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

"صاحب کشف المحجوب کہ مقتدائی عصر خود بودہ است" [۴]

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ (م بعد از ۸۲۵ھ) کے مجموعۂ ملفوظات

[۱] ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب مصحح ژدکوفسکی طبع تہران، ص: ۱۰

[۲] تذکرۃ الاولیاء، طبع لاہور، ص: ۱۲۴، طبع تہران حصہ اول، ص: ۱۹۰

[۳] ایضاً، ص: ۳۵۰، طبع تہران حصہ دوم، ص: ۵۸

[۴] سہ صدی مکتوبات از شیخ یحییٰ منیری، طبع لاہور ۱۳۱۹ھ حصہ اول، ص: ۲۹۰

لطائفِ اشرفی مرتبہ حضرت نظام غریب یمنی میں متعدد مقامات پر کشف المحجوب کے حوالے ملتے ہیں: مثلاً

۱۔ "می فرمودند کہ صاحب کشف المحجوب را ..... " [1]

۲۔ "صاحب کشف المحجوب گوید ..... " [2]

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۲۲ھ) کا استفادہ:

حضرت خواجہ پارسا نے اپنی مایۂ ناز تصنیف فصل الخطاب کی متعدد فصول اور مختلف مقامات پر کشف المحجوب کی عبارتیں نقل کی ہیں اور نہایت تعظیم و تکریم سے حضرت داتا گنج بخش کا ذکر کیا ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"شیخ عالم، عارف، زاہد، مجاہد شیخ الشیوخ قدوۃ اہل الطریقہ کاشفِ اسرار الحقیقت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الغزنوی رحمہ اللہ کہ از اقرانِ سلطانِ طریقہ در برہانِ حقیقت شیخ ابوسعید بن ابوالخیر فضل اللہ بن محمد بن احمد المیہنی است قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ و اقتدائی ہر دو بزرگوار طریقت بزین او تاد و شیخ عباد ابوالفضل محمد بن الحسن السرخسی است قدس اللہ روحہٗ در کتاب کشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است ..... " [3]

التباس حضرت پارسا رحمہ اللہ

حضرت خواجہ پارسا رحمہ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری اور حضرت ابوسعید بن ابی الخیر (رحمہما اللہ) حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن سرخسی رحمہ اللہ کے مرید تھے، صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کے پیران طریقت کا ایک ہی نام تھا مگر کن

---

[1] لطائفِ اشرفی طبع دہلی ۱۲۹۸ھ، جلد اول، ص۔ ۱۶۲، س۔ ۱۵

[2] ایضاً جلد دوم، ص ۵۸، س ۱۹

[3] فصل الخطاب خطی، ص ۲ (مملوکہ حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ العالی۔ لاہور) یہ کتاب تاشقند سے طبع ہو چکی ہے لیکن یہاں کمیاب ہے۔

علیحدہ علیحدہ — محض ہم نامی کی وجہ سے انھیں یہ اشتباہ ہو گیا۔ حضرت ابوسعید کے حالات کے سلسلے میں کشف المحجوب میں بتایا گیا ہے کہ ان کے مرشد سرخس میں رہتے تھے۔

"دران وقت والی سرخس شیخ ابوالفضل حسن بود۔"[1]

مولانا جامی قدس سرہٗ نے شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہٗ کے حالات کے شروع میں لکھا ہے:

"شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہٗ نام وی محمد بن الحسن است، وی مرید ابونصر سراج است و پیر شیخ ابوسعید ابوالخیر۔"[2]

پھر شیخ ابوسعید کے حالات میں رقم فرمایا ہے:

"پیر وی در طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی است۔"[3]

ہم نامی کی وجہ سے جو التباس و اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر حضرت داتا صاحب کے مرشد ارشد کے حالات لکھتے وقت شروع ہی میں وضاحت کر دی ہے:

"ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہٗ وی غیر ابوالفضل بن حسن سرخسی است۔"[4]

معلوم ہوتا ہے کہ فصل الخطاب، حضرت خواجہ یعقوب چرخی غزنوی صاحب رسالہ ابدالیہ کے پیش نظر تھی لہٰذا انھوں نے فصل الخطاب کے اس بیان پر اعتماد کرتے ہوئے لکھ دیا کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر اور حضرت علی ہجویری دونوں بھائی (پیر بھائی) تھے۔ اور خواجہ پارسا کے تتبع میں کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کا اضافہ بھی روا رکھا — کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کے اضافے پر بحث آگے آئے گی۔ انشاء اللہ۔

---

[1] کشف المحجوب، طبع تہران، ص ۲۰۶

[2] نفحات الانس، طبع لکھنؤ، ص ۲۹۲

[3] ایضاً، ص ۲۰۰

[4] ایضاً، ص: ۲۹۰

[5] فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۶۶۴ (۲)

حضرت ابو الفتح سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز (م ۸۲۵ھ)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اپنی بے مثل تصانیف میں کشف المحجوب کے حوالے دیئے ہیں۔ ان کے مکتوبات شریف کا مجموعہ پیش نظر ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"آں محقق مدقق آں شیخ برحق آں صوفی معنوی وصوری ابو علی عثمان (علی بن عثمان) ہجویری قدس نقل کردہ است" [۱]

ان مکاتیب شریفہ کا متن اغلاط سے پُر ہے۔ مصحح نے تصحیح کی امکانی کوشش کی ہے مگر پھر بھی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ حضرت داتا صاحب کے اسم گرامی کو جو "ابو علی عثمان" لکھا ہے یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

شیخ محمد اکرم صابری رحمہ اللہ نے اقتباس الانوار کے ماخذوں کی فہرست اس کے صفحہ ۳ پر دی ہے۔ جس میں کشف المحجوب کا نام درج ہے۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے:

"در تالیف وتدوین سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، نامۂ دانشوران [۲] و طرایق الحقائق [۳]، نیز از کشف المحجوب استفادہ ہای بسیار و اقتباسات مکرر و متعددی شدہ است" [۴]

---

[۱] مکتوبات حضرت خواجہ گیسو دراز مرتبہ مولانا رکن الدین ابو فتح ملا، قریشی طبع حیدر آباد دکن ۱۳۶۲ھ ص ۱۰۸

[۲] عصر حاضر کی مشہور تصنیف جو ایران کے متعدد فضلا کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

[۳] طرایق الحقائق تالیف نائب الصدر حاج میرزا معصوم بن رحمت علی شاہ قزوینی نعمت اللہی شیرازی متوفی ۱۳۴۴ ق، ۲ جلد تہران (فہرست کتب ہای چاپی جلد اول ازخان باباشا طبع تہران (کالم ۱۰۹۰)

[۴] ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب طبع تہران، ص ۶۱

مراجع ومنابع کشف المحجوب

کشف المحجوب سے استفادہ واستفاضہ کرنے والے اولیاء کرام اور مؤرخین کے ذکر کے بعد حضرت گنج بخش قدس سرہٗ کی نورانی تصنیف کے مراجع ومنابع کا بیان اشد ضروری ہے۔

(ا) **فیضِ عالمِ قدس** - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام ع ۱۵) یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ـــ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ـــ یعنی جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (روشنی) پر ہوتا ہے ـــ اور جسے حق تعالیٰ شرح صدر کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو اُسے اپنے انوار وتجلیات سے نوازتا ہے اور عالم قدس سے جو انوار اس کے قلب پر وارد ہوتے ہیں ان کی برکات سے کشفِ حقائق ہوتا ہے اور رموزِ حقیقت واسرارِ معرفت منکشف ہوتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کا صحیح فہم وادراک حاصل ہوتا ہے۔ غرض کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف کا منبع اوّل یہی فیضِ عالمِ قدس ہے۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

(ب) **قرآن مجید**

(ج) **احادیث نبوی** (صلی اللہ علیہ وسلم)

پروفیسر ژوکوفسکی نے کشف المحجوب کے دقیق مطالعہ کے بعد اس کے منابع ومآخذ تلاش کئے ہیں اور اپنے مقدمہ کشف المحجوب میں ان کے نام درج کئے ہیں:

۱۔ تاریخ اہل صفہ۔ تالیف حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی متوفی ۴۱۲ھ (کشف[1]، ص ۹۹) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس تالیف کا نام نہیں لکھا مگر تاریخ اہل الصفوۃ کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ زیر بحث کتاب ہی ہو (جلد دوم۔ نمبر شمار ۲۱۶۸)

۲۔ کتاب سلمی۔ (کشف، ص ۱۴۱) جو بعد میں طبقات الصوفیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

---

[1] کشف المحجوب کے صفحات نمبر چاپ تہران سے دیے گئے ہیں اور کشف سے مراد کشف المحجوب ہے۔

۳۔ کتاب قشیری۔ (کشف، ص۔۱۴۱) جو الرسالۃ القشیریہ کے نام سے معروف ہے۔

۴۔ کتاب محبت۔ (کشف، ص۔ ۲۹۹) تالیف عمر بن عثمان مکی متوفی ۲۹۱ھ ۲۹۶ھ۔ شیخ عطار نے بھی تذکرۃ الاولیاء میں اس سے استفادہ کیا ہے (تذکرہ طبع لاہور، ص ۲۴۳)

۵۔ لمع (فی التصوف) تالیف ابو نصر سراج (یافعی نے مرآۃ الجنان میں لکھا ہے کہ اس کا سال اتمام تصنیف ۳۷۸ھ ہے)

۶۔ تاریخ المشائخ۔ تالیف محمد بن علی حکیم ترمذی (کشف، ص۔ ۵۰)

۷۔ کتاب مقدسی۔ (کشف، ص۔ ۳۴۴) ممکن ہے کہ یہ وہی رسائل اخوان الصفا ہوں جن کے مؤلفین میں سے ایک ابو سلیمان البستی المقدسی ہے۔

۸۔ حکایات عراقیاں۔ (کشف، ص۔۵۶) از تصانیف شیوخ صوفیہ عراق۔

۹۔ حکایات۔ حضرت علی ہجویری قدس سرہٗ نے کشف المحجوب میں بار بار فرمایا ہے: اندر حکایات یافتم۔ بنا بریں یہ واضح ہے کہ یہ کتاب کشف المحجوب کے ماخذوں میں سے ہے۔

منابع درجہ دوم

مشہور اور اہم کتابیں جو کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت دوسرے درجہ پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر رہیں، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ تصانیف حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب کے بیان کے مطابق ان کی تعداد پچاس اور اطراف و اکناف خوزستان، فارس اور خراسان میں منتشر ہو چکی ہیں (کشف، ص۔ ۱۹۱)

۲۔ تالیف ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی ..... (کشف، ص۔ ۲۱۴، ۳۳۴)

۳۔ رسائل ابو العباس سیاری ـــ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پیروؤں کو مرو اور نسا میں دیکھا، لہٰذا یہ رسائل بھی ان ہی شہروں میں دیکھے ہوں گے۔

۴۔ رسائل حکیم ترمذی ـــ یہ رسائل حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کی توجہ کا مرکز رہے (کشف، ص۔ ۱۸۰، و ۴۲۹) اور ان کے نام یہ ہیں: بیان آداب المریدین، ختم الولایت، کتاب النہج، نوادر الاصول (فی معرفت اخبار الرسول)

۵۔ کتاب سماع ۔ از ابو عبدالرحمٰن سلمی (کشف، ص، ۵۲۲)
۶۔ روایات ۔ از ابوالفضل ختلی مرشد ہجویری رحمہا اللہ (کشف، ص۔ ۱۱۰)
۷۔ غلط الواجدین ۔ از تصانیف ابو محمد رویم ۔ (کشف، ص۔ ۱۸۰)

اب ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مستقلاً حضرت ہجویری قدس سرہٗ کا مراجع نہیں رہیں بلکہ کبھی کبھی ان کی طرف رجوع کیا گیا ۔

۱۔ تصحیح الارادہ ۔ از تصانیف حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ (کشف، ص۔ ۴۳۹)
۲۔ الرعایہ بحقوق اللہ ۔ از تالیف احمد بن خضرویہ ۔ (کشف، ص۔ ۴۲۹
۳۔ کتاب اندر اباحت سماع ۔ مؤلف نامعلوم (کشف، ص۔ ۵۲۲)
۴۔ کتاب اندر مرقعہ ۔ از تصانیف ابو معمار اصفہانی (کشف، ص۔ ۹۲
۵۔ کتاب رغایب ۔ از تصانیف ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی، در اصول تصوف (کشف، ص۔ ۱۲۴) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے ۔
۶۔ مرأۃ الحکماء ۔ از تصانیف شاہ شجاع کرمانی (کشف، ص۔ ۱۶۴)

آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ مذکورۃ الصدر کتب و رسائل کے علاوہ اور تصانیف و تالیف بھی صاحب کشف المحجوب کے زیر نظر رہی ہیں جن کے مصنفین و مؤلفین کے صرف اسمارِ گرامی تحریر کرنے پر اکتفا کی گئی ہے مثلاً تصانیف یحییٰ رازی (کشف، ص۔ ۱۵۳) تالیف ابوبکر وراق (کشف، ص۔ ۱۶۹، و ۴۳۱) آثار سہل بن عبداللہ (کشف، ص۔ ۴۲۹) کتب مشائخ (کشف، ص۔ ۲۲۴) اور ابو حمدون قصار و صوفیۂ قصاریان کے اقوال کرر نقل کئے ہیں۔ (کشف، ص۔ ۲۲۸) [۲]

رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب

حضرت امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ (م ۴۶۵ھ) حضرت شیخ علی ہجویری

[۱] کشف سے مراد کشف المحجوب ہے ۔
[۲] بہ تغییر قلیل از مقدمہ کشف المحجوب طبع تہران، ص۔ ۶۰ - ۵۸ -

قدس سرہٗ کے معاصر ہیں اور حضرت مخدوم ہجویری نے ان سے ملاقات بھی کی ہے اور کشف المحجوب میں ان کی جلالتِ شان کے معترف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت داتا صاحب کے استاد بھی ہیں۔ مگر کشف المحجوب سے اس خیال کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی۔ امام قشیری نے الرسالۃ القشیریہ ۴۳۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور اوائل ۴۳۸ھ میں مکمل کر لیا تھا اور رسالۂ قشیریہ کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت حضرت داتا صاحب کے پیشِ نظر تھا ——— یہ دونوں کتابیں جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں اور ہم عصر بزرگوں کی تصانیف ہیں' ان دونوں میں جو نمایاں فرق ہے' اسے سمجھنے کے لئے درجِ ذیل آرا مفید ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر پیر محمد حسن مترجم و محشی رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں:

"ہجویری نے اس کتاب (کشف المحجوب) میں قشیری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے، جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں" [۱]

مخدومی پیر صاحب نے حضرت داتا صاحب کو امام قشیری کا متبع لکھنے کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ شیخ ہجویری نے "بعض ایسے امور سے بحث کی ہے، جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں" مگر کشف المحجوب کے مصحح اور مقدمہ نگار ژوکوفسکی امام قشیری کو حضرت داتا صاحب کے شیوخِ صحبت میں شمار کرنے کے باوجود یہ تسلیم نہیں کرتا کہ ہجویری نے اپنی تصنیف میں قشیری کا تتبع کیا ہے۔ لکھتا ہے:

"الرسالۃ القشیریہ فی علم التصوف للامام العالم ابی القاسم عبدالکریم ہوازن القشیری و کشف المحجوب ہجویری جلابی غزنوی، اولی بتازی و دومی بپارسی ہر دو از کتب طراز اول تصوف، و ہر دو در حدود اواسط قرن پنجم ہجری تالیف شدہ است. باوجود وحدت کامل موضوع، بہر بحث، نہ در کیفیت و کمیت مسائل مورد نظر، و نہ در تعبیر و تفسیر مطالب مطرحہ ہیچ گونہ وجہ اشتراکی بین این دو اثر نفیس و اصیل مشاہدہ نمی شود فقط گاہ گاہی در بعضی اصطلاحات فنی اندک مشابہتی بین آن دو ملاحظہ می

---

[۱] مقدمہ رسالہ قشیریہ مترجم اردو طبع راولپنڈی سنہ ۱۹[illegible]ء، ص: ۳۹

گردد (فی المثل قشیری گوید: المحو والاثبات (ص - ۴۶ - رسالہ) و ہجویری می نویسد: النفی والاثبات (ص - ۴۹۴ کشف) وغیرہ ¹

عبدالماجد دریابادی، جو رسالۂ قشیریہ اور کشف المحجوب میں سے کسی کے بھی دیباچہ نگار نہیں ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے:

"اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ القشیریہ ہے، موضوع اس کا بھی تصوف ہے، دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے، بر خلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں، اور مباحث سلوک پر ردّ و قدح کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعۂ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔" ²

سبک کشف المحجوب

ملک الشعرا بہار نے کشف المحجوب کی نثر کو دورِ اول یعنی دور سامانیاں میں شامل کیا ہے لکھتے ہیں:

"این کتاب از حیث سبک بالاتر و اصیل تر و بدورۂ اول نزدیک تر است، تا سائر کتب صوفیہ، دمی تواں آں را یکی از کتب طراز اول شمرد کہ ہر چند در قرن پنجم تالیف شدہ و بیش از کتب قدیم دست خوش تازی و لغت ہای آں زمان است، اما باز تو نہ سبک قدیم را از دست نداده و رُوی ہم رفتہ دارای سبک کہنہ است۔ افعال و لغات کہنہ و غریب و استعمالات دورۂ اول

---

¹ ترجمہ مقدمہ کشف المحجوب روسی نبازی، طبع تہران، ص - ۵۰

² تصوف اسلام از عبدالماجد دریابادی طبع سوم، ص - ۵۴ - ۵۲

بنا بر این در کتاب دیده می شود و از این گذشته اصطلاحات خاصی نیز از خود دارد که غالب آن ہا بعد از این در کتب تصوف مصطلح گردیده است" لہ

اس کے بعد ملک الشعراء نے ذیل کے عنوانات کے تحت داد تحقیق دی ہے :

لغات فارسی ـــ اصطلاحات و کلمات تازہ عربی ـــ موازنہ و سجع ـــ حذف افعال بقرینہ" لہ

کشف المحجوب کے نام اور زبان کے بارے میں

غلط فہمیوں کا ازالہ

کشف المحجوب کے تمام قدیم خطی نسخوں میں اس کا پورا نام کشف المحجوب ہی لکھا ہے اور قدیم ترین مصنفین نے بھی اس کا یہی نام تحریر کیا ہے ، مگر بعض مصنفین نے اس کا پورا نام کشف المحجوب لارباب القلوب لکھا ہے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصل الخطاب میں یوں لکھا ہے :

" در کشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است" لہ

چونکہ کشف المحجوب حاجی خلیفہ کے پیش نظر نہ تھی، اس لئے انھوں نے کشف الظنون میں اس کا نام اور کیفیت فصل الخطاب سے نقل کی۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے :

" درین مورد می توان گفت کہ مشارٌالیہ (حاجی خلیفہ) اصلاً خود متن کتاب کشف المحجوب را ندیدہ بودہ است ، زیرا معمولاً حاجی خلیفہ ہنگام بحث از کتابہائی کہ شخصاً برای العین دیدہ ، آغاز و انجام نسخہ نیز نقل می کند ولی در مورد کشف المحجوب چنین چیزی نیاوردہ است" لہ

لہ سبک شناسی یا تاریخ تطور فارسی ، ص - ۱۸۷ لہ ایضاً - ص - ۱۹۷ - ۱۸۷ -

لہ فصل الخطاب خطی ص - ۶۰ (مملوکہ حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری - لاہور)

لہ مقدمہ ژوکوفسکی کشف المحجوب طبع تہران ، ص - ۵۲ -

لہٰذا کشف الظنون پر اعتماد کرتے ہوئے متاخرین نے اس کا نام کشف المحجوب لارباب القلوب
لکھنا شروع کردیا۔

پھر لکھا ہے:

"خواجہ محمد پارسا از عرفای طریقۂ نقشبندیہ متوفی ہشت صد و بیست و دو ہجری قمری، کہ در حدود دو قرن قبل از حاجی خلیفہ می زیستہ، در تالیف خود بنام فصل الخطاب لوصل الاحباب اظہار داشتہ کہ کشف المحجوب عنوان اختصاری کتاب ہجویری است و نام کامل آن چنیں می باشد: کشف المحجوب لارباب القلوب"[1]

اور حاشیہ میں لکھا ہے:

"در فہرست آغاز نسخہ بدین عنوان آمدہ: کتاب کشف المحجوب لارباب القلوب باضافہ کلمۂ تبرّک (نسخہ خطی دانش گاہ لینن گراڈ)"[2]

اس اقتباس میں ژوکوفسکی کی دو باتیں محل نظر ہیں: اوّل یہ کہ فصل الخطاب کے نام کے ساتھ لوصل الاحباب کا اضافہ غلط ہے۔ اس کتاب کا جو قلمی نسخہ راقم السطور کے پیش نظر ہے اس سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ دوم: حاجی خلیفہ نے اس کا نام فصل الخطاب فی المحاضرات لکھا ہے[3] پھر آگے چل کر ایک اور کتاب کا تعارف کرایا ہے جس کا نام فصل الخطاب لوصل الاحباب ہے۔ کشف الظنون کی عبارت ملاحظہ ہو:

"فصل الخطاب لوصل الاحباب ــــ منظوم فی اثنی عشرت الف بیت للشیخ بدر الدین محمد بن محمد المعروف بابن رضی الدین الغزی م ۹۸۴"[4]

---

[1] مقدمہ ژوکوفسکی کشف المحجوب طبع تہران، ص ۱۰

[2] ایضاً، حاشیہ ص: ۵۲

[3] کشف الظنون (فلوگل ایڈیشن) نمبر ۹۰۵۸ جلد چہارم ص۔ ۴۲۲

[4] ایضاً، نمبر ۹۰۶۰

معلوم ہوتا ہے کہ ژوکوفسکی کو کشف الظنون دیکھتے وقت غلطی لگی ہے۔ دوسرے جو یہ لکھا ہے۔

" فضل الخطاب میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کشف المحجوب اختصاری نام ہے اور پورا نام کشف الحجب المحجوب لارباب القلوب ہے۔"

عجیب بات ہے ــــــ ۱۱۷ صفحات پر مشتمل فضل الخطاب پیش نظر ہے، اس میں ہمیں تو ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں ملا۔ اس کتاب میں ساٹھ ستر جگہ کشف المحجوب کے اقتباسات صرف کشف المحجوب کے نام سے نقل ہوئے ہیں بلا کسی وضاحت کے اور صرف دو مقام پر اس طرح کے نام نظر آئے ہیں:

۱۔ "کشف المحجوب لارباب القلوب"[۱۰]

۲۔ "کشف حجب المحجوب لارباب القلوب"[۱۱]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ پارسا جوش عقیدت اور کتاب کے موضوع کی مزید وضاحت کی خاطر اپنی طرف سے الفاظ بڑھاتے رہے ہیں۔ جیسا کہ نسخہ مخزونہ دانش گاہ لینن گراڈ کی فہرست میں ایک تیسرا اضافہ یہ ہے: "کشف سر المحجوب لارباب القلوب"

غرض کہ فضل الخطاب کے مطالعہ ہی سے رسالہ ابدالیہ اور کشف الظنون کے مولفین کو اشتباہ ہوا ہے ورنہ حضرت داتا صاحب کی کتاب کا نام صرف اور صرف کشف المحجوب ہی ہے۔

پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ یونیورسٹی) جو بھارت کے مسلمانوں کے اذہان کو کمیونزم کے زہریلے اثرات سے مسموم کرنے پر مامور تھے، اسی لئے انہیں دارا شکوہ کے دور الحاد و زندقہ کی تحریریں بہت پسند تھیں۔ یہ صاحب ۱۹۳۱ء میں کابل گئے تو بقول ان کے حضرت نور المشائخ ملا صاحب شور بازار رحمہ اللہ نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا۔ عربی اصل ضائع ہو گئی، فارسی ترجمہ باقی رہ گیا۔ پروفیسر صاحب نے اس رائے کو قبول کر لیا اور آخر تک اس پر قائم رہے۔[۱۲]

---

[۱۰] فضل الخطاب، قلمی ص-۶

[۱۱] ایضاً ص-۱۴۳

[۱۲] رسالہ میڈیول انڈیا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جلد ۲ ص ۱۲ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص-۹۹

خدا جانے حضرت نورالمشائخ نے کیا فرمایا اور صاحبوں نے کیا سمجھا۔ بہرحال بیانات بالکل غلط ہے اس کتاب کی نثر سبک قدیم میں ہے، جو بعد میں نہیں لکھی جا سکتی تھی۔ نیز قدیم کتابوں میں جو اس کے اقتباسات ملتے ہیں وہ بالکل اس کے مطابق ہیں۔

کشف المحجوب فارسی کے مطبوعہ نسخے

اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کے خطی نسخے بہت جلد اطراف و اکناف عالم میں پھیل گئے تھے جیسا کہ تذکرۃ الاولیاء میں اس کے حوالے ملتے ہیں اور اس کے قلمی نسخے دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں اور بعض لوگوں کے ذاتی کتب خانوں میں بھی اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، مگر بخوف طوالت اس وقت ان کی تعداد اور مندرجات کوائف بیان نہیں کیے جا سکتے۔ صرف مطبوعہ فارسی نسخوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ کشف المحجوب۔ مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور، صفحات ۲۶۲۔ راقم الحروف کے سامنے اس کا جو نسخہ (مملوکہ میاں محمد الدین کلیم) ہے، اس کا پہلا صفحہ بوسیدہ ہونے کے باعث سن طباعت بخشم خود پڑھ نہیں سکا۔ ژوکن نے اپنے مضمون میں اس کا سن طباعت ۱۲۸۶ء دیا ہے۔[1]

۲۔ مطبوعہ مبادل پریس لاہور، سن طباعت ندارد، صفحات ۳۲۸۔ اس نسخہ میں مطبع پنجابی کے نسخہ کے حواشی من و عن درج ہیں۔ گویا یہ اسی کی نقل ہے۔ یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے اس پر سن طباعت درج نہیں، مگر ژوکن نے اس کا سن طباعت ۱۸۹۲ء دیا ہے۔ خدا جانے اس نے یہ کیسے جانا۔ بہرحال یہ نسخہ ہے خاصہ قدیم۔

۳۔ مطبوعہ مطبع نامی گرامی حرمت مند سلیانوف (سمرقند) سن طباعت سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء
یہ نسخہ بہت شوق سے چھاپا گیا ہے اور آخر میں مصنف کے سوانح دارشکوہ کی سفینۃ الاولیاء سے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

۴۔ مطبوعہ مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور، سن طباعت سنہ ۱۳۴۲ھ / سنہ ۱۹۲۳ء صفحات ۴۲۹ یہ

---

[1] ۲۸ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ، جلد ۸ سنہ ۱۹۱۲ء مقالہ کشف المحجوب از ایل۔ ایس ژوکن

نسخہ نمبر ا اور ۲ کی نقل ہے اور اس کے مصحح ہیں مولانا سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔ آخر میں مصنف کے مختصر سوانح بزبان فارسی مرقومہ منشی حبیب اللہ درج ہیں اور یہ نسخہ سنہ مذکورہ میں دو بار طبع ہوا۔

۵۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور، سن طباعت سنہ ۱۹۳۱ء، صفحات ۲۲۸۔

۶۔ نسخہ ژوکوفسکی مطبوعہ لینن گراڈ (روس) سن اشاعت سنہ ۱۳۴۴ھ / سنہ ۱۹۲۶ء صفحات مع فہارس ۷۰۶۔ یہ نسخہ اس کے مرتب پروفیسر والنتین ژوکوفسکی (م سنہ ۱۹۱۸ء) کی تصحیح، مقدمہ بزبان روسی اور ضمیمہ ہشت فہارس کے لحاظ سے سب نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ چونکہ اس کے صرف اڑھائی سو نسخے طبع ہوئے تھے، اس لیئے نایاب کے حکم میں داخل ہے۔ راقم نے بھی اس کی زیارت نہیں کی۔

۷۔ نسخہ ژوکوفسکی طبع تہران۔ ژوکوفسکی کا تصحیح کردہ نسخہ ادارہ انتشارات امیر کبیر تہران نے ۱۳۳۶ شمسی / سنہ ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ ژوکوفسکی کے مقدمہ کو فارسی میں منتقل کر کے شامل کیا گیا ہے۔ فاضل محمد لوی عباسی نے اس کے ابتدا میں دو مقالے "تجلیات تصوف ایرانی" اور "تحقیقات نوین راجع بکشف المحجوب" شامل کر کے اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ محمد لوی عباسی کے پہلے دو مقالے اور ژوکوفسکی کا مقدمہ ۶۲ صفحات کو محیط ہیں اور متن کتاب کے ۵۴۴ صفحات ہیں۔ آخری آٹھ فہرستوں کے ۱۶ صفحے ہیں غرض کہ یہ بہترین نسخہ ہے۔

۸۔ مطبوعہ نامی پریس لاہور، سن اشاعت ندارد، صفحات ۲۲۸۔ کاغذ اور صحت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔ اس پر سنِ اشاعت تحریر نہیں لیکن راقم کو معلوم ہے کہ قریباً سنہ ۱۹۶۰ء میں طبع ہوا تھا۔ اس کے آخر میں ۲۸ صفحات پر مشتمل فصول و ابواب کی وضاحتی فہرست موجود ہے

۹۔ نسخہ مولوی محمد شفیع۔ مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز، لاہور، سن طباعت سنہ ۱۹۶۸ء، صفحات ۴۸۱ ناشر احمد ربانی۔ اس کے شروع میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کی نشری تقریریں بطور پیش لفظ اور مقدمہ دے دی گئی ہیں، چونکہ یہ نسخہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبہ نسخے کی نقل بتایا جاتا ہے، اس لیئے حضرت زکریا قدس سرہ کے حالات زندگی مرقومہ مولوی صاحب موصوف بھی شامل کر دیئے گئے ہیں مگر اہل علم اس خطی نسخے کا حضرت زکریا سے انتساب صحیح

نہیں سمجھتے۔ مولانا نور احمد خان فریدی مولف تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا و مولف کتب کثیرہ رقم فرماتے ہیں:

"العزیز بہاولپور کے شمارہ فروری ۱۹۲۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس میں صاحب مضمون نے تحریر کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام نے سید ہجویری کی مشہور عالم تصنیف کشف المحجوب کو بھی اپنے ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا، یہ قیمتی نسخہ جیسا کہ صاحب مضمون نے تحریر کیا، پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے مترجم عجائب الاسفار کے کتب خانہ میں موجود تھا، خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں سے ہر چند دریافت کرنے کی کوشش کی، لیکن اس گنج شائیگاں کا پتہ نہیں چل سکا۔ حال ہی میں جناب احمد ربانی صاحب نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے کشف المحجوب کا ایک فارسی نسخہ طبع کرایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے — جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی، انھوں نے اس نسخے کا پہلے اور آخری سنخے کا عکس بھی دیا ہے، مگر اسے حضرت شیخ الاسلام سے منسوب کرنے میں چند اشکال حائل ہیں۔ ایک یہ کہ اس پر تاریخ ارقام ۶۷۲ھ درج ہے، حالانکہ حضرت کا سنہ وصال بالاتفاق ۶۶۱ھ ہے۔ دوسرے یہ کہ دستخط کی عبارت بہاء الدین زکریا پر مشتمل ہے، لیکن حضرت شیخ الاسلام کا نام صرف زکریا ہے۔ ابو محمد کنیت اور بہاء الدین لقب ہے۔ کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ اپنے قلم سے لقب نہیں لکھا کرتا، چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام جیسی منکسر المزاج شخصیت اپنے نام سے پہلے اپنے لیے بہاء الدین لکھنا پسند کرتی۔ لہٰذا اس قلمی نسخے کا حضرت سے انتساب صحیح نہیں۔"[1]

مولانا فریدی صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت کا سن وصال بالاتفاق ۶۶۱ھ ہے" صحیح نہیں، اختلاف ہے، کسی نے ۶۶۱ھ تو کسی نے ۶۶۶ھ لکھا ہے۔ اگر ۶۶۶ھ ہی کو صحیح قرار دے دیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹۵ برس سے کچھ اوپر ہوگی کیا اس عمر میں وہ اتنی ضخیم کتاب کی نقل کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے؟ مزید طرفہ یہ کہ ترقیمہ میں بہاء الدین کو بہاؤ الدین واؤ کے اضافہ کے ساتھ اور زکریا کو ذکریا ذال کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ہرگز ہرگز

[1] تاریخ ملتان جلد اول، ملتان ۱۹۷۱ء، ص ۱۸۶-۱۸۵

اس طرح کی غلطیاں نہیں کرسکتے تھے۔ لہٰذا اس نسخے کا حضرت شیخ الاسلام کی طرف انتساب کاتب کا جعل ہے ـــ بہرحال یہ نسخہ صحت کے اعتبار سے سمرقندی نسخے سے بہتر ہے۔

تراجم

پروفیسر نکلسن (م ۱۹۴۵ء) نے کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلی بار ۱۹۱۱ء میں گِب میموریل لندن نے شائع کیا پھر ۱۹۳۶ء میں اس کا نظرثانی شدہ ایڈیشن چھپا۔ پھر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۷ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے کہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی چار بار چھپ چکا ہے۔

بیس سے زائد اردو تراجم چھپ چکے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بارہا شائع ہوئے اس وقت ان سب تراجم کی تفصیل دینے کی گنجائش نہیں۔

سیاحت

مردانِ خدا کی زیارت اور مزارات اولیاء اللہ سے استفادہ و استفاضہ کی غرض سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا بہت بڑا مجاہدہ ہے، جو مشاہدہ کی دولت سے نوازتا ہے حضرت داتا صاحب نے یہ مجاہدہ بھی حدِ کمال کو پہنچا دیا۔ قریباً تمام عالمِ اسلام کی سیاحی کی اور وقت کے اعاظم مشائخ و صوفیہ سے اکتسابِ فیض کیا، انہوں نے جن جن ملکوں اور شہروں کے بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، اس کا ذکر کشف المحجوب میں کیا ہے۔ ان اماکن کی نامکمل فہرست درج ذیل ہے۔

ماوراءالنہر، آذربائیجان، بسطام، خراسان، کش، کمند، نیشاپور، بخارا، سمرقند، سرخس، طوس، شام، بیت الجن، دمشق، رملہ، عراق، بغداد، فارس، نواحی خوزستان، فرغانہ، شلاتک، اوزکند، میہنہ، مرو، ترکستان، پاک و ہند۔

کشف المحجوب حضرت داتا صاحب کا سفرنامہ نہیں ہے، اس میں ان کے سفر و سیاحت کا ذکر ضمناً ہوتا چلا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اتنے ہی ملکوں اور شہروں کی سیاحت

کی جن کے نام ان کی کتاب میں مذکور ہوئے ہیں۔ اور ان کا سفر پاک وہند بھی صرف اس حد تک محدود نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ غزنی سے چل کر لاہور پہنچ گئے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاک وہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی، یہاں کے علماء سے ملے تھے اور یہاں کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج اور ہندوؤں کے عقائد سے گہری واقفیت حاصل کی تھی۔ فنا و بقا کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ہندوستان میں میرا ایک عالم سے مناظرہ ہوا تھا:

"ہندوستان کے اندر میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جو تفسیر و تذکیر اور علم کا مدعی تھا، اس نے مجھ سے فنا و بقا کے مسئلہ پر مناظرہ کیا، جب میں نے اس کی تقریر سُنی تو معلوم ہوا کہ یہ خود فنا و بقا کو بالکل نہیں سمجھتا اور قدیم و مُحدَث کے فرق کو بھی نہیں جانتا" [۱]

حلولیہ کے عقائدِ باطلہ کے بیان میں روح کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"..... اور جملہ اہل ہند و تبت اور چین و ماچین یہی عقیدہ رکھتے ہیں شیعوں قرامطیوں اور باطنیوں کا بھی اسی پر اجماع ہے....." [۲]

محبت کی شہرت اور تعریف کی بحث کے دوران، سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہنود کی قلبی ناراضی اور ان کی بے بسی کا ذکر نہایت لطیف پیرائے میں کیا ہے:۔

"ہندوؤں کے نزدیک محبت کی قید محمود کی قید سے بھی زیادہ مشہور ہے ـــــ اور محبت کا زخم اور داغ ہندوؤں کے نزدیک اس زخم سے بھی زیادہ شہرت رکھتا ہے جو محمود نے انہیں لگایا تھا" [۳]

باب سماع الاصوات والالحان میں رقم طراز ہیں:

"مشہور ہے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں، جو جنگل میں جا کر گاتے اور سُریلی آواز نکالتے ہیں، ہرن جب ان کے غنا اور لحن کو سُنتے ہیں تو وہ ان کی طرف آ جاتے

---

[۱] کشف المحجوب، طبع تہران، ص: ۳۱۴ - ۳۱۲

[۲] ایضاً، ص: ۳۳۷

[۳] ایضاً، ص: ۳۹۹

ہیں اُور شکاری ان کے گرد گھوم کر گاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ہرن گانے کی لذت سے مست ہو کر آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں اور وہ انھیں پکڑ لیتے ہیں" [۱]

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

"میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا تھا اور اس کی زندگی اسی زہر پر موقوف تھی" [۲]

غرض کہ انھوں نے بے سروسامانی میں پا پیادہ اس قدر سفر کیے کہ آج کے ذرائع میں ایک بے سرو سامان فقیر کے لئے ان کا تصور بھی ناممکن ہے چنانچہ لعل بیگ لعلی لکھتا ہے:

"مسافرت بسیار نمودہ و ریاضت و مجاہدات شاقہ کہ از طاقت بشری بیروں بود، کشیدہ" [۳]

لاہور میں ورودِ مسعود

خاکِ پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت
صبحِ ما از مہرِ اُو تابندہ گشت

دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ نے تجرید و توکل کی بنیاد پر بارہا طویل سفر کیے اور بہت زیادہ سیاحی کے بعد دارالسلطنت لاہور میں اقامت گزین ہوئے، اور اس شہر کے تمام باشندے ان کے مرید و معتقد ہو گئے:

"بارہا بر قدم تجرید و توکل سفر بسیار کردہ اند و بعد از سیاحی بسیار در دارالسلطنت لاہور رسیدہ اقامت ورزیدند، اہل آں دیار ہمہ مرید و معتقد او گشتند" [۴]

لاہور تشریف لا کر اسی مقام پر قیام پذیر ہوئے جہاں ان کا مزار پُر انوار ہے۔ مرزا لعل بیگ لعلی لکھتا ہے:

---

[۱] کشف المحجوب، طبع تہران، ص: ۵۲۲

[۲] ایضاً - ص: ۵۳۱

[۳] ثمرات القدس قلمی (مملوکہ صاحبزادہ نصرت نوشاہی، شرق پور شریف)

[۴] سفینۃ الاولیا، طبع کانپور، ص ۱۶۴

"اکنون قبرش در خطۂ لاہور، در ہماں زمین است کہ روح پاکش از جسد مطہر وی مفارقت کردہ"[1]

لاہور کب تشریف لائے؟

اس باب میں مختلف آراء ہونے کے سبب یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ لالہ سجان رائے بٹالوی رقم طراز ہے:

"محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ سلطان کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح ان ہی کی توجہ سے ہوئی"[2]

یہ روایت واضح طور پر غلط ہے اس لئے کہ بقول سید محمد لطیف مصنف تاریخ لاہور سلطان محمود غزنوی نے لاہور ۳۹۳ھ میں فتح کیا اور بقول لین پول سلطان محمود ۳۹۲ھ میں پہلی بار پاک و ہند کی طرف متوجہ ہوا۔ گویا اس وقت تک حضرت داتا صاحب کی اس جہانِ رنگ و بو میں تشریف آوری بھی نہیں ہوئی تھی۔

فوائد الفواد میں ایک ایسی روایت درج ہے، جو بعض غلط فہمیوں کا باعث ہوئی، لہٰذا وہ آج تک ہدفِ تنقید بنی چلی آ رہی ہے وَھُوَ ھٰذَا:

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہما دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے عہد کے قطبِ وقت تھے، شیخ حسین زنجانی (شیخ علی ہجویری سے) پہلے ہی لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ علی سے فرمایا کہ لاہور جاؤ اور وہیں مقیم ہو جاؤ ــــ شیخ علی ہجویری نے عرض کی کہ وہاں حسین زنجانی مقیم ہیں، پیر نے فرمایا! تم جاؤ اور حسب علی ہجویری ان کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا، صبح ہوئی تو دیکھا کہ لوگ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لا رہے ہیں"[3]

---

[1] ثمرات القدس قلمی [2] خلاصۃ التواریخ مترجم اُردو از ڈاکٹر ناظر حسن زیدی۔ ص: ۱۰۶

[3] فوائد الفواد فارسی طبع لاہور

اس روایت کی تکذیب و تردید میں راقم احقر اس قسم کی گرماگرم بحث نہیں کر سکتا، جس طرح کہ ڈاکٹر پیر محمد حسن اور پروفیسر محمد اسلم نے کی ہے، اس لئے کہ یہ ان ہی فضلا کا حق ہے۔[1] مختصر یہ کہ حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ، جن کا مزار مبارک چاہ میراں لاہور میں مرجع خلائق ہے، ان کا سالِ وفات خزینۃ الاصفیاء میں ۶۰۰ھ اور تحقیقات چشتی میں ۶۰۰ھ درج ہے، اور ان کی لاہور میں آمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ آئے اور سید یعقوب زنجانی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ وہ ۵۲۵ھ میں وارد لاہور ہوئے[2] ــــ حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ساکن چک سادہ شریف (م ۱۳۸۰ھ) نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "میں نے شیخ زنجانی کے مزار پر وہ پتھر نصب دیکھا ہے جس پر ان کا سن وصال ۶۰۰ھ کندہ تھا جو مزار کی مرمت کے وقت اٹھا دیا گیا"۔ عجیب بات یہ ہے کہ مفتی غلام سرور اور مولوی نور احمد چشتی نے ان کا سن وصال ۶۰۰ھ اور ۶۰۰ھ اپنی اپنی کتابوں میں لکھنے کے باوجود فوائد الفواد کی اس روایت کو حضرت داتا صاحب کی لاہور میں آمد کے سلسلے میں درج کر کے اسے حضرت حسین زنجانی مدفون چاہ میراں پر منطبق کر دیا ہے۔ بہرحال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ سے قریباً ایک سو تیس سال بعد واصل بحق ہوئے اور ان سے حضرت خواجۂ خواجگان معین الدین حسن سجزی (س ج ز ی) چشتی اجمیری قدس سرہٗ (م ۶۳۳ھ) نے لاہور میں ملاقات کی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ مشہور تذکرہ نویس اور صوفی بزرگ حضرت شیخ جمالی (م ۹۴۲ھ) نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی، جو حضرت شیخ سعد الدین حمویہ قدس روحہٗ کے پیر ہیں،[4] ان

---

[1] ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد ستمبر ۱۹۷۱ء مقالہ "سید علی ہجویری اور حسین زنجانی" از مخدومی ڈاکٹر پیر محمد حسن اور تاریخی مقالات طبع لاہور از پروفیسر محمد اسلم ملاحظہ ہوں۔

[2] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم، ص ۲۵۰۔ [3] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم ص ۲۵۲

[4] مآثر الکرام میں بھی لکھا ہے کہ سعد الدین حمویہ شیخ زنجانی کے مرید تھے۔ "شیخ فخر الدین زنجانی پیر ارشاد شیخ سعد الدین حموی" (ص ۷) شیخ حمویہ ۶۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ جملہ تذکروں میں ان کے پیر کا نام حضرت نجم الدین کبریٰ تحریر ہے۔ حضرت زنجانی سے بھی استفادہ کیا ہو گا۔

دونوں بقید حیات تھے، حضرت زبدۃ المشائخ والاولیاء معین الحق والدین قدس سرہٗ
اور حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہٗ کے درمیان حد سے
زیادہ ربط و محبت کا اظہار ہوا۔[۱]

ابوالفضل آئین اکبری میں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"شیخ حسن (حسین) زنجانی فراواں آگہی داشت، خواجہ معین الدین در لاہور
بہ صحبت او رسید، و خواب گاہ او در انجاست"۔[۲]

مولانا محمد غوثی شطاری رقم طراز ہیں:

"جب خواجہ معین الاولیاء چشتی اجمیری ہند کو تشریف لائے تو اس وقت
چند روز لاہور میں پیر زنجانی کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا، باہم راز داری
اور خدا شناسی کی باتیں ہوا کرتی تھیں"۔[۳]

ملا محمد صالح کنبوہ بھی ان بیانات کی تائید کرتا ہے:

"بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ وز انجا توجہ جانب دہلی اختیار نمودہ"[۴]

دارا شکوہ کی تائید مزید بھی ملاحظہ ہو:

"... شیخ حسین زنجانی را در لاہور دیدہ اند"[۵]

اس مقام پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہٗ لاہور کب تشریف لائے؟
مولانا سید عبدالباری معنی اجمیری اپنی تنقیدی تالیف تاریخ السلف میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ
۵۸۶ھ میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۵۸۷ھ کو اجمیر شریف پہنچ گئے۔[۶]

---

[۱] سیر العارفین قلمی از شیخ جمالی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری بحوالہ تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم، ص: ۲۸۲

[۲] آئین اکبری جلد سوم از ابوالفضل سرسید ایڈیشن ۱۲۷۲ھ - ص - ۲۰۶

[۳] اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از محمد غوثی بسال ۱۰۲۲ھ طبع آگرہ، ص: ۲۵۰۹

[۴] عمل صالح (شاہ جہان نامہ) طبع لاہور، جلد اول۔ ص: ۵۰

[۵] سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص: ۹۳ [۶] تاریخ السلف طبع آگرہ ۱۳۴۳ھ، ص: ۹۸، ۸۰

اندریں صورت فوائد الفواد کی اس روایت کو الحاقی سمجھ لینا کوئی گناہ نہیں۔ مگر جب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سیاں کی تاریخ نے سب بزرگوں کے حالات کو محفوظ کر لیا ہے تو عنانِ فکر کو اس طرف بھی موڑا جاسکتا ہے کہ حضرت داتا صاحب سے پہلے لاہور تشریف لانے والے حسین زنجانی ان سے مختلف ہوں گے اور ان کا مزار اور حالات محفوظ نہیں رہ سکے، مگر ہم نامی کی وجہ سے پہلے حسین زنجانی سے متعلق روایت کو بعد والے حسین زنجانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ہم نام بزرگوں کے حالات کے سلسلے میں اکثر ایسا ہوا ہے اور اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت خواجہ پارسا قدس سرہٗ کے تسامح کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے کہ انھوں نے حضرت داتا صاحب اور حضرت ابوسعید (رحمہما اللہ) دونوں کو ایک ہی پیر کا مرید قرار دے دیا۔ یا جس طرح کہ جامی لاہوری کے قطعہ تاریخ وفات حضرت داتا صاحب کو حضرت عبدالرحمٰن جامی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں بھی التباس و اشتباہ کا قوی امکان ہے۔

اندریں حال حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت مندرجہ فوائد الفواد اس مسئلے کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیتی ہے۔

بہرحال جس طرح حضرت کی تاریخ ولادت اور دیگر حالاتِ زندگی کے باب میں قدیم تاریخیں کوئی رہنمائی نہیں کرتیں، اسی طرح ان کے لاہور میں ورودِ مسعود کے سلسلے میں بھی کوئی نشان دہی نہیں کرتیں لہٰذا اس کے متعلق بھی صرف قیاس ہی سے کام لیا گیا ہے۔

رائے بہادر کنہیا لال نے بسال ۱۸۸۴ء کسی ماخذ کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے:

"یہ بزرگ سلطان مسعودؔ سلطان محمود کے بیٹے کے ہمراہ لاہور میں آیا۔"[1]

سید محمد لطیف نے بسال ۱۸۹۲ء سن ورود کا تعین بھی کر دیا:

"آپ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے۔"[2]

سید محمد لطیف نے سن کا تعین کر کے اس قیاسی سن کو مزید مشکوک بنا دیا ہے اس لئے کہ ۴۳۱ھ میں سلطان مسعود دورِ ابتلاء میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس سال ترکمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کر کے اسے شکست

---

[1] تاریخ لاہور از کنہیا لال طبع لاہور ۱۸۸۴ء، ص: ۹۱

[2] تاریخ لاہور انگریزی بحوالہ سوانح داتا گنج بخش از محمد الدین فوقؔ، ص: ۲۶

دے دی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے خزانوں کو لے کر لاہور آرہا تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اپنے بھائی محمد کا قیدی بن گیا (ملخصاً) [۱]

اس کے باوجود ۴۳۱ھ پر اکثر مورخین متفق نظر آتے ہیں۔ مگر رائے بہادر کنہیا لال کی تاریخ لاہور سے ۳۲ سال قبل لکھی جانے والی کتاب چار باغ پنجاب مؤلفہ گنیش داس میں ان کی تشریف آوری کا سال ۴۵۱ھ تحریر ہے۔

"در ۴۵۱ھ چہار صد و پنجاہ و یک ہجری در لاہور تشریف آوردند...... بعد چہاردہ سال در سلطنت سلطان ابراہیم غزنوی بتاریخ ۴۶۵ھ چہار صد و شصت و پنجم ہجری در لاہور ودیعت حیات سپردند۔" [۲]

جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت داتا صاحب نے اپنی عمر کے آخری سال لاہور میں گزارے تھے تو پھر گنیش داس وڈیرہ نے جو سن (۴۵۱ھ) دیا ہے اُسے ترجیح دینا چاہیے ۴۵۱ھ کو قرین قیاس قرار دے لیا جائے تو حضرت داتا صاحب سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ بن مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے۔ لین پول نے ابراہیم کے سریر آرائے سلطنت ہونے کا سال ۴۵۱ھ ۱۰۵۹ء لکھا ہے۔

مگر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی قدس سرہٗ کی تاریخ وصال خزینۃ الاصفیا میں ۴۵۳ھ درج ہے اور بقول ذہبی وہ ۴۶۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے' اور ان کے وصال کے وقت حضرت داتا صاحب بیت الجن (دمشق) میں مقیم تھے اور پیر نے مرید کی گود میں جان جاں آفریں کے سپرد کی تھی ــــ ڈاکٹر محمد شفیع نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے: "وہ یا تو لاہور ۴۶۰ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے" [۳]

حق ز حرف او بلند آوازہ شد

اس نائب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قیام لاہور کے دوران ہزارہا بُت پرست

---

[۱] تاریخ بیہقی مجلد اول طبع تہران۔ ص: ۲، ۷۸۳

[۲] چار باغ پنجاب فارسی از گنیش داس وڈیرہ مرتبہ پروفیسر کرپال سنگھ شائع کردہ سکھ ہسٹری ڈیپارٹمنٹ خالصہ کالج امرتسر ۱۹۶۵ء ص: ۱۸۱

[۳] مقالات دینی و علمی حصہ اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ص: ۲۲۸ ۔

کفار کو کلمہ توحید پڑھا کر ان کے سینوں کو نورِ اسلام سے منور کیا اور سینکڑوں خداؤں کو پوجنے والوں کو صرف ایک خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے پر مائل کیا اور لاتعداد گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا اور کتنے ہی خوش نصیبوں کو اپنی نظرِ کیمیا اثر کی بدولت ولایت کی بلند مراتب پر فائز کیا۔

یہ درست ہے کہ محمود کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی یہاں مسلمان ایک "حاکم قوم" کی حیثیت سے رہنے لگے تھے اور یہاں کے کفار مسلم عوام سے بظاہر مرعوب تھے، لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے اور وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے، مگر یہاں تشریف لانے والے صوفیۂ کرام بالخصوص حضرت داتا صاحب کے ورودِ مسعود کے بعد یہاں کی مقامی آبادی میں سے لاتعداد لوگ ان کی تبلیغ کے سبب حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے چنانچہ یہاں کے باشندوں میں سے ایک کثیر گروہ کی دلی ہمدردیاں فاتحین کے ساتھ ہو گئیں "نظریۂ وطنیت" خاک میں مل گیا اور "دو قومی نظریہ" کی بنیادیں رکھ دی گئیں اور بعد میں آنے والے صوفیۂ کرام کی مساعی جمیلہ سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس سے مسلمانوں کی حکومت استحکام پکڑتی گئی۔ فاتحین نے کفار کو تیر و سناں سے زیر کیا تو ان تابعینِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انھیں تیرِ نظر سے خدائے واحد کا مطیع و منقاد بنا دیا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کی عظیم الشان دینی خدمات اور روحانی عظمت کو چند اشعار میں جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ذیل میں ان کے وجد آفریں اشعار ملاحظہ ہوں:

سیدِ ہجویر مخدومِ اُمم ... مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم[1]
بندہای کوہسار آساں گسیخت ... در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد ... حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ اُمّ الکتاب ... از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت ... صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

---

[1] اہلِ تحقیق کے نزدیک سجز لکھنا صحیح ہے۔ اُستاد سعید نفیسی نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے شعر میں پیرِ سنجر غلط چھپ گیا ہے اصل میں یہ شعر یوں ہونا چاہئے: سیدِ ہجویر مخدومِ اُمم؛ مرقدِ او پیرِ سجزی را حرم۔ (ہلال فارسی، کراچی بحوالہ اذکارِ جمیل از محمد موسیٰ ص: ۵۱)

عاشق درہم فاصد طیار عشق   از جنبش آشکار اسرار عشق

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہٗ نے لاہور کو جو قطب ارشاد کا درجہ دیا ہے اصل میں یہ اسی قطب الاقطاب (علی ہجویری) کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی خیر و برکت تمام بلادِ ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں"[1] حضرت نے اپنی روحانی قوت سے کفرستانِ ہند میں جو تخم سجدہ کی کاشت" کی تھی، رائے بہادر کنہیا لال نے بدیں الفاظ اس کا اعتراف کیا ہے:

"مسلمانی دین پھیلانے میں بڑی بڑی کوشش کی۔"[2]

اور گنیش داس وڈیرہ رقم طراز ہے:

"دراں عہد اکثر قوم گوجران ہندو مشرب در لاہور وطن گاہ داشتند معتقد شدہ اسلام قبول کردند۔"[3]

مولوی نور احمد چشتی نقل کرتے ہیں:

"جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک شخص رائے راجو نائب حاکم پنجاب، حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہوا، اور اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا، اس کی اولاد تا حال خادم و مجاور ہے۔"[4]

تعمیرِ مسجد اور ایک کرامت

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی قیام گاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ داراشکوہ لکھتا ہے:

"انھوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی، جس کی محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف مائل ہے، کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے، اس محراب کی سمت کے سلسلے میں حضرت شیخ پر معترض ہوئے۔ چنانچہ ایک روز حضرت نے سب علماء کو جمع کیا اور

---

[1] مکتوباتِ مجدد الف ثانی اردو ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی طبع کراچی، دفتر اول حصہ اول، ص: ۲۳۸
[2] تاریخ لاہور از کنہیا لال، ص: ۹۱   [3] چار باغ پنجاب طبع امرتسر، ص: ۲۴۹
[4] تحقیقات چشتی، طبع لاہور ۱۳۲۳ھ، ص: ۱۴۷

خود امامت کے فرائض انجام دیئے اور بعد ازاں نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نظر آنے لگا ہو گیا۔ ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے۔" [۱]

سالِ وصال

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے سالِ وصال میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں اور شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں ان کے سن وفات ۴۵۶ھ اور ۴۶۴ھ رقم کئے ہیں۔ عہد جہانگیر کے ایک عالم و عارف مولانا جامی لاہوری (مدفون بجوار حضرت شیخ طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے قطعہ تاریخ میں ۴۶۵ھ نظم کیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں، گنیش داس وڈیرہ نے چار باغ پنجاب میں، سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں ۴۶۵ھ ہی لکھا ہے اور دیگر متعدد مؤلفین نے بھی یہی سن نقل کیا ہے۔ نکلسن نے ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ کا کوئی سا سال کہا ہے۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے تاریخ تصوف در اسلام جلد دوم میں در حدود ۴۷۰ھ تجویز کیا ہے۔

مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور عبدالحی حبیبی قندھاری (کابل) ان سب سے آگے نکل گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے ۴۶۹ھ اور حبیبی صاحب نے ۵۰۰ھ تک کا تعین کیا ہے۔ ان فاضلوں نے کشف المحجوب کے چند ایک مختلف ایڈیشن سامنے رکھ کر اس قسم کی داخلی شہادتیں فراہم کی ہیں کہ داتا صاحب نے فلاں فلاں بزرگ کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ" یا "رضی اللہ عنہ" لکھا ہے۔ اور فلاں کا ذکر بہ صیغۂ ماضی کیا ہے۔ لہٰذا یہ کتاب بقول مولوی محمد شفیع ۴۶۹ھ اور بقول حبیبی ۴۸۱ھ کے بعد تک لکھی جا رہی تھی۔ حبیبی صاحب نے اپنی طویل بحث کا لب لباب ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"لازمی طور پر ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان وفات پائی ہوگی" [۳]

---

[۱] سفینۃ الاولیاء، فارسی طبع کانپور ص: ۱۶۴ [۲] مقالات دینی و علمی از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع حصہ اول ص: ۲۲۱

[۳] مقالات منتخبہ مجلہ دانشکدہ خاورشناسی دانش گاہ پنجاب مقالہ تاریخ وفات داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی از عبدالحی حبیبی۔ فاضل موصوف کا یہ مقالہ پہلی بار اورینٹل کالج میگزین شمارہ فروری ۱۹۶۰ء میں طبع ہوا تھا۔

مفصل بحث کا یہ مقام نہیں۔ مختصر یہ کہ بیشتر مقامات پر "رحمہ اللہ" اور "رضی اللہ عنہ" کاتبوں کے خود ساختہ اضافے ہیں اور اسی طرح "ہست" کو "بود" بھی بنایا ہوا ہے۔ اسی تحقیق کی بنیاد مصنف کا اپنا مکتوبہ نسخہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو قدیم ترین متعدد خطی نسخے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ کاتبوں کی کمی بیشی تحقیق کا مدار نہیں بن سکتی۔ اس جدید تحقیق کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ فاضل حبیبی نے کشف المحجوب نسخہ سمرقند سے ذیل کا اقتباس پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتاب زیر تسوید تھی کہ حضرت امام قشیری قدس سرہٗ ۴۶۵ھ میں وفات پا گئے تھے۔

"استاد و امام زین الاسلام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ اندر زمانۂ خود بدیع بود و قدرش رفیع و منزلتش بزرگ"[1]

مگر یہی عبارت ژوکوفسکی ایڈیشن میں اس طرح ہے:

"استاد و امام زین اسلام عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن القشیری اندر زمانۂ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ"[2]

پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں کشف المحجوب کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۰۰۸ھ موجود ہے اس میں بھی:

"اندر زمانۂ خود بدیع ست....."[3]

تحریر ہے — گویا اس بحث برائے بحث یا تحقیق کی بنیاد محض اختلاف نسخ اور کاتبوں کے اضافات پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ ان بزرگوں کے اسماء کے ساتھ "رحمہ اللہ" وغیرہ حضرت نے خود ہی لکھا ہے تو پھر ان کے اپنے اسم گرامی کے ساتھ شروع کتاب ہی میں "رضی اللہ عنہ" بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور اگر انھوں نے اپنے لئے یہ دعائیہ کلمہ خود تحریر

---

[1] مقالات منتخبہ، ص: ۲۹۴

[2] کشف المحجوب طبع تہران ص: ۲۰۹

[3] تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری مرتبہ منظور احسن عباسی سنہ ۱۹۶۳ء جلد نمبر ۲ ص: ۱۵۷۔

گیا ہے تو دوسرے زندہ بزرگوں کے لئے بھی کر سکتے تھے — بہر حال حضرت کا صحیح سن وصال کسی معاصر نے نہیں لکھا لہٰذا ۴۶۵ھ قطعاً غلط ہے، ۴۶۹ھ تا ۴۸۱ھ ہی قرینِ صحت سمجھا جا سکتا ہے۔[1]

مزارِ پُر انوار

یوں تو جملہ اربابِ یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار ہیں مگر جہاں وہ محوِ استراحت ہیں وہ مقام بوسہ گاہِ عالم، قبلۂ اہلِ صفا اور کعبۂ عشاق ہے۔ یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیائے ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقاماتِ مقدسہ سے زیادہ قرآن خوانی ہوتی ہے جہاں سب سے زیادہ ذکرِ خدا اور ذکرِ محبوبِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا ہے اور یہ تبلیغِ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ جہاں ہر وقت حاجتمند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور داتا (حق) کے دریائے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے ؎

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت کا مزار فائض الانوار زمانۂ قدیم سے مرجعِ خواص و عوام چلا آرہا ہے۔ بڑے بڑے عارفین اور سرخیلِ اولیاء یہاں سے فیض یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔ مولانا جامی لاہوری لکھتے ہیں[2]

خانقاہِ علی ہجویری است خاکِ جاروب از درش بردار
طوطیاں کن بدیدۂ حق بیں تا شوی واقفِ درِ اسرار
چوں کہ سردارِ ملکِ معنی بود سالِ وصلش برآید از سردار
۴۶۵

---

[1] عبدالحی حبیبی نے اس بحث کا اعادہ مقدمہ طبقات الصوفیہ میں بھی کیا ہے۔ اول اول میں نے ان کی یہ تحقیق اسی میں دیکھی تھی اور میں ان کی ثقاہت کے پیشِ نظر اس کا قائل ہو گیا تھا اور مقدمہ مکتوباتِ امام ربانی لکھتے وقت ان کا اتباع کیا تھا۔ مگر اب کشف المحجوب کے متعدد نسخے دیکھنے سے اس تحقیقِ جدید سے اعتماد اُٹھ گیا۔

[2] مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع۔ ی۔ ہ

میر عبدالعزیز زنجانی جو غالباً شاہ جہاں کے زمانہ کا شاعر ہے، نے عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں لاہور پر ایک قصیدہ لکھا، اس میں حضرت داتا صاحب کے روضۂ انور و اطہر پر جو زائرین کا ہجوم رہتا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

مزار دُر نثار شاہ ہجویری ندیدستی	کہ مل آسا بہ پیرامونش بوس انس و جاں بینی
گدای درگہش از منزلت شاہ جہاں یابی	غلام خادمش اندر رتبہ مخدوم جہاں بینی[1]

دارا شکوہ لکھتا ہے:

"ہر جمعرات کو خلقت انبوہ در انبوہ روضۂ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس جمعراتیں یا چالیس دن متواتر ان کے روضۂ شریفہ کا طواف کرے اس کی ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے — فقیر (دارا شکوہ) نے بھی ان کے روضۂ منورہ کی زیارت کی ہے۔"[2]

مفتی علی الدین رقم طراز ہیں:

"ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہزارہا مردم برائے زیارت ایشاں مع نذورات می روند، مرادات دلی راستہ می شوند۔"[3]

دارا شکوہ مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں لکھتا ہے:

"قبر در میانِ شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ۔"	ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے مغرب کی جانب واقع ہے[4]

اس جملے کا محمد وارث کامل نے یوں ترجمہ کیا ہے:

"مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔"[5]

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ص: ہ

[2] سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص: ۱۶۵

[3] عبرت نامہ، طبع لاہور جلد دوم، ص: ۶۴

[4] سفینۃ الاولیاء طبع کانپور ص: ۱۶۵

[5] ایضاً، اردو ترجمہ از وارث کامل طبع لاہور، ص: ۱۹۸

لاہور کا نقشہ تبدیل ہو جانے کے سبب دارا شکوہ کی یہ تحریر مبہم ہو گئی ہے۔ پھر ترجمہ کرنے والے نے غلطی کھائی تو آج سے قریباً پندرہ سال قبل لاہور کے ایک ایسے مولوی صاحب نے جو صوفیہ کے مزارات پر حاضری بدعت و شرک سمجھتے تھے یہ اعلان داغ دیا کہ یہ مزار داتا صاحب کا نہیں۔ اُن کا مزار تو قلعۂ لاہور میں ہے۔ اس وقت مولوی صاحب موصوف کے اس بیان کے خلاف متعدد مضامین شائع ہوئے تھے ۔۔۔ دارا شکوہ کی اس تحریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے،

"دارا شکوہ نے یہ کہا ہے کہ "قبر شہر لاہور کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے" یہ کچھ عجیب سا بیان ہے۔ اس لئے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے۔ البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابلِ ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا علاقہ ہی قابلِ ذکر تھا۔ چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نامی نے جو ۱۶۱۱ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ۱۲ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا۔ اسی ترتیب سے اس مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے"۔[۱]

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہدِ حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے اور اسی سلطان نے حضرت کا مزار تعمیر کرایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے ساتھ جو دو قبریں ہیں۔ وہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ ابو سعید ہجویری کی ہیں۔[۲] واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع۔ ص : ۷ ۔ ۶

[۲] تحقیقات چشتی، ص : ۶ ، ۱۲۵

کچھ مترجم کے بارے میں

حضرت علامہ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خلف اکبر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری (رحمۃ اللہ علیہما) متنوع علوم وفنون کے ماہر اور بے مثل خطیب، ادیب اور قاری تھے تحریک پاکستان، تعمیر پاکستان اور دستور اسلامی کے نفاذ کے سلسلے میں ان کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ جہاد کشمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ کی خدمات جلیلہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ ان پر ایک ضخیم کتاب لکھی جائے۔ اس وقت مولانا کے صاحبزادے مکرمی حکیم سید خلیل احمد قادری کی صرف ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمۃ نے جس روز کشف المحجوب کا ترجمہ جس کا تاریخی نام "کلام المرغوب" ہے، مکمل کیا تو اسی رات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند مقام پر رونق افروز ہیں اور چاروں طرف بہت زیادہ روشنی ہے۔ لوگوں کی قطاریں بندھی ہوئی ہیں حضرت داتا صاحب کچھ تقسیم فرما رہے ہیں اور لوگ لے لے کر ایک طرف ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی قطار میں علامہ ابوالحسنات بھی شامل ہیں۔ تو جس وقت وہ داتا صاحب کے سامنے ہوئے تو حضرت نے مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے دائیں طرف بٹھا لیا۔ اس کے بعد علامہ ابوالحسنات بیدار ہو گئے۔"

علامہ ابوالحسنات علیہ الرحمۃ نے یہ خواب اپنے صاحبزادے سید خلیل احمد قادری کو سنایا اور اس انعام پر بیحد مسرور تھے۔ چند سال بعد مولانا بیمار ہو گئے اور علالت نے طول کھینچا اور مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ انتقال سے آٹھ روز قبل رات کے آخری حصے میں سید خلیل احمد صاحب کو آواز دی اور جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا میرے کاندھے دباؤ اور دعائیہ الفاظ کے بعد فرمایا مولانا غلام محمد ترنم علیہ الرحمۃ آج میانی کے قبرستان کے کسی کونے میں لیٹے ہوئے ہیں۔ عنقریب ہم بھی اس کے کسی حصے میں لیٹے ہوئے ہوں گے۔ پھر فرمایا:

"ابوالحسنات! ابوالحسنات کیا ہے ابوالحسنات؟ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ ہاں خوش نصیب ہیں

وہ لوگ جو حضرت داتا صاحب کے جوار میں آسودہ ہیں:

۲- شعبان ۱۳۸۰ھ بروز جمعہ صبح کے وقت اپنے وظائف سے فارغ ہوئے اور یہ شعر زبان پر لائے ؎

حافظ رند زندہ باش مرگ کجا و تو کجا تو شدہ فنائے حق، حق بود بقائے تو

اس کے بعد یہ شعر کہا: ؎

کائناتِ عشق بس اتنی رہی عجب عمر کی تھی ایک ہچکی میں طلسم آرزو باطل ہوا

اس کے بعد حزب البحر کا ورد شروع کر دیا اور سید خلیل احمد صاحب کو فرمایا کہ مجھے خوشبو لگا دو اور نئے کپڑے پہنا دو۔ جناب سید خلیل احمد نے عرض کیا، کیا بات ہے؟ فرمایا جمعہ پڑھنے جانا ہے اور پھر ذکر میں مشغول ہو گئے اور اسی حال میں ایک ہچکی آئی اور اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

مولانا امین الحسنات سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی خواہش کے مطابق میں نے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا تو بہ تصرف داتا صاحب قدس سرہٗ بلا وقت حضرت داتا صاحب کے احاطۂ مزار میں مولانا کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی۔

مولانا کی وفات حسرت آیات پر راقم السطور نے چند تاریخی مادے نکالے تھے۔ ان میں سے دو (۱) مشہور زمان مفسر قرآن (۲) "جلیل المراتب سید ابوالحسنات" ان کی مرقد منور پر کندہ ہیں۔ "لقد دخل الجنۃ مولانا" بھی ان کی تاریخ راقم ہی نے کہی تھی۔

امین الحسنات سید خلیل احمد قادری نے کشف المحجوب کے زیر نظر ترجمہ کا گرانقدر مسودہ رضوی کتب خانہ کو بغرض طباعت مرحمت فرمایا۔ مخدومی جناب مفتی اعجاز ولی خاں رضوی مدظلہ العالی کی نگرانی میں طباعت کے مراحل طے ہوئے۔ تعلیمات گنج بخش قدس سرہ کا یہ سدابہار گلدستہ رضوی کتب خانہ بارگاہ گنج بخش میں عرس ۱۳۹۳ھ کے مبارک موقع پر نذرانۂ عقیدت کے طور پر ——— پیش کر رہا ہے۔ یہ حضرات سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔
جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ جس طرح حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی

خوشنودی کا باعث ہوا اسی طرح اس عاصی پُر معاصی کی بھی یہ نذرِ عقیدت (دیباچہ) ان کے حضور مقبول ہو اور ان کے غلاموں کے ساتھ محشور ہونا نصیب ہو۔ آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

محمد موسیٰ عفی عنہٗ

لاہور

۴۔ صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

قطعہ تاریخ طباعت

نتیجۂ فکر سید شریف احمد شرافت قادری نوشاہی مدظلہٗ

بحمد اللہ کتاب کشفِ محجوب — کہ از شد معرفت زاں ہست مطلوب

زتصنیفِ مقدس قطبِ عالم — کہ نامش گنج بخش پاک محبوب

بتوحید و تصوف لوحِ عرفاں — برائے سالکاں دفینے ست موہوب

مترجم شد دریں اردو زبانے — زبو الحسنات احمد گشت مکتوب

چو افشائے رموزش شد بعالم — ہمہ اعدائے دیں گشتند مغلوب

باحوالش حکیم نیک موسیٰ — بتحقیق و تفکر ہست محسوب

شرافت جست از سالِ طباعت

شدہ مسموع "بابِ علم مرغوب"

۱۳ ھ ۹۳

فقیہ عصر حضرت مفتی اعجاز علی خاں رضوی نے تاریخ طباعت کے حسب ذیل مادے نکالے ہیں:

"مخزنِ برکاتِ جلیل" ۱۳۹۳ھ — "فیض امام المرسلین" ۱۳۹۳ھ

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار

ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا

الحمد للہ الذی

کشف لاولیائہ بواطن ملکوتہ وقشع لاصفیائہ سرائر جبروتہ واراق دم المحبین بسیف جلالہ و اذاق سر العارفین روح وصالہ ھو المحیی الموات القلوب بانوار ادراک عظمتہ وکبریائہ والمنعش لھا براحۃ روح المعرفۃ بنشر اسمائہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد و اٰلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

تمام محامد اسی وجہ منیر کو ہیں جس نے اپنے مقربین خاص پر عالم ملکوتی کے امور منکشف فرمائے، اور اپنی صاف باطن ہستیوں پر عالم جبروتی کے راز کھول دیے، اور اپنی شمشیر جلال و بے نیازی سے اپنے محبوبوں کے خون بہائے اور عارفان کامل کو اپنے وصلی تقرب کا ذائقہ چکھایا۔ وہی ذاتِ مقدس مردہ دلوں کو اپنے صمدیت اور کبریائی کے نور ۔۔۔۔ سے زندہ فرمانے والی ہے۔ اور وہی ان زندوں کو اپنے عرفان کی راحت روحِ حیاتِ ابدی عطا فرمانے والی ہے، اور اپنے اسمارِ ذاتی کے اثرات ان پر طاری کر ساری فرمانے والی ہے۔

اور صلوٰۃ بے غایت اور سلام بے نہایت اس کے خاص رسول پر، جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ان کے متبعین اور اولادِ اطہار پر اور اُن کے اصحاب کبار پر ازواج مطہرات پر آمین!

حضرت علی بن عثمان بن علی الجلابی غزنوی فرماتے ہیں جو محلہ ہجویر غزنی کے رہنے والے ہیں کہ میں نے استخارہ کیا، اور اغراض نفسانیہ کو دل سے نکالا، اور اپنی دلی آرزو کے مطابق ثابت قدم ہو کر اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کی مرادیں پوری فرمائے، اور اس کتاب کا نام میں نے اس لیے کشف المحجوب رکھا کہ پڑھنے والا مقصود کو نام سے سمجھ لے، اور سائل کا جو مقصود ہوتا ہے وہ مجھے معلوم ہے اسکے ذریعہ اس کی مراد پوری ہوگی۔ اللہ تعالےٰ سے مدد مانگتا ہوں اور تکمیل کتاب کی توفیق چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے ارادہ قوت پر بھروسہ نہیں اور اس خیال خام سے میں اظہار برات کرتا ہوں۔

فصل ۔ ابتداءِ کتاب میں جو میں نے اپنا نام لکھا، اس سے دو باتیں مطلوب ہیں۔ ایک خواص کے لیے دوسری عوام کے لیے۔ عوام کے لیے تو یہ کہ جب جاہل

بے علم کوئی نئی کتاب دیکھتا ہے اور اس پر مصنف کے نام کا پتہ نہیں ملتا، وہ اس کتاب کو اپنے نام پر شائع کر لیتا ہے اور اس رویہ سے مصنف کا جو مقصد ہوتا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے، اور مصنف جو کتاب تالیف و تصنیف کرتا ہے۔ اس سے اس کا پہلا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے ذریعہ اس کا نام زندہ رہے اور اس کتاب کے پڑھنے والے مصنف کو دعائے خیر سے یاد کرتے رہیں۔ مجھے یہ تلخ تجربہ دو بار ہوا۔ ایک بار کسی نے میرے اشعار کا دیوان عاریتہً لیا، اور چونکہ صرف وہی ایک نسخہ میرے پاس تھا۔ اس نے میرے تمام دیوان میں میرے نام کی جگہ اپنا تخلص لگا کر شائع کر دیا، اور میری تمام محنت ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ اس کی خطا کو معاف فرمائے۔ دوسری بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے ایک کتاب فن تصوف میں تالیف کر کے اس کا نام منہاج الدین رکھا۔ ایک متصوف نے اسے لے کر اپنے نام پر شائع کر دیا۔ خدا کرے وہ گمنام ہو۔ اس نے عوام میں اس کتاب کو اپنی تالیف ظاہر کر کے شائع کیا، حالانکہ جاننے والے اس کی اس حرکت پر استہزا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ نے . . . اس کی حرکتِ ناموزوں کی وجہ سے برکت سلب فرمالی، اور اپنی بارگاہ کے طالبوں میں سے اس کا نام محو فرمادیا۔

دوسری وجہ اول میں نام لکھنے کی خواہش کے لیے ہے، وہ یہ کہ جب وہ کسی کتاب کو دیکھتے ہیں تو اول مؤلف کا نام معلوم کرتے ہیں۔ تاکہ اگر مؤلف کو وہ محقق اور عالم فن جانیں تو اس کے احترام میں خاص رعایت کرتے ہیں، اور اس کے مطالعہ اور اشاعت میں کوشاں ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کے اظہار سے مؤلف کی مراد واضح ہوگئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل میں نے جو لکھا ہے کہ میں نے استخارہ کیا اس سے میری مراد بھی رب العزت تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ کا ادب ملحوظ رکھنا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین کو حکم فرمایا ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ یعنی اے محبوب! جب آپ قرآن کریم پڑھنا چاہیں، تو اول شیطان مردود سے اللہ کے ساتھ پناہ لیں۔ چنانچہ استعاذہ اور استخارہ اور استعانت سب کے معنی پناہ مانگنے اور اپنے کاموں میں اللہ تعالےٰ جل شانہٗ سے مدد لینے کے ہیں، جس سے انسان ہر قسم کے فتنوں سے مامون ہو جاتا ہے

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور شافع یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے کاموں میں قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق استخارہ تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ تمام امور کی بہتری کوشش اور تدبیر پر موقوف نہیں، بلکہ ہر بلندی کی بھلائی برائی خدائے قدوس جانتا ہے اور جو تکلیف وراحت بندے کو پہنچتی ہے وہ پہلے سے اس کی قسمت میں مقرر ہوتی ہے۔

اندریں صورت ہر بندے کو اپنا معاملہ قضا و قدر کے سپرد کرنے اور اس کی تکمیل کے لیے مؤثر حقیقی سے مدد مانگنے کے سوا چارہ ہی نہیں ہے۔

لہٰذا ایسا ہی کرنا بہتر ہے تا کہ رب العزت تعالیٰ شانہٗ اس سے اس کے نفس کے بُرے اثرات دُور فرمائے، اور اس کام کی بہتریوں سے اسے متمتع کرے۔ بنا بریں ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ہر کام کے لیے اول استخارہ کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اسے خلل وخلل اور ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھے۔

فصل میں نے جو یہ کہا ہے کہ نفسانی اغراض سے دل کو پاک کر کے یہ کام شروع کیا ہے۔ اس کے اظہار سے غرض یہ ہے کہ جس کام میں غرض نفسانی آجاتی ہے

اس سے برکت اٹھ جاتی ہے اور دل راستی دیانت کے راستہ سے نکل کر کسی کونہ بغیروں میں پھنس جاتا ہے۔ اور یہ صورتِ حال سے خالی نہیں۔ یا تو نفس کی غرض پوری ہوگی یا نہ ہوگی۔ اور نفسانی غرض پوری ہوئی تو اس میں تمام ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اس لیے کہ جہنم کے دروازہ کی کنجی مرادِ نفس کا حصول ہے۔ اور اگر غرضِ نفس پوری نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس غرضِ بد کو پہلے ہی دل سے دُور کیا ہوتا، اس لیے کہ نجات اسی میں ہے۔ اور دروازۂ بہشت کی کنجی اغراض نفسانی سے مجتنب رہنا ہے۔ جیسا کہ حضرت ربّ العزّت تعالےٰ شانہٗ نے فرمایا:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى

"یعنی جس نے روکا اپنی خواہش نفسانی کو اس کا جنت ٹھکانا ہے۔"

اور ہمارے کاموں میں نفسانی اغراض یہ ہیں کہ:

انسان جو کام کرے اس کا بدلہ رضاءِ الٰہی اور عذابِ نفس سے رہائی مانگنے کے سوا کچھ اور مانگے، اور اقسام تکبر اور خود بینی کی حد و غایت نہیں، اور نفس کا حیلہ جو وہ نکالتا ہے، ان پر انسان قبضہ کر سکتا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو اس کتاب میں نفس امارہ کے کیدوں پر اپنے مقام پر ایک باب مستقل لکھا جائیگا۔

فصل اور جو کہ میں نے لکھا ہے کہ پختہ ارادہ کر کے دلی آرزو کے مطابق ثابت قدم ہو کر اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ سائل نے مجھے قابلِ سوال سمجھ کر مجھ سے دل کی بات پوچھی اور تالیف کتاب کی آرزو زبانِ حال سے کی، جس میں اس کی مراد کا پورا ہونا تھا۔ بنابریں سوال سائل کا حق ادا کرنا مجھ پر لازم تھا تو جب سوال سائل کے تمام حقوق ادا کرنے مجھ پر لازم ہوئے تو میں نے عزم بالجزم کیا، تاکہ میں اپنے ذمہ سے سبکدوش ہو جاؤں

اس لیے کہ انسان کے ذمہ کسی کام کو شروع کرنا اور اس کے پورا کرنے کی نیت کر لینا ہے۔ پھر اگر اس کے اتمام میں خلل واقع ہو جائے تو وہ اس سے معذور ہے جیسا کہ حضور سید یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ

یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے، جس کا مفہوم یہ ہے، کہ کام شروع کرنے کی ابتدا میں نیت کرنا اس تمام کے شروع کرنے سے بہتر ہے اور تمام معاملات میں نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے اور اس پر یہ بدیہی دلیل واضح ہے کہ انسان نیت کے ساتھ ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں آجاتا ہے۔ عام اس سے کہ ظاہر میں عمل ہو یا نہ ہو۔

مثلاً ایک شخص روزہ رکھنے کی نیت کے بغیر بھوکا رہے تو اس کو کچھ ثواب نہیں اور جب روزہ کی نیت سے بھوکا رہے تو اس بھوکے رہنے میں اسے اتنا ثواب ہوتا ہے کہ مقربین بارگاہ کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ روزہ دار رہنے سے ظاہر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

علاوہ ازیں دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ جب کوئی مسافر کسی غیر شہر میں جا کر رہے تو جب تک وہاں قیام شرعی کی نیت نہ کرے (جو پندرہ یوم سے زائد ہے) مقیم نہیں ہو سکتا، مسافر ہی رہے گا، اور قیام شرعی کی نیت کرنے سے (جو پندرہ یوم سے زائد ہیں) مقیم ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔

تو حاصل مقصود یہ ہوا کہ کام کے ابتدا میں نیک نیت کرنی، اس کام کا حق ادا کرنے کے مترادف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

فصل اور جو ہم نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا نام ہم نے کشف محجوب رکھا، اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ کتاب میں ہے۔ اس کی ترجمانی اس کتاب کا نام ظاہر کر دے، جس کی چشم باطن کھلی ہو وہ جب کتاب کا نام سنتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اس میں کیا کیا مضامین درج ہیں۔

اور واضح رہے کہ سوا مقربین بارگاہ کے عوام حقیقت آشنائی سے محجوب ہیں اور محض بے خبر۔ چونکہ یہ کتاب بیان راہ حق میں ہے، اور کلمات تحقیق کی شرح اور کشف حجاب شریعت کے موجب ہیں۔ اس لیے اس کتاب کا نام اس کے سوا اور کوئی موزوں نہ تھا، اور درحقیقت کشف محجوب کے لیے ہلاکت ہے، جیسے کشف ہی حجاب، یعنی جسطرح قرب متحمل بعد نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعد متحمل قرب نہیں۔ یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ جو کیڑا سرکہ میں پیدا ہوتا ہے وہ جس چیز میں پڑے گا مر جائے گا، اور جو کیڑا دوسری چیزوں میں پیدا ہوا، وہ اگر سرکہ میں ڈالا جائے تو مر جائے گا۔

اسی طرح معانی اور تحقیق حقیقت کا راستہ اختیار کرنا اسی کا کام ہے جو اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، بخلاف اس کے جو اس کام سے نابلد ہے اگر وہ اس کام میں ڈالا جائے تو اسے اس کا پورا کرنا دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ

جو انسان جس کام کے لیے بنایا گیا ہے، اسے وہی کام آسان ہے
اور اس پر اس کام کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

لیکن حجاب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک حجاب رینی۔ یہ وہ حجاب ہے جس سے ہم اللہ کے ساتھ پناہ مانگتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ حجاب جس پر آیا، پھر دُور ہی نہیں ہوتا، دوسرا حجاب غینی ہے۔ یہ جلد دفع ہو جاتا ہے۔ اسکی تصریح یوں ہے کہ ایک انسان وہ ہے کہ اس کی ذات تصدیق حق کے لیے جب

حجاب ہوجاتی ہے، تو اس کے نزدیک حق و باطل برابر ہوتا ہے۔

اور ایک انسان وہ ہوتا ہے کہ اس کی ذات تصدیق حق کے لیے حجاب تو ہوتی ہے۔ مگر اس کی جبلت طالب حق رہتی ہے اور باطل پرستی سے اجتناب کرتی ہے تو وہ حجاب جو رینی ہے کبھی اٹھتا ہی نہیں اور رَین ختم۔ طبع مترادف المعنی ہیں۔ جیساکہ حضرت رب العزت نے فرمایا:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

یعنی ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا ہوا ہے۔"

ان کے کرتوت کی وجہ سے اور اس زنگ کا اثر دوسری آیۂ کریمہ میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

بے شک جو لوگ کافر قطعی ہیں برابر ہے اے محبوب! خواہ انہیں خوف دلایا نہ دلا، ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔"

اسلئے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ مہر لگائی اللہ نے ان کے دلوں پر، اور اس صفت کا حجاب جو غینی ہے، وہ کسی وقت دور بھی ہو سکتا ہے۔ اور رَینٌ و غَینٌ کے معنی میں مشائخ نے ایک لطیف خیال بھی ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلرَّيْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْمُوْطِنَاتِ وَالْغَيْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْخَطَرَاتِ۔

یعنی رین ذاتیات موطن سے ہے اور غین وساوس خطرات وطن سے ہے۔

اور یہ امر ظاہر ہے کہ ذات موطن پائیدار ہے اور خطرات وطن ناپائیدار۔ مثلاً خالص پتھر کبھی شیشہ نہیں ہو سکتا۔ خواہ کتنی ہی جلا دیتے رہو۔ اور اگر شیشہ مکدر ہو جائے تو چونکہ

جلا اس کی ذات میں ہے۔ اس وجہ سے وہ روغنی جلا دینے سے جلی ہو جائے گا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پتھر کی ذات میں ظلمت و تاریکی ہے، اور شیشہ کی ذات میں جلا و روشنی۔ تو چونکہ اصل پائیدار ہوتی ہے۔ بنا بریں بوجہ اصلیت پتھر کسی جلا سے مجلا نہیں ہوگا اور شیشہ ادنیٰ جلا دینے سے جلا پا جائے گا۔ تو میں نے یہ کتاب اس لیے تالیف کی ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے حجاب کا کشف ہو جائے۔ جو طالب علم میں محجوب ہیں، اور درحقیقت مایۂ نورِ حق ان میں موجود ہے۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے سے ان کا حجاب کھل جائے اور حقیقت کا راستہ انھیں مل جائے، اور جو انکارِ حق اور احقاقِ باطل سے محبت رکھنے والے ہیں وہ ہرگز مشاہدۂ حق کی راہ نہیں پاتے انھیں اس کتاب سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نِعْمَۃِ الْعِرْفَان

فصل ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ مقصود و سائل ہمیں معلوم ہو گیا اور سائل کی جو غرض و غایت ہے وہ اس کتاب میں مفصل مذکور ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ جب تک مسئول مقصود سائل نہ سمجھے مراد جواب پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اور سائل عموماً مسئول سے امورِ مشکلہ کا حل چاہتے ہیں۔ پھر جب مقصود سائل سمجھے بغیر جواب دیا جائے تو مقصود سائل حل نہیں ہوتا اور اس جواب سے کوئی فائدہ بھی نتیجہ خیز حاصل نہیں ہوتا۔

اور یہ امر واضح ہے کہ جب تک سوال مشکل کا عرفان مسئول کو نہ ہو، اس کا حل کرنا محال ہے۔

اندریں جو ہم نے کہا کہ اس کتاب کے ذریعہ سائل کی مراد پوری ہو گی۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ جو سوال جامع ہوگا اس کا جواب بھی اس کتاب میں جامع ملے گا بشرطیکہ سائل، اپنے سوال کے صغیر و کبیر درجات اور پہلوؤں کا عالم ہو اور اگر مبتدی سائل ہے تو اسے تفصیل کی احتیاج نہیں۔ اس کے لیے حدود اور درجات کے بیان کی ضرورت ہی نہیں۔

الحاصل خدا بر سائل کی غرض نیک کرے۔ میرا مقصد اس کتاب کی تالیف سے یہی ہے کہ سوال سائل کی تفصیل پر ایک کتاب مرتب ہو جائے۔

فصل اور میں نے جو کہا ہے کہ میں اللہ تعالٰے سے اتمام کتاب کی توفیق اور مدد طلب کرتا ہوں۔ اس سے جو مراد ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے لیے سوائے توفیق حقیقی کے کوئی ایسا امر نہیں جو اعمال صالحہ پر اس کی اعانت کرے اور اس کی تکمیل کی توفیق بخشے۔

اب یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ توفیق کیا ہے؟

توفیق کہتے ہیں امور خیر میں انسان کے ہر فعل کے اندر فعال حقیقی جل مجدہٗ کی اعانت، اور امور خیر وہ ہیں جن میں کتاب وسنّت اور ان کے نیک ہونے پر ناطق ہو اور اجماع امت اس کے استحسان پر پایا جائے، اور لفظ توفیق کو سوائے جماعت معتزلہ اور گروہ قدریہ سب اسی معنی میں لاتے ہیں، برخلاف معتزلہ وقدریہ کے کہ وہ اس لفظ توفیق کو تمام معانی سے خالی سمجھتے ہیں، اور ایک جماعت مشائخ طریقت کے نزدیک توفیق کے معنی یہ ہیں:

اَلتَّوْفِیْقُ ھُوَ الْقُدْرَۃُ عَلَی الطَّاعَۃِ عِنْدَ الْاِسْتِعْمَالِ

"یعنی توفیق کیا ہے، یہ کہ انسان بوقتِ عمل اپنے میں قدرتِ اطاعت پائے"

اس لئے کہ جب بندہ اپنے رب جل مجدہٗ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے میں منجانب اللہ بہ نسبت سابق بہت زیادہ استعداد پاتا ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً جو حرکات وسکنات ان سے سرزد ہوتے ہیں وہ منجانب اللہ اس کی پیدائش سے قبل اس کے لیے مقرر ہوتے ہیں تو اس فن کو جس سے انسان مطیع وفرمان بردار حکم الٰہی ہوتا ہے۔ توفیق کہتے ہیں۔

اور اس کتاب میں اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے گنجائش نہیں، اسلیے کہ یہ بحث جداگانہ ہے۔ بنا بریں میں اپنے بیان کو اصل مطلب کی طرف لے جاتا ہوں اور اصل مدعا بیان کرنے سے قبل میں اس سوال کو بعینہٖ بیان کرتا

ہوں۔ حقیقۃً کتاب ہذا کا سطورع بھی اسی سوال سے ہے۔ وباللہ التوفیق!

استفسار

فرماتے ہیں ہذا ابو سعید ہجویری نے محمد علی ہجویری سے سوال کیا کہ جمل طریقت وتصوف کی کیفیت اوران کے مقامات ومذاہب بیان کر۔ اور ارباب تصوف کے رموزواشارات ظاہر کر، اور یہ بھی واضح کر کہ اللہ جل مجدہ کی ذات وصفات کے ساتھ ربط محبت کیوں کر ہوتا ہے اور اس کا لطف سب کیف قلوب صوفیا پر کس طرح متکیف ہوتا ہے، اور اس کی ماہیت معلوم ہونے سے عقول کا حجاب اور اس کی حقیقت آشنائی سے نفس کی منافرت اور اس کی ضیاو صفا سے روح کو آرام کیوں کر ہے!

مسؤل علی بن عثمان جلابی نے کہا، اللہ اُس کے اس جواب دینے میں اعانت فرمائے۔

ہمارے اس زمانہ میں علم حقیقت ومعرفت مندرس اور معدوم جیسا ہوگیا ہے۔ خاص کر ان ممالک میں جہاں لوگ عوام خواہشات نفسانیہ کے پیرو بن گئے ہیں اور راہ رضا و استقامت سے منحرف!

اور عام طور پر علماء نے صورت طریقت کو اس کی اصلیت کے خلاف ظاہر کر کے عوام کی ہیئات بدل دیئے ہیں۔ لہذا آؤ اور کمر ہمت چست کرو۔ اسلئے کہ اس سوال کی حقیقت تک خواص کے سوا عوام کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور عوام اہل ارادہ کی امیدیں اسکے حصول کی امید سے مایوس ہیں!

اور درحقیقت حضرت جل مجدہ تعالےٰ شانہ کے خواص کے علاوہ تمام مدعیان عرفان کی معرفت بے کار ہے۔

---

۱ ابوسعید ہجویری مشائخ غزنی میں سے ہیں۔ ۲ رضا اصطلاح صوفیا میں فاعل حقیقی کے خیر وشر پر خوش رہنے کو کہتے ہیں۔

اس لئے عوام نے معرفت سے مراد محض اسکے لغوی معنی لئے ہیں ، اور دل وجان اسکے حجاب کے خریدار ہو چکے ہیں اور یہ کام تحقیق کا تھا مگر اب محض تقلید میں رہ گیا ہے ۔ جیسے کہ مدعیٔ تحقیق ان سے مخفی ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ عوام بھی کہنے لگ گئے کہ ہم حق شناس عارف ہیں!

اور خاص ان سے اس لئے خوش ہیں کہ ان کے دلوں میں عرفان کی تمنا چاہتے ہیں اور سوز محبت ان میں دیکھتے ہیں۔

اور مدعی تصوف وعرفان اپنے دعوے میں اسقدر محو ہو گئے کہ معانی حقیقی حل کرنے میں عاجز ہیں ۔ پیر و مرید دونوں نے مجاہدہ چھوڑ دیا اور محض اپنے وہم وظن کا نام مشاہدہ رکھ لیا۔

میں نے اس فن میں کئی کتابیں لکھیں مگر سب ضائع ہو گئیں۔

مدعیان کاذب نے لوگوں کو دام تزویر میں پھانسنے کے لیے چند الفاظ صوفیاً کے یاد کر لیے ہیں اور اصل مفہوم نسیاً منسیاً کر ڈالا ، اور دل میں انکار کے سوا کچھ نہیں ! اور اسے وہ نعمت جانتے ہیں۔

ایک گروہ اس علم کے حاصل کرنے کو آمادہ ہو کر بیٹھا مگر کچھ حاصل نہ کر سکا۔ دوسرے گروہ نے فن پڑھا مگر اس کے معنی پر عبور نہ کر سکا ، اور عبارت یاد کر کے ظاہر کرتا پھرا کہ ہم فن تصوف اور علم عرفان جانتے ہیں اور حقیقتہً یہ انکا خالص ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معانی حقیقی کا جاننا ایسا ہے جیسے کبریت احمر یا کہ اس کی ایک دانگ (۸ رتی) کی نسبت سے تانبا ، کانسی کو سونا بنا دے۔

مختصر یہ کہ ہر وہ شخص دوا چاہتا ہے جو اس کے درد کیلئے دافع ہو اور اس کے سوا اُسے اور کسی چیز کی طلب نہیں ۔ بزرگوں میں سے کسی نے خوب کہا ہے

فَكُلٌّ فِي فُؤَادِهٖ وَجَعٌ وَيَطْلُبُ شَيْئًا يُوَافِقُ الْوَجَعَا

یہ وہ شخص جس کے کلیجہ میں درد ہے اور وہ اسی چیز کا طالب ہے جو اس کے

درد کو مفید ہو۔ پھر جس مریض کی بیماری معمولی ہے اسے موتی اور مرجان کی کیوں تلاش ہو کر وہ اسے خیرہ مروارید۔ دوا المسک میں ڈالے۔

درحقیقت آشنائی اس وجہ میں بھی عزیز الوجود ہے کہ ہر کس و ناکس کے حصہ میں یہ دولت نہیں (جس طرح میری تصانیف جامع ہوتی ایسے ہی)

علم تصوف سے جاہل لوگوں نے بزرگان' ملت کی کتابوں کو لے کر بغیر سمجھے ان کی یہ عزت کی، اس اسرار الہیہ کے خزانہ کو کلاہ فروشوں اور جلد سازوں کے ہاتھ بیچ کر ضائع کر دیا، انہوں نے ان کے اوراق پھاڑ پھاڑ کر ٹوپیوں کے استر میں لگا دیئے اور جلد سازوں نے ابو نواس کے دیوان اور جاحظ کی ہزلیات کی جلدوں میں چپکا دیئے۔

گویا ایسے ہوا جیسے باز شاہی کسی بڑھیا کے مکان پر چلا گیا، اس نے اس کے پر بازو کاٹ کر گھر میں ڈال دیا۔

رب العزت جل مجدہٗ نے ہمیں بھی ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا۔ کہ اہالیان زمانہ حظوظ حرص و ہوا کو شریعت بنا بیٹھے اور طلب جاہ اور ریاست و تکبر کو عزت و علم سمجھ لیا، اور ریا کاری و نمائش کو خوف الٰہی قرار دے لیا، اور بغض۔ حسد و کینہ کو حلم و بردباری بنا لیا۔

مجادلہ کا نام مناظرہ دین رکھ لیا۔ لڑائی جھگڑا۔ کمینہ پن کا نام غیرت رکھ لیا۔ نفاق کے معنی زہد کر لیے اور غنا و باطل کو ارادت بتانے لگ گئے۔

ہذیان و کواس کا نام معرفت رکھ لیا۔ حرکت دل بڑھ جانے کو غلبۂ حال ربی ہونا کہہ دیا۔ دل میں جو خطرات پیدا ہوتے ہیں، اس کا نام الہام و حدیث نفس بنا لیا۔ الحاد خالص کو فقر کہہ دیا۔ جحود حق سے یعنی سہل انگاری کو صفوت کہہ ڈالا زندقہ کا نام فنا فی اللہ ہونا رکھ لیا۔ ترک احکام شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت والسلام کو عین طریقت بنا بیٹھے، اور خس و خاشاک، فکر دنیا و آفت زمانہ کا نام معاملہ فہم بنا لیا۔

اور انسان اپنے وجود کے سبب حقیقت آشنائے توحید ہونے سے محجوب ہے اور ارواح بھی رفاقت وجود انسانی کے بدولت مغرور ہو کر اپنے رب مجید کی تقریب اور اس جسم سے نجات پانے میں محروم ہو گئی ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اسرار الٰہیہ بذریعہ عقل سمجھنا مشکل بلکہ محال ہیں اسی وجہ سے لطائف حق سے روح انسانی محجوب ہو گئی اور مجسمۂ انسانی اپنی برزخ وجود سے دور ہو گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۔

قسم ہے محبوب تیرے عصر پاک کی بیشک انسان اپنے عنصر وجودی کے حجاب میں آکر معرض زیاں میں ہے۔

اور یہ بھی فرمایا :

اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ۔

بے شک وہ بڑا نادان ناعاقبت اندیش اور جاہل ہے۔

پھر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

خلق اللہ الخلق فی ظلمۃ ثم القی علیہ نورا

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو حجابات عنصر پر پیدا فرمایا۔ پھر ان پر تزکیہ و تصفیہ قلب کے ذریعہ اپنے نور خاص کی جھلک ڈالی

پھر وہ حجاب علم دنیا میں فریفتۂ انسانی کے اندر مل گیا اور بتصرف عقل طبائع انسانی پر غالب آگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس پر قناعت کر کے روح کی صفائی کے بجائے خریدار حجابات ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان من حیث الانسان دادیٔ حقیقی اور انوار کشف سے بے خبر رہ کر ان افعال سے گریز کرتا ہے جو اس کی نجات کے سبب ہیں۔ گویا وہ مثل بہائم دانعام ہو گیا۔ جو ہوئے توحید سے ناآشنا جمال احدیت سے بے بہرہ۔ ذوق وحدانیت سے بے خبر ہے۔ اس کی ترکیب مجازی مشاہدہ اور تحقیق سے عاجز ہے۔ اسی وجہ سے مرضیات الٰہیہ کو چھوڑ کر

حرص دہوائے دنیاوی کی طرف رجوع ہے۔

اپنی نظم جو ان کے مسلک حیات عملی کو متعین کرکے خواہشات نفسانیہ کی
حرکتوں پر چھینٹے گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بجائے خواہشات نفسانیہ پر گو
سونے کھانے شہوانی کیفیتوں کی پیروی کرنے کے سوا کچھ خبر ہی نہیں۔
رب جل جلالہ و عم نوالہ نے اپنے خاص دوستوں کو ان کی اس سے مجتنب رہنے کے
لیے اس طرح ہدایت فرمائی۔

ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون

اے میرے محبوب چھوڑ ان کو کہ کھائیں۔ زندگی کے عیش اڑائیں
اور دنیاوی حرص و آز انہیں غافل رکھے۔ پھر عنقریب جان
جائیں گے (کہ اس غفلت کا نتیجہ کیا ہے)

چونکہ عوام الناس کی طبیعتوں نے غلبہ نے انہیں اسرار الہیہ پوشیدہ کر
دیئے تو ان پر عنایات الہی کی بجائے خواری و ذلت چھا گئی۔ اس وجہ سے
تمام نفس امارہ کے پیرو ہو گئے اور یہ سب میں بڑا حجاب ہے اور ہلاکی کا منبع۔
اس کے متعلق اللہ تعالے نے فرمایا:

ان النفس لامّارۃ بالسوء

بے شک نفس برائیوں کا حکم کرنے والا ہے۔

اب میں اصل کتاب شروع کرتا ہوں۔ اور مقصود و مطلب کو مقامات
خاص اور حجاب ہائے گوناگوں میں ظاہر کروں گا، اور بیان لطیف کے ساتھ
حکایات فن سناؤں گا۔ نیز میں مشائخ کرام کو اس سے تعلیق دوں گا۔ اور
ارباب فن کی عبارات کو نہایت موزوں صورت میں چسپاں کروں گا۔
احوال بزرگان دین اور حالات و قرائن سے مفہوم کتاب سمجھانے میں امداد
لوں گا۔ تاکہ طالب مفہوم کی مراد فہم پوری ہو۔ تاکہ علماء ظاہر امداد دیں۔ علاوہ
ازیں جو بھی اسے دیکھے جان لے کہ طریق تصوف کتنا ہموار ہے۔ اور خوشبودار ہے

کے جڑ کس قدر مضبوط ہیں اور اس کی شاخیں کیسی بارآور ہیں۔ اور ہر کوئی سمجھ سکے کہ تصوف تمام علوم کی اصل ہے اور اس سے علماء تصوف ہمیشہ اپنے مریدوں کو تحصیل علم کی ہدایت کرتے رہے اور لہو و لعب و ہزلیات کی پیروی سے روکتے رہے، اور اس فن کی ترویج و ترغیب سے اُنکی تصانیف بھری ہوئی ہیں، جن میں وہ مضامین ہیں جو انہیں منجانب اللہ وارد و صادر ہوئے۔ و باللہ التوفیق۔

پہلا باب

اثبات علم

علماء حق کی صفت میں حضرت رب العزت جل شانہٗ فرماتا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

"اللہ کے بندوں میں خشیت الٰہی رکھنے والے علماء ہی ہیں۔"

حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

"ہر مسلم مرد وعورت پر علم دین حاصل کرنا فرض ہے ہر مسلمان پر۔"

اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ

"علم حاصل کرو اگرچہ چین سے دستیاب ہو۔"

اور واضح رہے کہ اقسام علم بے حد ہیں اور عمر انسانی نہایت ناقص — بنابریں واضح ہو گیا کہ تمام علوم حاصل کرنا ہر انسان پر فرض نہیں، مثلاً علم نجوم، علم حساب، علم صنائع بدائع وغیرہ وغیرہ۔

مگر ان علوم میں سے اتنا حاصل کرنا لازمی ہے جس کی شریعت مطہرہ کے اندر ضرورت ہے، جیسے علم نجوم۔ اس کا اتنا جاننا ضروری ہے جس سے رات دن کے اوقات صوم وصلوٰۃ کے وقت جانے جاسکیں۔ علم طب اس

قدر ضرور پڑھا جائے جس سے انسان صحت کی حفاظت عوارضات مرض سے کرسکے۔ اسی طرح ریاضی اسقدر پڑھنی ضروری ہے جس سے علم الفرائض آسانی سے سمجھ سکے

غرضیکہ علم اس قدر حاصل کرنا ضروری ہے جس سے حوائج شرعیہ پورے ہوسکیں، اور وہ علم جس سے منافع اُخروی کے ساتھ کچھ تعلق نہ ہو اس کی مذمت رب العزت جل مجدہٗ نے فرمائی اور ارشاد ہوا :

ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم

"یعنی سیکھتے ہیں ان علوم کو جو انہیں (اعتقادات و مذہبیات میں) نقصان پہنچاتے اور نفع رساں نہیں ہوتے"

اور سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے علم سے پناہ مانگی اور فرمایا :

اعوذبك من علم لا ینفع

"یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں علم بے منفعت سے"

بہرحال تھوڑے علم سے بہت عمل کیا جاسکتا ہے اور طالب علم کو لازم ہے کہ علم بالعمل حاصل کرے اس لیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المتعبد بلا فقہ کالحمار فی الطاحونۃ .

یعنی عبادت کرنے والا بغیر جانے علم فقہ کے اس گدھے کی مانند ہے جو خراس میں دن بھر چلتا . اور شام کو جہاں تھا وہیں رہا)

گویا بے قاعدہ شرعی عبادت کا نتیجہ یہی ہے جو خراس کے گدھے کا کہ دن بھر پھرا مگر فضول . کچھ بھی نہ کرسکا .

میں نے عوام میں ایک گروہ دیکھا کہ وہ علم پر عمل کو فضیلت دیتا ہے . اور ایک جماعت دیکھی ہے جو عمل پر علم کو مقدم رکھتی تھی اور درحقیقت یہ دونوں باطل پر تھے . اس لیے کہ عمل بغیر علم عمل نہیں . کیونکہ عمل ، عمل جب مانا جاتا ہے جب کہ اس کا علم ہو . عمل کنندہ جانے کہ اس عمل سے ہمیں

پر ثواب یا درجہ ملے گا جیسے نماز اور اس کی صحت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ نماز پڑھنے والا احکام طہارت کا علم نہ حاصل کر لے اور جب تک پانی کے پاک ہونے کا علم نہ ہو جائے، وضو صحیح نہیں ہو سکتا۔

قبلہ کی سمت کا اگر علم نہیں، نماز درست نہیں۔ اسی طرح جب تک نیت کے معنی اور اس کی حقیقت کا علم نہ ہو۔ نماز بے کار ہے۔ اسی طرح اگر ارکانِ نماز نہیں جانتا تو نماز کہاں درست ہو سکتی ہے۔

تو ثابت ہوا کہ عمل علم سے زیب ہوتا ہے تو وہ جاہل جو علم کو عمل سے علیحدہ کر رہا ہے، اور علم کو عمل پر فضیلت دے رہا ہے محض لغو اور بناء علے الباطل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علم باوجود بغیر عمل نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظهورهم کانهم لا یعلمون۔

یعنی ایک جماعت انہیں سے وہ ہے جنہیں اللہ کی کتاب عطا ہوئی ہے۔ مگر انہوں نے کتاب کو ایسا پس پشت ڈال دیا کہ وہ اس کتاب سے جاہل ہیں۔

گو یا رب جل جلالہٗ نے عالموں کا نام علماء کی جماعت سے بے عمل ہونے کی وجہ سے نکال دیا۔ اگرچہ پڑھنا، یاد کرنا۔ یاد رکھنا، اس یاد کیے ہوئے کی محافظت کرنا یہ بھی ایک عمل ہے۔ کہ اس سے بھی بندہ کو اجر کا مستحق مانا جاتا ہے۔ مگر جبکہ علم کا حکم اس کے اعمال کے خلاف ہو، تو اسے اس سے یاد کرنے وغیرہ کا کچھ ثواب نہیں ملتا ہے۔

اس مسئلہ میں دو فرقے ہیں: ایک وہ کہ وجاہت خلق علم کی وجہ میں دیکھ کر اسکے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا، اور علم کی حقیقت تک خود پہنچکر عمل کو علم سے جدا کرتا ہے۔ یہ وہ فرقہ ہے جو نہ علم کو سمجھا نہ عمل کو، حتےٰ کہ جاہلوں کو

کہتا پھرتا ہے۔ قال نہیں چاہیئے کار چاہیئے۔
دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ عمل کچھ نہیں علم چاہیئے۔
حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے راستہ میں ایک پتھر پڑا دیکھا، اس پر لکھا ہوا تھا "مجھے پلٹ اور پڑھ"! میں نے پلٹا تو اس پر یہ لکھا دیکھا:

اَنْتَ لَا تَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ
فَکَیْفَ تَطْلُبُ عِلْمًا مَا لَا تَعْلَمُ

یعنی جب تو اپنے علم کے مطابق عمل سے قاصر ہے تو محال ہے کہ جس کا تجھے علم نہیں، اس پر عمل کرے۔ گویہ ہدایت اس پر منقش تھی کہ انسان اس حد تک عمل کوشش رہے جس حد تک اسے علم ہے تاکہ اس کی برکت سے وہ بھی جان لے جو نہ جانتا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هِمَّةُ الْعُلَمَاءِ الدِّرَايَةُ وَهِمَّةُ السُّفَهَاءِ الرِّوَايَةُ

"علما کا خزانہ معلومات علم ہے اور جہلا کا خزانہ علم محض روایات کا نقل کر دینا"

چونکہ علماء لوازمات جہالت سے منفی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ علم کو ذریعہ جاہ و عزت دنیا نہیں بناتے۔ اور جو علم کے ذریعہ جاہ طلبی کرتے اور عزت دنیاوی چاہتے ہیں وہ لوازمات جہل میں ملوث رہ کر کوئی درجہ درجات اہلِ علم سے نہیں پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ علم بغیر کسی لطیفہ کے ذریعہ خدا رسیدہ نہیں ہو سکتا، اور علم کی برکت سے تمام مقامات کا مشاہدہ ہو جاتا ہے وَاللّٰہُ اعلم بالصواب۔

فصل اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ علم دو ہیں۔ ایک علم الٰہی دوئم علم خلق اور علم خلق متلاشی علم الٰہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ علم الٰہی اللہ تعالےٰ کی صفت ہے۔ اور

صفت الٰہی ذاتِ الٰہی کے ساتھ قائم ہے، اور صفات الٰہیہ بے نہایت ہیں اور ہمارا علم (یعنی علم خلق) صفتِ خلق ہے اور صفتِ خلق مخلوق کے ساتھ قائم ہے اور مخلوق کی صفات متناہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

"یعنی تم کو علم (تمہارے ظرف کے مطابق) قلیل دیا گیا ہے۔"

الغرض علم مدح کی صفتوں سے ہے اور اس کی تعریف احاطۃ المعلوم ہے یعنی معلومات کا احاطہ کرنا یا تبیین المعلوم تعریف علم ہے۔ یعنی معلوم کا واضح طور پر بیان کرنا، اور بہترین جامع مانع تعریف علم یہ ہے کہ:

اَلْعِلْمُ صِفَةٌ یَّصِیْرُ الْجَاھِلُ بِھَا عَالِمًا۔

"یعنی علم ایک ایسی صفت ہے جس سے جاہل عالم ہو جاتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ بِالْکٰفِرِیْنَ ۝

"بے شک اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے"

اور فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

"اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔"

اور علم الٰہی ایک ایسی صفت ہے جس سے وہ تمام موجودات و معدومات کو جاننے والا مانا گیا ہے۔ اور ایسا عالم مانا گیا کہ اس جیسا عالم ہونے میں مخلوق کا کوئی جزو شریک صفت نہیں ہو سکتا۔ اور اس علم ذاتی کی تجزی بھی نہیں ہو سکتی اور نہ یہ علم اس کی ذات سے کبھی جدا ہو سکتا ہے

اور اس علم پر اس کی ترتیب فعال دلیل ہے، اسلئے کہ ہر فعل بحکم علم ظہور پذیر ہوتا ہے، اور علم الٰہی کی ہی یہ شان ہے کہ ہر مکتوم و ظاہر پر برابر محیط ہے۔

طالب حق کو لازم ہے کہ بوقتِ عمل، یقین کرے کہ وہ عالم الغیب حاکم حقیقی میرے اس عمل کو دیکھ رہا ہے. جیسا کہ اس کا عقیدہ ہے کہ وہ ہماری ہر حرکت سکون کو دیکھنے والا ہے.

حکایت

روایت ہے کہ ایک رئیس بصرہ کسی دن اپنے باغ میں گیا۔ اس کی نظر اپنے باغ کے مالی کی بیوی پر پڑی اور بُرا خیال پیدا ہو گیا۔ رئیس نے مالی کو کسی کام کیلئے بھیجدیا، اور اس کی بیوی کو کہا۔ باغ کے سب دروازے بند کر دے عورت نے آکر کہا۔ میں نے سب دروازے بند کر دیئے ہیں مگر ایک دروازہ ایسا ہے کہ میں اس کو بند نہیں کر سکتی۔ رئیس نے پوچھا۔ وہ کون سا دروازہ ہے؟ مالی کی بیوی نے کہا۔ وہ دروازہ وہ ہے۔ جو میرے اور میرے رب کے مابین ہے۔ یہ سُنکر رئیس شرمندہ ہوا، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگی۔

حاتم اصم رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے چار علم اختیار کیے ہیں اور دُنیا کے تمام علوم سے آزاد ہوں۔ لوگوں نے پوچھا حضرت وہ چار علم کون سے ہیں؟ فرمایا:

پہلا علم تو یہ ہے کہ میرا رزق جتنا میرے لئے مقسوم ہے۔ کم یا زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے میں زیادہ کی تلاش سے بے پرواہ ہوں۔

دوسرا علم یہ کہ مجھ پر میرے رب جل مجدہ کے ایسے حقوق ہیں۔ جو میرے سوا دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ تو میں ان حقوق کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا ہوں۔

تیسرا علم یہ کہ میرا ایک طالب ہے جسے موت کہتے ہیں۔ اس سے بھاگنا ناممکن ہے۔ اس لئے میں اس کے لئے تیار ہوں۔

چوتھا علم یہ کہ میرا رب جل مجدہٗ و تعالیٰ شانہٗ مجھے ہر لمحہ دیکھنے والا ہے

میں اس سے شرماتا ہوں اور ناکردہ کاری سے اجتناب کرتا ہوں اور ہر ایسے فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں جس کی وجہ سے کل قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔

فصل بندہ کا علم اوامر الٰہیہ اور اس کی ذات کے جاننے میں ضروری ہے اور علم اوقات اور اوقات میں جو بندہ پر لازم ہے۔ اس کا جاننا بھی ابدی ہے۔ پھر احکام ظاہری و باطنی کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اور ظاہر و باطن امور کے لحاظ سے علم مخلوق کی دو قسمیں ہیں: ایک علم اصول، دوسرا علم فروع۔ اصول ظاہری میں تو کلمۂ شہادت ہے۔ یعنی وحدانیت الٰہی کا اعتراف اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق۔ اور اصول باطن میں معرفت

کی تحقیق اسی طرح فروغ ظاہری آپس میں معاملات اور برتاؤ درست رکھنا، اور فروغ باطنی دل سے نیت صحیح رکھنا اور اس صحت پر قائم رہنا، اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے بغیر محال ہے۔

چنانچہ ظاہر کا برتاؤ صاف رکھنا اور دل میں اس کے خلاف ہونا نفاق خالص ہے۔ اسی وجہ سے باطن کی اصلاح ظاہر کے بغیر سمجھنا زندقہ ہے اور شریعت پر ظاہری اطاعت بغیر اطاعت باطنی یعنی قلبی کے ناقص ہے اور جو چیز باطن میں نہ ہو اسے ظاہر داری میں دکھانا ہوس باطل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علم حقیقت کے تین رکن ہیں :

رکن اول علم ذات باری تعالیٰ اور اسکی وحدانیت کا اعتقاد، اور اس کی تشبیہ سے نفی۔

رکن دوئم علم صفات باری تعالیٰ عز اسمہ اور اسکے احکام کا علم

رکن سوئم حکمت الہیہ کا تسلیم کرنا، اور اسکے افعال کو ماننا۔

اسی طرح علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں :

اول — کتاب اللہ

دوئم — سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

سوئم — اجماع امت

اور اثبات وجود ذات واجب تعالیٰ شانہ اور علم صفات و افعال پر خود رب جل مجدہٗ کا فرمان دلیل واضح ہے، جیسا کہ ارشاد ہے :

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

"یعنی جان لے کہ بیشک وہی ایک معبود ہے اور اسکے سوا کوئی نہیں"

اور فرمایا :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىكُمْ۔

"یعنی جان لو کہ بیشک اللہ ہی تمہارا مالک ہے"

اور فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ

کیا نہیں دیکھا تو نے اپنے رب کو کہ اس نے کس طرح سایہ پھیلایا

اور فرمایا:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ

"کیا تم نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ کس طرح بنایا گیا

علاوہ اسکے بہت سی آیتیں ہیں جو افعال الٰہیہ پر نظر کرنے کی تاکید کر رہی ہیں تاکہ اس سے انسان صفات ذات کو جان کر فاعل حقیقی کا شناسا بنے۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰہَ رَبُّہٗ وَاَنِّیْ نَبِیُّہٗ حَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَحْمَہٗ وَدَمَہٗ عَلَی النَّارِ

"جس نے دل سے جان لیا کہ بے شک اللہ اس کا رب ہے اور میں اس کا نبی ہوں، اس کے لحم و دم کو اللہ تعالے نے جہنم پر حرام فرمایا"

لیکن علم ذات باری تعالٰے عز اسمہ میں یہ شرط بھی ہے کہ ہر عاقل و بالغ اس امر کو یقیناً جان لے کہ حق تعالیٰ شانہ موجود قدیم ہے اور اسکی ذات قدیم غیر محدود، اور مکان و جہت سے منزہ ہے اور وہ ذات موجب آفت نہیں اور وہ زن و فرزند سے پاک ہے۔ انسانی اوہام میں جو چیزیں متصور ہوتی ہیں، ان کا بھی وہی آفریدگار ہے اور وہی تمام مخلوق کا پرورش کرنے والا، اس نے حق فرمایا:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

"اس کی مثل کوئی شے نہیں، وہ سننے دیکھنے والا ہے۔

اور علم صفات ذات عز اسمہٗ یہ ہے کہ اسے جانے کہ اس کے لیے ایسی صفات ہیں جو اسی کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ مگر وہ صفات نہیں

ات ہیں نہ غیر ذات مگر ابدی ازلی ہیں جیسے علم، قدرت ۔ حیات ۔ ارادہ ۔
سمع ۔ بصر ۔ کلام ۔ بقا ۔ جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:

اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"بے شک وہ ذات پاک تمہارے دلوں کے خطرات کی بھی عالم ہے"

اور فرمایا:

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

"بے شک اللہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے"

اور فرمایا:

"وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

ذات مقدس بلا احتیاج آلہ سمیع و بصیر ہے"

اور فرمایا:

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝

"بڑا زبردست اپنے ارادے کو پورا کرنے والا ہے"

اور فرمایا:

ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

"وہ حی قدیم ازلی سرمدی ہے، اسکے سوا کوئی معبود نہیں"

اور فرمایا:

قَوْلُہُ الْحَقُّ وَلَہُ الْمُلْکُ ۔

"اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لیے حقیقی ملک ہیں"

اب علم باثبات افعال ۔ اسکے حصول کی صورت یہ ہے ۔ انسان جانے اور یقین کرے کہ وہی خالق خلق و خالق افعال خلق ہے ۔ علم نابود کو وجود میں لانے والا سوا اس کے کوئی نہیں خیر و شر کا خالق وہی ہے جیسا کہ فرمایا:

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ

"اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔"

اور ثبات احکام شریعت پر دلیل یہ ہے کہ اوسی واجب الوجود نے ہم تک اپنے رسول مبعوث فرمائے، انہیں گوناگوں معجزات عطا فرمائے جو قطعًا خارق عادات تھے اور محیر العقول — اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔ ان کو معجزات بے حد عطا کئے گئے اور ان کے ذریعے جیں خبریں پہنچیں وہ اخبار غیبیہ سے ہیں، اور تمام مبین الحق۔

اور شریعت مطہرہ کا رکن اول کتاب اللہ ہے جیسا کہ ذات عز اسمہٗ نے فرمایا:

مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ۔

"اس کتاب مقدس میں بعض آیات محکم اور واضح ہیں۔ وہی اصل کتاب ہیں"

دوسرا رکن شریعت اسلامی کا سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے جسکی اطاعت کے لیے قرآن کریم نے فرمایا:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

"جو حکم ہمارے حبیب تمہیں دیں، قبول کرو اور جس بات سے منع فرمائیں، باز رہو۔"

تیسرا رکن اجماع امت ہے۔ جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ وَعَلَیْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ۔

"یعنی میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہوگی، تم بڑی جماعت (یعنی اہلسنت وجماعت) کو لازم پکڑے رہو۔"

ان تمام احکام میں حقیقت اسلام ہے۔ اب اگر کوئی چاہے کہ تمام — اپنے اندر جمع کرلے تو ایسا نہیں کرسکتا، اس کی قوت سے ایسا ہونا وراء الوراء ہے، اس لئے کہ لطائف اسمار الٰہیہ بے نہایت ہیں۔ اور جب ان کی حد

اور حقیقی نہیں تو انسان ان سب پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

فصل یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ ایک جماعت ملحدوں کی ہے۔ اللہ کی ان پر لعنت ہو، انہیں سوفسطائی کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حقائق اشیاء کا علم تحقیقی حاصل ہونا محال ہے اور علم اشیاء خود کچھ نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس امر کا انہیں علم ہوا یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں اس امر کا ہمیں علم ہوا، کہ حقائق اشیاء کا علم حاصل ہونا محال ہے، تو وہ خود اپنی زبانی اثبات علم کر چکے، اور اگر کہیں کہ نہیں تو پھر یہ کہنا غلط اور بے علمی ہے کہ علم اشیاء کا حصول محال ہے، اور یہ دعوٰے قطعاً باطل۔ پھر ایسی جماعت سے گفتگو کرنا اور اسے منہ لگانا

اور ملاحدہ کا یہ کہنا کہ ہمارا علم کسی چیز کے ساتھ درست نہیں یہ دو حال سے خالی نہیں یا نفی علم کا علم حاصل کر کے وہ کہہ رہے ہیں یا بذریعہ علم یہ دعوٰے کر رہے ہیں۔ بہرحال دونوں صورتوں میں اثبات علم یقینی ہوگا۔ یا نفی کا علم یا حصول علم کا، اور یہ امر ظاہر ہے کہ علم شے نفی علم نہیں کر سکتا۔ بہرحال علم کی ضد جو جہل ہے، نفی کی حقدار ہوگی۔ علم سے علم کی نفی ناممکن ہے اور اب دعوٰے محض حمق و جہالت ہے۔ اور جب یہ امر متحقق ہو گیا کہ نفی علم جہل سے ہو سکتی ہے تو جاہل ذلیل و مذموم ہوتا ہے اور جہالت کفر خالص، اور باطل کی علامت ہے، اور حق کو جہل سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہی عقیدہ تمام مشائخ کرام کا ہے، اور ملحدین کا تخیل باطل مشائخ کرام کے قطعی خلاف ہے اور جب عوام نے ملحدین کے اس قول کو سنا تو بہک گئے۔ اور کہنے لگ گئے کہ اہل تصوف بھی اس جماعت میں سے ہیں، اور ان کے اعتقادات بھی ایسے ہی پریشان خیال پر قائم ہیں، اور بوجہ جہل وہ حق کو باطل سے جدا کرنے میں عاجز رہ گئے۔ اب ہم ملحدین کے تمام معاملات کو خدا کے سپرد کرتے ہیں

تاکہ وہ اپنی ضلالت وگمراہی میں رہیں۔ اگر دین حق ان کی اعانت کرتا، تو جو زور ان کا اس گمراہی میں صرف ہوا، احقاق میں صرف ہوتا اور دین حق کی رعایت اعانت کی حرمت ان کے ہاتھ سے نہ جاتی، اور خاصان بارگاہ کو۔ ایسی اندھی آنکھ سے نہ دیکھتے۔ بلکہ اپنے لیل ونہار کی اصلاح کے لیے ان کا خاص حرمت کرتے، اور ملحدوں کی جماعت اہل تصوف کا احترام کرتی۔ ان کے نظریات کی تائید میں رہتی اور ان کے جمال وحدت وتجلیات حق کے زیر سایہ رہ کر ہر قسم کے آفتوں سے مصئون ومحفوظ ہوجاتی، اور ان کی عزت باطن کے سایہ میں نشو نما پاتی۔ پھر ایسا ہرگز نہ ہوتا کہ سب کو اپنے جیسا سمجھ کر اہل تصوف کو بھی طعنہ قرار دے کر ان کی عزت خدا داد کو ٹھکرانے کی کوشش میں خود ذلیل ورسوا ہوتے۔

(حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں) ہمارا ایک مدعی علم سے مقابلہ ہوا تو بجائے علم کے کلاہ رعونت وخود پسندی سر پر لئے پھرتا تھا۔ اور اس ذلیل خصلت کا نام اس نے علمیت رکھ چھوڑا تھا۔ خواہشات نفسانیہ کو متابعت سنت رسول کہتا تھا۔ موافقت شیطانی کو سیرت ائمہ کی پیروی کہتا تھا۔ اثنائے گفتگو میں کہنے لگا کہ ملاحدہ کے بارہ فرقے ہوگئے ہیں، انہیں میں سے ایک فرقہ متصوفین کا ہے۔

ہم نے کہا، اگر ایک فرقہ صوفیوں کا انہیں بارہ میں سے ہے تو گیارہ فرقے تم میں سے ہوئے۔ پھر جب ایک فرقہ سے تم اپنے کو بچا سکتے ہو، تو صوفی ان گیارہ سے اپنے آپ کو کیوں نہیں محفوظ رکھ سکتے۔

درحقیقت یہ سب زمانہ کے پُر آشوب ہونے کا نتیجہ ہے۔ آج اس قدر فتنے ہیں جو عوام کو خراب کر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو اس قوم سے پوشیدہ کر لیا ہے اور سب سے جدا رکھ کر ان کی محافظت فرمائی ہے۔ کیا خوب فرمایا سرداروں کے سردار اور آفتاب عقیدت مندان علی ابن بندار صیرفی رحمۃ اللہ علیہ نے:

فساد القلب علیٰ حسب فساد الزمان واھلہ

دل کی خرابی زمانہ و اہلِ زمانہ کے خیالات کے فساد کے موافق ہے!

اب ہم ان اقوال مشائخ کرام کی نقل کیلئے ۔ ایک مستقل فصل بناتے ہیں تاکہ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے ، منکروں کے دام تزویر سے محفوظ رہیں اور اس فصل سے تنبیہ حاصل کریں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

فصل حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

اَلْعِلُوْمُ ثَلٰثَۃٌ عِلْمٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ عِلْمٌ مَّعَ اللّٰہِ وَعِلْمٌ بِاللّٰہِ

"یعنے علم تین قسم کے ہیں — اول علم اللہ کی طرف سے ، دوسرا اللہ تعالےٰ کے فضل کی معیت سے ، تیسرا اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ"

علم باللہ وہ عرفان تام ہے جو تمام انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عارف الٰہی بنتے اور عرفان الٰہی حاصل کرتے ہیں — جب تک یہ معیت الٰہی حاصل نہ ہو ، تمام ذرائع جدوجہد منقطع رہتے ہیں ۔ اس لئے کہ علم اکتسابی سے عرفان ہے وہ معرفت الٰہی کی علت نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علم اکتسابی سے عرفان الٰہی ناممکن ہے۔ جب تک علم باللہ حاصل نہ ہو ، درجۂ عرفانِ حق کا حصول محال ہے۔

اور علم من اللہ وہ علم شریعت حقہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم مکلف بالاحکام بنائے گئے ، اور وہ فرمانِ حق ہے جو زبانِ انبیاء سے ہم کو پہنچا۔

اور علم مع اللہ وہ علم ہے جو فضل الٰہی کی معیت میں حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعہ مقاماتِ ولایت و طریق حق و ہدایت و بیان نہایت مدارج ولایت بعنایت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ معرفت مدارج ولایت بغیر علم شریعت جانے صحیح نہیں اور اتباع شریعت بغیر مقامات رشد و ہدایت جانے نہیں ہوسکتا (یعنی قانون کے مقتضیات کا جاننا قانون دانی ہے ، نہ کہ قانونی کتابوں کا محض مطالعہ)

حضرت ابوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

اَلعِلمُ حَیٰوۃُ القَلبِ مِنَ الجَھلِ وَ نُورُ العُیُونِ مِنَ الظُّلمَۃِ - علم حیٰوۃ قلب ہے جہالت کی موت سے اور چشم یقین کا نور ہے کفر کی ظلمت سے۔

خلاصہ یہ کہ جس کو علم عرفان حاصل نہیں اوس کا دل ظلمت جہل سے مردہ ہے ، اور جسے علم شریعت حاصل نہیں ، اس کا دل نادانی کی بیماری میں مریض ہے۔ کفار کا دل مردہ ہے ، اسی وجہ سے وہ ذات واجب تعالیٰ جل شانہٗ کے عرفان سے جاہل ہیں - اور اہل غفلت کا دل بیمار ہے اس وجہ سے وہ فرمانہائے رسول سے بے خبر ہیں -

حضرت ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

"مَنِ اکتَفٰی بِالکَلَامِ مِنَ العِلمِ دُونَ الزُّھدِ فَقَد تَزَندَقَ وَمَنِ اکتَفٰی بِالفِقہِ دُونَ الوَرَعِ فَقَد تَفَسَّقَ"

"جس نے علم کلام یعنی عقائد و علم توحید کی عبارات پر قناعت کی اور زہد و تقویٰ حاصل نہ کیا وہ زندقہ میں پڑگیا ، اور جس نے علم فقہ و شریعت اسلامیہ بلا ورع کے حاصل کیا ، وہ حدود و احکام سے نکل کر بے حکما اور فاسق ہوگیا۔"

اس مضمون سے مقصود قائل یہ ہے کہ بغیر عمل و مجاہدہ و تجرید کے توحید محض جبر ہے اور موحد کے لیے قولاً جبری ہونا لازمی ہے ۔ اور قدری کے لیے فعلاً قدری ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس کا روزمرہ قدر و جبر کے مابین صحیح رہے۔

اور اس بحث کا لب لباب وہی ہے جو انھیں ابوبکر وراق پیر کامل نے فرمایا (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

اَلتَّوحِیدُ دُونَ الجَبرِ وَ فَوقَ القَدرِ

"حقیقت توحید جبر سے نیچے اور قدر کے اوپر ہے"
تو خلاصہ یہی نکلا کہ جو شخص علم توحید بلا عمل محض الفاظ تک پسند کرے اور اسکے خلاف باتوں سے اجتناب نہ کرے وہ زندیق ہے۔ اور جو شخص فقہ کے شرائط پر محافظ نہ ہو اور علم فقہ و شریعت کو بلا پرہیزگاری حاصل کر کے رخصتوں اور تاویلوں کے پیچھے لگ کر شبہات میں پڑے اور بلا قید قلادہ مذہب ائمہ خود مجتہد بن کر اجتہادات کی جرأت کرنے لگے وہ بہت جلدی آسانی سے فاسق ہو کر رہے گا۔ اور یہ سب باتیں غفلت دل کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ خوب فرمایا شیخ المشائخ حضرت ابن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے :

اِجْتَنِبْ صُحْبَةَ ثَلَاثَةِ أَصْنَافٍ مِنَ النَّاسِ اَلْعُلَمَاءِ الْغَافِلِيْنَ وَالْفُقَرَاءِ الْمُدَاهِنِيْنَ وَالْمُتَصَوِّفَةِ الْجَاهِلِيْنَ ؎

اجتناب کر تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے غافل بے عمل علماء اور حق سے زبان بند کرنے والے فقیر اور بنے ہوئے جاہل صوفی۔

اب سمجھ لے کہ علماء غافل کون سے ہیں۔ وہ وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنا قبلہ دلی بنالیا ہے۔ اور شریعت مطہرہ سے حیلے بہانے تراش کر آسانیاں گھڑ رکھی ہیں۔ اور اہل حکومت کے پجاری بن گئے ہیں۔ ظالموں سے چاپلوسی کرنا اپنا روزمرہ کر چکے اور ان کی چوکھٹوں کے طواف کو کعبہ مقصود بنا چکے ہیں۔ اللہ عوام میں عزت و جاہ حاصل کرنا ان کی محراب مسجد ہو چکی ہے۔ اپنے غرور و نخوت کو اپنی زیرکی اور ہوشیاری جانتے ہیں۔ اور اس پر فریفتہ ہیں اور کلام میں اسقدر تصنع پسند کرنے والے ہیں کہ ان کا کلام عوام میں

نہایت دقیق اور باریک مشہور ہے۔ اور ائمہ کرام کی شان میں اپنے استادوں کی قابلیت میں ان کی زبان طعن دراز ہے۔ اور بزرگان دین سلف صالحین کے مقابلہ میں اپنی فوقیت علمی سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی ان کا انکے تفوق علمی کے مقابلہ میں وزن کیا جائے تو ان کی نقل کا وزن زیادہ ہو جسقدر حسد کو انہوں نے مذہب بنالیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام جہان کا کوئی عالم نہیں ہوسکتا۔ پھر علم ایک ایسی صفت ہے کہ انواع جہل علم سے منفی ہو جاتے ہیں اور فقیر مداھن وہ ہے کہ اگر اس کی خواہشہائے نفسانی کے مطابق کوئی کتنا ہی غلط کام کرے وہ اس کا مداح ہوگا۔ اور اگر اس کی مرضی کے خلاف کچھ کرے خواہ وہ کتنا ہی صحیح کام کیوں نہ ہو، اس کی برائی میں وہ کبھی کی نہ رکے اور عوام کے آگے اپنے عملوں کا مظاہرہ کرکے عزت و رفعت کا خواہشمند رہے اور باطل پرستی میں عوام کے آگے حق گوئی سے زبان روکتا رہے۔

اور متصوف جاہل وہ ہیں جو کبھی کسی پیر کامل کی صحبت سے مستفید نہ ہوئے اور کسی مرشد سے تعلیم نہ لی اور عوام میں اپنے کو باکمال کہلانے کی آرزو رکھیں۔ مصائب زمانہ اور نشیب و فراز علم کا ذائقہ تک کبھی نہ چکھا ہو مگر اندھے جاہلوں میں اپنے کو بہکی بہکی باتیں بنا کر کامل کہلوائیں اور ذلت و تذلیل کی راہیں اختیار کرلیں اور بے وقوفوں میں بیٹھ کر سب کو اپنے جیسا کہتے پھریں۔ ایسی حالت میں ان پر من جانب اللہ راہ حق پوشیدہ ہو جاتی ہے اور وہ اسی ظلمت میں پڑے رہتے ہیں۔

غرضیکہ یہ ہر سہ گروہ وہ ہیں جنہیں حضرت معاذ بن رازی رحمہ اللہ نے بتا کر اپنے مریدوں کو ان کی صحبت سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں گروہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں .... اور ان کی رفتار باطل ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عَمِلْتُ فِي الْمُجَاهِدَةِ ثَلٰثِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ

شَيْئًا أَشَدَّ عَلَيَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِهٖ

"میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر مجھ پر کوئی چیز سخت ترین محسوس

نہ ہوئی سوا علم اور اس کے اتباع کے۔"

ہر قدم آگ پر رکھنا طبیعت گوارا کر سکتی ہے مگر علم کے موافق اطاعت کرنا اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ پھاڑ پر سے جاہل ہزار ہا بار گزرنا گوارا کر سکتا ہے مگر اسلامی احکام کے ایک مسئلہ کو سیکھ کر اس پر عمل کرنا مصیبت اور بلا ہے۔ جہنم میں خیمہ لگا کر بیٹھنا آسان ہے اس سے کہ ایک مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرے۔

لہذا چاہیئے کہ علم حاصل کیا جاوے۔ اور اس پر بجد وسعت عمل کرنے کی سعی ہو۔ اور یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ بندہ جب علم میں درجہ کمال حاصل کر لیتا ہے تو وہ علم الٰہی کے مقابلہ میں ایک جاہل کا درجہ پاتا ہے پس لازم ہے کہ انسان وہاں تک علم حاصل کرے اور حقائق جاننے جہاں تک کہ وہ نہ جانتا تھا۔ اس اجمال کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی کے سوا کچھ جان ہی نہیں سکتا۔

اور بندگی ہی بندہ کے لیے حجاب اکبر ہے (جو جہنم سے اسے بچائیگی)

اسی حقیقت کے اظہار میں کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الْإِدْرَاكِ إِدْرَاكٌ

وَالْوَقْفُ فِي طُرُقِ الْأَخْيَارِ إِشْرَاكٌ

(ترجمہ از جانب مترجم)

سمجھ آئی سمجھ میں کچھ نہ آیا

سمجھنا ہی تمہارا بس خطا ہے

یعنی درک اور ادراک ذات سے اظہار عجز کرنا ہی ادراک ذات ہے۔ اور محض روایات اخیار پڑھ کر کورانہ تقلید کرتے ہوئے ان کے اقوال کی

نقل کرتے پھرنا شرک اکبر ہے۔

یعنی وہ لوگ جو جانتے خاک نہیں اور اپنے جہل پر مصر ہیں وہ مشرک طریقت ہیں، اور وہ لوگ جو جانتے ہیں اور ان پر ان کے علم کے کمال نے معنی حقیقی ظاہر کر دیئے ہیں۔ ان پر یہ فضل الٰہی ہوتا ہے کہ وہ اس علم پر غرور نخوۃ کرنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ان پر یہ حقیقت دلنوظاہر ہو جاتی ہے، کہ ان کا علم علم الٰہی کے مقابلہ میں عجز محض کے سوا کچھ نہیں ہے، اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک علم مخلوق محض وہم ہے اور وہمیات کا اثر معانی حقیقی میں کچھ نہیں۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ ادراک ذات سے اظہار عجز کرنا ہی ادراک ذات ہے اور بس!

دوسرا باب

اثباتِ فقر

ہمیشہ یاد رکھو کہ درجہ درویش کا راہِ مولیٰ میں بہت بڑا مرتبہ ہے
اور درویش کے لیے اس راستہ میں بڑے خطرات ہیں۔ جیسا کہ حضرت
حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے :

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا
فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ

ان فقیروں کے لیے حق ہے جو محصور ہیں اللہ کے راہ میں اپنی
بے نیازی سے وہ چلنے اور سفر کرنے کے محتاج نہیں۔ جاہل
عوام انہیں ان کی بے نیازی کی وجہ سے غنی تصور کرتے ہیں"

اور ارشاد ہے :

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰہُ
مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا

ایک بندہ کو جو مملوک خاص ہے بظاہر کسی
مثال میں بتایا ہے اللہ نے [؟]
چیز پر کچھ قدرت نہیں رکھتا۔ اور وُہ وہ ہے کہ ہم نے اسے بہترین رزق کے ساتھ
مرزوق کیا ہے"

اور فرمایا۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔

"علیحدہ رکھتا ہے ان کا پہلو ان کی خواب گاہوں سے، یاد کرتے ہیں اپنے رب کو خوف بے نیازی اور امید بخشش سے "

اور حضور سید یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا اور فقر کو پسند کیا :

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ

" الٰہی مجھے مسکینیت میں زندہ رکھیو اور مسکینی میں ہی مار اور زمرہ مساکین میں مجھے محشور فرما ۔

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بروز حشر فرمائے گا :

اُدْنُوْا مِنِّیْ اَحِبَّائِیْ فَیَقُوْلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مَنْ اَحِبَّاءُکَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اَلْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاکِیْنُ ۔

میرے قریب لاؤ میرے محبوبوں کو تو فرشتے عرض کریں گے، الٰہی وہ محبوب کون سے ہیں تو ارشاد باری ہوگا وہ فقرا و مساکین ہیں ۔

اور مثل اسکی بہت سی آیتیں اور ایسی حدیثیں ہیں جو اپنی شہرت روایت کے ساتھ اثبات سند و دلیل کی محتاج نہیں ۔

اور یہ امر تو واضح ہے کہ عہد رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم میں جو خاص فقرا تھے، وہ مہاجرین کرام تھے ۔ جنہوں نے سید اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لئے مسجد میں قیام فرمایا، اور حق عبودیت ادا کرنے کے لئے گھر بار چھوڑا (انھیں اصحاب صفہ کہا جاتا ہے) یہ وہی محبوبان خدا ہیں جنہوں نے تمام اشغال دنیاوی سے اعراض کرکے توکل بخدا گوشہ نشینی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے روزی رساں ہونے کے وعدہ پر یقین کرکے بیٹھے رہنے کے حق میں ارشاد

یدی تعالیٰ ہوا ۔ اور اپنے حبیب پاک کو مخاطب کر کے ان کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ

ان لوگوں کو فراموش نہ فرماؤ، جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام یاد کرتے اور پکارتے ہیں، اور صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں

اور فرمایا (جل جلالہٗ)

وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا

"ان سننے والے لوگوں سے اپنی نظر نہ پھیر، کیا تو حیات دنیا کی زینت کا خواہشمند ہے؟

چنانچہ حضور سید یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم جب ان اصحاب صفہ کو ملاحظہ فرماتے تو آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوتا (میرے ماں باپ ان پر فدا ہوں) کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی نگرانی کر نم پر تاکید فرمائی غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقر کا درجہ بہت بلند ہے اور فقیری کو مرتبہ خاص کے ساتھ ممتاز فرمایا یہی وجہ ہے کہ جو درویش ہیں انہوں نے اسباب ظاہری و باطنی کو ترک کر کے خالق اسباب کی طرف توجہ تمام کی اور اس پر توکل کر لیا ، اور اس قسم کا فقر ایسے فقرا کے لئے موجب صد فخر ہے ، اور اس صبر و رضا ر فقر کا وقار ان کے دلوں میں اس قدر ہے کہ اس کے چھوٹ جانے سے وہ غمگین ہوتے اور ملنے سے راضی و مسرور، اور ان کی نظروں میں سوا ایسے فقرا کے سب ذلیل ہیں۔

لیکن فقر کے لوازمات و مراسم خاص ہیں

منجملہ اس کے سب کے مقدم مرضیات الٰہی کا اقبال اختیار ہے ، اور جس نے محض رسم فقیری اختیار کی وہ صرف رسم کا ہی فقیر رہا ، اور انہیں

جب اس نے مراد نہ پائی تو حقیقتِ فقر سے کوسوں دور رہا، اور جس نے حقیقت فقر کو پالیا، اس نے موجودات سے منہ پھیر لیا، اور ہمویت کل حاصل کر کے فنا رکل میں مستغرق ہو کر لبتا، کل میں چلا گیا۔

من لم یعرف سوی رسمہ لم یسمع سوی اسمہ

یعنی جس نے رسم فقیری کے سوا فقر میں کچھ نہ جانا، اس نے سوا اسم فقر کے کچھ نہ سنا۔"

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ فقیر وہی ہے جو اپنے پاس علل و اسباب سے کچھ نہ رکھے اور اسکے طمانیت قلب میں اس نہ ہونے سے کچھ خلل واقع نہ ہو۔ اور اسباب کو دیکھ کر غنی نہ ہو۔ اور اسباب نہ ہوں تو ان کی طرف احتیاج محسوس نہ کرے۔ گویا اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کی نظر میں مساوی ہو۔ بلکہ اسباب ظاہری نہ ہوں تو اسے فرحت زیادہ ہو، یہ بلند مرتبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام نے فرمایا، کہ درویش جسقدر تنگدست ہو، اس کے لئے مفید ہے تاکہ حقیقت توکل و شان رزاق کے راز کا اس پر انکشاف ہو۔ اس لئے کہ درویش کے لئے علائق دنیاوی جسقدر زیادہ ہوں گے، اسی قدر اس کو نقصان ہوگا۔ غرضیکہ درویش درحقیقت وہی ہے جو ضروریات زندگی کی کسی چیز سے واسطہ نہ رکھے، مگر اسی قدر جسقدر کہ اس کی ضرورت قوت لایموت کو کافی ہو۔ غرضیکہ محبوبان الہٰی کی زندگی محض الطاف خفی اور اسرار بے نیازی کے ساتھ وابستہ رہتی ہی بہتر و افضل ہے۔

لہذا صوفی کو چاہیئے کہ اپنے کو اپنے محبوب سے وابستہ رکھے، اور دنیائے غدار و بے وفا کے علل و اسباب سے آزاد رہے کہ یہ دنیا سرائے فجار و فساق ہے اور صوفی کا سرمایۂ زندگی محبت محبوب حقیقی ہے اور متاع دنیا متاع راہ رضا و صبر ہے۔

حکایت

کہتے ہیں کہ ایک درویش کی ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی۔ بادشاہ نے کہا: کچھ مانگئے۔ درویش نے کہا۔ میں اپنے غلاموں سے کوئی حاجت روائی نہیں چاہتا۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ کسطرح؟ درویش نے فرمایا۔ میرے دو غلام ہیں اور وہ دونوں تیرے مالک و صاحب ہیں۔ ایک حرص دنیا، دوسرا طول امل یعنی امید غیر متناہی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلْفَقْرُ عِزٌّ لِاَھْلِہٖ

"فقر اہل فقر کے لئے موجب عزت ہے۔"

ترجمہ: یہ چیز اس کے اہل کے حق میں عزت ہوتی ہے، وہ اس کے نااہل کے لئے موجب ذلت ہے۔ اور فقیر کی عزت یہی ہے کہ وہ محفوظ الجوارح ہو یعنی اسکے جسم کا کوئی جز جوارح و ضروریات کا احساس کر کے جادۂ صبر و رضا سے لغزش نہ کرے، اور اس کے دل و جان پر کبھی اضطراب و اضطرار اثر انداز نہ ہوں۔ نہ اس کا جسم معصیت و ذلت کی طرف جائے۔ نہ اس کی جان و روح پر بلا و آفت دنیا آئے۔ فقیر کا ظاہر بھی ہر حال میں نعمت ظاہری سے مستغنی ہوتا ہے اور اس کا باطن نعمائے باطنی کا منبع۔ پھر جب اس کا باطن منبع نعمت الہیہ ہوا، تو اس کا تن روحانی اور دل ربانی ہونا ضروری ہے۔ اور عوام الناس کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فقیر صفات ملکی سے متصف ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا فقر رسمی نہ ہو، یعنی عوام کے رجحانات اور ریاکاری کے لئے وہ فقیر نہ ہوا ہو۔ بلکہ وہ خالصاً مخلصاً لوجہ اللہ فقیر ہو۔ تو ایسے فقیر کو دنیاوی مملکت سے بے نیازی حاصل ہوتی ہے۔

پھر یہ عالم دنیا بلکہ دونوں جہان اس کے فقر کے پلڑے میں پر پشہ کے

برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ پھر اس فقیر کا ایک سانس کونین میں نہیں سما سکتا۔

فقر و غنا

فصل اس امر میں مشائخ کرام کا اختلاف ہے کہ فقر و غنا میں باعتبار صفات خلق کون افضل ہے۔ اس لئے کہ غنی حقیقی تو صرف ذات واجب تعالیٰ شانہٗ ہے، اور جمیع اوصاف میں کامل سوائے ذات واجب تعالیٰ کے کوئی نہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی اور احمد بن خوارزمی، حارث محاسبی - ابو العباس بن عطا، رؤیم بن محمد، ابو الحسن بن شمعون رحمہم اللہ اور متاخرین میں سے شیخ المشائخ حضرت ابو سعید فضل اللہ بن محمد المہینی رحمہم اللہ اس امر پر متفق ہیں کہ غنا افضل ترین صفت ہے۔ فقر کے مقابلہ میں اس دعوے پر اُن کی دلیل یہ ہے کہ غنا صفت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے اور فقر اسکی ذات کے لیے ممنوع ہے۔

تو تعلق ولا میں وہ صفت جو مابین عبد و معبود مشترک ہو۔ وہ غنا ہی ہے اور صفت فقر ذات واجب تعالےٰ شانہٗ کے لئے روا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ شرکت بھی محض شرکت اسمی ہوگی، نہ کہ شرکت معنوی۔ اور شرکت معنوی اس وقت ہو سکتی ہے جب مماثلت کا امکان ہو۔

پھر چونکہ صفات واجب تعالیٰ شانہٗ قدیم اور صفات خلق حادث ہیں اس وجہ سے یہ دلیل باطل ہے، اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ غنی کا نام ہی صرف ذات باری تعالیٰ کے شایان شان ہے، اور مخلوق اس نام کی مستحق نہیں ہو سکتی۔

اور فقر ایسی صفت ہے کہ خاص مخلوق کے لئے زیبا ہے اور حضرت

جلت عظمتہ واسمہ کی ذات کے لئے یہ ناروا۔ اور اگر مجازاً کسی کو غنی کہدیتے ہیں۔ تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ درحقیقت غنی ہے۔ اور پھر یہ امر بھی روشن و واضح ہے کہ ہمارا غنا محض وجود اسباب ظاہری کی بنا پر ہے اور ہم اس سبب غنا کی وجہ سے اس وقت تک غنی کہلا رہے ہیں جب تک ہمارے پاس مال و دولت ہے برخلاف غنی حقیقی کے کہ وہ اسباب پیدا فرمانے والا اور اپنے بندے کو اس کے ذریعہ غنی بنانے والا ہے۔ لیکن غنی حقیقی کے لیے مال و اسباب علت غنا نہیں۔ اس اعتبار سے مشارکت بصفت غنا کا وہم بھی باطل ہوا۔

اور یہ حقیقت واضح ہے کہ مخلوق کو ذات خالق میں مشارکت ممنوع ہے تو جب ذات میں شرکت ممتنع ہوئی تو یقیناً صفات میں بھی شرکت ممتنع ہوگی اور جب صفت میں شرکت ممتنع ٹھہری تو اسم ذات میں بھی شرکت رسمی روا نہ ہوگی۔

اب رہا محض نام رکھ دینا، اور کہدینا کہ فلاں غنی ہے۔ یہ نام خود ایک نشان ہے جو مابین عبد و معبود واضح ہے۔ اس کی تفصیل کی حد نہیں۔ بس خلاصہ اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ غنا جو حق تعالیٰ شانہٗ کی صفت خاص ہے۔ وہ وہ غنا ہے کہ اس میں اس ذات پاک کو کسی کے ساتھ حاجت و نیازمندی نہیں جو چاہے کرے۔ اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی نہ روک سکتا ہے، نہ اس کے پورا ہونے میں کوئی مانع بننے کی طاقت رکھتا ہے۔ نہ اس کے ارادہ کے مقابل کوئی مخالف ارادہ کی تاب لاسکتا ہے۔ اس کے دارالاقتدار میں کسی کو مجال دم زدن نہیں، اس کی تمام صفات قدیم ہیں۔ ہمیشہ وہ اپنی صفات سے متصف رہے گا، اور ہمیشہ سے متصف تھا، برخلاف غنا، مخلوق کے کہ وہ اپنی حیات چند روزہ میں حصول مال و متاع سے فارغ البال ہوتا ہے، اور وہ بھی دوامی زندگی میں نہیں بلکہ کبھی مصیبت میں، کبھی

نجات پاکر فرصت میں - غرضیکہ محض حادث متغیر کبھی طالب کبھی متمنی کبھی
عاجز کبھی خوار کبھی بیمار مختصر یہ کہ بندہ کا غنی ہونا محض مجاز آبلکہ نام کا ہی ہے اور
حق تعالیٰ شانہ کا غنا حقیقی ابدی ازلی سرمدی قدیم چنانچہ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

"اے لوگو تم محتاج اور فقیر ہو اللہ کے در کے سوالی اور اللہ ہی غنی ہے اور وہی ہمہ عالم میں
زمانہ میں تعریف کیا گیا ہے" اور فرمایا۔

وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ "بیشک اللہ حقیقی غنی ہے اور تم سب اس کے محتاج اور فقیر ہو"

عوام الناس میں یہ امر مشہور ہے کہ تونگر مالدار درویش سے افضل ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے
خوش قسمت بنایا۔ اور عطا نعمت پر شکر کا حکم دیا اور وہ جاہل اس غنا اور نعمت سے مُراد
کثرت مال دنیا سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا میں دل کی مرادیں پوری ہو جانا شہوات نفسانیہ
کے موافق کامیابی اسی کا نام غنا و تونگری ہے اور اس قسم کی نعمت پر شکر کرنے کا حکم فرمایا
اور فقیر کو صبر کی تلقین کی۔ تو معلوم ہوا کہ چونکہ صبر ہمیشہ بلا و مصائب پر ہوتا ہے اور شکر
نعمات الٰہیہ پر تو نعمت مال و غنا افضل ہوا جس پر شکر کا حکم ہے اور فقر مصیبت و بلا ہے
جس پر صبر کا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نعمت پر شکر کا حکم فرما کر اُسی نعمت کے زیادہ
کرنے کا وعدہ فرمایا ہے مگر فقیر پر صبر کی تلقین کرتے ہوئے اپنے تقرب کی بشارت عطا فرمائی
ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ "بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہے" اور شکر تو صرف
علت از دیاد نعمت ہے۔ فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

"اگر تم شکر کرو گے تو البتہ میں تم کو زیادہ دوں گا" اور جو فقر میں کہ وہ اصل امتحان
تلخیہ ہے صبر کریگا۔ جو موجب تقرب ہے تو اس کا تقرب اور بڑھ جائیگا حتیٰ کہ ہم اُس کے ساتھ
ہوں گے۔ لیکن وہ غنا جس کو مشائخ کرام غنا کہتے ہیں وہ مال و دولت دنیا نہیں ہے بلکہ وہ

یعنی منعم حقیقی کی نعمت وصل ہے۔ تو اب واضح ہو گیا کہ غفلت اور چیز ہے اور نعمت وصل
اور۔ اور نعمت وصل کا غنا رہی ہے جسے بعض مشائخ نے افضل کہا ہے چنانچہ حضرت شیخ
ابو سعید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْفَقْرُ هُوَ الْغِنَا بِاللّٰهِ۔ فقر وہ غنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی
معیت سے حاصل ہوتا ہے اور اس سے مراد کشف ابدی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ
جمال سے حاصل ہوتا ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ کشف جو مشاہدہ جمال سے حاصل ہوتا ہے۔ جسے بعض مشائخ نے غنا
فرمایا۔ یہ ممکن الحجاب ہے یا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ ممکن الحجاب ہے تو لامحالہ بوقت حجاب اُسے
احتیاج مشاہدہ ہوگی۔ اگر کہو کہ بصورت حجاب وہ محتاج کشف و مشاہدہ نہیں ہوتا تو یہ محال
اور اگر کہو کہ محتاج وصل و مشاہدہ ہوتا ہے تو پھر نام غنا ساقط ہو گیا اور درحقیقت یہ غنا جسے
مشائخ غنا کہہ رہے ہیں۔ یہ بھی ہر درویش کو حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اُسے حاصل ہوتا ہے۔ جو
قائم الصفت اور ثابتۃ المراد ہو۔ اور بلا اقامت مراد اور اثبات اوصاف آدمیت لفظ
غنا درست نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ انسان کا یہ وجود کثیف قابل غنا ہو ہی نہیں سکتا اسلئے کہ
وجود بشریت کی حقیقت عین نیاز ہے اور جسم حادث طرفائے امتیاز عین احتیاج
تو جو باقی الصفت ہو وہی غنی ہے۔ اور جو فانی الصفت ہو، اُس کے لئے کوئی نام بھی
موزوں نہیں تو۔ اَلْغَنِيُّ مَنْ اَغْنَاهُ اللّٰهُ (غنی وہی ہے جسے اللہ غنی کرے) کا مفہوم واضح
یہی بتا رہا ہے کہ غنی اللہ ہے۔ جو فاعل ہے اور جسے غنی کیا وہ مفعول ہے تو فاعل ہمیشہ قائم
بالذات ہوتا ہے اور وجود مفعول فاعل کے ساتھ وابستہ تو اقامت بخود صفت بشریت تھی۔
اور اقامت بحق مع صفت تو میں علی بن عثمان جلابی یہی کہتا ہوں کہ۔

جب بندگی درست اور صحیح ہو گئی تو غنا حقیقی باقی حقیقی کی صفت سے سوا کیلئے درست
نہ ہو۔ اس لئے کہ بقائے صفت آدمیت محل علت و موجب آفت ہے جیسا کہ ہم پہلے دلائل
میں بیان کر چکے اور غنا وہ صفت ہے جو غنا کے ساتھ کبھی صحیح نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جو اپنی ذات
کے ساتھ باقی نہ رہ سکے۔ اُسے نامی اور کسی اسم کا مسمی بنانا لغو ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کی
صفت کے ساتھ فنا ہے۔ تو جو صفت فانی ہے اُسے کسی نام سے مسمی بنانا کسی طرح صحیح نہیں تو

ثابت ہوا کہ صفت غنا ذات واجب تعالیٰ شانہٗ سے متجاوز نہیں ہو سکتی اور صفت فقر بھی عاجز انسان کے لئے ہے۔ اسلئے کہ یہ معدوم ہے کہ اس پر نہ اسم فقر صحیح نہ اسم غنا۔

اور جو اکثر و بیشتر علما و مشائخ فقیر کو غنا پر فضیلت دیتے رہے ہیں اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی فضیلت پر شاہد ہیں۔ اور اس پر اجماع اُمت ہے۔ بہت سی حکایتوں میں پایا کہ ایک روز حضرت جنید بغدادی اور ابن عطا رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اس مسئلہ پر بحث ہوگئی۔ ابن عطا اغنیا کی فضیلت پر دلیل پیش کرتے تھے اور کہتے کہ اغنیاء سے یوم قیامت محاسبہ ہوگا۔ اور اس محاسبہ میں جمیل حقیقی سے کلام بے واسطہ ہونے کا انہیں شرف ملے گا۔ اور اگرچہ ان پر عتاب ہی ہو لیکن عتاب محبوب بھی محب کو محبوب ہوتا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ تو صحیح ہے کہ اغنیاء سے محاسبہ فرمایا جائیگا مگر درویشوں سے عذر لیا جائے گا۔ اور عذر خود بھی مرتبہ میں محاسبہ سے زیادہ ہے۔

اس جگہ ایک عجیب و غریب لطیفہ تمہیں سناتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ مقام محبت میں عذر چاہنا بیگانگی ہے اور عتاب اس مخالفت پر ہوتا ہے جو محبوب کی مرضی کے خلاف ہو اور دل ایسے مقام میں ہوتا ہے کہ اس کے لئے یہ دونوں باتیں آفت ہیں۔ اس لئے کہ عذر کسی فروگذاشت پر کیا جاتا ہے۔ جو دوست کے ساتھ دوست نے کی ہو۔ یا جب دوست اپنا حق طلب کرے تو محبوب اس کا قرضہ ادا کرے اور عتاب ایسی غلطی اور قصور پر ہوتا ہے جو فرمان محبوب کے خلاف کیا گیا ہو۔ اُس وقت محبوب اپنے محب سے اُس نافرمانی پر عتاب کرتا ہے۔ اور یہ دونو باتیں محال ہیں اسلئے کہ سب اپنے اپنے مطلب میں ہونگے۔

فقرا صبر کے ساتھ۔ اغنیا شکر کے ساتھ۔

اور درحقیقت کوئی دوست نہ دوست سے کچھ طلب کریگا۔ نہ دوست مطالبہ دوست کو رد فرمائے گا بلکہ ظَلَمَ مَنْ سَمَّی ابْنَ اٰدَمَ اَمِیْرًا وَقَدْ سَمَّاہُ رَبُّہٗ فَقِیْرًا وہ اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا جس نے ابن آدم ہو کر اپنا نام امیر رکھا۔ حالانکہ اس کے رب نے اُس کا نام

فقیر کہا ہے" وہ وجود جس کا نام خدائے قدیر کی بارگاہ میں فقیر ہے۔ اگرچہ بظاہر امیر ہو مگر درحقیقت فقیر ہے۔ اور وہی ہلاک ہوگیا جس نے اپنے محبوب کی زنجیر میں مقید کیا۔ اگرچہ بظاہر اُس کی بارگاہ میں تخت و سریر ہو۔ اسلئے اغنیا صاحب صدقہ ہوتے ہیں۔

اور فقرا صاحب صدق اور صاحب صدق صاحب صدقہ نہیں ہو سکتے۔

گو خلاصہ یہ نکلا کہ حقیقتہً فقر ایوب مثل غنا سلیمان ہے۔ اس لئے حضرت ایوب علیہ السلام کو جبکہ سخت صبر کرنے والے تھے ۔ نِعْمَ الْعَبْدُ (اچھا بندہ) فرمایا۔ اور سلیمان علیہ السلام کو جبکہ وہ مملکت و حکومت کے اندر مُسْتَقِيمٌ علے الا کا متمنہ تو نِعْمَ الْعَبْدُ فرمایا۔

جب رضا حق حاصل ہوئی تو فقر ایوب کو مثل غنا سلیمان گردانا گیا۔

حکایت

میں نے اُستاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ لوگوں نے فقر اور غنا میں گفتگو کرکے اپنے لئے ایک کو پسند کر لیا ہے۔ مگر میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے لئے میرا جمیل حقیقی جو پسند فرمائے اس میں ہی مجھے رکھے۔ اگر میرے لئے غنا پسند فرمائے تو مجھے اپنی یاد سے غافل نہ کرے۔ اور اگر فقر پسند فرمائے تو اس میں حریص ہونے سے محفوظ رکھے۔ غرضیکہ غنا بھی اُس کی نعمت ہے۔ مگر اس کی وجہ سے جو غفلت پیدا ہو وہ آفت ہے۔ اور فقر بھی اُس کی نعمت ہے مگر اس میں اگر حرص پیدا ہو جائے۔ تو وہ سخت آفت و بلا ہے۔ گویا غنا و فقر دونو منعم حقیقی کے نعمت سے ہیں۔ مگر اس میں جو نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مختلف ہیں۔ اس لئے کہ فقر نام ہے ماسوائے اللہ سے دل کا فارغ ہونا اور غنا نام ہے ماسوائے اللہ کی طرف دل کا مشغول ہونا۔

جب توفیق الٰہی دونوں سے آزردہ ہو جائے تو نہ فقر غنا سے بہتر ہے اور نہ غنا فقر سے افضل۔ غنا کثرت مال ہے اور فقر قلت مال اور مال و منال چونکہ سب رب عزّ اسمہٗ کی ملک ہے تو طالب نے جب ملک ترک کر دی تو مشارکت باقی نہ رہی۔ اور جب مشارکت نہ رہی تو غنا و فقر دونوں سے فراغت مل گئی۔

فصل پنج طریقت میں سے ہر ایک نے فقر اور غنا کے معنی میں کچھ کچھ رموز لکھی ہیں۔ اللہ تعالے نے چاہا۔ تو میں اپنی استطاعت کے موافق ان کے ارشادات اس کتاب میں نقل کرتا ہوں۔ ایک متاخرین صوفیا میں سے فرماتے ہیں۔

لَیْسَ الْفَقِیْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الزَّادِ اِنَّمَا الْفَقِیْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الْمُرَادِ

"فقیر وہ نہیں جو مال و متاع سے خالی ہو۔ بلکہ فقیر وہ ہے کہ جس کا دل خواہشات باطل اور طمع آرزے خالی ہو" چنانچہ اگر کسی کو اللہ مال دے اور وہ اسکی محافظت میں اپنی زندگی بسر کرے تو وہ بھی غنی ہے اور اگر من جانب اللہ کسی کو مال ملے اور وہ اُس کے صَرف میں اپنی قوت صَرف کرے۔ تو وہ بھی غنی ہے لیکن یہ دونو باتیں ایسی ہیں جن کا تعلق ملک میں تصرف کرنے سے ہے۔ اور یہ شان فقر کے خلاف ہے۔ درحقیقت فقر میں ترک محافظت اور ترک خیال اسراف لازمی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عَلَامَۃُ الْفَقْرِ خَوْفُ الْفَقْرِ "فقر کی علامت خوف فقیر ہے" یعنی سچا فقیر وہ ہے کہ کمال ولایت کی فرقت قیام مشاہدہ ذات کا آرزو مند رہ کر اس صفت کے فنا ہونے میں خائف رہے اور زوال کمال و قطعیت مشاہدہ جمال سے ڈرے۔ جب یہ بات فقیر میں پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب وہ اپنے حال میں درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کمال کو پہنچے بعد زوال سے ڈرا جائیگا اور رویم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

مِنْ نَعْتِ الْفَقِیْرِ حِفْظُ سِرِّہٖ وَصِیَانَتُہٗ نَفْسِہٖ وَاَدَاءُ فَرَائِضِہٖ

"فقیر کی خوبیوں میں سے اپنے راز مکتوم کی محافظت اور اپنے نفس کے جھانسوں سے ہوشیار رہ کر فرائض محبوب کا ادا کرنا ہے" غرضیکہ فقیر وہ ہے کہ اُس کا ضمیر اغراض و ہوائے نفسانی سے محفوظ رہے۔ اور کسید نفس سے ہوشیار رہ کر اپنے معبود حقیقی کے فرائض کا حقہٗ ادا کرے اور اس قدر ہوشیار رہے کہ جو اسرار باطنی اس پر منکشف ہوں اُن کو ظاہر نہ ہونے دے اور ہمیشہ اپنے حال پر قال کو نہ آنے دے اور یہ علامت اس فقیر کی ہوگی جو کیفیت بشریہ سے متجاوز ہو کر عبد مطلق ہو چکا اور واصل بحق ہو گیا۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَفْضَلُ الْمَقَامَاتِ اِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَى الْفَقْرِ اِلَى الْفَقْرِ۔ "افضل ترین درجہ فقر کا یہ ہے کہ وہ صبر کے ساتھ دنیاوی تنگدستی کو اس حد تک گذارے کہ میدان حشر کی محتاجگی تک وہ قائم رہے یعنی فقر پر ہمیشہ صبر کے ساتھ رہنا فقیر کا درجہ کمال ہے اور یہ مرتبہ عبدیت کا خاص مقام ہے۔ مقام عبدیت مقام فنا ہے۔ مقام فقر وہ مقام ہے جہاں مقامات بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ مقام فقر پر ہی کیفیت اعمال اور آفات مال و مصائب زوال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس اجمال کے ظاہر معنی یہ ہوں گے کہ

غنا پر فقر کو فضیلت ہے اور جب فضیلت فقر ظاہر ہو جائیگی تو فقیر اس امر کا عہد کریگا کہ میں جادۂ فقر سے کبھی سرتابی اور روگردانی نہ کرونگا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَلْفَقِيْرُ مَنْ لَا يَسْتَغْنِيْ بِشَيْءٍ دُوْنَ اللّٰهِ۔ "فقیر وہ ہے جو کسی چیز کے ساتھ سوا ذات پاک سبحانہٗ و تعالیٰ کے آرام نہ پکڑے اسلئے کہ اُسکی مُراد سوا اس ذات کے کوئی نہیں اور اصل مطلب یہ ہے۔ کہ بغیر اُس ذات غنی جل شانہٗ کے تونگری حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو جب اُس ذات کو پا لیا تو تونگر ہو گیا اور یہ ظاہر ہے۔ کہ وجود فقیر ذات کے سوا ہے تو جب تونگری ماسوا کو ترک کئے بغیر نہیں پا سکتا تو خود وجود فقیر غنا و تونگری کا حجاب ہوا۔

تو جب تک یہ وجود جو ماسوائے اللہ سے ہے فنا نہ ہو جائیگا غنی نہیں ہو سکتا اور جب اپنے کو فنا کرے گا غنی ہو جائیگا۔ اہل تحقیق کے نزدیک یہ نکتہ نہایت باریک اور لطیف ہے۔

اور اس کی تحقیق و حقیقت معنی یہی صحیح ہو سکتے ہیں۔ کہ الفقیر ان لا یَسْتَغْنِيْ عَنْهُ یعنی فقیر وہ ہے کہ اُس کی ذات میں ہرگز غنا نہ ہو اور یہ وہی بات ہے جو پیر کامل حضرت عبداللہ انصاری ہروی نے فرمائی - کہ ہمارا رنج و اندوہ ابدی ہے۔ نہ ہمارا مرکز ہمت مقصود پا سکتا ہے۔ نہ ہمارا وجود کلیتہً دنیا و آخرت میں فنا ہو سکتا ہے۔

اس لئے کہ کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے مجانست لازمی ہے اور وہ مقصود ازلی ہمارا ہم جنس نہیں اور اس کے فرمانے اور اعراض کرنے کے لئے غفلت کی ضرورت ہے اور درویش غافل نہیں ہوتا۔ تو دوامی خدمت ذمہ ہے اور ایک راہ مشکل گذار سامنے غرضیکہ ہمارا

دوست وہ ہے کہ اس سے ملنے کے لئے ہماری سعی مدد نہیں کر سکتی اور اس کا شربت دیدار حاصل ہونے کے لیے ہمارے اختیارات کو کوئی دخل ہی نہیں اور اس کا وصل حاصل کرنا متعدد مخلوق سے بالاتر فنا ہونے سے اس کیفیت میں تبدل نہیں آتا۔ اور باقی رہنے سے وہ متغیر نہیں ہوتا۔ پھر فانی محض باقی کیونکر ہوتا کہ وصل حاصل کرے۔ اور باقی ازلی کس طرح فانی ہوتا کہ فانی سے قربت کرے۔

مختصر یہ کہ اس کے طالب اور دوست کا کام محنت و مشقت میں رہنا ہے اور جو کچھ لوگوں کے بیانات ہیں وہ سب دل کی تسلی کے لئے گھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اپنی جان کو تسکین دینے کے لئے مقامات و منازل و طریق کے نام رکھ لئے ہیں ورنہ وہ جمیل حقیقی ان تمام اختراعی ناموں مقاموں سے پاک اور بالاتر ہے اور وہ ذات اوصاف و احوال خلق سے منزہ تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَصِفُونَ۔

حضرت ابوالحسن نوری قدس سرہ فرماتے ہیں۔ نَعْتُ الْفَقِيرِ السُّكُوْتُ عِنْدَ الْعَدَمِ وَالْبَذْلُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ فقیر کی تعریف میں یہ ہے کہ جب نہ ہو تو خاموش رہے اور جب ہو تو خوب خرچ کرے۔ اور فرمایا۔ اَلْاِضْطِرَابُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ جب ہو تو مضطرب رہے۔ یعنی جب نہ پائے سکوت کرے اور جب پائے تو دوسرے کو اپنے سے زیادہ حقدار سمجھ کر اُس پر خرچ کرے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب پاس ہو تو اس کو خرچ کرنے کی عجلت میں بیقرار ہو۔ اور چونکہ انسان کا مقصد لقمہ ہے۔ تو جب لقمہ حاصل ہو تو خود کھانے کی بجائے دوسرے آدمی کو اپنے سے زیادہ حقدار جانے اور اُس پر وہ لقمہ صرف کرے اور جب اُس کی مراد لقمہ اُسے حاصل نہ ہو تو اطمینان قلب کے ساتھ خاموش رہے۔ اس مقولہ میں جو حضرت ابوالحسن نوری نے فرمایا۔ دو معنی ہیں ایک فقیر کا سکون و اطمینان بحال عدم رضا ہونا یعنی خواہش و مراد کے خلاف میں خاموش و ساکت رہنا اور حال رضا و وجود لقمہ کے وقت دوسروں پر خرچ کر دینا اور یہ دونوں باتیں وجود محبت بغیر نہیں ہو سکتیں اور یہ ظاہر ہے کہ راضی برضا محبوب مستحق خلعت ہوتا ہے۔ اور عطا و تقرب کی نشانی ہے۔

اور محب تارک خلعت اس لئے ہوتا ہے کہ اُسے عطا خلعت میں علامات فرقت نظر آتی ہیں۔

دوسرے یہ سکون فقیر عدم وجود لفقر میں ہو۔ اسلئے کہ وجود لفقہ وجود ماسوی اللہ ہے اور
فقیر ماسوئے اللہ سے آرام وسکون نہیں پاتا۔ اسی وجہ سے وہ ماسوئے اللہ کو ترک کر دیتا ہے۔

اور یہی معنی شیخ المشائخ حضرت ابو القاسم جنید بن محمد الجنید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے ہیں جو
آپنے فرمایا۔ اَلْفَقْرُ خُلُوُّ الْقَلْبِ عَنِ الْاَشْكَالِ یعنی فقر نام ہے تمام توہمات سے دل
کا خالی رکھنا۔ تو جب فقیر کا دل تمام اندیشوں اور وہموں سے خالی ہو جاتا ہے۔ تو ہر شکل وہمی کو اُسے
دل سے نکال دینے کے سوا اور چارہ ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ تمام غیر خدا اور ماسوے اللہ ہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَلْفَقْرُ بَحْرُ الْبَلَاءِ وَبَلَاءُهُ كُلُّهُ عِزٌّ فقر دریائے بلا کا نام
اور فقیر کے لئے بلاہائے فقر ہی عزت ہیں۔ اور عزت فقیر تمام اُس کا حال ہے۔ اور حال فقیر خالص
محبت اور محبت محبوب خالص مجاہدہ تاکہ دماغ طالب تجلی دیدار جمیل ہو جائے اور افراط خیال و
تصور جمال کے ذریعہ سے آنکھ جمال جمیل دیکھنے کے لائق ہو سکے اور فرمان محبوب بغیر کانوں کے
سُننے لگے۔

غرضیکہ محبوب حقیقی کا عزیز بندہ وہی ہے جو بار بلاء محبوب بطیب خاطر اٹھائے۔ اسلئے کہ وہ بلا
جو از جانب محبوب آتے۔ وہ عزت خالص ہے اور نعمائے دنیا و دنی درحقیقت ذلت خالص ہیں
اسلئے عزت اس بندہ کو ملتی ہے جو سچائی کے ساتھ اپنے محبوب کے حضور حاضر ہوا اور ذلت
اُسے جو مشاہدہ حق سے اپنے کو غائب کرے۔

یاد رکھو بلا فقر نشان حضوری ہے اور راحت حقیقی اور عیش غنا نشان غیبت و مہجوری
تو جو حاضر بحضور حق ہے۔ وہ معزز و ممتاز ہے اور جو غائب بحضور حق ہے وہ ذلیل۔

وہ بلا جس کا نتیجہ مشاہدہ جمال اور دیدار محبوب ہو وہ بہر صورت غنیمت اور نعمت غیر
مترقبہ ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
يَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ اِنَّكُمْ اِنَّمَا تُعْرَفُوْنَ بِاللّٰهِ وَتُكْرَمُوْنَ اللّٰهَ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ تَكُوْنُوْا مَعَ اللّٰهِ اِذَا خَلَوْتُمْ بِهٖ "اے جماعت فقراء تم عارف بحق ہونے کی وجہ
سے ممتاز ہو اور یہی شان تمہاری عزت کی موجب ہے تو تمہیں لازم ہے کہ اپنی خلوتوں میں
ہوشیار ہو اور دیکھو کہ اپنے رب کے ساتھ اس وقت تم کس طرح قریب ہو یعنی جب دلوں میں

تم درویش مشہور ہو جاؤ۔ اور وہ تمہارے حقوق ادا کرنے لگیں اور تمہیں نظر عظمت دیکھیں تو اُس وقت تمہیں حق درویشی ادا کرنے میں خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ لوگ تمہیں تمہاری اصلیت کے خلاف تمہارا نام اور دیکھیں تو تم ان کی اس آواز کو پسند نہ کرو۔ اپنے کو بنظر انصاف در منعم کا ایک فقیر جانو۔ اس لئے کہ بدترین انسان وہ ہی ہے کہ لوگ اُسے مرد خدا جانیں اور وہ درحقیقت ایسا نہ ہو۔ مگر اس سے خوش ہو۔ اور بہترین انسان وہ ہے کہ لوگ اُسے درویش جانیں۔ اور درحقیقت وہ درویش ہو۔ اور سب سے زیادہ افضل ترین وہ ہے۔ کہ لوگ اُسے مرد کامل نہ سمجھیں۔ مگر وہ درحقیقت اعلیٰ پایہ کا مرد خدا ہو۔

اس کی مثال جسے لوگ کامل جانتے ہوں۔ اور درحقیقت وہ ایسا نہ ہو۔ اس طرح ہے۔ جیسے کوئی مدعی حکمت ہو۔ اور مریضوں کا علاج کرتا ہو۔ مگر جب بیمار ہو تو اس کی طب اُسے کچھ فائدہ نہ پہنچائے اور دوسروں کے آگے جھکتا پھرے۔ تاکہ علاج کرلے۔ مگر طبیب کی مجوزہ دوا کے مفاد سے محض بے خبر ہے اور اُس کی مثال جس کو لوگ درویش جانیں اور وہ درویش ہو۔ ایسے ہی جیسے کہ طبیب فی الواقع طبیب ہے اور مریضوں کا علاج کرتا ہے اور جب خود بیمار ہوتا ہے۔ دوسرے طبیب کی اُسے ضرورت پڑتی ہے۔ مگر اُسکے مجوزہ نسخے کے مفاد کو خود بھی سمجھتا ہے۔

اور اُس کی مثال کہ جسے لوگ مرد کامل نہیں جانتے اور حقیقتہً وہ کامل مرد ہوتا ہے۔ ایسے ہے کہ ایک طبیب کامل ہے۔ مگر لوگ طبیب کامل نہیں جانتے۔ اور وہ عوام کی مشغولیت سے آزاد رہ کر اپنی حفظان صحت کا پورا انتظام کئے ہوئے ہے۔ اپنی مزاج کے موافق غذا لطیف شربت مفرح ہوا معتدل حاصل کرکے اپنی صحت کو مکمل طور پر درست رکھتا ہے۔ تاکہ اس کے پاس مرض آکر اُسے مریض نہ بنا سکے۔ اور عوام کی نظر میں اُس کے حال سے بالکل بے پتہ ہیں۔

بعض متاخرین فرماتے ہیں۔ اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلاَ وَجُوْدٍ یعنی فقر عدم بلا وجود کا نام ہے۔ اس کا مطلب واضح طور پر بیان کرنا سخت مشکل ہے۔ اسلئے کہ شے تو بذاتہ کچھ نہیں ہوتی اور جب تک کسی شے کا وجود نہ ہو اُسے بیان کس طرح کیا جائے۔ تو اس عبارت کا مفہوم سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ اُن کے نزدیک فقیر کوئی چیز نہیں اور مقربان

الٰہی کا اجتماع اور اقوال محض بے اصل ہیں۔ اس لئے کہ فقیر اپنی ذات میں معدوم محض ہے
اور اگر اس عبارت میں عدم عین مراد نہ لیا جائے۔ بلکہ عدم آفت مراد ہو تو یہ بھی صحیح نہیں
اس لئے کہ آفت اوصاف انسان سے ہے اور نفی آفت کرنا گویا نفی صفت کرنا ہے۔
اور آفت وہ صفت انسانی ہے جو ذریعہ وصول الی اللہ کی پھر وصول الی اللہ جو ذریعہ
ہے۔ جب اسی کو معدوم کر دیا تو اُن کی رفتار کو ہی معدوم کیا۔ اور نفی رفتار مستلزم نفی وجود ہو گی۔
اور اس میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے میں نے ارباب کلام کا ایک گروہ دیکھا۔ جو اس قول کو صحیح
نہیں مانتا۔ بلکہ اس قول کا استہزاء کرتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ یہ قول نامعقول ہے۔ دوسرا گروہ وہ
دیکھا۔ جو اس قول کو صحیح مانتا۔ اور اس پر عقیدہ رکھ کر کہتا ہے کہ الفقر عدم بلا وجود صحیح ہے
اور حقیقت حال یہ ہے کہ اصل حال دونوں کو معلوم نہیں۔
اسی وجہ سے دونو گروہ غلطی پر ہیں۔ ایک گروہ تو بوجہ جہل منکر صداقت ہوا۔ اور دوسرا گروہ
جہل کو حقیقت جان کر بہک گیا ایک نے عدم اور فنا سے مراد ناقابل تعریف صفات لے کر ستودہ
صفات کی طلب کرنی چاہی۔ دوسرے نے ترک صفت کو ستودہ صفت سمجھ لیا۔
اور درحقیقت بات یہ ہے کہ فقر کے معانی کلیہ کے بیان سے خود درویش بھی عاری ہے
اور اصل مقصود کے اسباب کلیہ سے قطعاً بیگانہ۔ مگر اسرار الٰہیہ کے گذرگاہ وہی درویش ہوتا ہے۔
اور جب تک درویش کا کام زہد و تقویٰ سے مکتسب ہو اُس کے تمام افعال کو درگاہ الٰہی میں نسبت
قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آتا ہے کہ تمام افعال درویش قید کسب سے رہا ہو جاتے
ہیں۔ اُس وقت اُس کے فعل کی نسبت بھی اُس سے منقطع ہو جاتی ہے[1] اور الفاظ و معانی کو
حقیقۃً فقیر سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ بلکہ اسرار و رموز الٰہیہ سے جو کچھ فقیر پر وارد و صادر ہوتا ہے
اُس کی محض گذرگاہ فقیر ہوتا ہے۔ نہ کہ خود راہ رو یا صاحب اختیار۔ بلکہ فقیر کسی کام کو اپنے اختیار
سے نہیں کرتا۔ نہ کسی چیز کو اپنے اختیار سے لیتا نہ کسی کو باختیار خود دفع کرتا ہے اگرچہ وہ من حیث العبد
ذات واجب تعالیٰ شانہٗ سے غیر ہے۔ مگر ذات تعالیٰ شانہٗ کا ہی نشان خاص ہے

[1] بقول شاعر حاشیہ دوسرے صفحہ پر دیکھیں صفحہ ۱۱۸

ہم نے ایک گروہ اور بھی دیکھا جو مدعی کلام اور اہل زبان تھا۔ وہ اس مضمون سے وجود کی نفی کو کمال عین فقر بتاتا تھا اور اسے بہت اہتمام بالشان تعریف کہتا تھا۔

دوسرا گروہ دیکھا کہ حقیقتِ فقر کے بیان میں نفی اور عدم بیان کو مقدم جانتا تھا اور عین فقر میں نفی صفات کے معنی قرار دیتا تھا۔ ایک گروہ ایسا دیکھا کہ اُس کے نزدیک صفوت نام ہی جب حاصل ہوتی ہے جبکہ طلبِ حق میں نفی حقیقت کر دی جائے۔

ایک گروہ دیکھا۔ جن کے نزدیک سوا اثبات حرص تمام موجودات کی نفی کا نام ہی فقر ہے۔ اور درحقیقت یہ تمام گروہ اپنے اپنے خیالات کے حجابوں میں حقیقتِ فقر سے محجوب ہیں۔

اس لئے کہ سب سے اوّل کمال ولایت میں اسکا ہی سمجھنا ضروری ہے۔ اور اس ہی قول کی حقیقت میں غوطہ زنی کرنا اور اس کے سمجھنے کی محبت پیدا ہونا ہی غایت الغایات فقر ہے۔

تو طالبِ حق کو اس حقیقت کے سمجھے بغیر چارہ نہیں اور اس راہ کو عبور کئے بغیر کامیابی نہیں اور انہی عبارات کا اچھی طرح سمجھ لینا اس راستے کی راہ و رسم میں لازمی ہے تاکہ راہ و رسم محبت سے ناواقف رہ کر عوام کی طرح دھوکے میں پڑ جائیں۔

اس لئے کہ تمام قواعد اصول سے نکلتے ہیں اور تمام جزئیات فروع سے پھر جو فروع سے بے خبر رہا وہ اصول سے یقیناً بے خبر رہے گا۔ اور جو اصول سے بے خبر ہوا وہ کسی جگہ بھی صحیح نہیں اُتر سکتا۔ اس لئے میں نے کہا تاکہ تم ان معانی کی راہ پہلے طے کرو اور اُس کے حقوق کی رعایت کی طرف مشغول ہو سکو۔ اب ہم تھوڑے سے باب تصوف میں خرقۂ صوفیا کے اصول و اشارات بیان کریں گے۔ پھر اُن مردانِ خدا کے اسمائے گرامی بتائیں گے۔ جنہوں نے اس شاہراہ کو عبور فرمایا۔ اور منزل حاصل کی۔

پھر صوفیائے کرام کے مسلک پر بحث کریں گے۔ تاکہ تم سمجھ سکو کہ ان کے اختلافات اختلاف نہیں۔ پھر معرفت و حقیقت و احکامِ شریعت کا تذکرہ کریں گے۔ پھر بعد مقدور اُن کے مقالات اور مقامات رموز و حقائق و آداب بیان کریں گے۔ تاکہ تم پر اور دوسرے پڑھنے والوں پر اس مقام کی حقیقت کا انکشاف ہو سکے۔ وباللہ التوفیق۔

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو — اللہ ہی کو معلوم ہے تم کون ہو کیا ہو

جو [illegible] خدا را درست — [illegible] بخت

تیسرا باب

تصوّف

فصل اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا ارشاد ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔

یعنی خاص بندگانِ الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے اُن سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو"

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا یُؤْمِنُ عَلٰی دُعَائِهِمْ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِیْنَ۔ یعنی جس نے اہلِ تصوف کی آواز سُن کر اُن کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا۔

دیگر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صوفی کون ہے اس لئے کہ لوگوں نے نام صوفی کی بہت سی تعریفیں بنا رکھی ہیں اور اس بحث میں بہت سی کتابیں بھی تالیف ہو چکی ہیں۔ ایک جماعت تو کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبلی اوڑھتا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بروز قیامت صفِ اوّل میں ہونگے۔ ایک گروہ اعتراف گیا کہ صوفی وہ کہا جا سکتا ہے جو اصحابِ صفہ کے ساتھ محبت وولا کا رابطہ رکھے۔ ایک فرقہ کہنے لگا کہ صوفی ایک اسم ہے جو صفا سے مشتق ہے۔ یعنی جس کے اندر باہر صفائی ہے وہ صوفی کہلانے کا حق دار ہے۔ اگرچہ بلحاظِ لطیفت ان توجیہات میں بہت سے لطائف حاصل ہو سکتے ہیں لیکن آخری طبقہ کی تعریف کے اعتبار سے لغوی معنی اس کے علیحدہ ہی نکلیں گے۔ اگرچہ صفا بمعنی صفائی ہے۔ اور صفائی ہر پہلو سے اچھی ہے اور صفائی کی ضد کدورت ہے

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا۔ ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَبَقِيَ كَدَرُهَا۔ دنیا کی صفائی جاتی رہی۔ اور اُس کی کدورت باقی رہ گئی۔ اور ظاہر ہے کہ لطیف و صاف چیز اور میلی و مکدر چیز علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور یہ امر ظاہر و واضح ہے کہ اہلِ تصوف نے اپنے تمام معاملات اخلاقی معاشی معادی کی تہذیب کر لئے اور اپنا دل کدورتِ آفاتِ دنیا سے صاف فرمالیا اسلئے انہیں صوفی کہا گیا۔ اور یہ اسم عارفوں کے لئے اسمائے اعلام سے ہے۔ کیونکہ اہلِ تصوف کے خطراتِ قلبیہ اور اموراتِ حالیہ اس اسم سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ بلکہ درحقیقت لفظ صوفی ان کے صفاتِ باطن کی ترجمانی کیلئے کافی نہیں اور اُن کے معاملات تقرب پر اُس کی تعریف محیط نہیں ہوسکتی۔ بنابراں اسم صوفی کا مبداء اشتقاق صفا بنا کر آسے اسم صفت قرار دینا صحیح نہیں ہوسکتا۔

پھر یہ زمانہ تو وہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ شانہٗ نے عوام کو حقیقت تصوف اور اہلِ تصوف سے حجاب میں فرما کر۔ اور اُن کے منصب جلیل کی بلندی اور نورانیت قلبی کو عوام کے دلوں سے مخفی کر دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی جماعت تو یہ سمجھ بیٹھی کہ تصوف ایک طریقہ کا نام ہے جو شاہد باطن میں مدد دیتا ہے اور اصلاح ظاہری کر دیتا ہے۔ کوئی اس گمان میں بہک گیا کہ یہ صوفیا اور تصوف ایک بے حقیقت چیز ہے۔ اور یہ نام محض بے اصل نام ہے حتیٰ کہ بعض کمینہ جاہل تو مسخرہ پن کر کے نافہم اہلِ علم کو اپنے ساتھ ملا کر محض ظاہر بینانہ نظروں سے دیکھ بھال کر سرے سے تصوف کے منکر ہو گئے۔ اور باوجودیکہ وہ سخت حجاب غفلت میں محجوب ہیں۔ لیکن اپنی اندھی نظر کی تحقیق پر مطمئن ہیں۔ ان کی پیروی جاہل عوام کالانعام نے کی اور صفا باطن کی خواہش ہی دل سے نکال دی اور سلف صالحین اور صحابہ کرام کے طریقہ کو چھوڑ بیٹھے۔

إِنَّ الصَّفَا صِفَةُ الصِّدِّيقِ — إِنْ أَرَدْتَ صُوفِيًّا عَلَى التَّحْقِيقِ

یعنی اگر تو واقعی صوفی کا متلاشی ہے۔ تو یاد رہے۔ کہ صوفی ہونے کی شان صفا تو صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھی۔ اس لئے کہ صفا حقیقی کے لئے ایک اصل اور ایک فرع ہے اصل تو دل کا ماسوا اللہ سے منقطع ہونا ہے اور فرع دل کا دُنیا غدار کی محبت سے خالی کر دینا۔

اور یہ دونو صفتیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھیں جن کا نام حضرت عبداللہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما ہے۔ اس لئے کہ صدیق اکبر کی ہی وہ ہستی ہے جسے امام اہل طریقت اور مقتدا اہل تصوف کہا جائے۔ اور یہی وہ پاک باطن تھے جن کا دل اعتبار سے اس قدر صاف تھا کہ صحابہ کرام میں بھی آپ کی ہستی کا ہمسر کوئی نہ تھا۔

بوقت وفات قیامت آیات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کرام اس عالی جناب گردوں رکاب کی جدائی سے اس قدر دل شکستہ تھے۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ازخود رفتگی میں برہنہ تلوار کھینچ کر بآواز فرمادیا۔ خبردار جس نے کہا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں۔ اس کا سر قلم کر دوں گا۔

حضرت افضل البشر بعد الانبیاء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا۔ اَلَا مَنْ عَبَدَ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ عَبَدَ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ " خبردار رہو۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حی قدیم جان کر عبادت کی تو بیشک اس ہستی مبارک نے وجود عنصری سے پردہ فرمالیا۔ اور جو عابد الٰہی ہے وہ سن لے کہ وہ جل مجدہٗ حی قدیم ہے اسے فنا نہیں۔

پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

" ہمارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا نہیں بلکہ ہمارے رسول ہیں۔ ان سے پہلے جو رسول آئے وہ بھی دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ تو کیا اگر یہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی پچھلے روئیہ پر لوٹ جاؤ گے "

یعنی جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خدا مانتا ہے اسے چاہیئے کہ سن لے کہ وہ تشریف لے گئے ہیں اور جو خدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پوجنے والا ہے وہ جان لے کہ وہ ذات زندہ اور قدیم ہے گویا دوسرے الفاظ میں اپنی صفوۃ کا مظاہرہ فرمایا کہ تعلیم مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء یہ ہے کہ سوا ذات باقی کے سب فانی ہیں۔ اور فانی سے ورلا۔ پوری ذات باقی سے توجہ کامل

فانی سے بندھا ہوا ہے وہ سمجھ لے کہ صورت فانی فنا ہوگئی اور اس کی تمام محنت رائیگاں گئی اور جس نے اپنی جان حضرت باقی کے سپرد فرما دی اُس کی شان یہ ہے۔ کہ اُس کا نفس فانی فنا ہو جاتا ہے اور وُہ ذات باقی کے ساتھ دوامی بقا میں رہتا ہے۔

لہٰذا جس نے ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم ظاہر سے دیکھا ہے وہ اپنا اسلام اور اُن کی تعظیم ختم کر دے۔ اس لئے کہ وہ صورتِ ظاہری تو فنا ہوگئی۔ اور جس نے اُس ہستی پاک کو چشم حقیقت دیکھا ہے۔ اُسے نقش ظاہری سے کچھ تعلق نہیں۔ اُس کے نزدیک اُس صورت کا رہنا اور غائب ہو جانا دونوں برابر ہیں۔ اسلئے کہ حالتِ بقا میں وہ اپنی بقا منجانب اللہ محبت اور یقین کرتا ہے۔ اور کیفیت فنا کو بھی منجانب اللہ جانتا ہے۔ جب اس نے ہر دو کیفیات منجانب محولِ حقیقی دیکھیں تو محوّل سے اعراض کر کے محوّلِ حقیقی کا اعتراف کرلیا اور جان لیا کہ ہر محوّل یعنی متغیر ہونے والے کا وجود محوّلِ حقیقی یعنی متغیر کرنے والے اور پھیرنے والے کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تو پھر فرمان رب العزت جلّ مجدہٗ کے مطابق وہ ہر شے کی تعظیم و تکریم کرنے والا ہوگیا اور بنظر دل کسی غیر کو دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور نظر ظاہر کو بھی ما سوا اللہ سے بند کر لیا۔

مَنْ نَظَرَ اِلَی الْخَلْقِ هَلَكَ وَمَنْ رَجَعَ اِلَی الْحَقِّ مَلَكَ "جس نے مخلوق فانی کی طرف نظر کی ہلاک ہُوا۔ اور جو وجود باقی اور ذات حق کی طرف رجوع ہوا ملکی صفات سے متصف ہوگیا"

یعنی ما سوا اللہ اور مخلوق کی طرف نظر ہونا نشانِ ہلاکت ہے اور رجوع بحق ہونا علامت ملکیت ہے۔

ترغلے دل ما سوائے اللہ کے یاد دنیا و ما فیہا سے یہ ہُوا کہ جو کچھ مال و متاع غلام اس کے قبضہ میں ہو راہِ مولیٰ میں دے ڈالے اور ایک کملی میں لپٹ کر دربار رسالت پناہ میں حاضر ہو۔ جیسا کہ صدیقِ اکبر کا واقعہ ہے کہ سب مال و متاع غلام لونڈی اللہ کے واسطے تصدق کرنے کو اس شان سے حاضر ہوئے کہ ایک کملی جسم اطہر پر تھی۔ حضور نے فرمایا مَا خَلَّفْتَ لِعِيَالِكَ ابوبکر اپنے بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔ عرض کی۔ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ بیوی بچوں کے لئے دو خزانے بے خزاں اور دو گنج بیکراں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ایک محبت واحد حقیقی دوسرے متابعت رسول الطلبی۔

اس لئے کہ جب میرا دل تعلق دُنیا دنی سے آزاد ہو چکا تو مجھے ناگزیر تھا کہ گندگی اور میل کچیل سے صفائی حاصل کروں۔ یہ ہے مکمل صفت صوفی صافی و عارف صادق کی اور اس سے انکار کرنا درحقیقت انکار ذات باقی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ (درحقیقت حقیقت تصوف یہی ہے) اس لئے کہ صوفی وہ ہے جو صاف دل ہو۔ اقسام کدورات سے او صفائی کی ضد تکدر اور میلا پن ہے۔ دوسرے مکدر و ملوث بن جانا ہونا صفات بشری میں داخل ہے اور درحقیقت صوفی وہ ہے جو حقیقت تکدر سے گذر کر صفات بشری سے بالاتر ہو جائے۔

جیسا کہ بحالت استغراق و محویت مشاہدۂ جمال و لطائف حسن یوسف کرکے زنان مصر پر کیفیت بشریہ نے غلبہ کیا پھر اُس کیفیت و غلبہ بشریت پر جب حسن یوسفی نے اپنا عکس حسن ڈالا تو وہ غلبہ بشریت درجۂ غایت کو پہنچ گیا پھر جب مشاہدۂ حسن نہایت پر پہنچا تو غلبہ بشریت فنا ہو گیا۔ اور انہیں زنانِ مصر کی زبان سے حَاشَا لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا نکل گیا یعنی خدا کی قسم یہ بشر نہیں ہے۔ (یہاں درحقیقت پر تو حسن یوسفی نے زنان مصر کی کیفیت بشری کو بدل ڈالا تھا، مگر انہوں نے اس دعویٰ کا نشانہ حسن یوسف علیہ السلام کو بنایا اور فی الواقع اپنا حال بیان کیا تھا۔ —— اسی کی تائید میں مشائخ طریقت رحمہم اللہ نے فرمایا۔

لَیْسَ الصَّفَا مِنْ صِفَاتِ الْبَشَرِ لِاَنَّ الْبَشَرَ مَدَرٌ وَالْمَدَرُ لَا یَخْلُوْا مِنَ الْکَدَرِ۔

صفائی صفات بشریہ سے نہیں اس لئے کہ بشر کی تخلیق مٹی سے ہے اور مٹی کے خواص ذاتی ہیں کدورت و کثافت ہے۔ بنا براں بشر کو کثافت و کدورت بغیر چارہ نہیں۔

تو ظاہر ہو گیا کہ حصول صفا افعال و اعمال سے نہیں ہو سکتا۔ اور بشر کی صفت خالص مجاہدہ و ریاضت سے زائل ہونا ناممکن ہے۔ اسلئے کہ صفت کو افعال و اعمال سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اسم صفا کو کسی نام یا کسی لقب سے کوئی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اَلصَّفَا صِفَۃُ الْاَحْبَابِ وَھُمْ شُمُوْسٌ بِلَا سَحَابٍ صفت صفا محبوبان الٰہی کی صفت ہے۔ اور وہ وہ ہیں کہ اپنی صفت بشری سے فانی ہو کر صفت محبوبان الٰہی کے ساتھ باقی ہو چکے ہیں۔ اور محبوبان بارگاہ وہ ہیں کہ اُن کی کیفیت حالی اہل حال کی نظروں میں مثل اُس آفتاب کے روشن اور نمایاں ہے جس پر ابر کا بھی حجاب نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کبار رضی اللہ

ہم نے حضرت حارثہ بن زید کے متعلق دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا۔

عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهُ بِالْإِيمَانِ۔ وہ وہ بندہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منور کر دیا۔ اُس کا چہرہ یہ اثر رکھتا ہے کہ اُس کی کیفیت منتقلہ موجود ہے۔ جس طرح چاند آفتاب کو دیکھ کر روشن ہو جاتا ہے۔ حضرت حارثہ بن زید کے چہرہ کو دیکھنے سے دیکھنے والے میں نور آ جاتا ہے، اور حارثہ کو اللہ نے اپنے نور سے معمور و مملو فرمایا۔

کہتے ہیں کہ مشائخ سلسلہ میں سے کسی نے یہ شعر فرمایا۔

ضِيَاءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ إِذَا اشْتَرَكَا — أُنْمُوذَجٌ مِنْ صَفَاءِ الْحُبِّ وَالتَّوْحِيدِ إِذْ اشْتَبَكَا

"نورِ آفتاب و قمر جب یکدیگر مل جائیں تو اس کی مثال توحید و محبت کی صفائی ہے جبکہ یہ دونوں یکجا جمع ہو جائیں۔"

لیکن یاد رکھو کہ نورِ آفتاب و ماہتاب کے وہاں کچھ حقیقت نہیں۔ یہاں صرف بحث مقصود جمادی جلوہ ریزی ہو۔ مگر اس مثال سے نورِ محبت و توحید کو اس لئے بہت رعایت حاصل ہے کہ نور اس سے زیادہ منور نہیں۔ اور جمادی چشم ظاہر آفتاب و ماہتاب کے نور کا کمال دیکھ رہی ہے۔ اور بس۔ اور نورِ توحید و محبت سے قیام قیامت تک کے تمام احوال دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور اس پر جملہ مشائخ طریقت مجتمع ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

جب بندہ قیدِ مقامات سے آزاد ہو جاتا ہے تو کیفیتِ مکدرہ سے خالی ہو کر مقامِ تغیر و تلون سے بھی آزادی حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس میں تمام احوالِ محمود ...... آ جاتے ہیں۔ وہ صفاتِ محمودہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ مگر اس وقت وہ فی نفسہٖ قیدِ اوصاف سے بیگانہ ہوتا ہے اور قیدِ صفات سے بالاتر ہو کر حمید و محمود کو نہیں دیکھتا۔

یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی لطائف کے مشاہدہ سے عجب و نخوت نہیں کرتا۔ منزہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کی کیفیتِ عالیہ ادراکِ عقل سے مستغنی ہو جاتی ہے اور اس کا ظاہر و باطن شکوک و ظنون اوہام کے دستبرد سے محفوظ بلکہ پاک ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اُس کی کیفیتِ حضوری کو ذہاب یعنی حجاب و خفا نہ ہو۔ اور اُس کا وجود ظاہری علل و اسباب کا محتاج نہ رہے۔

لِأَنَّ الصَّفَاءَ حُضُورٌ بِلَا ذَهَابٍ وَوُجُودٌ بِلَا أَسْبَابٍ "یعنی مقتضا

صفائے قلب یہ ہے کہ اُسے منازل ہونے والا حضور حاصل ہو اور بلا احتیاج سبب سب کچھ موجود ہو۔ حاضری بارگاہ بلا غیبت ہو اور ہر چیز بلا سببِ علت موجود اسلئے کہ جو حضور غیبت سے ہٹ جائے وہ حضور نہیں اور جو موجود سببِ علت سے موجود ہو وہ موجود کوئی وجود نہیں رکھتا۔

جب اس درجہ پر صوفی پہنچ جاتا ہے تو دنیا و عقبیٰ میں فنا ہو جاتا ہے اور بظاہر جسم انسانی رکھکر ربانی بن جاتا ہے پھر اس کی نظر میں زر و جواہر اور کنکر و پتھر یکساں ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ اہل دنیا پر دشوار ہوتا ہے وہ سب اُن پر آسان ہو جاتا ہے۔ خواہ اتباع احکام ہو یا اور کچھ۔

چنانچہ حضرت حارثہ بن زید رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے حضور نے فرمایا۔ كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَاحَارِثَةُ۔ یعنی اے ابن زید آج تم نے کیسی صبح کی۔

قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا بِاللّٰهِ حَقًّا فَقَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ يَا حَارِثَةُ اِنَّ لِكُلِّ شَيْئٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ فَقَالَ عَزَلْتُ وَحَرَّفْتُ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَاسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَاَظْمَاْتُ نَهَارِيْ حَتّٰى صِرْتُ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ بَارِزًا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَتَعَاوَوْنَ فَالْحَدِيْث۔

حارثہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور میں نے آج سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حارثہ غور کر۔ کیا کہہ رہے ہو۔ یاد رکھو ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ہر چیز پر ایک دلیل۔ تیرے اس دعویٰ کی کیا حقیقت ہے اور تیرے ایمان کی کیا دلیل۔

عرض کی حضور میں نے اپنی جان کو دنیا سے علیحدہ کر لیا۔ اور اپنا منہ دنیا سے موڑ لیا۔ اب میری نظر میں دنیا کا پتھر سونا چاندی کنکر کوڑا سب یکساں ہے۔ اور جب میں دنیا و مافیہا سے آزاد ہو چکا تو مقام اقصیٰ یعنی درجہ انتہائی پر پہنچ گیا حتیٰ کہ آج میں نے تمہاری شکم پری اور شب بیداری میں مجھے (بہ تصدق سرکار) یہ منصب حاصل ہے کہ گویا میں رب اعلیٰ کے عرش بریں کا مشاہدہ بلا حجاب کر رہا ہوں۔ اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ سیر و تفریح میں ہیں اور گویا کہ میں جہنمیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تڑپ رہے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنکھ پھاڑ

پھاڑ کر جہنم میں دیکھ رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا عَرَفْتَ جان تو لیا تو نے گرفا لزم
اب اس منصب کی محافظت کر۔ اس لئے کہ بس اس کے سوا اور عرفان (مخلوق کو حاصل نہیں)
ولیوں کو اسی منصب نام سے پکارتے ہیں کسی بزرگ نے مشائخ کرام سے فرمایا۔
مَنْ صَفَاہُ الْحُبُّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَفَاہُ الْحَبِیْبُ فَهُوَ صُوْفِیٌّ جو محبت کے
ذریعہ صاف ہوا وہ صافی ہوا۔ اور جو محبت حبیب میں محو و مستغرق ہوا وہ غیر محبوب سے
بری ہو کر صوفی ہوگیا۔

اور بمقتضا ءلغت اس اسم صوفی کا مشتق ہونا درست نہیں۔ اس لئے کہ لفظ صوفی معنے
لغوی سے وراء الوری ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کو بمناسبت معنی لغوی دیکھا جائیگا تو لئے جنس
ماننا پڑیگا۔ تاکہ وہ جنس کسی جنس سے مشتق ہوسکے کیونکہ ہر مشتق کو اپنی مبداء اشتقاق سے مجانست
لازمی ہے۔ اور لفظ صوفی جس معنی سے وابستہ ہے۔ وُہ وُہ ہے جو صافی و مصفٰے ہے اور جس قدر
مبادی اشتقاق ہیں وہ یقیناً ضد صفا ہیں۔ لہذا ضد سے ضد کا اشتقاق صحیح نہیں تو اس کے
معنی اظہر من الشمس ہوگئے کہ اہل تصوف کے نزدیک تعریف صوفی محتاج تعریف نہیں اور اس
کی تشریح کی حاجت نہیں۔ لِاَنَّ الصُّوْفِیَّ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْعِبَارَۃِ وَالْاِشَارَۃِ اسلئے
کہ صوفی عبارت و اشارت سے روکا ہوا ہے۔ تو جب صوفی زبانی تعریفات و تعبیرات و اشارات
سے آزاد ہو تو سب جہان اُس کے لئے معنی اور تعبیر چھانا کرے اور کوئی اس کی حقیقت سمجھے یا
نہ سمجھے۔ اسم صوفی کو ان تعبیرات سے کچھ خطرہ نہیں۔

تو بحالت حصول معنیٰ اہل کمال نے انہیں صوفی کہا اور جو اس کمال کا طالب اور اہل کمال سے
وابستہ ہیں۔ ان کو متصوف اور تصوف باب تفعل سے ہے اور یہ باب مقتضی تکلف ہے۔ اور تصوف
میں تکلف و مجاہدہ اس کی جڑ یعنی اصل کی ایک فرع اور شاخ ہے۔ اور بمقتضاء لغت و معنی سے صوفی
کے معنی حقیقی کا فرق ظاہر بلکہ اظہر ہے
اَلصَّفَاءُ وَلَایَۃٌ وَلَهَا اٰیَۃٌ وَرِوَایَۃٌ وَالتَّصَوُّفُ حِکَایَۃٌ لِلصَّفَاءِ بِلَا
شِکَایَۃٍ۔ یعنی صفا ولایت کا نام ہے اور اس کے لئے علامت اور روایت کی ضرورت ہے
اور تصوف بلا شبہ حصول صفا کے لئے ایک حکایت ہے جس میں شائبہ شکایت نہیں ہوتا تو صفا

کے روشن معنی ظاہر ہوگئے تو تصوف کا محض حکایت ہونا واضح ہوگیا۔ تو درجہ تصوف میں جو لوگ ہیں۔ اُن کی تین قسم ہیں۔ ایک صوفی۔ دوسرا متصوف۔ تیسرا مستصوف۔

صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہوکر باقی بحق ہوگیا۔ قید مزاج و طبائع سے آزاد ہوکر حقیقت حقائق کے ساتھ مل گیا۔

متصوف وہ ہے جو اس درجہ کے حاصل کرنے کی آرزو میں تکلف و مشقت و مجاہدہ کرتا ہے۔ اور صوفی بننے کا خواہش مند ہے اور صوفیائے کرام کے رسم و رواج کی پیروی میں اپنی اصلاح کرتا ہے۔

اور مستصوف وہ ہے۔ جو مال و منال دنیاوی حاصل کرنے کی غرض سے صوفیاء کرام کے اعمال و افعال و حرکات کی نقل کرتا ہے۔ صوفیاء کے اقوال کہتا پڑھتا ہے۔ مگر خود محض بے خبر ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ چنانچہ ایسے شخص کے ہی حق میں مشائخ کرام نے فرمایا۔

اَلْمُسْتَصْوِفُ عِنْدَ الصُّوْفِيَةِ كَالذُّبَابِ وَعِنْدَ غَيْرِهِمْ كَالذِّيَابِ۔

مستصوف صوفیائے کرام کے نزدیک ایک ذلیل مکھی ہے۔ جو کچھ کرتا ہے وہ محض لغو اور فضول ہے۔ اور عوام کے حق میں مستصوف مثل بھیڑئیے کے ہے یا بجو کی طرح۔ وہ جو کچھ کرتا ہے سب بیکار ہے۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اُس سے اُس کی مراد تھوڑے سے ٹکڑے کا حاصل کرنا ہے

تو خلاصہ یہ نکلا کہ صوفی صاحب وصول ہوتا ہے اور متصوف صاحب اصول اور مستصوف صاحب فضول۔ جو صوفی ہے اُسے اصل کشف و وصل محبوب نصیب ہوگیا۔ اور وہ ہمیشہ رسم و لطائف میں مستقیم رہا۔ اور جس کو درجہ فضول ملا وہ سب سے پیچھے رہ گیا اور رسم کے دروازہ پر پڑا رہا اور اُس پر حجاب معنی اس قدر پڑے کہ وہ محجوب ہوکر وصل و اصل دونوں سے محروم رہ گیا۔ اس حال کو مشائخ کرام نے اس قدر رموز میں بیان فرمایا ہے کہ سب کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ تاہم بعض اُن کی رموزات اس کتاب میں ہم بیان کریں گے تاکہ ناظرین کو کافی فائدہ پہنچے۔ انشاءاللہ

فصل حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلصُّوْفِيْ اِذَا نَطَقَ بَانَ نُطْقُهٗ مِنَ الْحَقَائِقِ وَاِنْ سَكَتَ نَطَقَتْ عَنْهُ الْجَوَارِحُ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ۔

صوفی وہ ہے کہ جب کلام کرے۔ تو اس کا کلام اس کے حال کی حقیقت کا مظہر ہو اور کوئی ایسی بات نہ کہے جو اُس میں نہ ہو۔ اور جب وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اُس کے حال کی ترجمان ہو۔ اور علائق دنیاوی سے بے تعلقی کا ثبوت اُس کے اعضاء سے واضح ہو گویا گفتار صوفی اُس کے حسب حال ہو اور کردار صوفی میں شان تجرید اس قدر ہو کہ قطع دنیا واضح نظر آئے۔ غرضیکہ اگر وہ کلام کرے تو ایسا کہ سب اُس پر صحیح اُترے اور سچ نظر آئے اور خاموش رہے تو خاموشی سے اس کے فقر کی ادائیں نظر آئیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلتَّصَوُّفُ نَعْتٌ اُقِیْمُ الْعَبْدَ فِیْہِ قِیْلَ نَعْتٌ لِلْعَبْدِ اَمْ لِلْحَقِّ فَقَالَ نَعْتُ الْحَقِّ حَقِیْقَۃٌ وَنَعْتُ الْعَبْدِ رَسْمٌ

تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اُس صفت کے ساتھ بندہ ٹھیرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یا بندہ کے لئے۔ تو فرمایا یعنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے۔ لیکن رسماً صفت بطور مجاز بندہ کے لئے ہوتی ہے۔

یعنی حقیقت تصوف یہ ہے کہ بندہ کی صفت کو فنا کرنے اور صفات عبد کا فنا ہونا صفت حق باقی رہنے کو ہے اور یہی صفت حق ہے اور رسم تصوف دوام بندہ سے مجاہدات و ریاضات کا تقاضہ کرتی ہے اور فنائے صفت استقامت و استمرار اس مجاہدہ پر رکھنا یہ بندہ کی شان ہے

اور اس مضمون کو بالفاظ دیگر یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ حقیقت توحید میں بندہ کو کسی صفت سے متصف کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ صفات عبد حق جدید وادی نہیں اور بندہ کی صفت کی حقیقت محض رسم ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور واضح طور پر روشن ہے کہ صفت عبد باقی نہیں رہتی بلکہ بندہ میں کسی صفت کا آنا یہ ایک فعل ہے اُس قدیم الصفات کا۔ اور ذات قدیم الصفات کے جتنے افعال ہیں وہ سب اُس کی ملک اور تحت قدرت ہیں تو درحقیقت جو صفت بندہ میں ہوگی وہ صفت واجب تعالیٰ شانہٗ ماننی پڑے گی۔

اسے اور وضاحت سے یوں سمجھا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہے تو بندہ کو اس حکم کی تعمیل کے وقت اسم صائم عطا ہو جاتا ہے۔ تو روزہ رکھنا بطریق رسم بندہ کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ درحقیقت صوم بھی از جانب الٰہی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں حضور کو

جناب باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ روزہ میرے لئے ہے اور میں اُس کا بدلہ ہوں (یعنی وہ روزہ جو بندہ نے رکھا وہ میرے حکم سے رکھا اور اس کے تمام کام اُس کے ہاتھ میں) کہ یہ اضافت ملک بندہ کی طرف ہے۔ درحقیقت بطریق رسم و مجاز ہے۔ ذکر بطریق حقیقت۔

حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ تَرْکُ کُلِّ حَظٍّ لِلنَّفْسِ تصوف نام ہے تمام حظوظ نفسانیہ کا ترک اور یہ دو طرح ہوتا ہے ایک رسمی طور پر دوسرے حقیقی صورت میں۔

یہ بھی درحقیقت عجیب و غریب شان ہے۔ اسلئے کہ اگر بندہ نے خوشی سے ترک حظ نفس کیا تو فی نفسہ ترک حظ بھی تو ایک حظ ہے۔ اور یہ خالص رسم ہے۔

اور اگر خوشی نے بندہ کو ترک کر دیا اور حظ نفس خود علیحدہ ہوگیا تو یہ فنا حظ ہوگا۔ اور اس معنی کا تعلق درحقیقت مشاہدہ سے ہے۔

اس لئے کہ یہ امر واضح ہے کہ ترکِ حظ یعنی خوشی اور لذات نفسانیہ کا ترک کر دینا یہ بندہ کا فعل ہے اور لذات نفسانیہ اور حظوظ جسمانیہ کا فنا ہونا من جانب اللہ ہے۔

اور یہ امر مسلمات سے ہے کہ فعل عبد محض رسم و مجاز ہے اور فعل حق حقیقت ذات۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ بھی اس امر کو ظاہر کرتا ہے۔ اور حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ کہتے ہیں۔ اَلصُّوْفِیَّۃُ ھُمُ الَّذِیْنَ صَفَتْ اَرْوَاحُھُمْ فَصَارُوْا فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ بَیْنَ یَدَیِ الْحَقِّ۔

صوفی وہ ہیں کہ اُن کی روحیں کدورت بشریت سے مجلا ہو چکی ہوں۔ اور تمام آفات نفسانیہ سے پاک ہو کر حرص و ہوائے شہوانیہ سے خلاص پا کر دربار الٰہی میں صف اول کے اندر درجہ تقرب پاتی ہیں اور ماسوائے اللہ سے بعید ہو چکی ہیں اور۔

حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلصُّوْفِیُّ الَّذِیْ لَا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ صوفی وہ ہے جو کسی کا مالک ہو نہ کسی کی ملک یعنی صوفی وہ ہے جس کے قبضہ میں نہ ہو [illegible] وہ خود کسی کی قید میں مقید نہ ہو۔

اور یہ تعریف عین فنا کی ہے۔ اس لئے کہ فانی فی الصفت نہ کسی شے کا مالک بالذات ہوتا ہے نہ مملوک غیر ذات۔ اسلئے کہ ملک اس کی صحیح ہوتی ہے جو خود موجود ہو۔ اور مملوکیت کا بھی وہی اہل ہے جو موجود ہو۔ تو مسئلہ واضح ہوگیا کہ صوفی متاعِ دُنیا و آخرت میں سے خود کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اور آپ نفس و حرص و حظ اور خواہشات کے ملک میں نہیں رہتا۔

گویا اپنی مشیت اور ارادہ کو ماسوی اللہ سے منقطع کرلیتا ہے۔ تاکہ غیر اس کی اطاعت بندگی کا طمع نہ کرسکے۔ اور یہ قول بالخصوص اس گروہ صوفیاء کے بہت مناسب حال ہے جو فناء کل کے قائل ہیں۔ اور میں اُن کے خیالات کو اس کتاب میں نقل کرونگا۔ تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے۔ انشاءاللہ۔ اللہ تمہیں اپنا برگزیدہ بنائے۔

حضرت ابن الجلا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ حَقِیقَۃٌ لَا رَسْمَ لَہٗ۔ تصوف ایسی حقیقت کا نام ہے جس کی تعریف رسی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ رسم مخلوقات کا وہ حصہ ہے جو معاملات میں مستعمل ہے اور تصوف حقیقتہً خاصۂ الہٰی ہے۔ اور بات بھی یہی ہے کیوں کہ جب تصوف مخلوقات سے اعراض کرنے کو کہا جاتا ہے تو لامحالہ اُس کے لئے رسم و رواج مخلوقی سے علیحدہ ہونا ضروری ہے۔

حضرت ابو عمر دمشقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ رُؤْیَۃُ الْکَوْنِ بِعَیْنِ النَّقْصِ بَلْ غَضُّ الطَّرْفِ عَنِ الْکَوْنِ۔ تصوف یہ ہے کہ عالم کون کو بنظر نقص و حدوث دیکھے اور یہی بقا صفت کی دلیل ہے۔ بلکہ عالم سے آنکھ . . . کو بند کرلے تاکہ یہ دلیل فنا صفت کی مکمل ہوجائے۔ اسلئے کہ جب تک نظر عالم کون کی طرف رہے گی خواہ ناقص ہو خواہ کامل۔ تو صفت باقی رہے گی۔ مگر جب کون ہی نہ رہے گا تو نظر بھی اُس پر نہ رہے گی۔ تو صفت کا فانی ہونا محقق ہوجائے گا۔

غرضیکہ جب صوفی اپنی ذات سے نابینا ہوجاتا ہے۔ ذات واجب کے ساتھ بینا ہوجاتا ہے۔ اور جبکہ صوفی ہرکہ طالب کون و فساد ہوا تو اُس کے تمام کاروبار کا تعلق اُسی کی ذات کے ساتھ رہے گا۔ کیونکہ اُسے اپنے سوا کسی اور کے ساتھ کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔

تو بایں وجہ جو خود کو دیکھتا ہے گویا نقص دیکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے تو پہنا [illegible]

ماسوی اللہ سے بلند کر کے کسی کو نہیں دیکھتا، تو جو دیکھ رہا ہے اگرچہ ناقص ہی دیکھے مگر بھی اس کی چشم بینا پر حجاب دوئی ہے۔ اور ایک وہ جو دیکھتا ہے تو اپنی بینائی کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ اور ایک وہ جو ماسوی اللہ کو دیکھتا ہی نہیں۔ وہ اپنی چشم حق بیں سے محجوب نہیں ہوتا۔ اور یہی اصل قوت ہے۔ جسے متصوفہ اور ارباب معانی اعلیٰ مقام بتاتے ہیں۔

بس اب اس سے زائد شرح کرنا اس مقام کے ساتھ ناموزوں ہے۔

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اَلتَّصَوُّفُ شِرْكٌ لِاَنَّهٗ صِيَانَةُ الْقَلْبِ عَنْ رُؤْيَةِ الْغَيْرِ وَلَا غَيْرَ "تصوف شرک طریقت ہے۔ اس لئے کہ متصوف اپنے دل کو محفوظ کرتا ہے غیر کے دیکھنے سے اور صوفی کی نظر میں وجود غیر معدوم ہے۔"

یعنی جب صوفی پر وحدۃ ذات کا پرتو کما حقہٗ پڑ جائے تو مقام توحید میں رویت غیر کو شرک طریقت کہا گیا۔ اس لئے کہ جب قلب صوفی میں وجود غیر کی کوئی قدر و منزلت ہی نہیں تو اس سے حفاظت کرنا یا اس کے وہم میں ذکر غیر آنا ہی محال ہے۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ كُدُوْرَةِ الْمُخَالَفَةِ "تصوف نام ہے اپنی ضمیر کو مخالفت حق سے محفوظ رکھنے اور اس کے جلاء و نورانیت کو کدورت اوہام سے بچانے کا۔

اس لئے کہ محبت و وداد نام موافقت کا ہے اور موافقت ضد مخالفت ہے اور دوست کو تمام عالم میں سوا اطاعت فرمان دوست کے کچھ محبوب ہی نہیں۔ تو جب دوست کی مراد ہی ہوئی جو دوست کی مراد تھی۔ تو پھر مخالفت وہاں کیونکر ممکن ہو سکتی ہے اور جب ممکن ہی نہیں۔ تو اس کا وجود کہاں۔

حضرت محمد بن علی بن الحسین ابن علی بن ابی طالب رحمہم اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَيْكَ فِي الْخُلُقِ زَادَ عَلَيْكَ فِي التَّصَوُّفِ "تصوف ایک نیک خصلت ہے جو زیادہ نیک خصلت ہے وہ اعلیٰ صوفی ہے۔"

اور نیک خصلت دو قسم پر ہے۔ ایک خصلت نیک بحق۔ دوسری خصلت نیک بخلق۔ نیک خو بحق وہ ہے جو رب جل مجدہٗ کی رضا و قضا میں راضی رہے۔ اور نیک خو بخلق

وہ ہے جو اللہ کے لئے مخلوق کا بارِ خدمت اپنے سر لے۔

اور یہ دونوں خصلتیں درحقیقت طالب کی طرف ہی ہوتی ہیں یعنی ان خصلتوں کا محتاج طالب حق ہی ہو سکتا ہے اس لئے وہ ذات بے نیاز متصف باستغنا ہے اور رضا و سخط خوشی و غصہ کے بار اُٹھانے سے مبرا و بے نیاز ہے یہ ہر دو صفت درحقیقت نظارۂ وحدانیت میں موقوف و مربوط ہیں۔

حضرت ابو محمد مرتعش رحمہ اللہ نے فرمایا اَلصُّوفِیُّ لَا یُسْبِقُ هِمَّتَهٗ خُطْوَتَهٗ اَلْبَتَّةَ "صوفی وہ ہے کہ اُس کا خطرۂ قلبی بھی اس کے قدم ہمت سے قطعاً نہ بڑھ سکے ہمیشہ اُس کی ہمت اُس کا خطرہ اُس کا ارادہ سب یکساں ہو یعنی اُس کا جسم جہاں ہو دل بھی وہاں ہو۔ اور جس مقام پر دل ہو اُس جگہ اس کا تن ہے۔ جہاں اس کا قدم ہو وہاں ہی اُس کا قول ہو اور جہاں اس کا قول ہو وہاں ہی اس کا قدم ہو۔ اور یہ بلا غیبوبیت نشان حضوری ہے۔ برخلاف اُنکے جو کہتے ہیں کہ صوفی اپنے وجود سے غائب ہو کر ذات صمدی کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ یہ کچھ نہیں بلکہ حاضر بحق بھی ہو اور حاضر بخود بھی۔ اور یہی حقیقی جمع الجمع ہے۔ کیونکہ جب تک رویت ذات اپنی ذات سے ہو اس وقت تک وہ اپنے سے غائب و فنا نہیں اور جب یہ رویت اُٹھ گئی تو یہ غیبوبیت کے حضوری ہوتی۔ اس اجمال کی تفصیل میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول خوب ہے اَلصُّوفِیُّ لَا یَرٰی فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰهِ غَیْرَ اللّٰهِ (صوفی وہ ہے جو دونوں جہان میں سوائے ذات قدیم کے کچھ نہیں دیکھتا) تو چونکہ بندہ غیر ہے تو غیر کو نہ دیکھنا اپنے آپ کو نہ دیکھنا ہوا۔ گویا حالت نفی و اثبات میں صوفی اپنے آپ سے بالکل فارغ ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ثَمَانِ خِصَالٍ۔ اَلسَّخَاءُ وَالرِّضَاءُ وَالصَّبْرُ وَالْاِشَارَةُ وَالْغُرْبَةُ وَلُبْسُ الصُّوْفِ وَالسِّیَاحَةُ وَالْفَقْرُ اَمَّا السَّخَاءُ فَلِاِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الرِّضَا فَلِاِسْحَاقَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الصَّبْرُ فَلِاَیُّوْبَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الْاِشَارَةُ فَلِزَکَرِیَّا عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الْغُرْبَةُ فَلِیَحْیٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا لُبْسُ الصُّوْفِ فَلِمُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا السِّیَاحَةُ فَلِعِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الْفَقْرُ فَلِمُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِہْ ۔ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے یعنی آٹھ پیغمبران اولوالعزم کی اقتدا سے صوفی صوفی بنتا ہے۔

(۱) سخاوت ابراہیم سے حاصل کرے۔ وہ ؤہ تھی کہ رضا محبوب میں اپنے لخت جگر کو فدا کر دیا۔ و (۲) اور رضا اسحٰق علیہ السلام کی اقتدا میں رضا مولا پر اس درجہ راضی ہو کر جان کی پرواہ نہ کرے۔

(۳) اور صبر ایوب علیہ السلام کے اقتدا میں کیڑوں کے ساتھ بھی اگر امتحان ہو تو خوشی برداشت کرے اور غیرت رحمانی پر صبر سے کام لے۔

(۴) اور اشارہ زکریا علیہ السلام یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَنْ لَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا (ترجمہ: تو لوگوں سے تین دن تک نہ بول سکو گے مگر اشارہ سے) اور اسی سورۃ میں فرمایا اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا (جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا خفیہ طور سے) تو صوفی کو بھی اس اشارہ کی اقتدا کرنی ہوتی ہے۔

(۵) اور غربت یحییٰ علیہ السلام کی اقتدا کرے کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے تھے اور رشتہ دار عزیز و اقارب میں رہ کر سب سے بیگانہ تھے۔

(۶) اور سیاحت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتدا ہو کہ آپ اپنے سفر میں اس قدر مجرد تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور ایک کنگھی کے ہمراہ کچھ نہ رکھا۔ حتیٰ کہ جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے پانی پی رہا ہے۔ تو اپنے پیالہ کو پھینک دیا۔ اور جب ایک شخص کو دیکھا کہ بالوں میں انگلیوں سے خلال کر کے شانہ کا کام لے رہا ہے۔ تو کنگھی بھی ضائع فرما دی۔

(۷) اور لبس صوف میں اتباع سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہو کہ آپ کا لباس ہمیشہ پشمینہ کا رہتا تھا۔

(۸) اور فقر میں سید الانبیاء حبیب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی جائے کہ باوجودیکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے خزانہائے روئے زمین کی کنجی حضور کی خدمت میں بھیجی اور فرمایا۔ اے محبوب اپنی جان پاک پر محنت و مشقت نہ ڈالئے اور خزانوں سے جس قدر چاہیے خرچ فرما کر اپنی شان تجمل دو بالا کیجئے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ جل مجدہٗ

ت اسحٰق علیہ السلام سے یہاں مراد شاید اسمٰعیل علیہ السلام ہوں ــــ یہاں بھی حضرت اسحٰق سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

میں عرض کی کہ الٰہی میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ اور یہ اصول معاملۂ تصوف میں سخت بہترین خصلت ہے۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلصُّوْفِیُّ لَا یُوْجَدُ بَعْدَ عَدَمِہٖ وَ لَا یَعْدِمُ بَعْدَ وُجُوْدِہٖ (صوفی وہ ہے کہ اس کی ہستی کو نیستی نہ ہو۔ اور اس کی نیستی کو ہستی نہ ملے یعنی جو کچھ وہ پائے وہ ہرگز گم نہ ہو۔ اور جس چیز کو اُس نے گم کر دیا وہ کبھی وجود میں نہ آئے اور بالفاظ دیگر اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو ملی ہوئی چیز کو ملی ہوئی نہ جانے اور جو نہ ملی ہوئی چیز ہو وہ اُسے ملنی والی نہ ہو۔ بغیر اس کے پاس وہ اثبات ہو جس کی نفی نہیں اور وہ نفی ہو جس کا اثبات نہ ہو۔

اس تمام مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفی اس درجہ تک آجائے کہ حالتِ بشریہ سے کلیتہً اُسے سقوط حاصل ہو کر شواہد جسمانی ذاتِ حق کے ساتھ معدوم و فوت ہو جائیں اور اس کی نسبت کلیتہً منقطع ہو جائے تاکہ سرِ بشریت اس کے حق میں ظاہر ہو جائے تاکہ اس کی تفریق اور اختلاف اُسکے عین میں خود جمع ہو جائیں۔ اور پھر اپنی سے اپنی میں قیام پائے۔

اور یہ صورت دو پیغمبروں میں ظاہر کی جا سکتی ہے۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کہ اُنکے وجود پاک میں عدم نہ تھا حتیٰ کہ آپ نے عرض کیا رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (یعنی اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے) اور دوسرے ہمارے سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپکے عدم میں وجود ہی نہ تھا یہاں تک کہ فرمایا۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (کیا نہیں کھول دیا اے محبوب ہم نے تیرا سینہ پاک) ایک نے تو آرائش چاہی اور زینت طلب کی دوسری ہستی پاک کو خود آراستہ کیا اور آراستہ کر کے اُسے اتنا چاہا کہ محبوب بنا لیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت علی بن بندار الصیر فی النیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ اِسْقَاطُ الرُّؤْیَۃِ لِلْحَقِّ ظَاھِرًا وَّ بَاطِنًا (تصوف یہ ہے کہ صاحبِ تصوف اپنے کو ظاہراً اور باطناً کسی حالت میں نہ دیکھے اور دیکھے تو کلیتہً ذات والا صفات کو دیکھے) کیونکہ اگر ظاہر دیکھے تو ظاہر میں نشانِ توفیق پائیگا اور اگر معاملات ظاہر کو دیکھے گا تو اپنے پہلو میں پرِ پشہ کے برابر توفیق حق نہ جانے دیگا۔ تو لامحالہ رویت ظاہری کو ترک کریگا۔

پھر اگر باطن پریشان تائید حق پائیگا تو معاملات باطنی دیکھنے سے پہلو میں تائید حق ذرہ بھر ہوگی. تو ترک باطن کے لئے کیسے گا. لہذا عابر باطن کی رویت کو ترک کرکے ذات حق کو دیکھے گا یعنی صرف ذات حق کو دیکھے گا تو خود کو ہرگز نہ دیکھے گا

حضرت محمد بن احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلتَّصَوُّفُ اِسْتِقَامَةُ الاحوال مَعَ الْحَقِّ (تصوف وہ استقامت حال ہے جو ذات حق کے ساتھ ہو) یعنی صوفی کی کیفیت حالیہ اس کے سِر اور ضمیر کے موافق ہونی چاہیئے. اس کے اسرار اسے کبھی بھی نہیں جانے دیتے گویا جس کا دل صید تحویل حال ہے اس کی کیفیت حالیہ اسے محور استقامت سے نہیں گرنے دیتی اور قرب حق سے نہیں روکتی۔

فصل جو کچھ معاملات تصوف میں بزرگوں نے فرمایا ہے۔ اس میں سے حضرت ابو حفص نیشاپوری کا یہ ارشاد ہے اَلتَّصَوُّفُ كُلُّهٗ آدابٌ لِكُلِّ وَقْتٍ اَدَبٌ وَلِكُلِّ حَالٍ اَدَبٌ فَمَنْ لَزِمَ آدَابَ الْاَوْقَاتِ بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ وَمَنْ ضَيَّعَ الْاَدَبَ فَهُوَ بَعِيْدٌ مِنْ حَيْثُ يَظُنُّ الْقُرْبَ وَمَرْدُوْدٌ مِنْ حَيْثُ يَظُنُّ الْقَبُوْلَ۔ (تصوف ایک ایسے مجموعہ ادب کا نام ہے جو ہر وقت اور ہر مقام اور ہر حال میں ایک خاص ادب کی راہ نمائی کرتا ہے جس نے اس راہ میں ملازمت آداب اوقات کرلی مردان خدا کے درجہ کو پہنچ گیا۔ اور جس نے اس راہ کی رسم ادب ترک کردی اور آداب ضائع کردیئے وہ اس درجہ والوں سے بعید ہوگیا اور گمان کرتا رہا کہ میں ان کے قریب ہوں۔ اور وہ ان کی بارگاہ سے مردود ہوگیا۔ باآنکہ اسے یہی خیال رہا کہ میں قرب کے درجہ پر ہوں۔)

بموجب ارشاد حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ آپ فرماتے ہیں لَيْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْمًا وَّلَا عُلُوْمًا وَّلٰكِنَّهٗ اَخْلَاقٌ (تصوف رسوم و علم نہیں ہے لیکن یہ ایک خاص خصلت ہے) یعنی اگر تصوف رسمی چیز ہوتی تو مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہوجاتا اور اگر یہ علم ہوتا تو محض تعلیم و تعلم سے حاصل ہوجاتا تو ثابت ہوا کہ تصوف ایک خصلت خاص کا نام ہے اور جب تک یہ خصلت خود اپنے اندر نہ پیدا کرے اُس وقت تک وہ حاصل نہیں ہوتا۔

(فرق رسم و خصلت) اور رسم و خصلت میں یہ فرق ہے کہ رسم وہ فعل ہے جو بتکلف

انسان کرسکتا ہے اور یہ امر واضح ہے کہ بظاہر انسان جو کچھ کرتا ہے اگر باطن اس کے موافق نہیں تو وہ فعل ظاہر محض بے معنی اور فضول ہے۔

اور خصلت اس خاص فعل کو کہتے ہیں جو بغیر بناوٹ اور تکلف کے صادر ہو اور اسکے تمام اسباب ظاہری اُس کے باطن کے موافق ہوں اور زبانی دعاوی مجموعہ سے وہ بالکل خالی اور پاک ہو۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ حُسْنُ الْخُلُقِ (تصوف نیک خصلت کو کہتے ہیں) یہ خصائل حمیدہ تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ اوامر الٰہیہ ادا کرنے میں کسی قسم کا ریا اور دکھاوا نہ ہو۔ اور اپنے رب کی رضاجوئی میں ادائے فرائض ہوں۔

دوسری یہ کہ عوام کے ساتھ نیک خصلت ہو۔ بڑوں کی عزت۔ چھوٹوں پر رحم اور ہر معاملہ میں انصاف پسند ہو۔ اور اس میں کسی قسم کا معاوضہ حاصل کرنا مطلوب نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ اپنے کو ہوائے شیطانی کی متابعت سے مجتنب رکھے اور ہر قسم کی حرص و خواہش نفسانی سے بچے۔

جو ان تینوں تعریفوں کے ساتھ اپنے کو متصف کرے وہ نیک خصلت انسانوں میں شمار ہوگا اور وہ اس درجہ کو حاصل کرنے والا ہوسکتا ہے۔ جو ہم نے اول بیان کیا۔

اس کی تائید میں ایک واقعہ ہے۔ ایک صحابی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا حضور ہمیں اخلاق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ سنائیں آپ نے فرمایا قرآن میں دیکھ لے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے اخلاق کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (اے محبوب درگزر فرمانے کی خصلت کو پکڑے رہو اور لوگوں کو بھلائی کرنے کی ترغیب فرماؤ اور جاہلوں سے علیحدگی اور اعراض کرو)

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ نے بھی تصوف کے معاملہ میں فرمایا۔ هٰذَا مَذْهَبٌ كُلُّهٗ جِدٌّ فَلَا تَخْلِطُوْهُ بِشَيْءٍ مِنَ الْهَزْلِ (یہ مذہب تصوف تمام کا تمام مجاہدہ ہے اس میں لہو ولعب کا اختلاط نہ کرنا) اور حشویین یعنی رسم پرست لوگوں کی متابعت کر کے اسے مخلوط نہ کردینا۔ اور کورانہ تقلید تصوف میں جو کر رہے ہیں اور صوفی بن رہے ہیں اُن سے اپنے کو بچانا۔ عوام الناس نے

جب اس زمانہ کے لوگوں کو دیکھا کہ رسمی متصوف لوگوں نے ٹھمکہ کے ساتھ ناچنا اور رقص و سرود کرنا بارگاہ سلاطین میں پہنچکر ایک ایک لقمہ پر جھگڑنا اور بادشاہوں کی بارگاہ میں شرف ہونا کمال فقر بن گیا ہے اور عوام کے خیالات خراب ہو گئے اور صوفیائے کرام سے اس قدر بدعقیدہ ہو گئے کہ عام طور پر کہنے لگ گئے کہ ان صوفیوں کا یہی طغرائے امتیاز ہے اور پہلے لوگ بھی ایسے ہی حال میں گذر گئے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ زمانہ فترت اور فتنہ کا ہے اور روز بروز بلائیں بڑھ رہی ہیں۔
غرضکہ جب بادشاہوں کی حرص بڑھ گئی تو اس نے انہیں ظلم و جور کی طرف مائل کر دیا۔ اور زمانہ کے عوام کے اندر بدکاری زنا فسق و فجور عام ہونے لگا۔ اسی طرح جب زہد و ورع میں ریا پیدا ہو جاتا ہے تو وہ زاہد کو نفاق کی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے اور ہوا و حرص شیطانی صوفی کو رقص و سرود کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

اچھی طرح یاد رکھو اگرچہ اہل طریقت تباہ ہو جائیں مگر اصول طریقت تباہ نہیں ہو سکتے اور اچھی طرح جان لو کہ اگر ایک جماعت افعال ہزل میں سے کچھ اختیار کرے اور اس ہزل کو مجاہدہ و ریاضت یا جذب دل کے پردہ میں پوشیدہ کرنا چاہے تو اہل طریقت کے مجاہدات اس کی وجہ میں ہزل و لغو نہیں ہو سکتے (اُن کے جذبات صادق صادق ہی رہیں گے۔ اور اہل ہزل کے ہزل ریاضت نما خالص ہزل ہی ہوں گے)۔

حضرت ابو علی قزوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْاَخْلَاقُ الرَّضِيَّةُ تصوف ایک خصلت پسندیدہ ہے" اور خصائل پسندیدہ وہ ہوتے ہیں کہ بندہ تمام حالات میں اپنے رب کی رضا میں راضی رہے

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْحُرِّيَّةُ وَالْفُتُوَّةُ وَتَرْكُ التَّكَلُّفِ وَالسَّخَاءُ وَبَذْلُ الدُّنْيَا۔

"تصوف ایک ایسی آزادی ہے کہ بندہ قید حرص سے آزاد ہو جاتا ہے اور تصوف ایک ایسی جوانمردی ہے کہ بندہ خواہشات شہوانیہ سے مجرد ہوتا ہے اور تصوف تکلفات کا ایسا ترک کر دینا ہے کہ بندہ ہر متعلق اور مقسوم کے اندر خوش رہتا ہے۔ اور تصوف ایک ایسی سخاوت کا نام ہے کہ دنیا اہل دنیا پر ہی چھوڑ دیتا ہے اور خود بے تعلق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوالحسن بوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلتَّصَوُّفُ اَلْیَوْمَ اِسْمٌ وَلَا حَقِیْقَۃٌ وَقَدْ کَانَ حَقِیْقَۃٌ وَلَا اسم لہٗ

"آج کے دن تصوف کا نام ہی نام رہ گیا اور حقیقتہ کچھ نہیں رہا۔ ایک دن وہ تھا کہ تصوف

حقیقۃً خالص تصوف تھا۔ اور نام و نمود نہ تھی۔ یعنی عہد صحابہ کرام اور سلف صالحین رحمہم اللہ

میں تصوف نام کا نہ تھا بلکہ حقیقت تصوف کا برتو ہر کس و ناکس پر تھا اب وہ انحطاطی دور آیا کہ تصوف

کا نام تو باقی ہے مگر معنی حقیقی معدوم ہیں یعنی اعمال تو صوفیوں کی نقل پر ہو رہے ہیں۔ اور رسمی

صوفی بہت مشہور ہیں۔ مگر اُن کے دعاوی تصوف میں بالکل مجہول ہیں۔ گویا اب صوفی ہونے کا دعوے تو

مشہور و معروف ہے لیکن افعال و اعمال بالکل مجہول ہو گئے۔ یہاں تک میں نے اقوال مشائخ کرام

کی تحقیق نقل کی تاکہ اللہ تعالیٰ تجھے سعادت عطا فرمائے اور تجھ پر طریق تصوف کا حال منکشف ہو

جائے اور منکرین تصوف کو بتا سکو کہ تصوف کے انکار سے اُن کی کیا مراد ہے۔ اگر تنہا نام تصوف

کا انکار کرتے ہیں تو مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ معانی حقائق میں سمیات سے بالکل بیگانہ ہیں۔

اور اگر عین تصوف کے منکر ہیں تو یہ انکار تمام احکام شرعیہ اور انبیاء کرام کا ہے اور اُن کے

خصائل ستودہ کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تجھے وہ سعادت عطا فرمائے جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ

نے اپنے دلیوں کو سعید بنایا۔

اس کتاب میں ہم تمہیں ہدایت کرتے ہیں تاکہ تم حق تصوف کی رعایت رکھو اور انصاف کو

ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اور سچے صوفیوں کے ساتھ نیک اعتقاد رکھو۔ و باللہ التوفیق۔

چوتھا باب

خرقہ پوشی

فصل صوفیائے کرام کا شعار کمبل پوشی ہے اور کمبل پوشی باتباع سنت ہے۔ جیسا کہ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عَلَیْکُمْ بِلُبْسِ الصُّوْفِ تَجِدُوْنَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ فِیْ قُلُوْبِکُمْ

"اپنے پر کمبل پوشی لازم کرو اپنے دلوں میں حلاوتِ ایمان پاؤ گے"۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کا بھی ارشاد ہے۔ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَلْبِسُ الصُّوْفَ وَیَرْکَبُ الْحِمَارَ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم پشمینہ زیب تن فرماتے اور دراز گوش گدھے کی سواری فرماتے تھے"۔ اور حضور سید یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ لَا تُضَیِّعِیْ الثَّوْبَ حَتّٰی تُرَقِّعِیْنَہٗ "اے عائشہ کپڑا ضائع نہ کرنا جبتک اس پر پیوند نہ لگ جائیں"

ایسے ہی خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حلیہ تھا کہ آپ ایسا جبہ زیب تن فرمایا کرتے جس پر بیس پیوند لگے ہوتے اور حضرت فاروقِ اعظم عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بہترین لباس وہ ہے جو کم قیمت میں حاصل ہو سکے حضرت امیر المومنین مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ کا پیراہن مبارک ایسا ہوتا تھا کہ اس کی آستین انگلیوں تک ہوتیں اور اگر کبھی اس سے لمبی آستینوں کا پیراہن زیب تن فرمایا تو جتنی لمبی اور زائد آستین ہوتی اُسے آپ کاٹ ڈالتے تھے اور جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بفرمانِ الٰہی کپڑا متوسط زیب تن فرماتے تھے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے۔ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ اَیْ فَقَصِّرْ "یعنی اپنے

محبوب اپنے لباس مبارک کو درست رکھیو یعنی دراز اور لمبا ہو تو اُسے کاٹ دو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ بدر پشمینہ پوش کی زیارت کی ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو میں نے بحالت تجرید دیکھا کہ آپ نے پوشاک پشم زیب تن فرما رکھی تھی

اور وہی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور اس کمبل پر بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور سیدنا امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اور ہرم ابن حبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ایسے لباس پشم میں ملبوس دیکھا جس پر بہت پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور حضرت حسن بصری اور مالک بن دینار اور حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ تمام کے تمام مرقعہ صوف زیب تن فرماتے تھے۔

اور حضرت امام ہمام سیدنا ابو حنیفہ النعمان کوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جیسے روایت تاریخ مشائخ مصنفہ محمد بن علی حاکم ترمذی میں موجود ہے لکھا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اول پوشاک پشمینہ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ بعد ازاں آپ نے گوشہ نشینی کا عزم فرمایا۔ تو سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور نے فرمایا۔ ابو حنیفہ گوشہ نشیں مت ہو بلکہ لوگوں میں تمہارا رہنا ضروری ہے۔ تمہارے سبب اللہ تعالیٰ میری سنت اور میرے طریقہ کو زندہ فرمائیگا۔ تو پھر آپ نے عزلت نشینی کے ارادہ کو فسخ فرمادیا اور آپ نے کبھی قیمتی جامہ زیب تن نہ فرمایا۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ اپنا لباس صوف کا رکھا اور آپ محققین طبقہ صوفیاء کرام سے ہیں حضرت ابراہیم ادہم ایک روز حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو آپ کے جسم مبارک پر پوشاک پشمینی تھی۔ حاضرین جلسہ نے آپ کو کچھ نظر حقارت سے دیکھا۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ ابراہیم ادہم ہمارے سردار ہیں۔ اصحاب جلسہ نے یہ سن کر آپس میں کہا کہ امام ہمام کی زبان حق ترجمان سے کبھی سچ اور حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلی۔ ابراہیم ادہم نے سیادت کا درجہ کیونکر پایا۔ اور کہاں سے پایا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ رتبہ ابراہیم ادہم نے اپنے رب کی یاد دوامی کی برکت سے حاصل کیا۔ اور وہ ذات ایسی بلند و بالا ہے اور ہم اپنی دنیا کی خدمت میں محو ہیں اس لئے وہ ہمارا سردار ہوگیا۔

اگر موجودہ زمانہ میں محض اہلِ زمانہ خرقہ پوش بن کر عوام میں عزت حاصل کرنا چاہیں اور عقیدت اُن کا دل اس لباس کے ساتھ اتفاق نہ ہو تب بھی روا ہے۔ اس لئے کہ لشکر میں مبارز طلب اور جنگ کا خارج ایک ہی ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ہر فرقہ میں محقق کم ہوتے ہیں مگر چونکہ نسبت سب کی ایک ہی ہوتی ہے اور اس ایک کی طرف سب اپنے کو منتسب کرتے ہیں۔ تو اگر احکام میں سے کسی ایک حکم میں بھی محققوں کا اتباع ہو گیا تو وہ انہی میں شمار ہو جائیگا۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ "جو شخص رفتار و گفتار میں یا اعتقاد میں یا اعمال میں کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی قوم سے شمار ہوگا۔" لیکن بعض نظریں اُن کی ظاہری عمل اور رسوم پر پڑتی ہیں اور بعض کی نگاہ اُن کی صفائے باطن کی طرف جاتی ہے۔ غرضکہ نظر بظاہر رکھنے والے اور نظر باطن کی طرف ڈالنے والے جو بھی ہیں۔ اگر اُنکا قصد صورت متصوف بنانا یا صوفی بننے کا ہے۔ یہ چار حال سے باہر نہیں۔

یا تو باطن کی صفائی اور دل کی روشنی مزاج کی پاکیزگی خواہشات کا اعتدال خصلتوں کا نیک کرنا۔ خاصانِ بارگاہ کے اسرار خاص کی جلوہ ریزیوں سے منور ہونا محققین راہِ طریقت کا تقرب حاصل کرنا اور اُن کی بلندیوں کا معائنہ مقصود ہے تاکہ ان کی برکت سے یہ بھی اس درجہ تک پہنچ سکے۔

یا اُنکی نقل اس لئے کریگا کہ اُن کی طرح صفائی حاصل کرے بدن ستھرا کرے دل کو اطمینان پہنچائے اور پاکیزگی طبع کے بعد سینہ میں صفائی ان کی ظاہری اتباع سے حاصل ہو اور اتباع طریقت کرے اور آدابِ اسلامی پر نگاہ رکھنے میں آسانی ہو اُن کی ابتدا مجاہدہ اور حسن معاملہ سے ہوتی ہے

یا اس لئے کہ اُن کی پیروی میں لگیگا تاکہ مروتِ انسانی سے آپس میں بیٹھنے کے آداب درست کرے۔ اور خصائل میں خوبی پیدا کرے اور اُن کی زندگی کا ظاہر دیکھ کر اس کی نقل کرے بڑوں سے عزت کے ساتھ ملے چھوٹوں پر شفقت و رحم کی عادت اختیار کرے اپنے اعزاء و اقربا کے ساتھ خندہ پیشانی کا برتاؤ کرے زیادہ حرص و حصول مال سے بے پرواہی دکھائے قناعت کا خوگر بن کر اُن کی صحبت اختیار کرے۔ دولت و شرافت کی جائے حصول دنیا کے

طریقہ اپنے پر آسان بنائے۔ اپنے آپ کو نیکوں کی جماعت میں شمار کرانے۔
یا بوجہ تن آسانی کے اپنے میں رعونت اور نفس پرستی پیدا کرکے طلب حکومت و ریاست رکھے بغیر منصب صدر نشینی کے صدر نشین بننا چاہے، بغیر علم اہل علم میں اپنی شخصیت قائم کرنے کو صوفی بنے اور سمجھے ہوئے ہو کہ صوفی میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ تمام خواص صوفی کا یہی خلاصہ اور مقصود ہے۔ اسی وجہ میں وہ صوفیوں کی طرح صلح اور نرمی کے ساتھ زندگی کے لیل و نہار گذارتے ہیں۔ حالانکہ اُن کے دلوں میں حقانیت قطعی نہیں ہوتی اور محض تنہا رہنے اور لوگوں میں دکھلانے کو کم گو بننے کو طریقت بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح زندگی رائیگاں کرنے سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اُن کا صرف مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ انکی ایسی عزت کریں جیسی محقق صوفیا کرام کی کی جاتی ہے اور ایسی عظمت ہونے لگے جیسی خاصانِ بارگاہ کی، وہ صحبتِ صوفیائے یہی فائدہ چاہتے ہیں۔ کہ اپنی آفت حرص و ہوا کو انکے معاملہ تجرید کے ظاہری پردہ میں مخفی کرکے ان کا سا جامہ پہن کر عوام میں کچھ مکر چھپا سکیں۔ اور درحقیقت یہ خرقہ بغیر کسی عمل اور بلا کسی حقیقت کے ہے وہ خود پکار پکار کر اعلان کرتا ہے کہ یہ جامہ جامۂ مکر ہے۔ لباس تکبر و غرور ہے اور بروز قیامت موجب حسرت و ندامت ہوگا

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ " ان لوگوں کی مثال جو تورات کو اٹھائے ہوتے ہیں۔ اور درحقیقت اسے نہیں اٹھائے ہوئے مثل اس گدھے کی ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ بری مثال ہے اُس قوم کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالم بے دین کو راہ نہیں دیتا"

اس زمانہ میں ایسے گروہ بہت ہیں۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ جو کام تم سے نہ ہو سکے۔ اُس کا ارادہ نہ کرو۔ اس لئے کہ اگر تم ہزار بار طریقت کے قبول کا اعلان کرو۔ تو صوفی نہیں ہو سکتے نہ ہو سکو گے اور ایک لحظہ کیلئے طریقت تمہیں قبول نہ کریگی۔ کیونکہ طریقت خرقہ پوشی سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ حرقت سے حاصل ہوتی ہے یعنی آتش عشق میں جلنے کا نام طریقت ہے۔
جس کو طریقت سے آشنائی حاصل ہوگئی اُس کے لئے قبا و جبا موزوں ہے اور جس نے بلا آشنائی

طریقت خرقہ پوشی کی اور مرقعہ صوف پہنا تو وہ مرقعہ اس کے حق میں رقعۂ ادبار و ناشر شقاوت
یوم النشور ہو جائیگا۔ جیسا کہ ایک پیر مرد کے حال میں ہے کہ اُن سے لوگوں نے پوچھا۔
لِمَ لَا تَلْبَسُ الْمُرَقَّعَةَ قَالَ مِنَ النِّفَاقِ اَنْ تَلْبَسَ لِبَاسَ الْفِتْيَانِ وَلَا
تَدْخُلُ فِيْ حَمْلِ اَثْقَالِ الْفُتُوَّةِ آپ مرقعہ یعنی خرقہ کیوں نہیں پہنتے فرمایا اگر جوان
مرد نہ ہو اور جوانوں کا لباس پہنے تو یہ منافقت ہے۔ اس لئے کہ اُن کے معاملات کا
بوجھ تو اُٹھا نہ سکے اور جوانمرد بنا پھرے۔"
کیونکہ جوانمردوں کے لباس کو ملبوس کر کے جوانمردوں کے بوجھ سے بچنا خالص نفاق ہے
تو اگر یہ لباس اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنے خاصوں میں سمجھ لے تو وہ بلا لباس بھی جانتا ہے۔
اور اگر اس لئے ہے کہ لوگ اس خرقہ میں دیکھ کر خاصۂ خاصان سمجھنے لگیں۔ تو یہ ریا محض ہے یا نفاق
خالص ——— یہ راستہ بہت مشکل اور خطرناک ہے۔ یاد رکھو خدا کے خاصوں کی شہرت
جامہ اور خرقہ پر موقوف نہیں۔ ان کا درجہ اس سے بالاتر ہے۔
اَلصَّفَا مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی اِنْعَامٌ وَاِکْرَامٌ وَالصُّوْفُ لِبَاسُ الْاَنْعَامِ صفا مولیٰ
من جانب اللہ انعام و اکرام الٰہی ہے اور صوف لباس حیوانی ہے"
تو خرقۂ صوفی ایک حیلہ ہے بعض لوگ تو یہ حیلہ بغرض تقرب کرتے ہیں اور جو کچھ اس خرقہ پوش
پر لازم ہوتا ہے اُسے پورا کرتے ہیں اور اپنے ظاہر کو خرقہ سے آراستہ کرتے ہیں۔ اس امید پر کہ
شاید اس لباس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے حضور ہم بھی صوفیوں میں شمار ہو جائیں اور مشائخ تصوف
نے خرقہ پوشی کرنا اور اُس سے زینت حاصل کرنے کا اسی لئے حکم فرمایا اور خود بھی پہنا تاکہ وہ
عوام میں ممتاز ہو جائے۔ اور عوام اس کے ہر قدم کی نگرانی میں لگے رہیں۔ اور وہ اگر کبھی اپنے
طریقہ کے خلاف قدم رکھے تو عوام اُسے ملامت کریں۔ تو اگر کبھی بر شامت اعمال کوئی گناہ کا
ارتکاب بھی کرنا چاہیں۔ تو اس خرقہ کی وجہ سے لوگوں سے شرما کر رک جائیں۔
مختصر یہ کہ گل پوشی محبوبوں کی ایسی زینت ہے کہ عام لوگ اس سے لوگوں میں ممتاز اور باعزت ہو جاتے
[illegible] ہیں۔ لیکن عوام کی عزت تو اس خرقہ پوشی میں [illegible] کہ دنیا والے انہیں عزت کی نظر
سے دیکھتے ہیں۔ [illegible] ذلت ہے [illegible] عوام اسی قسم کے لباس [illegible] دیکھ کر [illegible] سمجھتے ہیں

جس نظر سے اُن عوام خرقہ پوشوں کو دیکھا تھا سالار یہ اُن کے لئے ذلت محض ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا۔
اَلْمُرَقَّعَۃُ لِبَاسُ النِّعَمِ لِلْعَوَامِ وَجَوْشَنُ الْبَلَاءِ لِلْخَوَاصِ "مرقع پوشی عوام کے لئے نعمت ہے اور خواص کے لئے مصیبت کی زرہ۔"

اس لئے کہ عوام میں بہت سے لوگ وہ ہیں جو کسی ایسے کام کو تو جانتے نہیں جس سے عزت دنیا حاصل کریں۔ اور انہیں مال و دولت جمع کرنے کی سخت حرص ہوتی ہے۔ تو وہ اس تلاش میں ہوتے ہیں کہ کوئی ایسا حیلہ تراشا جائے جس سے عزت و مال دنیا ہاتھ آئے۔ تو جب انہیں یہ صوفی جامہ مل جاتا ہے تو اس کو حصول جاہ و مال اور عزت دنیا کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

اور خواص صوفیا اس قسم کی عزت کو ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور ایسے موقع پر عزت کے مقابلہ میں ذلت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے جس قوم کے لئے وہ عزت ہے ان کی ایسی عزت بلا ہے۔ اَلْمُرَقَّعَۃُ قَمِیْصُ الْوَفَاءِ لِاَھْلِ الصَّفَاءِ وَسِرْبَالُ السُّرُوْرِ لِاَھْلِ الْغُرُوْرِ "مرقعہ پیراہن وفا ہے۔ اصحاب صفا کے لئے اور یہ لباس سرور ہے اہلِ غرور کے لئے"

چنانچہ اربابِ صفا تو اس کے پہننے سے دونوں جہان کے قصد اور تعلق سے علیحدہ ہوجاتے ہیں اور مالوفات و مرغوب طبع اشیاء سے بے نیازی حاصل کر لیتے ہیں اور اربابِ سرور و غرور اس خرقہ پوشی کے ساتھ ذات الٰہی کے انوار سے محجوب ہو کر ہر قسم کی صلاحیت اور نیکی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

غرضیکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ لباس صوفی اگرچہ سب کے لئے اس کے حصول مقصد اور رستگاری کا سبب ہے۔ اور سب کیلئے اُن کی مراد پوری کرتا ہے۔ مگر ایک کیلئے عطا الٰہی ہے اور دوسرے کے لئے حجاب نامتناہی۔ غرضیکہ ایک پر عطا اور دوسرے پر غطا۔ اس کے ذریعہ حاصل ہے۔ ایک اس ہی خرقہ کے ذریعہ دنیا سے۔ آزادی پاتا ہے۔ دوسرا اسی کے ذریعہ محنت و محبت سے آزاد ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَھُوَ مَعَھُمْ "جس نے جس قوم کو محبوب رکھا وہ بروز قیامت اسی کے ساتھ محشور ہوگا اور اسی کے زمرہ میں رہے گا۔"

لیکن لازم یہ ہے کہ انسان اپنا باطن درست کرے اور تحقیق کی طلب رکھے اور رسوم

بھر یہ ہے اعراض کرے۔ اس لئے کہ جو ظاہری چیزوں پر کفایت کریگا وہ ہرگز تحقیق کے درجہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور یاد رکھو وجود آدمی سراپا حجاب ربوبیت ہے۔

اور یہ حجاب اُس وقت تک فنا نہیں ہوتا جبتک کہ حال اور کیفیت کے بدلنے میں سعی کی جائے۔ اور کیفیت صفا اس فنا کا نام ہے جس میں زیبائش ظاہری اور علل و اسباب کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ تو فانی الصفت کے لئے علل و اسباب کا لباس اختیار کرنا محال ہے۔ اور تکلف و نیاوی سے اپنے کو آراستہ کرنا اور آرائش ظاہری سے مزین کرنا ممکن نہیں۔

تو جب فنا کی صفت پیدا ہو گئی اور آفت طبعی درمیان سے اُٹھ گئی تو اُسے کسی نام کے ساتھ مسمی ہونے کی حاجت نہیں رہتی۔ خواہ اسے صوفی کہیں یا اُسے کسی اور نام سے پکاریں۔ اُس کے لئے سب برابر ہے

فصل خرقہ پوشی کی شرطیں یہ ہیں۔ اَوّل یہ کہ خرقہ اس لئے بنائے کہ بار ملبوسات سے ہلکا ہو جائے اور انواع اقسام کے لباسوں سے فراغت حاصل کرے۔ اور کملی جب تک رہے اس پر پیوند مسلسل چسپاں کرتا رہے۔ جہاں سے وہ پھٹے فوراً پیوند لگا دے۔

مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہم کے اس میں دو قول ہیں۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ پیوند لگانے میں ترتیب شرط نہیں۔ جہاں سوئی ڈالے وہاں سے ہی نکال لے۔ موزونیت کا تکلف نہ کرے۔ اور ایک جماعت فرماتی ہے کہ پیوند لگانے میں موزونیت اور ترتیب کا لحاظ ضرور رکھا جائے۔ بلکہ وہ پیوند بتکلف اس طرح چسپاں کیا جائے کہ دیکھنے والا اس کی موزونیت میں تکلف محسوس کرے۔ اس لئے کہ معاملات فقر و صحت معاملت کا مقتضی یہی ہے کہ اُس کا کوئی فعل ناموزوں نہ ہو۔ اور میں نے (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی) نے حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے مقام طوس میں سوال کیا کہ درویش کو کم از کم کیا چیز لازمی ہے جس سے اُس کے ساتھ نام فقر موزوں ہو سکے۔ فرمایا تین چیزیں کم از کم ضروری ہیں۔ اور اس سے کم ہرگز نہ ہوں۔ اول یہ کہ وہ اپنی کمبل پر جب پیوند لگائے تو یہ سمجھے کہ پیوند کس طرح موزوں رہے گا اور اسے کس طرح کمبل پر چسپاں کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ دل کی آواز اور عوام کی بات اچھی طرح سن سکے اور اسکی حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت رکھے۔ تیسرے یہ کہ فقیر کا کوئی قدم زمین پر بیکار و غیر موزوں نہ

پڑے (یعنی ہر قدم ذکر الٰہی کے ساتھ اُٹھے اور آگے بڑھے) جس وقت میری گفتگو حضرت شیخ المشائخ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہو رہی تھی تو اس وقت ایک جماعت درویشوں کی ہمارے ساتھ وہاں حاضر تھی۔ جب ہم بارگاہِ شیخ سے باہر آئے تو ہر ایک کلامِ شیخ میں تصرف کرنے لگ گیا۔ ایک گروہ تو بوجہ نادانی اس کے اندر اس قدر اختلاف کر بیٹھا کہ اس نے کہہ دیا کہ بس فقیر یہی ہے۔ ایک کہنے لگا کہ فقر کے معنے ہی یہ ہیں کہ بہت سے ٹکڑے جمع کر کے خوبصورت طریقہ سے سیئے اور زمین پر اچھی طرح پاؤں رکھ کر چلے۔

اور ہر ایک اپنے اپنے گمان میں دعویدار تھا کہ ہم طریقت کے معنوں کو خوب سمجھتے ہیں میرے دل کا رجحان اُس ہستی پاک شیخ گرگانی کی طرف تھا۔ میں نے یہ بات ناپسند کی کہ اتنی بڑی ہستی کا فرمان اور اس طرح اختلافیات میں مخلوط ہو کر رائیگاں ہو جائے۔ میں نے سب سے کہا کہ آؤ ہم سب کلامِ شیخ پر بحث کریں۔

چنانچہ سب نے میرے سامنے اپنی اپنی تقریر کی اور اپنا مافی الضمیر ظاہر کیا۔

جب میری باری آئی تو میں نے کہا پیوند وہی ٹھیک ہے جو فقر پر چسپاں کیا جائے نہ کہ وہ پیوند جو تن پر چسپاں ہو۔ جب تم پیوند فقر پر لگاؤ گے تو وہ اگر ٹھیک نہ بھی سیا گیا تب بھی ٹھیک رہے گا۔

صحیح بات یہ ہے کہ پیوند سے مراد صوفی کا وہ حال ہے جو بحالت کیف و تواجد اس پر طاری ہو۔ اور سننا وہ ہے جو کیفِ حالیہ میں اُسے مسموع ہو نہ کہ ناز و نعم دنیا میں رہ کر۔ اس معنی میں اگر وجد کے حق سے تصرف کریں صحیح ہے اور اگر ہزل و لغو سے کریں۔ غلط ہے۔ سمجھنا یہ ہے کہ آواز روح سُنے نہ کہ آواز عقل۔

پاؤں ٹھیک رکھنا یہ ہے کہ حالت تواجد میں جو قدم اُٹھے وہ صحیح ہو نہ کہ کھیل اور رسم کے ساتھ بعض لوگوں نے میرا یہ بیان حضرت شیخ المشائخ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور پیش کر دیا۔ آپ نے سنکر فرمایا اَصَابَ عَلِیٌّ خَیَّرَہُ اللّٰہُ۔ علی بن عثمان نے سچ کہا اور وہ میرے کلام کے مفہوم کو پہنچ گیا۔ اللہ اُسے اپنی حفاظت میں رکھے۔ تو مرقعہ پوشی سے مراد گروہ صوفیا کی صرف یہ ہے کہ زیب و زینت دنیاوی کے غم سے نجات پائیں اور اپنے فقر میں حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ سچا رابطہ رکھیں۔

اور آثار سلف میں مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام خرقہ پوشی فرماتے تھے اور اس خرقہ کے ساتھ آپ آسمان پر گئے اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا مرقع خواب میں دیکھا وہ پشمینہ کا تھا۔ اور اس پر جو پیوند تھے ان سے ایک نور چمکتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے مسیح علیہ السلام آپ کے اس خرقہ پر یہ نور کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ نور میرے اس صبر کا ہے جو میں نے بحالت اضطراب، اضطرار صبر کے ساتھ اپنی ضرورت کے وقت اس خرقہ پر پیوند لگا لگا کر شکر کیا۔ اللہ تعالےٰ نے میرے ہر رنج کے بدلے میں ایک ایک نور عطا فرمایا۔

ایک بزرگ کامل سلسلہ ملامتیہ کو ماوراالنہر میں دیکھا جن کا یہ حال تھا کہ وہ مرغوب اشیاء جنہیں انسان شوق سے کھاتا ہے۔ بالکل استعمال نہ فرماتے۔ بلکہ گلا سڑا کدو، کڑوی ککڑی، سڑی ہوئی گاجر اور لباس گری پڑی لیریں جمع کر کے انہیں دھو کر پاک کر کے پہنتے اور ملبوس فرماتے۔

مرو الرود (ترکستان میں ایک شہر ہے) وہاں متاخرین میں سے ایک صاحب حال ضعیف العمر نیک سیرت بزرگ تھے جن کے لباس پر بے حد ٹکڑے پیوندوں کے سلے ہوئے تھے اُن کی مسند اور کلاہ کا یہ حال تھا کہ پرانے پیوندوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے اندر بچھوؤں نے اپنے بچے دے رکھے تھے۔ اور میرے شیخ رضی اللہ عنہ نے ایک خرقہ چھپن سال تک زیب تن فرمایا۔ جہاں سے پھٹتا بے ترتیبی کے ساتھ اس پر پیوند چپکاتے رہے۔

ایک حکایت میں عراقی درویشوں کا حال پڑھتے ہوئے دو درویشوں کا حال پایا۔ ایک صاحب مشاہدہ تھے۔ اور دوسرے صاحب مجاہدہ۔ جو صاحب مشاہدہ تھے انہوں نے اپنی تمام عمر میں سوا اس کپڑے کے جو اہالیان سماع نے وجد میں پھٹ کر گرا، کوئی کپڑا نہ پہنا (یعنی ارباب وجد کے پھٹے ہوئے کپڑوں سے اپنا خرقہ بناتے اور وہی زیب تن فرماتے) اور دوسرے جو صاحب مجاہدہ تھے وہ ان لوگوں کے ریزہ کپڑے جمع کر کے پہنتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں استغفار کرتے رہتے تھے۔ اس لئے کہ اُن کا ظاہر باطن کے موافق ہوتا تھا۔ اور یہ اپنے حال کی نگہداشت اور احتیاط تھی۔ حضرت شیخ محمد بن خفیف فرماتے ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہ میں نے بیس سال سخت ٹاٹ پہنا اور ہر سال میں نے چار چلے کئے۔ اور ہر چلہ میں علوم حقیقت کے حقائق و غوامض پر ایک کتاب تالیف کی۔

اُن کے ہی زمانہ میں ایک بزرگ تھے جو علمائے محققین طریقت سے شمار ہوتے تھے۔ اور وہ علاقہ فارس میں رہتے تھے۔ (۲) ہیں محمد بن زکریا کے نام سے پکارتے تھے انہوں نے کبھی خرقہ زیب تن نہ فرمایا۔ حضرت شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ حضرت خرقہ کی کیا شرط ہے اور کس کیلئے خرقہ پوشی روا ہے۔ فرمایا خرقہ پوشی کی شرط وہی ہے جو محمد بن زکریا اپنی سفید پیراہن میں پوری کر لیتے ہیں۔ اور خرقہ پہننا بھی انہیں کو زیبا ہے

فصل

لیکن اب جو اکثر مشائخ کرام نے خرقہ پوشی ترک کر دی ہے یہ شرائط طریقت میں سے کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں جو ترک خرقہ پوشی کیا گیا ہے۔ اس کی دو وجہیں ایک تو یہ کہ پشم مشکوک ہوگئی۔ اس وجہ میں کہ چار پلٹے لوٹ مار چوری چکاری میں منتقل ہوتے رہتے ہیں (پھر یہ پتہ صحیح نہیں چلتا کہ جو پشم آ ئی وہ چوروں میں سے آئی یا کسی غارتگر سے خریدی گئی
دوسری وجہ یہ ہے کہ نوخیز بدعت پرست لوگوں نے پشمینہ کے جامہ کو اپنا شعار بنالیا۔ بدعتیوں کے کسی شعار کا خلاف کرنا گو سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اچھا ہے۔

اور اونی لباس بنوانے میں جو مخصوص طریقہ تکلف اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عوام میں اپنی منزلت اور جاہ و عزت چاہتے ہیں۔ اور جو جماعت صوفیوں کی صورت بنا کر خرقہ پوشی کر رہی ہے۔ وہ صرف عوام میں صوفی بننے کے لئے اور محض دنیا حاصل کرنے کی غرض سے خرقہ پوش بن رہی ہے۔ حالانکہ اُن سے بہت سے ناروا افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اور صوفیائے کرام کو ایسے لوگوں سے بہت رنج پہنچتا ہے۔ اور انہوں نے اس خرقہ کو موجب زیب و زینت بنالیا ہے۔ اور اسکی ایسی مخصوص طرز نکالی ہے کہ اُن کے سوا اور کوئی ویسا خرقہ سینا بھی نہیں جانتا۔ اس مخصوص لباس میں یہ دمکار فرقہ رہتا ہے) اور آپس میں پہچان کے لئے اس مخصوص لباس کو علامت بنالیا ہے۔
یہاں تک کہ ایک بناوٹی درویش کسی درویش کے پاس گیا۔ اس کے خرقہ پر بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور بناوٹی فقیر بنا ہوا تھا۔ شیخ نے اسے اپنے سے جُدا کر دیا اس عمل سے یہ مطلب واضح ہوا۔ کہ صفائی کی اصل طبیعت کی رقت اور مزاج کی لطافت ہے اور یہ امر واضح ہے۔ صاف دل اور نیک طبع میں کجی اور ناہمواری نہیں ہوسکتی۔
جس طرح ناموزوں شعر طبیعت پسند نہیں کرتی ایسے ہی نادرست فعل کو بھی طبیعت قبول نہیں

عطا کی۔ ایک جماعت نے لباس پہننے نہ پہننے میں تکلف نہیں کیا۔ اگر انہیں خدا نے عبا و قبا عطا فرمائی وہ پہن لی۔ اور اگر پھٹا پرانا پیراہن دیا وہ قبول کر لیا۔

اور میں (علی بن عثمان الجلابی) اس طریقہ کو پسند کرتا ہوں۔ اور اپنا لباس ایسا ہی رکھتا ہوں حکایتوں میں منقول ہے۔ جب حضرت احمد خضرویہ رحمہ اللہ ابو یزید رحمۃ اللہ کی زیارت کو حاضر آئے تو قبا زیب تن تھی اور جب شاہ شجاع حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو آئے۔ تو دیکھا کہ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ قبا زیب تن فرمائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابو حفص کا یہ دائمی لباس نہ تھا۔ بلکہ ہمیشہ اکثر و بیشتر آپ خرقہ ہی پہنا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی سفید پیراہن۔ گاہ بگاہے چادر پشم زیب تن فرماتے۔ غرضکہ جیسا لباس میسر آتا آپ وہی ملبوس فرماتے۔

اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ نفس بہت جلدی عادت قبول کرنے والا ہے اور عادتوں سے بہت ہی جلدی مالوف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ عادت طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور جو چیز طبیعت ثانیہ بن گئی وہی حجاب ہو جاتی ہے۔

یہی سبب ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خَیْرُ الصِّیَامِ صَوْمُ اَخِیْ دَاوٗدَ "نفلی روزوں میں بہترین روزے صوم داؤدی ہیں"۔ عرض کیا حضور صوم داؤد کیسے تھے فرمایا۔ ایک دن صائم رہتے اور ایک دن افطار فرماتے۔ تاکہ روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا نفس عادی نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ عادت نفسانی کی وجہ سے انسان محجوب ہو جاتا ہے۔ اور اس مفہوم میں حضرت ابو حامد دوستان مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ نہایت درست تھا کہ مرید آپ کو جو لباس چاہتے پہنا دیتے۔ اور جس کسی مرید کو کپڑے کی حاجت ہوتی تو بحالت وجدان و کیف آپ سے وہ لباس اُتار لیتے۔ حضرت ابو حامد رحمۃ اللہ علیہ نہ پہنانے والے کو کچھ فرماتے نہ اُتارنے والے کو کچھ کہتے۔

اللہ ہمارے اس زمانہ میں بھی ایک بزرگ غزنی میں ہیں۔ ان کا لقب مؤید ہے اللہ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔ انہیں بھی ملبوسات میں کچھ اختیار و تمیز نہیں ہے (گویا وہ عالم امکان سے اس قدر تجرید حاصل فرما چکے ہیں کہ لباس تک سے اجنبی ہیں) یہ مرتبہ تقرب بہت صحیح ہے۔

اور جو لوگ مشائخ کرام میں سے اپنا لباس اکثر نیلا رکھتے ہیں اور اس کی چند وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سیاح ہوتے ہیں اور بحالت سفر سفید کپڑے میلے ہو جاتے ہیں اور انہیں

سفر میں صاف کرنے اور دھونے کا موقعہ بدشوار ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ سفید لباس کی خواہش ہر اک کو ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ عوام کی محبوب ترین چیز سے مجتنب ہیں تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نیلگوں رنگ ملبوس کرنا اصحابِ غم اور اربابِ محنت کا کام سمجھا جاتا ہے اور چونکہ دنیا صوفی کے لئے دارِ محنت و مصائب ہے۔ اور اس کا تمام کام مہجوری و اندوہ کے ساتھ وابستہ ہے تو اربابِ ارادت نے اس دنیا میں لباسِ غم اختیار کر لیا۔ اور ایک جماعت نے اس دنیا میں سوائے غم و اندوہ کچھ نہ پایا اور اس کا ہر معاملہ نقصان و خذلان کا پیش خیمہ دیکھا تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ یہاں سوائے اضاعت وقت کچھ حاصل نہیں تو اس غم میں لباس کبود پہن کر غمگین بیٹھ گئے اور سمجھ گئے کہ فوت ہونا موت سے اشد ترین ہے گویا ایک جماعت تو کسی عزیز کی موت پر سیاہ پوش ہوتی ہے۔ دوسری جماعت مقصود کے فوت ہونے پر سیاہ پوش ہو گئی۔

ایک بے علم مدعی فقیر نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ حضرت آپ نے سیاہ پوشی کیوں اختیار فرمائی ہے
آپ نے جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑی تھیں۔ فقر، علم، شمشیر
شمشیر تو سلاطین نے لے لی بگر اُس کے محل پر اُسے استعمال نہ کیا۔ علم علماء نے اختیار کیا مگر اُسے پڑھنے پڑھانے تک ختم کر دیا۔ فقر فقراء نے اختیار کر لیا۔ مگر اُسے آلۂ حصولِ مال بنا لیا میں نے ان تینوں کے غم میں سیاہ پوشی اختیار کی ہے۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ کہ آپ بغداد کے ایک محلہ میں سے گذرے۔ راستہ میں پیاس لگی تو آپ نے ایک دروازہ پر آ کر پانی طلب کیا۔ ایک لڑکی اندر سے آئی اور کوزۂ آب ہمراہ لائی۔ آپ نے اس سے پانی لے کر پی لیا۔ آپ کی نظر اس پانی لانے والی کے چہرہ پر پڑی آپ کا دل اُس کے جمال پر فریفتہ ہو گیا۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے کُلِّیْ بِکُلِّكَ مَشْغُوْلٌ "میرا کل تیرے کل پر فدا ہے" آپ وہیں بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ صاحب خانہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔ میاں میرا دل ایک گلاس پانی میں سخت مقید ہو گیا۔ مجھے تیرے گھر والوں نے ایک گلاس پانی دیکر میرا دل لے لیا۔

صاحب خانہ نے عرض کی حضور وہ میری لڑکی ہے۔ میں اُسے آپکے عقد میں پیش کرتا ہوں۔
حضرت مرتعش گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور عقد فرما لیا۔ یہ صاحب خانہ بغداد کے متمول گھرانے میں سے تھا۔ اس نے حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کو گرمابہ یعنی حمام میں بھیج کر پوشاک مکلف سے

ست کیا۔ اور وہ خرقۂ فقر اتار ڈالا۔ جو آپ کے زیب تن تھا۔

جب رات ہوئی تو حضرت رقص نماز میں مشغول ہوگئے اور خیال فرمایا کہ اپنے روزانہ کے اوراد سے فارغ ہو کر پھر دلہن کی طرف ملتفت ہوں گا۔ کہ یک لخت آپنے باواز بلند فرمایا۔

عاشقوا خرقتی" ہمارا خرقہ جلدی لاؤ" سب نے متعجب ہو کر عرض کیا کہ حضور کیا ہوا آپنے فرمایا۔ خلوت راز سے ابھی آواز آئی کہ مرتعش جو پہلی نظر تو نے ہمارے سوا غیر پر ڈالی تھی اس کی سزا میں ہم نے تجھ سے لباس محبوبیت اتار لیا ہے۔ اب اگر دوسری نظر پھر ڈالی تو ہم لباس آشنائی بھی سلب کرلیں گے۔ گویا وہ لباس جس کے پہننے سے رضاء الٰہی مقصود ہو اور محبوبان الٰہی کے تتبع میں اسے پہنا ہو تو اپنے رب سے علاقہ رکھنے کے لئے ہمیشہ اس پر راضی رہنا ضروری ہے اور یہ استقامت نہایت مبارک و مسعود ہے۔

ورنہ اپنے دین کی محافظت کافی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر لباس اولیاء میں جانا در حقیقت خیانت کرانہ ہے۔ اس لئے کہ بلا کسی دعوٰے محبت کے محض مسلمان ہونا اور اسلام پر رہنا اس سے بہتر ہے کہ جھوٹا مدعی عشق و محبت بنے۔ تو خرقہ پوشی صرف دو قسم کے لوگوں کیلئے موزوں و مناسب ہے ایک تارک الدنیا جماعت کے لئے۔ دوسرے مشتاقان جمال الٰہی کے لئے۔

یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام رحمہم اللہ کا طریقہ ہے کہ جب کوئی مرید ترک تعلق ماسوی اللہ کر کے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ دو سے تین سال تک تین معنی کے سمجھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر وہ ان تین سال میں اس تعلیم ادب پر ثابت قدم ہو تو فبہا ورنہ اُسے کہہ دیتے ہیں کہ طریقت اسے قبول نہیں کرتی ــــ پہلے سال خدمت خلق کراتے ہیں۔ دوسرے سال اطاعت حق (یعنی تورع و تقویٰ و عدم خیانت) تیسرے سال میں دل کے مراعات و نگاہداشت ہوتی ہے (یعنی خواہشات و جذبات نفسانیہ پر قبضہ کرنا)۔

یہ امر ظاہر ہے کہ انسان خدمت خلق جب ہی کر سکتا ہے جبکہ وہ اپنے کو خادم کی جگہ سمجھ کر خلق خدا کو اپنا مخدوم سمجھ لے۔ گویا بلا تمیز خورد و کلاں سب کو اپنے سے بہتر جانے۔ اور سب کی خدمت اپنے اوپر واجب سمجھے۔ نہ یہ کہ خدمت تو کرے مگر اس خدمت کرنے میں اپنے کو مخدوموں میں فضیلت دے۔ ایسے تخیل سے خدمت کرنا اپنے لئے نقصان میں ڈالنا اور

بے نصیب ہوتا ہے۔اور یہ زمانہ کی بلاؤں میں سے ایک بلا ہے۔

اور خدمت و اطاعت حق عزوجل اس وقت کر سکتا ہے جبکہ اپنی تمام حظوظ نفسانیہ کو دُنیا و عقبٰے سے منقطع کر لے۔اور خالصاً مخلصاً لوجہ اللہ اس کی پرستاری کرے۔اور اسی کے قصد عبادت ہو۔اور اگر کسی چیز کے لالچ میں عبادت کرتا ہے خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی تو وہ پرستش اپنی پرستش ہے نہ کہ خدائے قدوس کی۔

اور دل کی مراعات و نگہداشت اس وقت ہو سکتی ہے کہ اس کی ہمت یکسو ہو اور ہر قسم کے غم سے اس کا دل پاک ہو اور بارگاہ اُلفت میں ہو اتنی غفلت سے دل کی نگہداشت کرے۔

جب مریدان ہر سہ شرائط میں مکمل اُترآتا ہے تو اُسے خرقہ پوشی کرنا مرتبہ تحقیق کے ساتھ موزون ہوتا ہے اور یہ خرقہ پوشی رسمی اور کورانہ تقلید میں نہیں ہوتی۔

مگر پھر بھی مرقع پہننے والوں کو چاہیئے کہ وہ مستقیم الحال ہو یعنی تمام نشیب و فراز طریقت کے گذر چکا ہو۔اور چاشنی حال چشیدہ ہو۔اور طرق اعمال سے پورا واقف ہو۔قہر جلال محبوبی اور لطف جمال جیبلی دیکھے ہوئے ہو۔

اور پیر کامل اس درجہ کامل ہو۔کہ احوال مرید سے پورا پورا واقف ہو کہ وہ درجہ کمال میں کس حد تک پہنچ سکے گا اور اس مقام پر پہنچکر اُس کا واپس نمودل ہو گا۔یا ٹھہر جانے والوں میں سے نکلے گا (یعنی درجہ قبض میں رہ جائیگا۔ یا اس کا بسط بعد القبض ہوگا) اگر خرقہ پوشی کرنے والا پیر کامل دیکھ لے کہ یہ ایک نہ ایک دن اس کیف طریقت سے واپس لوٹ جائیگا تو اُسے کہدے کہ تو اس راہ کی راہ نوردی نہ کر۔اور اگر جانے کہ اس مقام پر ٹھہر سکے گا۔تو اس سے معاملہ طریقت شروع کرے اور اگر جانے کہ منتہی کو پہنچ جائیگا۔تو اس کی پرورش کرے اور نگاہ رکھے۔

اور اس قسم کے جو مشائخ ہیں۔وہ درحقیقت طبیب قلب ہیں (یعنی مرشد کامل مرید کے حق میں طبیب قلب کی حیثیت رکھتا ہے) اور جو طبیب مریض کی بیماری سے جاہل اور بے خبر ہو۔تو ایسا طبیب اپنی تجویز سے مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔اس لئے کہ جب معالج مریض کی نگرانی میں جاہل ہو گا تو خطرات مرض کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔پھر ایسا معالج مریض کی غذا اور شربت اور دوا تمام مرض کے خلاف ہی تیار کریگا۔

حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ
یعنی شیخ پیر کامل اپنی قوم اور مریدوں میں ایسے ہیں جیسے نبی اپنی امت میں۔
تو جیسے انبیاء کرام نے عوام کو دعوت توحید دے کر بصیرت حق بخشی اور ہر ایک قبول کرنے والے کو اس کے درجۂ ایمان کے مطابق درجۂ تقرب بخشا۔ اور جس میں جیسی بیماری جہل کی تھی ویسا ہی علاج کیا۔ اسی طرح مرشد کامل شیخ وقت کو بھی بصارت حق کی دعوت دینی چاہیئے۔ اور ہر ایک کی تعلیمی غذا اور اس کے اندرونی درجۂ ایمان کے مطابق تجویز کرنی چاہیئے۔ تاکہ مرید کرنے کا جو مقصد ہے۔ وہ حاصل ہو۔
تو جب مرشد کامل صاحب ولایت مرید کو تین سال کے بعد ریاضت کی تعلیم دے کر اسے خرقہ پہنانے تو جائز ہے۔
اور خرقہ پوشی کا مقصد در حقیقت حیات دنیاوی کی لذتوں اور حصول نعمت دنیا کی مرادوں سے انقطاع کر کے دل کو زندگی کی راحتوں سے صاف کرتے ہوئے اپنی عمر سماعت حق کے لئے وقف کرنے اور دنیا سے فنا ہو کر کفن پہننے میں ہے۔ اور خرقہ پوش ہو کر سوائے طلب حق کے سب چیزوں سے کنارہ کشی کرنا اس کی شرط اولیں ہے۔ جب مرید اس قسم کا خرقہ پہن لے گا تو وہ خرقہ پوش بارگاہ جل مجدہٗ میں عزت پائے گا۔
پھر اس کا فرض ہے کہ اس خرقہ کا خاص لحاظ رکھے۔ اس کا حق کما حقہٗ ادا کرنے میں پوری استقامت اور ہمت سے ساعی رہے اور اپنی تمنائیں اور خواہشات اپنے اوپر حرام کر لے۔
اب بحث خرقہ پوشی میں بہت سے حقائق وارشادات بتا دیئے گئے۔
شیخ ابو عمر اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس بحث میں ایک مکمل کتاب تالیف فرمائی ہے۔ اسکے ساتھ عوام متصوفہ کو بہت زیادہ غلو اور شغف وعقیدت ہے۔
اور چونکہ میری مراد اس کتاب میں محض نقل اقوال نہیں بلکہ انکشاف حقیقت و معلقات مقصود ہے اور یہی مقصود طریقت ہے
لہذا بہترین اشارات خرقہ پوشی ہم بتا دیتے ہیں۔ یاد رکھو خرقہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا گنبد یعنی اوپر کا حصہ صبر کے ساتھ ہو۔ اور دونوں آستین خوف و امید کی ہوں اور اس کے

آگے پیچھے کے دامن قبض و بسط سے بنیں۔ اور اس کا گریبان جہاں سے کر باندھتے ہیں مخالفت نفس کے ساتھ ہو۔ اور دونوں کرسیاں یعنی کلیاں صحت و یقین کی ہوں۔ اس کی سنجاف یعنی مغزی اخلاص کی ہو۔ اس سے بھی بہتر حقائق خرقہ یہ ہیں کہ وہ قبۂ محبت میں رنگ فنا سے رنگا جائے اور اس کی دونوں آستین حفظ و عصمت نفس کی ہوں اور اس کا آگا پیچھا فقر و صفوت کا بنے۔ اور گریبان جہاں سے کر بندہے۔ مشاہدۂ جمال کے لئے مضبوط اور قائم ہو۔ اور اس کی کرسیاں یعنی کلیاں ایسی اُن کی ہوں کہ تقرب حضرت احدیت میں مامون رکھیں۔ اور اس کی مغزی اور سنجاف قرار تمام کا ہو۔ جو مقام وصل میں اسے مضطرب نہ ہونے دے۔

جب صوفی اپنے باطن کی اس شان کا مرقعہ بنالے گا تو ظاہر کے لئے بھی اُسے خرقہ بنانا چاہیئے۔ اور ہماری ایک کتاب اس بحث میں ہے جس کا نام "اسرار الخرق والمؤنات" ہے۔
اس کتاب کا ایک نسخہ ہمارے مرید کے پاس ہونا ضروری ہے۔

لیکن خرقہ پہننے کے بعد اگر صوفی غلبۂ حال یا قہر سلطان وقت سے تنگ آکر اُس خرقہ کو چاک کر دے۔ تو اُسے معذور سمجھا جائیگا اور خرق خرقہ اس کا مسلم ہوگا۔ مگر خرق خرقہ باختیار خود بحالت تمیز و درستی حواس میں کر ڈالا تو اُسے خرقہ پوشی پھر جائز نہیں اور اہل طریقت اس رویہ کو نہیں مانتے۔

اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خرقہ پوشی دیرینہ بھی ہو اور بغیر صفا باطن کے محض ظاہری خرقہ پوش رہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ دریدگی خرقہ کے یہ معنی ہیں کہ جب صوفی کا اس مقام سے جہاں خرقہ پوش ہوا۔ لہٰذا دوسرے مقام کی طرف انتقال ہوتا ہے تو وہ ترقی درجہ شکر میں اُس پہلے جامہ سے باہر ہو جاتا ہے اور خرقہ کے بجائے دوسرا لباس ملبوس کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک مقام کا لباس علیحدہ ہے تو دوسرے مقام پر پہنچکر دوسرا لباس ملبوس کرنا صحیح ہے۔

اگرچہ خرقہ ایک لباس ہے کہ طریقت، فقر، صفوت کے تمام مقامات پر یہ لباس موزوں رہتا ہے۔ تو ان مذکورہ مقامات سے بالا ہو جانے کی صورت میں تمام مقامات سے تبری کرنا بھی ضروری ہے۔ ہر چند کہ اس بحث کے لئے یہ مقام موزوں نہیں۔ اس کیلئے باب خرق و کشف و حجاب السماع مخصوص ہے۔ وہاں ہم اس بحث کو بیان کریں گے۔

مگر اس جگہ اشارتاً اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ لطائف خرقہ کے بیان میں فروگذاشت نہ ہو جائے۔ خدا کو منظور ہے تو اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ اس کی جگہ پر بیان کریں گے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ خرقہ پہننے والے کو حقیقت اور طریقت کے اندر اس قدر حکومت و قوت ہونی چاہیئے کہ اگر کسی بیگانہ پر نظر ڈالے تو اُسے چشم شفقت سے آشنا بنا دے۔ اور اگر اس خرقہ کو کسی عاصی پر ڈالدے تو وہ ولی بن جائے۔

ایک دن میں اپنے شیخ کے ہمرکاب تھا۔ چلتے چلتے آذر بائیجان کی آبادی سے گذرا۔ میں نے دو تین خرقہ پوش دیکھے کہ گندم کے ڈھیروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اپنے خرقہ کے دامنوں کو کسانوں کی طرف پھیلا رکھا ہے۔ تاکہ وہ اس گندم میں سے اُن کے دامنوں میں کچھ ڈالیں میرے شیخ قدس سرہ نے اُن کی طرف نظر ڈالی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ " یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی خریدی ہدایت کے بدلے تو انکی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔ اور یہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں "

میں نے عرض کی حضور یہ لوگ کس قدر ذلت میں مبتلا ہیں۔ کہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ ان کے پیر کو مرید جمع کرنے کی حرص ہوئی ہے تو ان کو دنیا جمع کرنیکی حرص ہو گئی —— اور کوئی حرص کسی حرص سے بہتر نہیں۔ اور خلاف اُمر و حکم کسی کو دعوت دینی حرص محض ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے باب الطاق میں ایک ترسا کو دیکھا بڑا خوبصورت جوان تھا۔ میں نے دعا کی۔ الٰہی اس جوان حسین کو میرے کام کا بنا دے۔ اس لئے کہ اسے تو نے بڑا حسین بنایا ہے۔ تھوڑی مدت اس دعا کو گذری تھی کہ وہ ترسا میرے پاس آیا اور کہنے لگا اُے شیخ مجھے کلمہ تلقین فرمائیے۔ وہ مسلمان ہو گیا اور جماعت اولیاء میں سے ایک ولی نکلا۔

حضرت شیخ ابو علی سیاہ رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ خرقہ کس کیلئے پہننا درست ہے فرمایا اُس کے لئے کہ مملکت الٰہیہ میں تمام احکام و احوال اس کے حکم بغیر ظہور پذیر نہ ہوں۔

تو اب واضح ہو گیا کہ خرقہ صالحین اور اللہ کے نیک بندوں کا لباس ہے اور فقراء و صوفیاء سے

ملبوس فرماتے ہیں۔ اور حقائق فقر وحقیقت صفوۃ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔

تو یاد رکھو جو کوئی لباس اولیاء کو کسب دنیا کے لئے آلہ بنائے گا۔ وہ اپنے لئے آفت مول لے گا۔ فقراء و صوفیاء کا اس میں زیادہ نقصان نہیں۔

ہدایت یافتہ لوگوں کے لئے جو کچھ لکھا ہے وہ ہی کافی ہے۔ اگر ہم اس کی شرح کی طرف مشغول ہو جائیں تو یہ کتاب کافی نہیں ہوگی۔ باللہ التوفیق

پانچواں باب

فقر و صفوت

فصل فقر اور صفوت کے فضائل میں علما طریقت کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک فقر افضل ہے اور ایک کے نزدیک صفوت فقر سے افضل ہے۔

وہ لوگ جو فقر کو صفوت پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فقر فنا کلی کا نام ہے اور اس میں انقطاع اسرار ہو جاتا ہے۔ اور صفوت مقامات فقر کے ایک مقام کا نام ہے اور جب فنا حاصل ہو گئی تو تمام مقامات ناچیز ہو گئے۔ اور یہ مسئلہ بحث فقر و غنا کے ساتھ متعلق ہے جس کی تصریح ہم اول کر چکے ہیں۔

اور جو لوگ صفوت کو فقر پر مقدم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فقر ایک چیز ہے جو موجود با ہم ہے۔ اور صفوت نام ہے تمام موجودات سے صفائی حاصل کرنے کا اور جو صفوت عین فنا ہے اور فقر عین بقا، تو معلوم ہوا کہ فقر نام ہے مقامات و درجات صفوت سے کسی درجہ یا مقام کا اور صفوت مقام کمال کا نام ہے۔

اس بحث میں بات بہت طول پکڑ گئی ہے اور اس زمانہ میں تو عجیب و غریب طریقہ سے فقر و صفوت کی تعبیرات پیش کی جا رہی ہیں۔ اور ایک جماعت دوسری جماعت پر انوکھے انوکھے دلائل قائم کر رہی ہے اور درحقیقت یہ لوگ فقر و صفوت کی فضیلت اور اس کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں اور بے سوچے سمجھے مقدم مؤخر بنا رہے ہیں۔

یاد رکھو اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ زبانی جمع خرچ کر کے محض تعبیر کر دینے کا نام نہ فقر ہے نہ صفوت۔ اور عوام نے جو اپنی ذہنی و وہمی تخیلات کے گھوڑے دوڑائے تو اپنے اپنے خیال کے مطابق معنی گھڑ لیے۔ اور حقیقت معنی سمجھنے سے اپنے دل اور ذہن کو خالی کر کے روش حق و نسبت

سے دُور ہوگئے کسی نے نفی حرص کا نام نفی میں رکھ لیا اور اثبات مراد کا نام اثبات میں گھڑ لیا۔
اور حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مقصود منفی و مثبت تمام کے تمام ایسے ہیں کہ قیام نفس وجود ہوا و نفسانی اور اس کے طریقوں سے منزہ ہیں۔ اور طریقت جھوٹے مدعیوں کی لغو باتوں سے بالکل پاک ہے۔

مختصر یہ کہ اولیاء الہٰی اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں مکان و مقام ہی نہیں ہوتا اور تمام مکان و مقام وہاں فنا ہوتے ہیں۔ اور زبانی الفاظ اور عبارتیں اس حقیقت کے معنے بیان کرنے سے منقطع ہوتی ہیں حتیٰ کہ نہ شرب رہتا ہے نہ ذائقہ، نہ ممتنع نہ قہر نہ صحو نہ محو اس جگہ کا نام ارباب ظہور ہی ڈھونڈتے ہیں اور فکر کرتے ہیں کہ کوئی ایسا نام مل جائے کہ اس مقام پر چسپاں ہو سکے۔ اور وہ مقام کسی نام کے نیچے آکر سمجھا جائے۔
لیکن جو مقام کہ معانی اسم کے تحت آ ہی نہیں سکتا۔ اور اس پر کسی صفت کا استعمال ہی صحیح نہیں ہو سکے کسی اسم یا صفت سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ تو مجبور ہو کر ارباب معانی کے نزدیک جو نام سب سے بزرگ نظر آیا اسے اُس مقام کے لیے مقرر کر دیتے ہیں۔

اور یہاں تقدیم و تاخیر کی اصل ہی نہیں۔ فقر و صفوت میں سے کسی کو مقدم و مؤخر کہنا بالکل ناروا ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ ایک گروہ کو نام فقر زیادہ واجب الترجیح نظر آیا۔ اُن کے دلوں میں اس کی عظمت جاگزیں ہو گئی۔ اسلئے کہ نام فقر سے انہیں ترک ماسوی اللہ اور تواضع نظر آئی۔
دوسرے گروہ کو نام صفوت مقدم نظر آیا۔ اُن کے دلوں پر اس کی تعظیم و تکریم سکہ زن ہو گئی۔ اس لئے کہ رفع کدورت اور فنا آفات میں انہیں یہ نزدیک نظر آیا۔
غرضکہ انہوں نے یہ دو نام ذریعہ اعلام بنانے چاہے۔ اگرچہ ان کی حقیقت الفاظ کا جامہ پہنا کر بیان نہیں ہو سکتی تھی۔ ان ناموں سے انہیں صرف یہ فائدہ حاصل ہو سکا کہ حقیقت بیان کرنے سے یہ قاصر تھے۔ انہیں ان اشارات کے ذریعہ ایک دوسرے پر ظاہر کرتے رہیں۔ اور ان ناموں کے ذریعے اپنے ذاتی کشف کو بتمامہ ظاہر کر سکیں
اور ان جماعتوں نے فقر یا صفوت اس درجہ کا نام رکھ لیا مگر پھر بھی حقیقت معنی

میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ ہاں ارباب لسان یا اصحاب عبارات جو اس حقیقت سے محض بے خبر ہیں۔ انہیں محض الفاظ پر بحث کا میدان مل گیا۔ اور اُن میں سے کوئی فقر کو مقدم سمجھنے لگا کوئی صفوت کو ترجیح دینے بیٹھ گیا۔ اور یہ محض اُن کی لفظی یا لسانی ہے یہ دونوں گروہ محض لفظی تحقیق معانی میں جاکر تاریکی عبارت میں رہ گئے۔

ان میں سے جسے حقیقت معنی منکشف ہوگئی وہ اہل حال میں مل کر اسے اور تحقیق حقیق کو اپنا قبلہ دل بنا بیٹھے اور اسے اس کی پرواہ نہیں رہی کہ اُسے صوفی کہا جا رہا ہے یا فقیر۔ اسلئے کہ یہ دونوں نام اضطراری ہیں اور حقیقت فقر کے اسم کے تحت میں نہیں آسکتی۔

یہ اختلاف معنوی حضرت شیخ ابوالحسن سمنونی کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ کبھی بحالت کشف فقر کو صفوت پر ترجیح دیدیتے کبھی صفوت کو فقر پر۔

تو اُس وقت کے محققین نے آپ سے عرض کی کہ حضرت ایسا کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا میرا ایک حال نہیں کبھی میری طبع معانی کو فنا، و نگونساری کا مشرب حاصل ہوتا ہے۔ اور بقا کے درجہ میں بلندی کامل مل جاتی ہے۔ اور کبھی ایسے مقام پر ہوتا ہوں کہ اس کا تعلق فنا سے ہوتا ہے اور ایسی حالت میں فقر پر صفوت کو ترجیح دیدیتا ہوں اور جب اُس درجہ پہ ہوتا ہوں جس کا تعلق بقا سے ہوتا ہے۔ تو صفوت پر فقر کو ترجیح دے دیتا ہوں۔ اسلئے کہ فقر نام ہے بقا کا اور صفوت فنا کا

تو چونکہ مقام فنا رویت کو خود سے بھی فنا کر دیتا ہے۔ تو میری طبع معانی بھی فنا سے فنا ہو جاتی ہے اور مقام بقا میں یہی فنا ہے اور یہ گفتگو بظاہر عبارت خوب ہے مگر یاد رکھو کہ فنا کو بھی فنا نہیں اور بقا کو بھی فنا نہیں اور جو باقی فانی ہوگا وہ خود سے ہی فانی ہوگا۔ اور جو فانی باقی ہوگا۔ وہ خود سے باقی ہوگا۔ اور در حقیقت فنا بھی محض ایک ایسا اسم ہے جس میں مبالغہ محال ہے۔

حتیٰ کہ اگر کوئی کہے کہ فنا فنا ہوتا ہے تو اس میں مبالغہ ہوا معنی کے وجود کے اثر کی نفی کا۔ اس لئے کہ جو فنا ہو رہا ہے وہ جب تک فنا نہ ہوا اس وقت تک اس کا کچھ اثر باقی ہے اور جب تک اثر باقی ہے فنا نہیں۔ اور جب فنا ہو چکا تو فنا کا فنا ہونا بے معنی ہوگا۔ اور اس عبارت میں تحیر کے سوا کچھ حاصل نہیں اور یہ لسانیاں زبان دراز لوگوں کی سخن پروری کے ماتحت ہیں۔

اور کتاب بقا و فنا میں ہم نے بھی ایک بحث لکھی تھی لیکن وہ اس وقت لکھی تھی جبکہ ہماری

نو عمری کا جوش تھا اور جذبات حالیہ تیزی میں تھے۔ اس کتاب میں احتیاط کے ساتھ انکے احکام وحقائق بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ عزوجل۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ فقر اور صفوت میں فرق معنوی یہ ہے کہ دنیا کی تجرید کی رُو سے تو فقر و صفوت ایک ہے اور اپنے آپ کو اس سے خالی کر دینا یہ دوسری شان ہے اور پھر اس کی حقیقت فقر و مسکنت کے معنیٰ میں ہوگی۔

ایک جماعت نے مشائخ کرام میں سے فرمایا ہے کہ فقیر مسکین سے افضل ہے۔ اسلئے کہ حضرت جل مجدہٗ نے فرمایا۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ "یعنی مال زکوٰۃ ان فقراء کے لئے ہے جو اللہ کے راہ اور اس کی اطاعت میں ایسے محصور ہیں کہ تجارت و رزق طلب کرنے کو زمین پر سیر نہیں کر سکتے۔"

اس لئے کہ مسکین صاحب مال ہوتا ہے اور فقیر تارک مال۔ تو ظاہر ہے کہ فقر عزت ہے اور مسکنت ذلت اور صاحب مال طریقت میں ذلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَتَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ وَتَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْصَۃِ وَالْقَطِیْفَۃِ۔ "ہلاک ہو گیا دینار و درہم کا بندہ اور ہلاک ہو گیا تھیلے تھیلی کا پجاری" اور تارک معلوم یعنی جسکے پاس مال ہے اس کا تارک عزت والا ہے۔ اس لئے کہ مالدار کا اعتماد اس مال پر ہوتا ہے اور جو تارک مال ہوگا اس کا بھروسہ رب عزوجل پر ہوگا۔ اور مالدار کو اگر کوئی کام ہوگا تو اپنا مال بڑھانے اور اس کے حاصل کرنے کے سوا کوئی اور کام نہیں ہوگا۔

ایک جماعت نے کہا کہ مسکین افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ "یعنے اے میرے اللہ مجھے مسکین ہی زندہ رکھ اور اسی حال میں دنیا سے اُٹھا اور میدان حشر میں بھی مساکین میں مجھے محشور فرما۔"

تو جب حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسکین کو یاد فرما کر اس طرح دعا کریں کہ اللہ مجھے مسکینوں کی زندگی عطا فرما اور حالت رحلت میں بھی مسکین کر۔ اور جب فقر کا تذکرہ فرمایا تو کہا۔ کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا۔ "قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے۔" اس لئے کہ فقیر وہ ہوتا ہے

کو کسی سبب کے ساتھ وابستہ ہو۔ اور مسکین وہ ہوتا ہے جو اسباب کو منقطع کر دے۔
مزید برآں فقہ اسلامی میں ایک جماعت فقہا کے نزدیک مسکین صاحب توشہ اور فقیر مجرد کو
کہتے ہیں۔ تو اس جگہ ارباب مقام مسکین کو صوفی کہتے ہیں۔
اور یہ اختلاف فقہاء رضی اللہ عنہم سے ملتا ہوا ہے کہ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ فقیر
مجرد ہے۔ اور مسکین صاحب توشہ تو فقیر افضل ہو ا صفوت سے۔
اور جن کے نزدیک مسکین مجرد کو کہتے ہیں اور فقیر صاحب توشہ کو۔ انکے یہاں صفوت افضل
ہوگی۔ فقر سے یہیں خلاف احکام اختلاف مشائخ کے فقر اور صفوت میں جو بر سبیل اختصار بیان کئے
گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چھٹا باب

ملامت

فصل مشائخ طریقت کے ایک گروہ نے راہِ ملامت کو بھی پسند کیا ہے اور انہوں نے ملامت کے طریقہ کو خلوص و محبت میں مؤثر عظیم مانا ہے۔ اور ملامت کے ساتھ مردانِ خدا اور اہلِ حق بالعموم متعلق ہیں خصوصاً پیشوایانِ اُمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو امام و پیشوا و اہلِ حق تھے اور ان سے بلند وہ پیش رو محبان تھے اُس وقت تک نیک نام رہے جبتک دلیل حق کا ظہور اور وحی آتی رہی۔ مگر جب لباس محبت وعشق پہنایا گیا تو لوگوں کی طرف سے اُن کے حق میں زبانِ ملامت دراز ہوگئی۔ بعض نے کہا جادوگر ہیں کاہن ہیں کسی جماعت نے کہا شاعر ہیں کسی نے کہا مجنون ہیں کوئی کہنے لگا کاذب ہیں۔ اور مثل اس کے بہت سی بدلگامی کی گئی۔ مگر اللہ جل شانہ نے اُن کی تعریف میں فرمایا۔

لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ "یعنی وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کرتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ جسے چاہے عطا فرماتے اور اللہ بڑا وسیع العلم ہے"

اور سنت الٰہیہ بھی کچھ یہی ہے کہ جو اُسے یاد کرے اُس کے ذکر کو سنانے عالم اُس کی بات میں مشغول ہوجاتا ہے۔ اور اس کے اندر دنی راز مخفی کی نگاہداشت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اور یہ درحقیقت غیرت الٰہیہ ہے کہ اپنے محبوبوں کو غیروں کے دیکھنے سے بچا لیتا ہے تاکہ کوئی آنکھ اُن کے جمالِ باطنی پر نہ پڑے۔ اور اُن کی حقیقت حسن کو اُن سے بھی مخفی فرما دیتا ہے تاکہ وہ اپنا جمال باکمال دیکھ کر مغرور نہ ہوجائیں اور آفت عجب تکبر میں نہ پڑیں۔

تو اللہ تعالےٰ نے عوام کو اُن پر چھوڑا ہے۔ تاکہ وہ اُن پر زبانِ ملامت دراز کرتے رہیں۔

اور نفس لوام اُن کے اندر مرکب کیا ہے تاکہ اُنہیں اُن کی کوتاہی پر ملامت کرتا ہے اور کسی فروگذاشت ہو جانے پر وہ اپنے پر ملامت کریں۔ بلکہ اگر نیکی بھی کریں تو اُس کے کم ہونے پر ملامت کریں۔ اور یہ راہ مولا میں بڑی مضبوط جڑ ہے۔

کیونکہ عجب و تکبر سے بڑھ کر کوئی آفت اور حجاب نہیں۔ اور عجب و تکبر کی جڑ دو چیزیں ہیں۔ جن سے عجب و تکبر پیدا ہوتا ہے۔ وجاہت حاصل ہو جانا مخلوق میں اور مخلوق کی زبان سے اُس کی مدح سرائی۔

اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی انسان کی گفتار و کردار کو عوام پسند کریں اسکی مدح سرائی کریں۔ اور اسے اُس سے غرور پیدا ہو۔

دوسرے یہ کہ جو کام وہ کر رہا ہے۔ لوگ اسے پسند کرتے ہیں تو یہ اس کام کا اہل اور اسکے قابل اپنے کو سمجھنے لگتا ہے اور اس وجہ میں متکبر بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے اس راستہ میں اپنے محبوں مقربوں پر یہ نظام فرما دیا ہے۔ تاکہ اُن کے تمام کام اگرچہ نیک ہی ہوتے ہیں۔ مگر عوام انہیں پسند نہ کریں۔ اور عوام کے پسند نہ کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ اس کام کی حقیقت کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔

اور مجاہدات و ریاضات ان محبان الٰہی کے بہت ہوتے ہیں مگر انہوں نے اس مجاہدات کو اپنی قوت کا نتیجہ کبھی نہیں سمجھا۔ بحض فضل الٰہی تصور کیا۔ اور اُن مجاہدات کی وجہ سے انہوں نے اپنی ذات کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا۔ اسی وجہ میں وہ تکبر سے محفوظ رہے۔

تو خلاصہ یہ ہُوا کہ جسے اللہ پسند فرماتا ہے عوام اُسے پسند نہیں کرتے۔

اور جسے اپنا وجود پسند آیا۔ اللہ تعالےٰ اُسے پسند نہیں کرتا۔

جیسا کہ شیطان۔ کہ اسے لوگوں نے پسند کیا اور ملائکہ نے بھی قبول کیا۔ اور خود اس نے اپنے آپ کو اچھا سمجھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے پسند نہیں کیا۔ تو لوگوں کا اور فرشتوں کا پسند کرنا اس کے لئے ثمر لعنت بن گیا۔

اور آدم علیہ السلام کو اوّل ملائکہ نے پسند نہیں کیا۔ اور صاف کہہ دیا۔ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا "یعنے کیا ایسے وجود کو دنیا میں موجود فرما رہا ہے جو فساد کرے"

اور خود آدم علیہ السلام نے اپنے وجود کو پسند نہ کیا اور عرض کر دیا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا یعنی اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا" لیکن چونکہ آدم علیہ السلام پسندیدۂ حق تھے۔ تو جناب باری عز اسمہٗ کی طرف سے ارشاد ہوا۔

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا " وہ بھول گئے اُن کا عزم اور نافرمانی ہم نے نہیں پائی"۔ تو اللہ تعالیٰ کا پسند فرمانا آدم علیہ السلام کے لئے ثمر رحمت لایا۔ تاکہ دنیا کے لوگ جان لیں کہ اللہ کا مقبول مہجور خلق ہوتا ہے اور مقبول خلائق مہجور الٰہی ہوتا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ ملامتِ خلق خدا علامت ہے محبوبانِ الٰہی کی اور دلیل ہے اُس کے مقرب بارگاہ ہونے کی۔ اور جس طرح مقبولِ خلائق ہوکر خرم و شاد ہونا عام طور پر پسندیدہ ہے۔ اسی طرح خاصانِ بارگاہ خلق کے ساتھ شادکام و شاداں رہتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جبریل نے عرض کیا اور جبریل سے رب العزت جل مجدہٗ نے فرمایا۔ اَوْلِيَائِيْ تَحْتَ قِبَائِيْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ اِلَّا اَوْلِيَائِيْ۔ "میرے دوست میری قبا کے اندر ہیں۔ انہیں میرے اور میرے دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا"

فصل

ملامت کی تین صورتیں ہیں راست روی۔ قصد کرنا، ترک کرنا

ایک سیدھا چلنے میں، دوسرے قصد کرنے میں، تیسرے ترک کرنے میں۔

راست روی میں صورتِ ملامت یہ ہے کہ اپنا کام کرتا ہے اور احکام دین کی پیروی کرے۔ اور ہر معاملہ میں رعایت ملحوظ رکھے اور لوگ اُسے ایسی حالت میں ملامت کریں جیسا کہ عوام کا رویہ ہے۔ مگر عارف کا دل ان ملامتوں سے بھی بے تعلق اور فارغ ہو۔

اور قصد میں صورت ملامت یہ ہے کہ ایک شخص جبکہ اسے عز و جاہ کافی حاصل ہو چکی ہو اور لوگوں میں وہ معزز و ممتاز ہوکر ان میں نشانہ ہو چکا ہو۔ مگر اس کا دل اس عز و جاہ اور رجوعِ خلق سے متنفر ہو اور وہ چاہے کہ سب سے دل علیحدہ کرکے خلوت خاص میں اپنے جمیل حقیقی سے مشغول ہو تو اس تکلف کی وجہ میں لوگ ملامت کرنا شروع کر دیں۔ اور وہ بھی لوگوں کو دکھانے

پہلے ایسا طریقہ اختیار کرے جو خلاف شرع نہ ہو۔ مگر اس رویہ سے لوگ اس کے ساتھ متنفر ہو جائیں۔ مگر وہ خود لوگوں کے اس تنفر کی پرواہ نہ کرے۔ آخر ش لوگ اس سے بے پروا ہو جائیں۔
ترک کرنے میں صورت ملامت یوں ہوگی۔ کہ کسی کا گریبان کفر و ضلالات طبعی سے یہاں تک پکڑے کہ وہ ترک شریعت اور انکار متابعت قانون اسلام کے لئے کہنے لگے اور کہتا پھرے کہ یہ طریقہ ملامت ہے جو میں نے اختیار کیا ہے اور درحقیقت میں راہ راست پر ہوں۔ اس لئے کہ میری اصلی رفتار راست روی پر ہے اور نفاق و ریا سے اجتناب کرنا ہے۔ اور ایسی حالت میں اسے لوگوں کی ملامت کا خوف نہیں ہوتا اور اپنی دھن میں پختہ رہتا ہے جس نام سے لوگ اُسے پکاریں وہ سب نام اُس کی نظر میں برابر ہوں۔
ایک حکایت میں ہے کہ حضرت شیخ ابوطاہر حرمی رحمۃ اللہ ایک روز ایک گدھے پر سوار ہو کر بازار میں جا رہے تھے۔ اور ان کے مرید اس گدھے کی باگ پکڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے آواز کسا اور کہا کہ یہ زندیق بوڑھا آیا۔ مرید نے جب یہ آواز سنی۔ غیرت عقیدہ سے اس آواز کسنے والے کو مارنے کے لئے بڑھا اس سے بازار کے لوگ جوش میں آ گئے۔ شیخ ابوطاہر رحمہ اللہ نے مرید سے فرمایا کہ اگر تو خاموش ہو جائے تو ہم تجھے ایسی چیز بتائیں گے کہ اس سے تیرا سب رنج و محن جاتا رہے گا۔ مرید خاموش ہو گیا۔ جب اپنی جائے قیام پر تشریف لائے تو مرید کو حکم دیا کہ وہ صندوق لاؤ۔ مرید صندوق لایا۔ اس صندوق میں بہت سے خط بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک خط نکال کر اس کے آگے رکھا اور فرمایا۔ دیکھ یہ متعدد لوگوں کے خطوط ہیں۔ ہر ایک نے میرے لئے علیحدہ علیحدہ نام رکھے ہیں۔ ایک مجھے شیخ الاسلام لکھ رہا ہے ایک شیخ زکی اور ایک شیخ الحرمین۔ اسی طرح علیحدہ علیحدہ سب نے میرے نام لکھے ہیں۔ مگر جو میں ہوں وہ کبھی بھی نہیں لکھا۔ میرا نام کسی خط میں نہیں ہر ایک نے اپنے اعتقاد کے موافق مجھے ایک لقب دیدیا ہے۔ اگر اُس نے بھی مجھے کوئی لقب دیدیا تو اس پر تُو اتنا برانگیختہ کیوں ہوا۔
اب یہ بھی سمجھ لے جو اپنے طریقہ ملامت میں یہ قصد ہو کہ وہ جاہ اور مرتبہ و ریاست ترک کرتا ہے۔ تو وہ ایسا ہے جیسے کہ روایت ہے کہ حضرت امیرالمومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ ایک روز خرموں کے باغ سے تشریف لا رہے تھے اور خرما کی خشک لکڑیوں کا گٹھا آپ کے

سر پر تھا۔ باآنکہ آپ کے پاس چار سو غلام تھے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور! یہ کیا ہے۔ فرمایا۔ اُرِیْدُ اَنْ اُجَرِّبَ نَفْسِیْ۔ "میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے نفس کا تجربہ کروں" میرے پاس اگرچہ بہت غلام ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میرا نفس اس حال میں کیسا ہے۔ جاہ اعزاز وحشمت کی وجہ سے وہ بیکار تو نہیں ہو گیا۔ یہ حکایت شان ملامت کی صریح دلیل ہے۔ اور اس سے اثبات ملامت واضح ہے۔

ایسا ہی ایک حکایت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ اس کتاب میں جس جگہ اُن کا ذکر ہوگا۔ انشاءاللہ وہاں لکھوں گا۔ اور ابو یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سفر حجاز سے تشریف لائے۔ تو منادی کی گئی اور لوگوں میں شہرہ ہوا کہ بایزید تشریف لائے ہیں شہر کے لوگ جمع ہوئے اور برائے استقبال شہر سے باہر آئے۔ تاکہ اعزاز واکرام کے ساتھ شہر میں لائیں بایزید رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کی آمد و رفت سے اُن کی طرف مشغول ہوئے اور محسوس فرمایا کہ اب دل بھی تقرب حق سے بعید ہو رہا ہے۔ پریشان ہو گئے۔ تو آپ نے یہ حیلہ بنایا کہ جب وسط شہر میں تشریف لائے تو ایک ٹکیہ روٹی کی نکال کر برسر راہ کھانا شروع فرما دی۔ عوام میں اس حالت سے منافرت پیدا ہو گئی۔ اور حضرت بایزید کو تنہا چھوڑ کر چل دیئے۔ اس لئے کہ یہ واقعہ رمضان شریف میں ہوا۔ حضرت بایزید نے اپنے اس مرید سے فرمایا جو آپ کا ہم سفر تھا کہ دیکھا تم نے ایک مسئلہ پر شریعت مطہرہ کے میں نے عمل کیا۔ تو لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا اور آزاد کر دیا (یعنی مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر اگر بحالت مسافرت روزہ نہ رکھے تو اس پر گناہ نہیں وہ ان روزوں کی قضا دوسرے ایام میں کر سکتا ہے) اور میں (یعنی علی بن عثمان جلابی رضی اللہ عنہ) کہتا ہوں کہ اس حالت میں حصول ملامت کے لئے ایک بُرا فعل ہونا بھی بہتر تھا۔ اور کوئی چیز خلاف عادت ظاہر کرنا مناسب لیکن آج وہ زمانہ ہے کہ اب اگر چاہے کہ لوگ اُس کو ملامت کریں تو یہی کافی ہے کہ کہدے۔ جا اور دو رکعت نفل لمبے کر کے پڑھ یا اپنے دین کو مضبوطی سے تھام اور اتباع مکمل کر۔ تو آج عوام اس کہنے سے تجھے علی الفور منافق اور ریاکار کہہ دیں گے۔ لیکن وہ شخص جس کا طریقہ ترک ہے اور اس کی وجہ میں وہ کوئی بات خلاف شریعت اختیار کر کے کہتا ہے کہ میں یہ ملامت کا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔ تو یہ صریح گمراہی اور وضاحتاً

آفت اور ہوس کا ذب ہے۔ اور اس زمانہ میں ایسے بہت ہیں کہ اُن کا مقصود لوگوں کے رد کرنے سے اُن کا میلان اپنی طرف بڑھانا ہے۔ حالانکہ رد خلائق کرنا اسے زیبا ہے جو پہلے مقبول بارگاہ ہو چکا ہو۔ تو اس کے رد کرنے سے عوام اُس کے اس رویہ کا رد کرنے لگتے ہیں۔

اور جو پہلے ہی مقبول بارگاہ نہیں۔ وہ اگر لوگوں سے مجتنب ہے اور رد خلائق کرنے کا تکلف کرے تو یہ یقیناً لوگوں کو اپنی طرف رجوع کرنے کا بہانہ ہوگا۔

مجھے ایک مصنوعی سلامتی سے سابقہ پڑا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کسی خراب فعل میں مرتکب تھا۔ اور اس فعل پر ملامت کو عذر بنا رکھا تھا۔ ایک شخص نے اُنہے کہا کہ یہ بہانہ لغو ہے میں نے اُسے دیکھا کہ بڑا غضبناک ہو گیا۔ میں نے اسے کہا کہ تو درحقیقت ملامتی ہے اور یہ تیرا زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ تو تیرے اس دعویٰ پر اس شخص کا انکار تیرے مقصد و مذہب کی تائید ہے اور جو تیرے خیالات و دعاوی کی تائید کرتا ہے۔ تو پھر اس پر تیرا یہ غضبناک ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور یہ قہر و غضب کس لئے۔

تیرا یہ رویہ اگرچہ مانند طریقۂ ملامت ہے (مگر در اصل کچھ نہیں ہے) ہمیشہ یاد رکھ کہ جو شخص کسی کو امر حق کی دعوت دیتا ہے۔ وہ کوئی دلیل بھی رکھتا ہے۔ اور اس کی دلیل محافظت سنت ہے۔

پھر تجھ سے میں ترک فرض کا رویہ بھی دیکھ رہا ہوں اور لوگوں کو بھی اسی گمراہی کی طرف دعوت دے رہا ہے تو یہ تیرا انکار ملامت کے طریقہ پر نہیں بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

فصل یاد رکھو مذہب ملامت کے اصول شیخ وقت ابو حمدون قصاب رحمۃ اللہ علیہ نے جاری فرمائے اور طریق ملامت میں انہوں نے بہت سے لطائف و حقائق بیان فرمائے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اَلْمَلَامَۃُ تَرْكُ السَّلَامَۃِ "ملامت سلامتی ترک کر دینے کو کہتے ہیں" جب کوئی امید کشف جلال اور طلب مال سے تبری حاصل کرے اور مخلوقات میں رہ کر مخلوق سے ناامید ہو جائے تو وہ ترک سلامتی کا قصد کرتا ہے اور صاف

فیصلہ کر لیتا ہے کہ مجھ پر بلائیں آئیں میری تمام مالوفات راحت مجھ سے چھن جائیں
اس لئے کہ میری طبیعت ان چیزوں کی محبت سے آزاد ہو چکی ہے
اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان جتنا ان چیزوں سے آزاد ہوتا جاتا ہے اپنے رب
جل مجدہٗ کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے تو سلامتی جس کی طرف عوام کو احتیاج ہوتی ہے اہل ملامت اس
سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا مقصد عوام کے مقصد کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ عوام کی
سلامتی وجاہ دنیا پر نظر ہوتی ہے اہل ملامت کی اس سے پشت ہوتی ہے۔ اہل ملامت کی ہمت
دنیا کی ہمت سے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ صوفی اپنے اوصاف میں یکتا ہوتا ہے۔ جیسا کہ
حضرت احمد بن فاتک رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسین بن منصور سے روایت فرماتے ہیں کہ ان سے دریافت
کیا گیا کہ مَنِ الصُّوْفِیُّ قَالَ وِحْدَانِیُّ الذَّاتِ صوفی کون ہے۔ فرمایا جو صرف ذات کو چاہے
اور حضرت ابو حمدون سے ملامت کی بابت سوال ہوا۔ آپ نے فرمایا۔
راہ آں برخلق دشوار و منغلق است یعنی ملامت کا راستہ عوام پر دشوار بلکہ بند ہے۔
مگر ہم کچھ بیان کرتے ہیں۔ رِجَاءُ الْمُرْجِیَۃِ وَخَوْفُ الْقَدَرِیَّۃِ ترس قدریاں اور
امید مرجیاں صفت ملامت ہے اور اس اجمال میں ایک رمز خاص ہے وہ یہ کہ ملامتی کی طبیعت درگاہ
الٰہی کے سوا کسی طرف راغب نہیں ہوتی اور ماسوی اللہ سے نفرت جتنی اسے ہے کسی کو اس سے زائد
نہیں۔ یہ ہمیشہ وجاہت سے متنفر رہتا ہے۔ برخلاف عوام کے کہ وہ اس حد تک اپنے لئے وجاہت ضرور
چاہتا ہے کہ لوگ اسے پسند کریں اور اس کی تعریف ہو۔ بلکہ اپنی تعریف کے لئے جان و دل سے مر
جاتا ہے اور اسی تعریف کی خواہش میں اپنے رب جل مجدہٗ سے جدا ہو جاتا ہے۔
تو خائف ہمیشہ یہ خوف کرتا ہے کہ خطرہ اس پر نہ آئے اور اس وجہ میں وہ خطرہ کے مقام سے بچا
رہتا ہے اور اس سعی و کوشش میں طالب کو دو خطرے پیش ہوتے ہیں۔
ایک خلقت کے حجاب کا خوف۔ دوسرے ایسے فعل کا ذکر نا جس سے لوگ اس کے اس فعل پر
اس کے ساتھ گنہگار ہوں۔ اور اس پر عوام زبان ملامت دراز کریں۔
نہ یہ اسے منظور ہو کہ اس کی وجاہت میں لوگ آرام کریں نہ یہ گوارہ کہ وہ اپنے میں کسی کو گنہگار
کرے۔ تو ملامتی کو بالخصوص یہ لازم ہے کہ دنیا و عاقبت کی خصومت جو اس کے معاملہ میں ہے کی

سے انقطاع کرے۔ اور نجاتِ دل کے لئے وہ کام کرے جو شریعت مطہرہ میں نکوہیدہ و ممنوع ہو تاکہ
لوگ اسے رد کریں۔ اور اس کا خوف اُس کے معاملات میں مثل خوف قدریاں ہو جائے اور اس کی
امید معاملہ ذاتی میں ملامت کرنے والوں کی طرف سے مثل امید مرجیان ہو۔

اور دوستی و محبت کے حقائق میں ملامت سے زیادہ خوشگوار کوئی چیز نہیں۔ اس لئے کہ
دوست کے دل پر دوست کی ملامت کا اثر نہیں ہوتا۔ اور دوست کو سوائے کوچہ گردی کوئے یار اور
کسی سے سروکار بھی نہیں ہوتا۔ اور بغیر کوئے یار اُس کی گذر بھی دشوار ہے۔

اور اغیار کا خطرہ دوست کے دل پر کبھی نہیں ہوتا۔ لِاَنَّ الْمَلَامَۃَ رَوْضَۃُ الْعَاشِقِیْنَ
وَنُزْھَۃُ الْمُحِبِّیْنَ وَرَاحَۃُ الْمُشْتَاقِیْنَ وَسُرُوْرُ الْمُرِیْدِیْنَ " ملامت عاشقوں
کا باغ ہے محبوں کی نزہت و تازگی ہے مشتاقانِ جمال کی راحت ہے اور مریدین خالص کا سرور
ہے" ـــــ یہ جماعت ملامت تن اختیار کرکے ثقلین میں ممتاز ہو گئے اور سلامتی دل میں
کوئی ان کے مقابل میں نہیں۔ مقربانِ بارگاہ اور کروبیان خاص اور عالم ارواح والے ان کے اس رتبہ
کو نہیں پہنچے اور سابقہ امتوں میں بھی اگرچہ زاہد عابد راغب طالب گذرے اور رب کے چاہنے والے
تھے مگر اس مرتبہ کو کوئی نہ پہنچا۔ سوا اس گروہ کے جو اس امت میں ہو کر اپنے سلوک طریقت میں سب سے
دل منقطع کرکے اپنے دل سے تعلق رکھا

لیکن میرے نزدیک طلب ملامت ریاء خالص ہے۔ اور ریا عین نفاق۔ اس لئے کہ ریاکار اس
رستہ پر چلنا پسند کرتا ہے جس میں عوام کی نگاہیں تکلف پائیں اور لوگ اسے اس راہ پر چلنے کی وجہ
سے پسند کریں۔ اور ملامتی اُس رستہ پر جاتا ہے جس رستہ پر جاتے ہوئے کو لوگ رد کر دیں۔ اور یہ
دونوں قسم کے ملامتی مخلوق میں موجود ہیں

اور دونوں کو سوا اس کے اور کسی جگہ سے گذرنا بھی ناممکن ہے۔ ایک ایسی صورت میں ظاہر ہے
تو دوسرا ویسی شکل میں اور درویش کو مخلوق کی کسی بات سے تعلق ہی نہیں تو جبکہ اس کا دل
مخلوق سے بے تعلق ہو چکا اور وہ ان دونوں قسموں سے آزاد ہے۔ تو پھر کسی چیز کا پابند نہیں۔

مجھے ایک بار ماوراء النہر کے ملامتی سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ تو جب وہ بے تکلف ہو گیا۔ تو
میں نے اُس سے کہا بھائی اس قسم کے شوریدہ افعال سے تمہاری کیا مراد ہے۔ کہنے لگا مخلوق سے

اپنے کو چھپانا۔ میں نے کہا۔ لوگ بہت ہیں اور تیری عمر کم۔ تو زمانہ میں اُن سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا تو خود اُن کو کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ تاکہ اس شغل سے بھی تو آزاد ہو جائے اور ایسے لوگ بہت ہیں کہ لوگوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ لوگ انکی طرف مشغول ہیں۔ تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ تو اپنے کو نہ دیکھ تاکہ پھر تجھے کوئی نہ دیکھے۔

جب زمانہ کی لعنت کی بلا تو نے دیکھی ہوتی ہے تو تجھے غیر سے کیا کام جس کو کچھ نہ کھانے سے ہی شفا مل جاتی ہے۔ اُسے دوا کھانے کی کیا حاجت اور اگر وہ ایسا کر رہا ہے تو مرد نہیں۔

ایک گروہ محض ریاضت نفس کے لئے اپنے کو ملامتی بنا لیتا ہے۔ تاکہ انہیں لوگ خوار کریں اور اس خواری سے اُن کا نفس ادب سیکھے۔ کیونکہ اُن کی خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو خواری اور ابتلا میں دیکھیں۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ کبھی آپ اپنی مراد کو پہنچے ہیں یا نہیں۔ فرمایا ہاں۔ دو بار مراد ملی ہے۔

ایک بار میں کشتی میں تھا اور کوئی مجھے وہاں نہیں جانتا تھا۔ میں نے بہت میلے کپڑے پہن رکھے تھے اور میرے سر کے بال لمبے تھے۔ میں اسی حالت میں کشتی میں تھا کہ لوگ میری تحقیر کرنے لگے اور میرا مذاق اُڑانے لگے۔ اُن لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو تمسخر کرتے کرتے میرے سر کے بال نوچنے کھسوٹنے لگ گیا۔ اور لوگ مجھ سے تمسخر کرتے کرتے میرا اور مذاق اڑانے میں مشغول ہو گئے اور میں اپنے دل میں اس سے خوش تھا اور مراد دل پا رہا تھا۔

ہوتے ہوتے ایک دن میری خوشی اپنی حد کو پہنچی اور وہ اس طرح کہ ایک مسخرے نے مجھ پر اُٹھ کر پیشاب کر دیا۔

دوسری بار اس طرح مراد کو پہنچا کہ تیز بارش ہو رہی تھی اور میں جا رہا تھا۔ کہ ایک گاؤں میں پہنچا۔ سردی کے موسم نے مجھ پر شدت کر رکھی تھی اور میرا خرقہ پانی میں شرابور تھا۔ میں ایک مسجد میں گیا۔ وہاں لوگوں نے مجھے نہ رہنے دیا۔ وہاں سے دو اور مسجدیں دیکھیں۔ مگر وہاں سے بھی مجھے نکال دیا۔ سردی کی وجہ سے میرا دل لرز رہا تھا۔ میں ایک حمام کے چولہے پر گیا اور اپنا خرقہ میں نے اس پر تان دیا۔ اُس بھٹی کا دھواں جو گھسا اُس نے میرے کپڑے اور میرا منہ سیاہ کر دیا۔

اور مجھے بھی (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ کو) ایک دفعہ ایسا واقعہ کہ درپیش تھا اس امید پر بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ واقعہ حل ہو مگر حل نہ ہوا۔ اور ایک دفعہ اس سے پہلے بھی قبل ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ تو میں مزار حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ کا اُس وقت تک مجاور بنا رہا۔ جب تک وہ حل نہ ہوا۔ آخر حل ہو گیا۔
اس دفعہ بھی وہاں کا قصد کیا، اور تین بار مزار پاک کی مجاورت کی تاکہ حل ہو مگر نہ ہوا۔ ہر روز تین بار غسل کئے تیس بار وضو کئے اور امید کشف میں رہا۔ مگر بالکل انکشاف نہ ہوا۔ آخر اُٹھا اور خراسان کا سفر اختیار کیا۔ اس شہر میں ایک شب اس علاقہ کے ایک گاؤں کمس نامی میں اُترا۔ یہاں ایک خانقاہ تھی۔ اور اس خانقاہ پر جماعت متصوفین موجود تھی میں نے خرقہ خشیش یعنی ٹاٹ کا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ اور نہایت تھکا ہوا تھا میرے پاس سامان اہلِ رسم میں سے کچھ نہ تھا۔ سوا ایک عصا اور رکوہ کے یعنی ایک ہاتھ کی لکڑی اور چمڑہ کے رسے کے سوا سامان نہ تھا۔
وہاں کے صوفیوں کی نظروں میں بہت حقیر نظر آیا۔ اور میرا جاننے والا اس جماعت میں کوئی نہ تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر عام رسم کے مطابق آپس میں گفتگو کی کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے۔ اور بات بھی یہی تھی، جو انہوں نے کہی تھی۔ میں فی الواقع اُن میں سے نہیں تھا۔ لیکن میرے لئے لابدی تھا کہ اس شب اُسی جگہ رہوں۔ مجھے انہوں نے ایک بالاخانہ پر بٹھا دیا۔ اور خود بھی اس سے اُوپر نیچے بالاخانہ پر بیٹھ گئے۔
مجھ کو انہوں نے ایک روٹی پھینکدی جو بُس کر سبز رنگ کی ہو چکی تھی میں اس کھانے کی بُو سونگھ رہا تھا جو وہ کھا رہے تھے۔ اور میرے ساتھ طنز آ باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ بالاخانہ پر جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزہ کھانے لگے۔ اور اُس کے چھلکے میرے اوپر پھینکتے رہے اس لئے کہ میں اُن کی نظروں میں بہت حقیر تھا۔ آخر میں نے اپنے دل میں کہا۔ الٰہی اگر یہ لوگ وہ ہیں جو تیرے دوست ہیں۔ تو جانے دوست انہیں کیوں مل گیا یا مجھے ان سے علیحدہ نہ کیا ہوتا غرضکہ جس قدر اُن کی طعن مجھ پر زیادہ ہوتی جاتی تھی میرا دل اندر سے بہت خوش ہو رہا تھا حتیٰ کہ اُن کی طعن وطنز کے بوجھ سے مجھ پر میرا واقعہ حل ہو گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ مشائخ نے ان جاہلوں کو کس لئے اپنے اندر رکھا ہوا ہے اور ان کا بار کیوں اُٹھاتے ہوئے ہیں۔
یہ ہیں احکام ملامت۔ جو پوری تحقیق سے میں نے حاصل کئے۔ بتوفیق الٰہی تبارک و تعالیٰ۔

ساتواں باب

صحابہ کرامؓ

فصل

آب ہم اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احوال بیان کرتے ہیں جو صحابہ کرام کے
پیش رَو اور امام گزرے ہیں۔ اور بعد انبیا سب سے افضل اور معاملات میں سب سے
پیشوا اور انفاس زکیہ میں قواد اور اہل حال کی جماعت میں بعد انبیاء سابقین اولین اور تمام مہاجرین
و انصار سے افضل ترین۔ تاکہ تیری مراد معلومات پوری ہو۔ انشاءاللہ عزّ و جلّ
ان میں سے شیخ الاسلام بعد انبیاء خیر الانام خلیفہ پیغمبر و امام سید اہل تجرید شہنشاہ ارباب تفرید و آفات نفسانی
بعید امیر المومنین حضرت ابو بکر عبداللہ بن عثمان الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی کرامات مشہور ہیں
اور احکام و معاملات میں آپ کے قوی دلائل ہیں اور مسائل و حقائق تصوف میں مشہور۔ آپ کا کچھ حال تصوف کے بیان میں ذکر
کیا گیا اس وجہ میں مشائخ کرام آپ کو پیشوا اور اہل مشاہدہ مانتے ہیں۔ و اس لئے کہ صاحب مشاہدہ جو ہوتا
ہے اس کا حال دوسروں پر کم اور بہت کم منکشف ہوتا ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کی
سخت گیری کی وجہ میں پیشوا مجاہدین مانتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے اور علماء میں مشہور ہے
کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رات کے وقت نماز میں قرآن کریم آہستہ آہستہ تلاوت فرماتے اور
جب سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھتے قرآن کریم بآواز پڑھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم آہستہ تلاوت کیوں کرتے ہو۔ عرض کیا حضور اَسْمِعُ
مَنْ اُنَاجِیْهِ۔ حضور اس لئے آہستہ پڑھتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ جس کی مناجات کر رہا
ہوں وہ مجھ سے غائب نہیں ہے اور اس کی سماعت ایسی ہے کہ اُس کے لئے نزدیک و بعید اور آہستہ

پڑھنا یا بلند آواز سے پڑھنا رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ عرض کیا۔ اُوقِظُ الْوَسْنَانَ اَیِ النَّائِمَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطَانَ۔ "میں سوتے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔"

یہ شان مجاہدات کا مظاہرہ تھا اور وہ شان مشاہدات کا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ مشاہدہ کے اور مجاہدہ اس طرح ہے جیسے قطرہ و دریا ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هَلْ اَنْتَ اِلَّا حَسَنَةٌ مِنْ حَسَنَاتِ اَبِیْ بَکْرٍ۔ "عمر تم ابی بکر کے بھلائیوں میں سے ایک حصہ میں ہو۔" جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر ہستی جن سے عزت و وقار اسلام ترقی پر آیا۔ وہ صدیق اکبر کے مقابلہ میں ایک حصہ بھلائی کے مالک ہیں۔ تو غور کر کے دیکھ دنیا کے لوگ آپ کے مقابلہ میں کس درجہ پر ہوں گے پھر باوجود اس شان کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ دُنْیَانَا فَانِیَةٌ وَاَحْوَالُنَا عَارِیَةٌ وَاَنْفَاسُنَا مَعْدُوْدَةٌ وَکَسْلُنَا مَوْجُوْدَةٌ "ہمارا گھر فانی ہے۔ ہمارے حالات پرائے ہیں اور ہمارے گنتی کے سانس ہیں۔ اور ہماری سستی بدستور موجود ہے۔"

تو سرائے فانی میں دل لگانا عمارت کرنا جہالت کے مقتضیات سے ہے اور اپنے حالات و کوائف پر بھروسہ کرنا حماقت و بیوقوفی ہے۔ اور چند سانس کے بھروسہ پہ دل لگا لینا غفلت محض ہے اور اپنی کاہلی اور سستی کو دین کہنا خیانت مجرمانہ ہے۔ جو موجب حرمان و نقصان ہے۔

اس لئے کہ جو چیز عاریتہ آئے وہ یقیناً واپس جائے گی اور جو چیز گذرنے والی ہے اور فانی ہے وہ کبھی رہ نہیں سکتی۔ اور جو گنتی کے ساتھ ہی وہ ضرور ختم ہوگی اور کاہلی سستی اس کی دوا معدوم ہے۔ اس فرمان میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہمیں ہوشیار فرمایا۔ کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان سے دل لگایا جائے۔ اس لئے کہ جو مشغول بہ فانی ہوگیا۔ وہ باقی کے ساتھ محجوب ہو جائے گا۔

تو جب دنیا اور نفس امارہ طالب حق کے لئے زبردست حجاب ہیں۔ تو تجھے لازم ہے کہ اُن سے اعراض کرے اور جب یہ جان لیا کہ عاریتہ جو چیز ملتی ہے وہ دوسرے کی ملک ہوتی ہے۔ تو جو چیز کسی اور کے ملک ہے اُس سے اپنا دست تصرف کوتاہ رکھنا ہی مناسب ہے۔

اور ایسا ہی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ نے اپنی دعاؤں میں فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اُبْسُطْ لِیْ

الدُّنْيَا وَزَهِّدْنِي فِيهَا۔" الٰہی میرے لئے دنیا فراخ فرمادے اور مجھے دنیا سے زاہد رکھ۔ یعنی جب مجھ پر دنیا فراخ ہو جائے تو مجھے اس کی آفتوں سے محفوظ رکھ۔ اس دعا کے ضمن میں ایک رمز ہے۔ یعنی پہلے مال عطا فرما تاکہ اس کا شکر ادا کروں۔ پھر ایسی توفیق دے کہ تیرے لئے اس سے ہاتھ کھینچ لوں۔ اور اس سے مستغنی ہو کر منہ پھیر لوں۔ تاکہ مجھے شکر گذاری اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے اور درجہ صبر بھی آنا عطا فرما کہ بحالت فقر مضطر نہ ہو جاؤں تاکہ میرا فقر اختیاری ہو۔ اس میں پھر معاملت کا قول درست ثابت ہوتا ہے جو کہ فرمایا ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو۔ وہ مصنوعی ہے اور جس کا فقر اختیاری ہو۔ وہ وہ ہے کہ اس کا یہ کسب فقر جلب فقر سے منقطع ہوتا ہے تو وہ فقر اس سے بہتر ہے جو بہ تکلف اپنے لئے کوئی درجہ بنائے۔

ہم کہتے ہیں کہ فقر کی صفت زیادہ تر ظاہر جب ہو سکتی ہے۔ جبکہ بحالت غنا ارادہ فقر اس کے دل پر مستولی ہو اور اس حد تک اس ارادہ کو عملی جامہ پہنائے کہ ابنائے بنی آدم کی تمام مرغوب چیزوں سے دل کا رجحان ہٹ لے اور تمام مرغوب انسان اشیا کے مجموعہ کا نام دنیا ہے۔ نہ یہ کہ بحالت فقر غنا کی خواہش اس کے دل پر مستولی ہو۔ اور اس حد تک دنیا حاصل کرنے میں سعی کرے کہ حصول درہم و دینار کیلئے بارگاہ امراء و سلاطین پر جبہ سائی کرتا پھرے۔

تو اچھی طرح سمجھ لو کہ صفت فقر یہ ہے کہ وہ غنا سے فقر کی طرف آئے۔ نہ یہ کہ بحالت فقر طالب ریاست ہو جائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہستی مبارک وہ ہستی ہے کہ اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ ہیں۔ ان سے آگے بڑھ کر کسی کو قدم اٹھانا روا نہیں (اور وہ ایسے الفاظ میں دعا فرما چکے ہیں جو پہلے گذر چکی) اس لئے اختیاری فقر پر اضطراری فقر کو مقدم کرنا کسی طرح صحیح نہیں اور تمام مشائخ متصوفہ اسی مذہب پر ہیں۔ مگر ایک پیر جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور اس کے محبت دلائل نقل کر کے اس کا رد بھی کر دیا ہے۔ اور اس رد کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اور مؤکد کرتے ہیں۔ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فرمان کو زہری نے روایت کیا ہے۔ یہ دلیل واضح ہے۔

کہ جب آپ نے خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔ آپ ممبر پر جلوہ آرا ہوئے اور خطبہ پڑھا

خطبہ میں آپ نے فرمایا۔ وَاللّٰہِ مَاکُنْتُ حَرِیْصًا عَلَی الْاِمَارَۃِ یَوْمًا وَلَا لَیْلَۃً وَلَا کُنْتُ فِیْھَا رَاغِبًا وَلَا سَأَلْتُھَا اللّٰہَ قَطُّ سِرًّا وَعَلَانِیَۃً وَمَالِیْ فِی الْاِمَارَۃِ مِنْ رَاحَۃٍ ۔ "خدا کی قسم میں اس خلافت و امارت کا حریص نہیں ہوں اور نہ تھا اور کسی رات دن میں اس کی خواہش میرے دل میں نہیں ہوئی اور میری رغبت اس کی طرف نہیں اور نہ میں نے کبھی اللہ تعالٰے کے حضور خفیہ و علانیہ اس کے لئے دعا کی اور مجھے اس میں کوئی راحت و خوشی نہیں ۔"

حقیقت حال یہ ہے کہ جب اللہ تعالٰی اپنے بندہ صادق کو کمال صدق پر پہنچا دیتا ہے اور درجۂ تمکین کے ساتھ معزز و ممتاز بنا دیتا ہے ۔ تو وہ کسی معاملہ کو اپنے اختیار میں نہیں رکھتا ۔ بلکہ منتظر ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی کی طرف سے کیا حکم وارد و صادر ہوتا ہے ۔ پھر اگر صدور حکم ہوتا ہے کہ فقیر بن کر رہ تو فقیری پسند کر لیتا ہے اور حکم آتا ہے کہ امارت پر متمکن ہو تو امیر بن جاتا ہے ۔ کسی معاملہ میں اُسے اپنے اختیارات کا تصرف و اختیار نہیں ہوتا نہ وہ خود کسی معاملہ میں تصرف کرنا چاہتا ہے ۔ جیسا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے ابتداء میں بھی تسلیم ہی اختیار فرمائی اور انتہا تک اسی تسلیم و رضا کے محور پر رہے چنانچہ تسلیم و رضا کے مسئلہ میں جتنے بعد میں ہوئے سب کے سب اُسی ہستی کو اپنا امام و پیشوا مانتے چلے آ رہے ہیں اور آپ تمام ارباب تسلیم و رضا کے امام اور اہل طریقت کے پیشوا خاص ہیں رضی اللہ تعالٰے عنہ ۔

اور انہیں اجلہ صحابہ میں سے سرہنگ اہل ایمان صعلوک ارباب احسان امام اہل التحقیق در بحر محبت غرق یعنی سردار اہل ایمان پیشوائے ارباب احسان امام اہل تحقیق محبت کے دریا میں غریق ابو حفص سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے کہ آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں ۔ اور آپ کی فراست و سیاست علم میں مذکور ہے ۔ بلکہ احکام دین کا تشدد اور سیاسات اسلامی کا تفرس آپ کا ضرب المثل ہے ۔ آپ کی باریک طبعی لطائف طریقت میں اور آپ کے مسائل دقیقہ معانی تصوف میں مشہور ہیں ۔ بلکہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ ۔ "حق زبان عمر پہ کلام فرماتا ہے ۔"

اور فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ کَانَ فِی الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ مِنْھُمْ فِیْ اُمَّتِیْ فَعُمَرُ رضی اللہ تعالٰی ۔ "پہلی امتوں میں محدث تھے اور اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہی ہے ۔"

آپ کی طرف سے طریقت میں بجد رموز و لطائف مذکور ہیں حتیٰ کہ اُن سب کا احصاء و احاطہ اس کتاب میں نہیں ہو سکتا۔ تاہم بعض اُن میں سے نقل کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اَلْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِنْ خُلَطَاءِ السُّوْءِ "گوشہ نشینی موجب راحت ہے بُرے ہمنشیں و مصاحبین کے اندر رہنے سے۔"

عزلت دو قسم کی ہے۔ ایک اعراض از مخلوقات دوسرے انقطاع اس مخلوقات سے۔ خلقت سے منہ موڑنا یہ صورت ہے کہ کسی علیحدہ مقام میں جا بیٹھے اور علانیہ طور پر صحبت ابنائے جنس سے بیزار ہو جائے اور اس تخلیہ میں بیٹھ کر اپنے عیوب کی نگرانی کرے اور اپنے لئے مخالطت اغیار سے اتنی خلاصی چاہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ہر قسم کی بدی سے مامون کر دے۔

لیکن مخلوق سے انقطاع دل سے ہوتا ہے اور اس تعلق دل کی صفت اس شان کی ہوتی ہے کہ اسے ظاہر سے قطعاً تعلق نہیں ہوتا۔

اور جب انقطاع دل کے ساتھ مخلوق سے ہو جائے تو اس کے دل پر اندیشہ مخلوق مستولی رہتا ہے۔ اس وقت اس کی یہ شان ہوتی ہے کہ اگرچہ مخلوق میں ہو۔ مگر مخلوق سے تنہا ہی ہوتا ہے اور اس کی توجہ مخلوق سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے۔ اور یہ مقام نہایت بلند ہے اور ہر ایک کے لئے یہ شان بہت بعید ہے۔ اس راہ میں صحیح اُترنے والے اور اس صفت کے صحیح موصوف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ کہ آپ نے تخلیہ کی راحت کا پتہ دیا۔ اور بظاہر لوگوں میں منصب امارت اور تخت خلافت پر جلوہ فرما تھے۔

اور یہ دلیل واضح ہے کہ اہل باطن اگرچہ بظاہر مخلوق میں شامل ہوتے ہیں مگر اُن کا دل اپنے جلیل حقیقی کے ساتھ آویختہ ہوتا ہے بلکہ ہر حال میں حق جل علاشانہٗ کی طرف رجوع رہتے ہیں۔

اور جس قدر مخلوقات سے اُن کی صحبت ہو۔ اُسے من جانب اللہ ایک بلا تصور کرتے ہیں اور مخلوق کی طرف اس مجبوری سے رجحان کر لیتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ محبوبان الٰہی دنیا سے قطعی طور پر صاف نہیں ہو سکتے اور یہ اگرچہ انہیں گوارا نہیں جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ دَارٌ اُسِّسَتْ عَلَى الْبَلْوٰى بِلَا بَلْوٰى مُحَالٌ "وہ جس گھر کی بنیاد بلا پر رکھی گئی۔ محال ہے کہ وہ بلا سے خالی ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجلۂ صحابہ خاص اصحاب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ اور اس پایہ کے مقبول بدرگاہ لم یزل ہیں کہ آپ کے تمام افعال بارگاہ ایزدی میں مقبول ہیں حتیٰ کہ جب آپ مشرف بہ اسلام ہونے آئے تو پہلے جبریل بشارت لائے اور عرض کی یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَيْكَ قَدِ اسْتَبْشَرَ أَهْلُ السَّمَاءِ الْيَوْمَ بِإِسْلَامِ عُمَرَ "حضور آج ملائکہ کو عمر کے اسلام کا مژدہ ملا ہے" تو اس طائفہ صوفیاء میں خرقہ پوشی باقتدار عمر فاروق رضی اللہ عنہ جاری ہے اور صوفیائے کرام کا مذہب میں سخت اور متصلب ہونا بھی اُسی ہستی مقدس کے پیروی میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ بعد اسلام سب باتوں میں امام خلق ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُنہیں اجلۂ صحابہ میں سے اَنْجَدُ وَفَا۔ بدرگاہ رضا گنج حیا، اَعْبَدُ اہل صفا متعلق درگاہ کبریاء متجلّے بطرائق مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ابو عمرو حضرت عثمان بن عفان باحیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

آپ کا وجود باجود نوامیدین میں اظہر من الشمس ہے اور مقاصد اسلامی میں آپ کی فضیلت روشن ہے اور آپ کے مناقب ہر شان میں عام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حرب الدار کے روز (یعنی جس دن بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تھا) ہم امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے جب بلوائی بارگاہِ عثمانی میں جمع ہو گئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اُٹھائے اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے۔ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو میرا غلام ہتھیار اُٹھانے سے رکا ہے وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ ہم خوف بلوہ کی وجہ سے باہر آئے تو راستہ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہمیں ملے۔ اُن کی ہمراہی میں ہم پھر واپس حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر آئے۔ تاکہ ہمیں اس امر کا علم ہو جائے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بعد سلام سنت الاسلام بلوائیوں کی شرارت پر اظہار افسوس فرماتے ہوئے اجازت چاہی کہ ان بلوائیوں کو ان کی کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور کہا کہ چونکہ آپ ہمارے سچے امام ہیں لہذا آپ کی بلا اجازت ہمیں تلوار اٹھانا روا نہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے اجازت حاصل کریں پھر ان بلوائیوں کے فتنہ کو مٹائیں۔

امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یَا ابْنَ اَخِیْ اِرْجِعْ وَاجْلِسْ فِیْ بَیْتِكَ حَتّٰی یَاتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِیْ اِهْرَاقِ الدِّمَاءِ۔ اے بھتیجے آپ تشریف لے جاؤ اور گھر میں آرام کرو حتیٰ کہ حکم الٰہی جو پردۂ تقدیر میں ہے آجائے۔ ہمیں مسلمانوں کا خون بہانا اُن پر قتل کا بازار گرم کرنا زیبا نہیں نہ ایسے کاموں سے ہمیں سروکار ہے۔

یہ علامت خاص تسلیم و رضا کی تھی کہ عین کربت و غربت اور درد و بلا کی حالت میں ظاہر ہوئی اور یہ وہ درجہ خلت ہے جو نمرود علیہ اللعنۃ کی آگ دھکانے کے وقت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا کہ جب منجنیق کے پلے میں آپ کو ڈال کر آگ کی طرف پھینکا گیا۔ تو جبریل امین حاضر آئے اور عرض کی هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ۔ کیا اس وقت کوئی آپ کو حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا۔ جبریل تمہاری طرف میری کوئی حاجت نہیں جبریل نے عرض کی حضور اگر میری طرف کوئی حاجت نہیں تو معطی حقیقی رب جل مجدہ کے حضور اپنی حاجت پیش فرما دیں فرمایا حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ۔ مجھ کو وہ جانتا ہے کہ اس وقت مجھ پر کیا ہو رہا ہے اور وہ مجھ سے دانا ہے وہ عالم ہے کہ میرے لئے کس حال میں صلاحیت ہے اور کیا چیز میرے حق میں مفید ہے۔

تو ثابت ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس مقام پر مقام خُلّت ابراہیم علیہ السلام پر تھے اور منجنیق اور اجتماع بلوائیاں بجائے آگ کے تھا اور حسن رضی اللہ عنہ بجائے جبریل حاضر تھے۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام عین بلا میں جا کر نجات پا چکے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس بلا میں ہلاک ہو گئے۔ ان کی وجہ یہ ہے کہ نجات متعلق بہ بقا ہے اور ہلاک متعلق بہ فنا۔ اس حقیقت کے متعلق ہم کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تو انفاق مال و ہدیہ جان اور تسلیم امر و اخلاص میں مشائخ طریقت حضرت امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متبع ہیں۔ اور وہ یقیناً شریعت و حقیقت میں سچے امام تھے اور اُن کی تعلیم اور محبت اسلامی میں اظہر من الشمس ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور انہی میں برادر مصطفےٰ غریق بحر بلا حریق نار ولا مقتدا اولیا و اصفیا ابوالحسن علی بن ابی طالب شیر خدا کرم اللہ وجہہ ہیں۔ ان کی شان جادۂ طریقت میں بڑی بلند و اعلیٰ ہے۔ اور بیان حقیقت میں ان کی باریک بینی بہت بلند ہے آپ کا اصول حقائق میں خاص حصہ تھا

حتیٰ کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ کی شان میں فرماتے ہیں۔ شَیْخُنَا فِی الْاُصُوْلِ وَالْبَلَاءِ عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یعنی اصول عشق و محبت اور راضی برضا مالبلی کے ماہر ہمارے شیخ و امام حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔ گویا صاف فرما رہے ہیں کہ علم معاملات طریقت میں ہمارے امام علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اور اصول اصطلاح صوفیا میں علم تصوف و طریقت کو کہتے ہیں اور طریقت میں عمل خاص ہوتا ہے وہ بلاؤں کا برداشت کرنا ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر آکر عرض پیرا ہوا کہ یا امیرالمومنین مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ لَا تَجْعَلَنَّ اَكْبَرَ شُغْلِكَ بِاَهْلِكَ وَوَلَدِكَ فَاِنْ يَّكُنْ لَا هْلِكَ وَوَلَدُكَ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَوْلِيَاءَهٗ فَاِنْ كَانُوْا اَعْدَاءَ اللّٰهِ فَمَا اَهْلُكَ وَشُغْلُكَ لِاَعْدَاءِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔ یاد رکھو کہ اپنی مشغولیت کو بیوی بچوں میں اہمیت کے ساتھ نہ رجوع کرنا اس لئے کہ اگر وہ اولیاء اللہ سے ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو خراب اور ضائع نہیں فرماتا۔ اور اگر دشمن خدا ہوئے تو دشمنان خدا کے لئے غمخواری و ہمدردی کیوں ہو۔

یہ مسئلہ انقطاع ماسوی اللہ سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جس طرح چاہے رکھتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر کو سخت تنگ حالت میں چھوڑ دیا اور سپرد خدا کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہمراہ لے جا کر ایسے جنگل میں چھوڑا جہاں زراعت وغیرہ بھی نہ تھی۔ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ جس کی شان میں ارشاد باری ہے اور خدا کے سپرد کر دیا اور ان میں اپنے کو مشغول نہ کیا اور اپنا دل اپنے رب حقیقی کی طرف رجوع کر لیا حتیٰ کہ ان دونوں کی مراد دو جہان میں پوری ہوئی تاکہ بظاہر انہیں بحالت نامرادی میں چھوڑا گیا تھا۔ مگر وہ اپنے سب کام اپنے رب عزوجل کے سپرد کئے ہوئے تھے

اسی قسم کی بات وہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک پوچھنے والے کو فرمائی جبکہ آپ سے اس نے سوال کیا کہ پاکیزہ تریں عمل کیا ہے فرمایا۔ غِنَاءُ الْقَلْبِ بِاللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ساتھ دل کا ہر شئے سے مستغنی ہو جانا حتیٰ کہ دنیا کے نہ ہونے سے فقیر نہ ہو اور مال کی کثرت کی وجہ

میں مسرور نہ ہو۔ اس قول کی حقیقت اسی فقر و صفوت کی طرف جاتی ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔
تو اہل طریقت حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی پیروی حقائق عبارات و دقائق اشارات میں
کرتے ہیں۔ اور تجرید علوم دنیا و آخرت سے حاصل کرنے اور نظارہ تقدیر حق میں رہنا بھی انہیں کی
اطاعت کے ماتحت ہے۔ اور لطائف کلام میں آپ کے معنی میں اس قدر ہیں کہ ان کی گنتی نہیں ہو
سکتی۔ اور اس کتاب میں میرا رویہ اختصار پر ہے۔ واللہ اعلم۔

آٹھواں باب

اہل بیتؓ

اہل بیت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہ پاک ہستیاں ہیں کہ اُن کیلئے پاکی ازلی اُن کی ذات کے واسطے مخصوص ہے اور ان میں ہر ایک طریقت میں کامل اور مشائخ طریقت کے امام ہیں۔ عام اس کہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے۔ میں ان کے ایک گروہ کا کچھ بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

امام حسن سید الشہدا

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان میں سے جگر بند مصطفےٰ وریحان دل مرتضیٰ قرۃ العین زہراؓ ابو محمد حسن بن علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ ان کو طریقت میں نظر کامل عطا ہوئی اور تصوف کے مسائل حل کرنے اور اس کے دقائق بیان فرمانے میں آپ کو بڑا حصہ ملا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِحِفْظِ السَّرَائِرِ فَإِنَّ اللّٰهَ مُطَّلِعٌ عَلَى الضَّمَائِرِ "تمہیں اپنی اندرونی اسرار کا محفوظ رکھنا لازمی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ضمیروں کے راز کا جاننے والا ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو حکم ہے کہ راز کے معاملات پر نگاہ رکھے۔ اور اس کی محافظت بھی کرتا رہے۔ تو رازِ الٰہیہ کا نگاہ رکھنا عدم التفات بالاغیار کو مستلزم ہے۔ اور اظہار راز کی محافظت کرنا ممانعت جبار کو مستلزم ہے۔

کہتے ہیں کہ جب قدریوں نے غلبہ پایا اور مذہب معتزلہ (یعنی منکرین علم بطون) جہان میں پھیلا تو خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت مولائے کائنات شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس میں یہ مرقوم تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقُرَّةَ عَيْنَيْهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّكُمْ مَعَاشِرَ بَنِيْ هَاشِمٍ كَالْفُلْكِ الْجَارِيَةِ

فِی بُحُورِ لُجِّیٍ وَمَصَابِیحُ الدُّجیٰ وَاَعلَامُ الْهُدیٰ وَالْاَئِمَّۃُ الْقَادَۃُ الَّذِیْنَ مَن تَبِعَهُمْ نَجَا کَسَفِیْنَۃِ نُوحٍ الْمَشْحُونَۃِ الَّتِی یَئُولُ اِلَیْهَا الْمُؤْمِنُونَ وَیَنْجُوْ فِیْهَا الْمُتَمَسِّکُوْنَ فِیْ قَوْلِکَ یَا ابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ عِنْدَ حَیْرَتِنَا فِی الْقَدْرِ وَاخْتِلَافِنَا فِی الْاِسْتِطَاعَۃِ لِتُخْبِرَنَا بِمَا تَآکَّدَ رَأْیُکَ فَاِنَّکُمْ ذُرِّیَّۃٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ بِعِلْمِ اللّٰهِ عَلِمْتُمْ وَهُوَ الشَّاهِدُ عَلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلَی النَّاسِ وَالسَّلَامُ۔

یعنی سلام ہو آپ پر اے فرزند سرورِ عالم اور نورِ چشم رسول اور خدا کی رحمت اور اُس کی برکتیں آپ پر ہمیشہ رہیں۔ آپ لوگ بنی ہاشم ہمارے لئے مثل ایسی کشتی کے ہیں جو موجزن دریا تلاطم میں چل رہی ہو۔ اور آپ وہ ستارے ہیں کہ جو اُن کی پیروی اور راہ نمائی کے مطابق چلا اس کو راہ مل گئی اور جو آپ لوگوں کی پیروی کرے گا نجات پائیگا جس طرح کشتی نوح علیہ السلام کے پیرو نجات پا گئے۔ اور مومن ہو گئے۔ فرمایئے آپ کا کیا ارشاد ہے اے ابن رسول اللہ ہمارے اس تحیر میں جو قدر یول کی وجہ سے پیدا ہوا اور وہ اختلاف جو اپنی اپنی معلومات کے ماتحت پیدا ہو گیا ہے۔

تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ اس وقت آپ کا کیا مسلک ہے۔ اس لئے کہ آپ اہل بیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا علم تعلیم الٰہی سے منقطع نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ذات پاک آپ کی نگہداشت و محافظت میں ہے اور آپ مخلوقات کے محافظ ہیں اور اُن کے گواہ والسلام۔

جب یہ نامہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ملا۔ آپ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو یہ جواب ارقام فرمایا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَنْتَهٰی اِلَیَّ کِتَابُکَ عِنْدَ حَیْرَتِکَ وَحَیْرَۃِ مَنْ زَعَمْتَ مِنْ اُمَّتِنَا وَالَّذِی عَلَیْهِ رَأْیِی اِنَّ مَنْ لَمْ یُؤْمِنْ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ حَمَلَ الْمَعَاصِیَ عَلَی اللّٰهِ فَقَدْ فَجَرَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُطَاعُ بِاِکْرَاهٍ وَلَا یُعْصٰی بِغَلَبَۃٍ وَلٰکِنْ یُهْمِلُ الْعِبَادَ فِیْ مُلْکِهٖ اَلْمَالِکُ لِمَا مَلَّکَهُمْ وَالْقَادِرُ عَلٰی مَا عَلَیْهِ مَا قَدَّرَهُمْ فَاِنْ ائْتَمَرُوْا بِالطَّاعَۃِ لَمْ یَکُنْ صَادًّا وَلَا مُثَبِّطًا عَنْهَا مُثَبِّطًا وَاِنْ اَتَوْا بِالْمَعْصِیَۃِ وَشَاءَ اَنْ یَمُنَّ عَلَیْهِمْ فَیَحُوْلُ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَهَا فَعَلَ وَاِنْ لَمْ یَفْعَلْ فَلَیْسَ هُوَ حَمَلَهُمْ عَلَیْنَا اِجْبَارًا وَلَا اَلْزَ اِکْرَاهًا اِیَّاهَا بِاحْتِجَاجِهٖ عَلَیْهِمْ اِنْ عَرَّفَهُمْ وَمَکَّنَهُمْ

وَجَعَلَ لَهُمُ السَّبِیْلَ اِلٰی اَخْذِہِمَا وَمَا ھُمْ اِلَیْہِ وَتَرَکَ مَا نَہَاھُمْ عَنْہَا وَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ وَالسَّلَام ۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ آپ کی کتاب یعنی تحریر مجھے ملی ۔ اس میں جو آپ نے اپنی حیرت کے متعلق لکھا ہے اور جو ہماری اُمت کے متعلق مسئلہ قدر میں لکھا ہے اور اس کی بابت ہماری رائے مستقیم یہ ہے کہ جو شخص تقدیر خیر و شر من اللہ پر ایمان نہ لائے ۔ وہ کافر ہے اور جو اپنے افعال معصیت کو خدائے جل مجدہٗ کی مشیت کی طرف منتسب کرے وہ فاجر یعنی انکار قدر و تقدیر کرنا مذہب قدریہ ہے ۔ اور اپنے برے افعال اور گناہوں کو مشیت الٰہی کی طرف منسوب کرنا مذہب جبریہ ہے ۔ اس لئے کہ بندہ کو مختار کیا گیا ہے ۔ اس کے افعال و اکتساب میں اس کی استطاعت و قوت کی حد تک اور یہ اختیار من جانب اللہ عطا ہوا ہے ۔ اور ہمارا دین قدر و جبر کے درمیان ہے اور میری مراد اس نامہ میں جو کچھ میں نے ظاہر کی اس سے زائد ایک کلمہ نہیں ہے ۔ لیکن کچھ اور الفاظ اس لئے لکھتا ہوں تاکہ مضمون زیادہ واضح اور فصیح ہو جائے ۔ اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حقائق اور اصول علم میں اتنے بلند درجہ پر تھے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف علوم میں بہت مبالغہ کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے اور حکایتوں میں میں نے دیکھا ہے کہ جنگل سے ایک اعرابی آیا اور حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اس وقت کوفہ میں ایک مکان کے دروازہ پر تشریف فرما تھے ۔ اس نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے سب و شتم کے ساتھ مکالمہ شروع کر دیا اور اتنا بڑھا کہ آپ کے آباؤ اجداد کرام کی شان میں بھی بکنے لگا ۔ حضرت امام نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اسے فرمایا کہ میاں اعرابی تم مجھے بھوکے معلوم ہوتے ہو یا پیاسے یا تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہوئی ہے اس نے جواب میں اور سخت کلام شروع کر دی حتیٰ کہ بکنے لگا ۔ تم ایسے تمہاری والدہ ایسی تمہارے باپ ایسے ۔ امام سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے خادم کو حکم دیا کہ چاندی کا کوزہ اندر سے لائے وہ لایا آپ نے وہ کوزۂ نقرئی اسے عطا فرمایا اور کہا میاں معاف کرو ۔ اس وقت ہمارے پاس یہ ہی تھا ۔ ورنہ اور کچھ خدمت گری کرنے میں دریغ نہ تھا ۔ اعرابی نے جب یہ لفظ سنے اور جب یہ سخاوت دیکھی تو پکارا تھا اَشْہَدُ اَنَّکَ اِبْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ میں گواہی دیتا ہوں ۔ بیشک آپ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ اور میں صرف آپ کے حلم و کظم غیظ کے تجربہ کیلئے حاضر آیا تھا ۔ اور یہ صفت محققان مشائخ کی ہے کہ مدح و ذم خلائق ان کی نزدیک یکساں ہوتی ہے اور وہ لوگ کسی کلمہ سخت سے

شست سے اپنی حالت متغیر نہیں کرتے۔

امام حسین سید الشہداء

رضی اللہ عنہ۔ انہیں میں سے شمع آل محمد از علائق خلائق مجرد سید زمانہ خود ابو عبد اللہ حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ جو محققان اولیاء کرام سے ہیں اور قبلہ اہل صفا، قتیل دشتِ کربلا ہیں۔ اور شہزادہ گلگون قبا ہیں۔

اس قصہ میں محققین صحیح حالات کے ماتحت متفق ہیں کہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے اُس وقت تک اُن پر تلوار نہیں اُٹھائی جب تک وہ کچھ بھی مائل بحق تھے اور اتباع کی طرف جھکے رہے جبکہ احقاق حق اُن سے مفقود و معدوم ہوگیا۔ اُن پر شمشیر کھینچی حتیٰ کہ جانِ عزیز کو فدائے بارگاہِ الٰہی کر دیا۔ اور جب تک جان فدا نہ فرما دی۔ آپ نے آرام نہ فرمایا۔ آپ میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کے بہت سے ایسے نشان تھے کہ آپ کی ذاتِ مقدس ہی اُن نشانوں میں مخصوص تھی۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں دربارِ رسالت میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ حضور نے سیدنا امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو اپنی پشتِ اقدس پر سوار کر رکھا تھا۔ اور ایک ڈوری اپنے دہن مبارک میں سے نکال کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک میں دے رکھی تھی۔ اور امام حسین ہانک رہے اور حضور اپنے گھٹنوں سے تشریف لے جا رہے تھے۔ تو جب میں نے یہ شان دیکھی تو عرض کیا۔ نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ۔ اے ابو عبد اللہ آپ نے سواری تو بہت عجیب پائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَنِعْمَ الرَّاكِبُ يَا عُمَرُ۔ عمر سوار بھی تو ایسے اچھے ہیں۔

اس گفتگو میں بہت لطیف باتیں اور اہل طریقت کے لئے بہت سے رموز ہیں۔ اور عجیب و غریب معاملات ظاہر ہیں۔ انہیں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَشْفَقُ الْاِخْوَانِ عَلَيْكَ دِيْنُكَ۔ شفیق ترین تیرا بھائی تیرا دین ہے" اسلئے کہ نجات انسان کی متابعت دین میں ہے اور اس کی ہلاکت مخالفت دین میں۔ تو انسان کو چاہیئے کہ اپنے شفیق کے حکم کے ماتحت چلے اور اس کی شفقت کا سایہ اپنے اوپر سمجھے اور اس کی پیروی بغیر کسی طرف نہ جائے۔

اور بھائی وہی ہے کہ نصیحت کرتا ہے اور شفقت و محبت میں اس کا پابند ہے بعض ایک حکایت میں ہے کہ ایک روز ایک شخص حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے ابن رسول اللہ میں غریب و مفلس عیالدار ہوں۔ مجھے آپ کی طرف سے آج شب کے کھانے کا انتظام ہونا چاہیئے آپ نے فرمایا بیٹھ جا ہمارا وظیفہ راستہ میں ہے، آجائے تو تجھے دیں۔

تھوڑی دیر نہیں گذری کہ پانچ تھیلیاں دینار کی لائی گئیں۔ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے آئی تھیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔ لانے والے نے کہا حضور معاویہ معافی چاہتے ہیں۔ اور ان کی خواہش ہے کہ یہ رقم غرباء میں تقسیم فرمادیں۔ آپ نے وہ تھیلیاں اُسی سائل کو دیدیں۔ اور معذرت فرمائی۔ کہ تجھے انتظار میں بہت دیر ٹھہرنا پڑا۔ اگر اتنی سی رقم کا مجھے گمان ہوتا تو تجھے اس قدر زحمت کش انتظار نہ بناتا۔ ہمیں معاف کر اس لئے کہ ہم اہل بلا سے ہیں۔ اور ہم نے جملہ عیش دنیاوی سے انقطاع کرلیا ہے اور اپنی تمام تمنا اور آرزوئیں مٹادیں ہیں۔ اور دوسروں کی تمنا پوری کرنے میں عمر وقف کر دی ہے۔

علاوہ اس کے آپ کے بہت سے ایسے فضائل ہیں جو اُمت کے کسی فرد سے پوشیدہ نہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہٗ

انہیں میں سے وارث نبوت چراغ امت سید مظلوم امام محروم زین عباد شمع اوتاد ابوالحسن علی بن الحسین ابن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جو اکرم و اعبد اپنے زمانہ کے لوگوں میں گذرے۔ آپ بیان حقائق اور انکشاف دقائق میں لوگوں کے اندر مشہور تھے۔ آپ سے لوگوں نے پوچھا حضور دنیا و آخرت میں نیک بخت کون شخص ہو سکتا ہے فرمایا۔ مَنْ اِذَا رَضِیَ لَمْ یَحْمِلْهُ رِضَاهُ عَلَى الْبَاطِلِ وَاِذَا سَخِطَ لَمْ یُخْرِجْهُ سَخَطُهٗ مِنَ الْحَقِّ۔ وہ شخص دارین میں نیک بخت ہو سکتا ہے جو جب خوش ہو تو باطل پر نہ ہو اور جب غضبناک ہو تو اُس کا غصہ اسے حق سے باہر نہ کرے۔

اور یہ صفت اُسی میں ہو سکتی ہے جو اپنے اوصاف کمال میں استقامت حاصل کر چکا ہو اس لئے کہ رضا بالباطل باطل ہے۔ اور غضبناکی میں حق بصداقت کا ہاتھ سے چلا جانا اور خشمگینی کی حالت میں انصاف کا خون کر دینا بھی باطل ہے اور مومن کامل باطل کو اختیار کرنے والا کسی حالت

میں نہیں بن سکتا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لخت جگر حضرت امام حسین سید الشہدا رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید کیا۔ تو تمام کے شہید ہو جانے کے بعد سوائے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے مخدرات عصمت کی نگرانی کو کوئی نہ تھا اور آپ اس وقت بیمار تھے حضرت شہزادہ گلگوں قبا امام حسین سید الشہدا رضی اللہ عنہ آپ کو علی صغر کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

جب مریم عفت پناہ کے قافلہ کو اونٹوں پر سر برہنہ بے پردہ دمشق لایا گیا اور یزید بن معاویہ عَلَیْہِ مَا یَسْتَحِقُّ اَخْزَا اللّٰہُ دُوْنَ اَبِیْہِ کے روبرو پیش کیا گیا تو کسی نے حضرت زین العابدین سے عرض کی۔ کَیْفَ اَصْبَحْتُمْ یَا عَلِیُّ وَیَا اَہْلَ بَیْتِ الرَّحْمَۃِ۔ اے علی اور اے اہل بیت رحمت آپ لوگوں نے آج کیسی صبح فرمائی۔ آپ نے فرمایا۔ اَصْبَحْنَا مِنْ قَوْمِنَا بِمَنْزِلَۃِ قَوْمِ مُوْسٰی مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَاۗءَھُمْ فَلَا نَدْرِیْ صَبَاحَنَا بَیْنَ مَسَاۗئِنَا وَھٰذَا مِنْ حَقِیْقَۃِ بَلَاۗئِنَا۔ ہماری صبح ہماری قوم کے ظلم و جور سے ایسی ہوئی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی صبح ظلم فرعون سے ہوتی کہ قوم موسیٰ علیہ السلام کے بچوں کو ذبح کرتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم اس وقت اپنی صبح کو شام کے مابین نہیں جانتے۔ ہمارے امتحان و ابتلا کی یہ حقیقت ہے اور ہم اپنے رب ذوالجلال کا شکر ہر حال میں بھی ادا کر رہے ہیں اور اسکے امتحان پر صبر کر رہے ہیں۔

ایک حکایت یہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان ایک سال حج کے لئے آیا اور طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر استلام حجر اسود کو چلا۔ مگر انبوہ خلق کی وجہ سے اسے راستہ نہ ملا خدام ادب نے اس کے لئے کرسی لگا دی۔ وہ بیٹھا اور خطبہ کرنے لگا۔ اسی اثنا میں حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو آپ کے رخ کے اندر سے چاند کی طرح روشنی پھیل رہی تھی اور رخسارۂ مبارک سے نور تاباں تھا اور لباس معطر کے عطر بیزی سے راستہ مہک گیا اول آپ نے طواف بیت فرمایا پھر جبکہ آپ حجر اسود کے پاس پہنچے تو لوگوں نے آپکو تشریف لاتے دیکھ کر فی الفور تعظیماً راستہ صاف کر دیا اور آپ بہ آسانی حجر اسود کے بوسہ کو تشریف لے گئے ہشام آپ کی یہ ہیبت اور سطوت دیکھ رہا تھا۔ ایک شامی نے ہشام سے پوچھا اے

امیر المومنین یہ عزت اور عظمت والا کون ہے کہ جسے حجر تک لوگوں نے راستہ دیا حالانکہ امیر المومنین تو آپ ہے اور یہ جوان رعنا حسین و جمیل کون ہے کہ وہ جب آیا۔ تمام لوگ بکھر ہو کے ایک طرف ہٹ گئے۔ اور صرف اُس کے لئے حجرِ اسود خالی کر دیا۔

ہشام اگرچہ جانتا تھا۔ مگر محض اس خیال سے کہ شامی لوگ انہیں پہچان کر ان کے ساتھ عقیدہ نہ کرلیں اور اس کی امارت و ریاست میں کہیں فرق آجائے۔ کہنے لگا میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔ اتفاقاً فرزدق شاعر وہاں کھڑا تھا۔ کہنے لگا ہشام تو نہ جانتا ہوگا مگر میں انہیں خوب جانتا ہوں۔ شامیوں نے کہا۔ ابو الفراس۔ بتا یہ کون ہیں۔ تاکہ ہم معلوم کرسکیں کہ اس شان و شکوہ والا جوان آخر کون ہے۔ فرزدق نے کہا لو سنو میں ان کے صفاتِ جمیلہ تمہیں سناتا ہوں۔ پھر برجستہ فرزدق نے یہ اشعار آپ کی مدح میں سنائے۔

قصیدہ فرزدق ابو الفراس

جو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی مدح میں ہشام کے آگے سُنایا تھا۔

۱۔ هٰذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ — وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یہ وہ ہستی ہے جس کے قدموں کی آہٹ سرزمین بطحا جانتی ہے — اور اُنکے منصب جلیل کو کعبہ جانتا ہے اور حل و حرم واقف ہے

۲۔ هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللهِ كُلِّهِمُ — هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

یہ لخت جگر ہے اس ہستی پاک کا جو اللہ کے بندوں میں سب سے افضل ہے — یہ خود پرہیزگار پاکباز اور پاک باطن دنیا میں مشہور ہے

۳۔ هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلَهُ — وَبِجَدِّهٖ أَنْبِيَاءُ اللهِ قَدْ خُتِمُوا

اچھی طرح پہچان لے یہ نورِ نظر سیدہ زہرا فاطمہ کا ہے اگر تو اس سے بے خبر ہے۔ — اور یہ وہ ہے جس کے جد امجد کی بعثت پر اللہ کے تمام نبیوں کی تشریف آوری ختم ہے۔

۴۔ يُنْمٰى إِلٰى ذِرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِي قَصُرَتْ — عَنْ نَيْلِهَا عَرَبُ الْإِسْلَامِ وَالْعَجَمُ

انہوں نے وہ بلند مقام حاصل فرمایا جس کے مساوی عزت حاصل کرنے سے قاصر ہیں عرب و عجم کے تمام مسلمان۔

إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا — إِلٰى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ

جب قبائل قریش ان کی رفعت شان دیکھتے ہیں تو دیکھنے والا پکار اٹھتا ہے انکے منصب جلیل تک تمام اعزاز و مناصب کی انتہا ہے

مَنْ جَدُّهُ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِيَاءِ لَهُ　　وَفَضْلُ اُمَّتِهٖ دَانَتْ لَهُ الْاُمَمُ

یہ وہ ہیں جن کے جد امجد کے منصب کے آگے تمام انبیاء نیچے ہیں۔　　اور وہ ہیں کہ ان کی امتیوں کی فضیلت سے تمام امتوں کی فضیلت کم ہوگئی۔

یَنْشَقُّ نُوْرُ الْهُدٰى عَنْ نُوْرِ طَلْعَتِهٖ　　كَالشَّمْسِ يَنْجَابُ عَنْ اِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ

انکی وجہ مبین کے ظہور سے ہدایت کے انوار پھیل گئے　　جیسے سورج کی روشنی سے ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔

يَكَادُ يُمْسِكُهٗ عِرْفَانَ رَاحَتِهٖ　　رُكْنُ الْحَطِيْمِ اِذَا مَا جَاءَ يَسْتَلِمُ

شاید ان کے دست اقدس کی ہتھیلی کی خوشبو کو پہچان چکھ لی ہے۔　　رکن حطیم نے جبکہ وہ حجر چومنے آئے تو اس نے ان کی دست بوسی کی ہے۔

يُغْضِىْ حَيَاءً وَيُغْضٰى مِنْ مَهَابَتِهٖ　　فَمَا يُكَلَّمُ اِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

حیاء ایمانی کی وجہ سے ان کی آنکھیں بند ہیں اور لوگوں کی آنکھیں انکی مہابت شان سے بند ہیں۔　　یہی وجہ ہے کہ کلام بہت نہیں فرماتے مگر جب کلام فرماتے ہیں تو تبسم ریز لہجہ میں۔

فِىْ كَفِّهٖ خَيْزُرَانٌ رِيْحُهَا عَبِقٌ　　فِىْ كَفِّ اَرْوَعَ فِىْ عِرْنِيْنِهٖ شَمَمُ

ان کے دست نوری میں خیزران کی چھڑی ہے اور اس کی مہک اڑ رہی ہے اور وہ ایسے کے ہاتھ میں ہے جو بیت اونچی ناک والا سردار ہے

مُشْتَقَّةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ نَبْعَتُهٗ　　طَابَتْ عَنَاصِرُهٗ وَالْخِيْمُ وَالشِّيَمُ

یہ اللہ کے رسول کی ذات سے مشتق ہے اور اسکی تعریف جہان کر رہا ہے۔　　اس کا عنصری وجود پاک ہے اور اس کی خصلتیں اور عادتیں بھی پاک ہیں۔

فَلَيْسَ قَوْلُكَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِهٖ　　اَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ

تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے ان کو نقصان نہیں دے سکتا۔　　اسلئے کہ نہیں عرب جانتا ہے اور جس سے تو نے تجاہل عارفانہ کیا اسے عجم پہچانتا ہے۔

كِلْتَا يَدَيْهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا　　يَسْتَوْكِفَانِ وَلَا يَعْرُوْهُمَا الْعَدَمُ

انکے دونوں ہاتھ ایسے برستے ہوئے بادل ہیں جن سے عام نفع ہے۔ ہر ایک کے سوال پر وہ ہاتھ اعانت کرتے ہیں اور ان پر اس صفت کا عدم نہیں آتا۔

عَمَّ الْبَرِيَّةَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ　　عَنْهُ الْغَيَابَةُ وَالْاِمْلَاقُ وَالظُّلَمُ

محسن عالم اپنے احسانات کے ساتھ اور انکی شان جود و نوال کی وجہ سے پراگندگی دور ہو جاتی ہے ... تنگدستی اور ظلم کا خاتمہ ہو۔

لَا يَسْتَطِيعُ جَوَادٌ بُعْدَ غَايَتِهِمْ — وَلَا يُدَانِيهِمْ قَوْمٌ وَإِنْ كَرُمُوا

دنیا کا کوئی سخی ان کی انتہائے سخاوت کو پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ — اور کوئی قوم کا بڑا ان کی برابری نہیں کرسکتا۔ اگرچہ وہ اپنی قوم میں معزز ہو۔

هُمُ الْغُيُوثُ إِذَا مَا أَزْمَةٌ أَزَمَتْ — وَالْأُسْدُ أُسْدُ الشَّرَى وَالْبَأْسُ مُحْتَدِمُ

قحط سالی میں یہ موسلادھار بارش ہیں جبکہ وہ قحط سخت ہوجاوے — اور شیر ہیں سخت گرم ایام اور انتہائی مایوسی میں

سَهْلُ الْخَلِيقَةِ لَا تُخْشَى بَوَادِرُهُ — يَزِينُهُ اثْنَانِ حُسْنُ الْخَلْقِ وَالشِّيَمُ

نہایت نرم طبیعت کسی کو ان کے غصہ سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتا بسبب اسکے کہ یہ دو صفتوں حسن خلق اور حسن خصلت سے مزین ہیں

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِينٌ وَبُغْضُهُمُ — كُفْرٌ وَقُرْبُهُمُ مَنْجًى وَمُعْتَصَمُ

یہ اس گروہ سے ہیں کہ جن کی محبت عین دین ہے اور ان سے بغض کرنا کفر اور ان کا قرب مقام نجات اور قلعہ محافظت

إِنْ عُدَّ أَهْلُ التُّقَى كَانُوا أَئِمَّتَهُمْ — أَوْ قِيلَ مَنْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ قِيلَ هُمُ

اگر متقین کے گنے جائیں تو سب انکے متبع ہوں گے۔ اگر پوچھا جائے کہ روئے زمین میں سب سے افضل کون ہے تو کہا جاتا یہی ہیں

لَا يَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِنْ أَكُفِّهِمُ — سِيَّانِ ذٰلِكَ إِنْ أَثْرَوْا وَإِنْ عَدِمُوا

اس کا ہاتھ کبھی عطا کرنے سے نہیں رکتا خواہ تنگی ہو — برابر ہے ان کے لئے خواہ دولت ہو یا نہ ہو۔

اَللّٰهُ فَضَّلَهُ قِدْمًا وَشَرَّفَهُ — جَرَى بِذٰلِكَ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمُ

اللہ نے انہیں فضیلت بخشی ہمیشہ سے اور شرف بھی عطا فرمایا۔ — اور انکے اعزاز و اکرام کا حکم لوح و قلم میں جاری ہوچکا

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمُ — فِي كُلِّ يَوْمٍ وَمَخْتُومٌ بِهِ الْكَلِمُ

اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر ہی ہے۔ — ہر دن اور اس کے علاوہ ہر کلام پر مہر لگ گئی ہے

مَنْ يَعْرِفِ اللّٰهَ يَعْرِفْ أَوَّلِيَّةَ ذَا — وَالدِّينُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْأُمَمُ

جو اس ہستی ہی کو جانتا ہے ان کی فضیلت کو بھی جانتا ہے — اور حقیقت یہ ہے کہ دین ان کے گھر سے امت نے حاصل کیا۔

أَيُّ الْقَبَائِلِ لَيْسَتْ فِي رِقَابِهِمُ — لِأَوَّلِيَّةِ هٰذَا أَوْ لَهُ نِعَمُ

عرب کا کونسا قبیلہ ہے جس کی گردن میں نہ ہو۔ انکی بزرگی کا قلادہ یا اس کیلئے ان کے گھر سے نعمتیں نہ پہنچی ہوں

اور اس کے مثل اور چند بیت فرزدق نے کہیں۔ اور اہل بیت اطہار کی تعریف اتنی زیادہ کی کہ ہشام غضب ناک ہوگیا اور حکم دیدیا کہ اسے عسفان میں قید کیا جائے۔ عسفان مکہ و مدینہ کے پاس ایک

مقام ہے (جہاں ایک کنواں ہے اس میں قیدی بند کئے جاتے تھے)

اس واقعہ کی خبر لوگوں نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کر دی آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بطور عطیہ بھیجے۔ اور فرمایا اُسے کہنا ابو فراس ہمیں معاف کرے کہ ہم لوگ اس وقت امتحان و ابتلا میں ہیں۔ اس ہدیہ سے زائد اس وقت ہمارے پاس کچھ نہ تھا جو کچھ زائد عطا فرماتے

فرزدق نے وہ درہم نقری واپس کئے اور کہلوایا کہ حضور قسم بخدا زر وسیم کے لالچ میں بادشاہ و امراء کے دربار میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں۔ مگر وہ محض دروغ بے فروغ ہی تھا لیکن یہ قصیدہ جو میں نے کہا ہے یہ محض اپنے گناہوں کے کفارہ کیلئے اور اللہ و رسول کی محبت کے لئے لکھا ہے۔

جب یہ پیغام حضور زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ملا۔ آپ نے حکم دیا کہ درہم واپس لے جاؤ اور اُسے کہو کہ ابو فراس اگر ہمیں دوست رکھتا ہے تو ایسا نہ کرے اس لئے کہ ہم جو چیز کسی کو عطا فرما دیں وہ واپس نہیں لیا کرتے۔ تو بتعمیل حکم فرزدق نے وہ عطیہ قبول کیا۔

اور در حقیقت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فضائل اس سے کہیں زیادہ ہیں جو فرزدق نے کہے۔ اُن کا جمع کرنا امکان میں نہیں۔

حضرت امام ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ

اسی گھرانہ سے حجت اہل معاملت برہان ارباب مشاہدت امام اولادِ نبی برگزیدۂ

نسل علی حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الباقر رضی اللہ عنہم ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور آپ کا لقب باقر تھا آپ بیان علوم دقیقہ اور لطائف اشارات میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصیت سے مشہور ہیں۔ آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ اور آپ کے بہت سے نشانات اور دلائل انور معروف ہیں۔

آپ کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس بلا بھیجا اس نیت سے بلوایا کہ جب یہاں آجائیں تو انہیں شہید کر دیا جائے۔ آپ بلا خوف و خطر اس کے پاس تشریف لے گئے۔ جب آپ اس کے قریب پہنچے تو اُس نے معذرت کی اور کچھ ہدیہ پیشکش کیا اور بڑے ادب احترام سے واپس کیا۔

حاضرین دربار نے خلاف توقع عمل دیکھ کر کہا کہ جہاں پناہ نے تو امام کو شہید کرنے کی نیت سے

بلایا تھا لیکن جب وہ تشریف سامنے لائے تو اس طرح برتاؤ کرتے دیکھا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

بادشاہ کہنے لگا کہ جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ دو شیر ان کے دائیں بائیں کھڑے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا تو ہم تجھے ہلاک کر دیں گے۔

حضرت امام ابوجعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے آیۂ کریمہ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ کی تفسیر میں فرمایا۔ كُلُّ مَنْ شَغَلَكَ عَنْ مُطَالَعَةِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتُكَ "ہر وہ چیز جو تجھے مطالعۂ حق سے باز رکھے وہ ہی تیرا بت ہے" تو خیال رکھ کہ کیا چیز تجھے حق سے محجوب رکھتی ہے۔ اور کس چیز کی وجہ سے تجھے حق سے بُعد ہوا۔ اُسی کو ترک کر دے تاکہ تو درجۂ کشف میں پہنچے اور بارگاہِ تقرب سے ممنوع و محجوب رہے اور جو ممنوع ہے اُسے یہ زیبا نہیں کہ وہ دعویٰ تقرب کرے۔

آپ کی خصوصیات میں ایک روایت ہے کہ آپ کچھ رات گذر جانے کے بعد اپنے معمولات سے فارغ ہو جاتے تو بہ آواز بلند ان الفاظ میں دعا فرماتے۔

"اے میرے اللہ اے میرے مالک رات آگئی ہے اور بادشاہوں کی حکومت انجام کو پہنچ گئی ستارے آسمان پر ظاہر ہو گئے اور سب لوگ ایسے سو گئے ہیں کہ گویا ناپید ہو گئے۔ آدمیوں کی آوازیں بند ہیں۔ اور ان کی آنکھیں بجھی ہوئی ہیں اور تمام بنی امیہ آرام میں ہیں ان کے دروازوں پر پاسبان بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور بنی امیہ کے دربار بند پڑے ہیں اور اُن کی ڈیوڑھیوں پر دربان لگے ہوئے ہیں جن لوگوں کی خواہشات اُن سے وابستہ تھیں وہ اُس وقت چھوڑ چکے ہیں"

"اے میرے اللہ تو زندہ و پائندہ، بینندہ و دانندہ ہے"

اُونگھ اور نیند سے تو مبرا ہے جو تجھے اُونگھنے سونے والا جانے وہ تیری نعمتوں سے محروم ہے الٰہی تو وہ ہے کہ کوئی تجھے تیرے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتا اور رات دن میں کسی ساعت تیری صفت بقا میں خلل نہیں آ سکتا تیرا دروازۂ رحمت کشادہ ہے۔ اُس پر جو تجھے پکارے اور تیرے خزانۂ بخشش اُس پر فدا ہیں جو تیری ثنا میں رطب اللسان ہو تو وہ مالک الملک ہے کہ سائل کا رد کرنا تجھے روا نہیں جو مومن تیری درگاہ میں سوال کرے تو سائل کو تو رد کرنے والا نہیں خواہ وہ مخلوق ارضی ہو یا سماوی۔

الٰہی جب میں موت اور قبر کا خیال کرتا ہوں اور حساب کا تصور آتا ہے تو سوچتا ہوں۔
کہ تیری حضوری کے مقابل دنیا کی کس چیز سے سکون پکڑا جائے جب ملک الموت کا خیال آتا ہے
تو سوچتا ہوں کہ کس طرح دنیا سے تعلق رکھوں۔ تو میں تجھ سے عرض پیرا ہوں۔ اس لئے کہ
تیرا امن ہوں۔ اور تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ جب تجھے پکارتا ہوں دل میں سکون
محسوس کرتا ہوں۔ الٰہی مجھ پر کیفیت مرگ بے عذاب نازل کر اور زندگی اخروی میں حساب بے
عذاب لے کر مجھے عزت دے۔ یہ سب کچھ فرما کر اس قدر گریہ فرماتے کہ صبح ہو جاتی۔

ایک شب میں نے عرض کی کہ اے میرے سردار میرے ماں باپ کے سردار کب تک آپ
روتے رہیں اور کب تک یہ خروش رہیگا۔ آپ نے فرمایا بھائی یعقوب علیہ السلام کا صرف ایک
یوسف گم ہو گیا تھا تو اتنے روئے کہ چشم مبارک سپید ہو گئیں۔

اور میں نے اپنے اٹھارہ آدمی معہ باپ یعنی امام حسین سید الشہداؑ اور شہدائے کربلا کو اپنے سے
گم کئے ہیں۔ تو اس وقت تک میں گم ہی رہوں گا۔ جبتک اُن کی جدائی میں رو کر آنکھیں سپید
نہ کر لوں۔

یہ مناجات عربی میں نہایت فصیح ہے۔ مگر بخوف طوالت اسکے معنی ہی فارسی میں نقل کئے گئے
تاکہ مکرر نہ ہو جائے۔ انشاء اللہ کسی دوسری جگہ اس اصل کو بھی نقل کریں گے۔

حضرت امام محمد جعفر رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے سیف سنت، جمال طریقت
معبر اہل معرفت، مزین اہل صفوت

ابو محمد جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں۔
آپ نہایت بلند خیال اور پسندیدہ سیرتوں سے مزین تھے اور سر پر امامت کی مسند (؟) دینی
میں آپ موزون تھے۔ آپ کے اشارات جمیلہ تمام علوم میں مشہور ہیں اور معانی دقیقہ میں آپ
کی تقریر مسلم تھی۔ مشائخ کرام میں آپ کو لطائف کلام اور حقائق طریقت میں خاص درجہ حاصل ہے
بیانِ طریقت میں آپ کی تصنیفات مشہور ہیں۔

آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ اَعْرَضَ عَمَّا سِوَاہُ جس نے اللہ
کو جان لیا وہ ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو گیا۔ یعنی عارف الٰہی وہی ہے جو معرض از غیر اور منقطع از

حق واصل ہو جائے۔ اس لئے کہ اللہ کی معرفت یہی ہے کہ غیر خدا کے ساتھ اجنبی ہو جائے۔
یہی وجہ ہے کہ عرفا مخلوقات اور اس کی فکر سے اپنے کو جدا رکھتے اور اپنے رب سے ملے ہوئے
ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں غیر کی ایسی قدر و منزلت نہیں کہ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اور نہ وجود
غیر سے انہیں کچھ حظ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ذکرِ غیر کے لئے اپنے دل میں جگہ نہیں رکھتے۔
ایک روایت میں حضرت امام جعفر سے یوں بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔
لَا تَصِحُّ الْعِبَادَۃُ اِلَّا بِالتَّوْبَۃِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدَّمَ التَّوْبَۃَ عَلَی الْعِبَادَۃِ قَالَ
اللّٰہُ تَعَالٰی اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ " عبادت بغیر توبہ کے صحیح نہیں حتیٰ کہ خود حضرت عزت
مجدہ وعز اسمہٗ نے عبادت پر توبہ کو مقدم کیا۔ اس لئے کہ توبہ عبادت کی ابتدا ہے اور عبودیت
اس کی انتہا۔"

چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کا ذکر کیا تو انہیں بھی توبہ کا حکم فرمایا جیسا کہ ارشاد
ہے۔ وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ " اللہ کی طرف اے
مسلمانو توبہ کرو تاکہ تم فلاح یافتہ ہو جاؤ اور جہاں سید اکرم تاجدارِ عرب و عجم کو یاد فرمایا وہاں
بھی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کہا۔ تو گویا مقامِ عبودیت منتہا۔ کمال کا نام ہے۔
ایک حکایت میں ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز امام جعفر رضی اللہ عنہ
کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا ابن رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت سنائیے۔ اس لئے کہ میرا دل سیاہ
ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو سلیمان (حضرت داؤد طائی کے صاحبزادے کا نام سلیمان
تھا) آپ اس زمانہ کے بڑے زاہدوں میں سے ہیں۔ آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے
عرض کی اے فرزند رسول آپ کو اللہ نے سب پر فضیلت بخشی ہے۔ آپ پر نصیحت کرنا واجب
ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو سلیمان میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں بروز قیامت
میرے جدِ امجد مجھے یہ نہ فرمائیں کہ تو نے ہماری اطاعت کا حق کیوں نہ ادا کیا۔ اس لئے کہ یہ
کام نسب کی نسبت سے صحیح نہیں اترتا۔ یہ کام عمل کے اوپر موقوف ہے۔
یہ سن کر حضرت داؤد طائی رو پڑے اور کہنے لگے الٰہی جن ہستیوں کا خمیر آبِ نبوت سے
ہو اور جن کی ترکیب طبیعی اصول دین اور برہان حجت قرآن سے ہو جن کے دادا شفیع المذنبین
رحمۃ للعالمین ہوں جن کی ماں حضرت زہرا بتول ہوں۔ وہ اس خوف و حیرانی میں رکھے گئے

ہیں اور اپنے اعمال کا اس شان سے محاسبہ کرتے ہیں تو پھر داؤد طائی کس شمار میں ہے۔ اور وہ اپنے اعمال و عبادات پر کیا فخر کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے احباب و خدام میں تشریف فرما تھے۔ تو آپ نے سب سے فرمایا۔ آؤ ہم تم آپس میں بیعت کریں اور اس امر کا عہد لیں کہ جسے اللہ تعالیٰ بروز قیامت رستگاری عطا فرمائے وہ سب کی شفاعت کرے سب نے عرض کی اے ابن رسول اللہ اس عہد کی اُسے حاجت ہے جو محتاج شفاعت ہو۔ آپ کو ہماری شفاعت کی کیا پرواہ ہے۔ آپ کے جد امجد شفیع مجرمان خلائق ہیں۔ آپ نے فرمایا ہیں اپنے اعمال پر شرماتا ہوں اور اپنے نفس کے عیبوں پر نظر کرکے ڈرتا ہوں کہ بروز قیامت جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کس طرح منہ دکھاؤں گا۔

یہ ہے وہ کمال خاص جو عارف کامل کو حاصل ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ اپنے نفس کے عیبوں پر نظر رکھتا ہے۔ یہ صفت اوصاف کمالیہ سے ہے۔

اور تمام تمکنان الٰہی یعنی نبی ولی غوث قطب مرکبے سب اسی اصول پر قائم ہیں چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ ارادہ خیر فرماتا ہے تو اسے عیوب نفس کے لئے چشم بینا عطا فرماتا ہے۔"

اور جو از روئے تواضع اپنا سر بارگاہ حق میں جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی مرادات دارین پوری فرماتا ہے۔ اب اگر ہم تمام مناقب اہل بیت رضی اللہ عنہم بیان کریں اور ہر ایک کے فضائل مفصل بتائیں۔ تو یہ کتاب اس کی متحمل نہیں۔ لہذا ان کے لئے جن کی عقل خلعت ادراک سے مزین ہے۔ اور جو مریدان خاص ہیں۔ اسی قدر کافی ہے اور منکر کے لئے بھی اگر سمجھنا چاہے تو کم نہیں۔

اب ہم اصحاب صفہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا مذکرہ بسبیل ایجاز و اختصار کرتے ہیں اور فضائل اہل بیت میں علی التفصیل ایک کتاب مسمی منہاج الدین ہم نے تالیف کی ہے جس میں ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ فضائل درج ہیں۔ اس جگہ تو ہم نے بعض اسمار کنیت پر ہی اکتفا کیا ہے تاکہ پڑھنے والے کا مقصد معلومات حاصل ہو جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وباللہ التوفیق

نواں باب

اصحابِ صُفّہ

فصل اس اَمر پر اجماعِ امت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص جماعت تھی۔ صحابہ کرام میں سے جو تارک الدنیا ہو کر مسجد نبوی میں اللہ کی خالص عبادت کے لئے بیٹھ گئے تھے۔ اور ہر قسم کے کسب معاش سے دست بردار تھے۔

انہیں کی شان میں قرآن پاک نے اپنے حبیب پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

"اے محبوب نہ فراموش فرماؤ ان لوگوں کو جو اپنے رب کی عبادت میں صبح و شام مشغول ہیں اور اُسی کی رضا چاہتے ہیں" تو خدا کی کتاب اُن کی افضلیت پر شاہد ہے اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان کی فضائل میں ہمیں بہت پہنچی ہیں۔ ہم نے اُن کا تھوڑا سا حصہ مقدمہ کتاب میں نقل کیا ہے حضرت امام المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ فَرَاٰى فَقْرَهُمْ وَجُهْدَهُمْ وَطِيْبَ قُلُوْبِهِمْ فَقَالَ اَبْشِرُوْا يَا اَصْحَابَ الصُّفَّةِ فَمَنْ بَقِيَ مِنْ اُمَّتِيْ عَلَى النَّعْتِ الَّذِيْ اَنْتُمْ عَلَيْهِ رَاضِيًا بِمَا فِيْهِ فَاِنَّهٗ مِنْ رُفَقَائِيْ فِي الْجَنَّةِ

"اس حدیث کے معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ پر تشریف لائے انکو دیکھ کر ٹھہر گئے تو ان کے اس فقر و مجاہدہ میں حضور نے نہایت خوش دیکھے۔ فرمایا اے اصحاب صفہ تمہیں بشارت ہو۔ تمہارے بعد جو بھی کہ اسی شان میں خرم و شاد رہیگا۔ وہ میرے ساتھ

بروزِ قیامت جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ ان اصحاب صفہ میں سے

١۔ منادی حضرت جبار و پسندیدہ سید ابرار حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ہیں۔
٢۔ دوسرے دوست خداوند داور محرم احوال پیغمبر ابو عبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔
٣۔ تیسرے سرہنگ مہاجر و انصار متوجہ رضوان جبار ابو عبیدہ بن عامر بن عبداللہ الجراح رضی اللہ عنہ ہیں۔
٤۔ چوتھے برگزیدۂ اصحاب زینتِ ارباب ابوالیقظان حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں۔
٥۔ پانچویں گنج علم خزانۂ حلم حضرت ابو مسعود عبداللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ ہیں۔
٦۔ چھٹے متمسک درگاہ حرمت پاک از عیب و آفت حضرت عتبہ بن مسعود برادر عبداللہ ہیں رضی اللہ عنہ
٧۔ ساتویں سالک طریق عزلت معرض از معاتب ذلت حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں۔
٨۔ آٹھویں داعی مقام تقویٰ راضی بہ بلا و بلویٰ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ہیں۔
٩۔ نویں قاصد درگاہ رضا طالب بارگاہ بقا اندر فنا حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ ہیں۔
١٠۔ دسویں دُرِ درج سعادت بحر قناعت حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ ہیں۔
١١۔ گیارہویں برادر فاروق معرض از کونین و مخلوق حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔
١٢۔ بارہویں خداوند مجاہدات اندر طلب مشاہدات حضرت ابو کبشہ مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
١٣۔ تیرہویں عزیز از کل خلائق بحق جل مجدہ آنت حضرت ابو مرثد کنانہ بن الحصین عدویؓ ہیں۔
١٤۔ چودہویں عامر طریق تواضع سپرندہ محجۂ تقاطع حضرت سالم مولیٰ حذیفہ الیمانی رضی اللہ عنہ ہیں۔
١٥۔ پندرہویں خائف عقوبت ہارب از طریق مخالفت حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ ہیں۔
١٦۔ سولہویں زین مہاجر و انصار سید بنی غفار حضرت مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ ہیں۔
١٧۔ سترہویں اندر زہد مانند عیسیٰ اندر شوق بدرجۂ موسیٰ ابو ذر جندب بن جنادہ الغفاریؓ ہیں۔
١٨۔ اٹھارہویں حافظ انفاس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مرخرات را دیغد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔
١٩۔ انیسویں اندر استقامت مقیم و اندر متابعت مستقیم حضرت صفوان بن بیضا رضی اللہ عنہ ہیں۔
٢٠۔ بیسویں صاحب ہمت خالی از تہمت حضرت ابو درداء عویمر بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں۔
٢١۔ اکیسویں متعلق درگاہ برگزیدۂ رسول پادشاہ حضرت ابو لبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ ہیں
٢٢۔ بائیسویں [illegible] حضرت عبداللہ بن بدر الجہنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

غرضیکہ اسی طرح اور بھی ہیں۔ اگر ہم تمام اہل صفہ کا ذکر کریں تو کتاب طویل ہو جائے۔
حضرت شیخ ابو عبد الرحمٰن محمد بن حسین سلمی رضی اللہ عنہ جو صفہ زبردست ناقل مسائل
طریقت اور جامع کلام مشائخ گزرے ہیں۔ انہوں نے صرف اہل صفہ کے حالات میں ایک مبسوط تاریخ
تصنیف فرمائی ہے۔ اس میں اُن کے علیحدہ علیحدہ فضائل اور نام بنام حالات اور اُن کی کیفیتیں
بھی ہیں۔

اس میں انہوں نے مسطح بن ثابت بن عباد کو بھی اہل صفہ میں نقل کیا ہے مگر میں اسے
درست نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ یہ وہ مسطح ہیں جنہوں نے قصۂ افک ام المؤمنین حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ابتدا کی تھی لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ثوبانؓ
اور حضرت معاذ بن حارث اور حضرت سائب بن خلاد اور حضرت ثابت بن ودیعہ اور حضرت ابو عیسیٰ عویمؓ
بن عمر اور حضرت وہب بن معقل اور حضرت عبد اللہ بن انیس اور حضرت حجاج بن عمر الاسلمی رضی اللہ
عنہم اجمعین۔ تمام اہل صفہ سے ہیں۔ اگرچہ کبھی کسی سبب سے دنیا کی طرف مشغول فرما لیتے تھے مگر تمام
تمام صحابہ میں برابر اور حقیقتہً قرنوں کے خیر القرون سے تھے۔ اور جس وقت بھی یہ جس درجہ پر تھے
تا خرین سے بہتر اور افضل ترین خلائق تھے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحبت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بخشا تھا ان
ضمیر تمام عیوب سے محفوظ تھے۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ (الحدیث) زمانوں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے
اور وہ زمانہ جو اس سے قریب ہے۔ الی آخر الحدیث۔

اور خود حضرت جلت و مجد تبارک و تعالیٰ عز اسمہٗ نے فرمایا۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ
الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
وہ لوگ جو سبقت کرنے والے ہیں پہلے ایمان لانے والوں میں مہاجرین و انصار سے۔ اور
وہ لوگ جو پیروی اسلام کرتے ہیں اور نیک ہیں۔ اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ اللہ سے
راضی ہیں۔

باب دھم

ائمہ تابعینؒ رضوان اللہ علیہم اجمعینؒ

فصل

حضرت اویس قرنیؓ اُن میں سے آفتاب اُمت شمع دین و ملت حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ہستی مشائخ کرام کے طبقہ کی بہت بڑی مانی گئی ہے۔ اور اہلِ تصوف میں معظم ہیں۔ یہ عہد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے۔ لیکن حضور کے فیضِ صحبت سے دو وجہوں سے مستفیض نہ ہو سکے اور محروم شربت دیدار رہے۔ ایک مانع حضوری آپ کا غلبۂ حال رہا۔ دوسرے اپنی والدہ ماجدہ کے حق خدمت ادا کرنے میں مصروف رہے۔ مگر حضور مخبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام میں فرمایا تھا کہ ایک مردِ خدا مقام قرن میں ہے۔ اس کا نام اویس ہے۔ اس کا یہ مرتبہ ہے کہ اُس کی شفاعت میری اُمت میں قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بکریوں کے بالوں کے برابر ہو گی۔ اور پھر حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ کی طرف رُخ فرما کر ارشاد ہوا تم دونوں اُسے دیکھو گے۔ اُن کا قد چھوٹا ہو گا۔ اُن کے سر کے بال لمبے ہوں گے اُن کے پہلوئے چپ پر ایک درہم برابر سفید داغ ہے اور ایک داغ اُن کے ہاتھ کی ہتھیلی پر ہے۔ جب تم اُس سے ملو ہمارا اُسے سلام کہنا اور کہنا کہ وہ ہماری امت کے لئے دعا کریں۔

بعد وفات سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کہ معظمہ

تشریف لائے۔ اثناء خطبہ میں آپ نے فرمایا۔ یَا اَھْلَ نَجْدٍ قُوْمُوْا اے نجد کے لوگو کھڑے ہو جاؤ۔ حکم سنکر تمام کھڑے ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے اندر کوئی قبیلہ مقام قرن کا بسنے والا ہے؟ لوگوں نے عرض کی حاضر ہے۔ اور جو مقام قرن کے لوگ تھے انہیں امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے اندر کوئی اویس نام کا آدمی ہے۔ عرض کی اویس ایک دیوانہ آدمی ہے جو آبادی میں نہیں آتا کسی کے پاس نہیں بیٹھتا۔ لوگوں کی غذا سے اس کی غذا بھی علیحدہ ہے۔ خوشی اور غم اس کے نزدیک یکساں ہیں۔ جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے۔ جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔ امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کی حضور جنگل میں اونٹوں کے پاس ملے گا۔

حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما اٹھے اور جنگل میں جا کر ان سے ملے۔ دیکھا کہ اویس نماز میں مشغول ہیں۔ بیٹھ گئے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو فاروق و اسداللہ نے انہیں سلام کیا اور ہاتھوں کی ہتھیلی پر نشان دیکھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا اور امت کے حق میں دعا کرنے کا حکم حضور سنایا۔

تھوڑی دیر فاروق و اسداللہ اویس کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت اویس نے عرض کی آپ حضرات کو تکلیف ہوئی۔ اچھا اب تشریف لے جائیں قیامت بہت نزدیک ہے اس جگہ ہمیں وہ دیدار ہو گا جس کے لئے بازگشت نہیں۔ میں اب قیامت کے راستے کے سامان میں مشغول ہوں۔ جب قرنی لوگ حضرت فاروق اور اسداللہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت اویس کی خدمت میں آئے تو انہوں نے آپ کا مرتبہ سمجھا اور آپ کا احترام کرنے لگے تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ وہاں سے کوفہ میں آگئے۔ اس کے بعد ہرم ابن حیان نے ایک روز انہیں دیکھا اس کے بعد جنگ و غزوات علی کرم اللہ وجہہ تک کسی نے نہ دیکھا پھر جبکہ حرب صفین ہوا۔ اس میں حضرت اویس رضی اللہ عنہ حضرت علی کی طرفداری میں آئے شریک حرب ہو کر شہید ہو گئے عَاشَ حَمِیْدًا وَمَاتَ شَہِیْدًا زندہ رہے تو حضور کی زبان مبارک سے تعریف ہوئی۔ انتقال فرمایا تو شہادت پائی۔ رضی اللہ عنہ

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلسَّلَامَۃُ فِی الْوَحْدَۃِ سلامتی تخلیہ اور تنہائی میں ہے۔ اس لئے کہ جو اپنا دل خالی رکھے وہ اغیار کے خطرات اور اندیشے سے آزاد ہے۔ اور اپنے ماحول میں سب سے مایوس اسی وجہ میں وہ اغیار کی تمام آفتوں سے سلامتی میں رہتا ہے اور سب سے منہ پھیرے ہوئے ہوتا ہے۔

لیکن اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وحدت سے مراد تنہا زندگی بسر کرنا ہے تو یہ محال ہے اسلئے کہ جب تک کسی کے دل میں شیطان کی محبت ہو اور اس کے سینہ میں نفس غالب ہو اور دنیا و عاقبت کی فکر اور لوگوں کا اندیشہ ہو اس وقت تک اس کو کیفیت وحدت حاصل نہیں ہوتی اس لئے کہ ماسوے اللہ سے آرام ہو یا اس کا اندیشہ دونوں کی یکساں ہی کیفیت ہے۔ تو جو تنہا ہوتا ہے اگرچہ اسکی صحبت لوگوں میں ہوا سے اپنی کیفیت وحدت میں کوئی خلل نظر نہیں آتا اور مشغول بغیر اللہ ہو اگرچہ خلوت نشین ہی کیوں نہ ہو وہ کیفیت وحدت سے محروم ہی رہے گا۔

تو قطع محبت ماسوی اللہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کے دل میں سوا ذات واحد کے کسی مخلوق اور کسی کی محبت نہ ہو۔ اور جب اس کے دل میں خالص ذات واحد کی محبت جاگزیں ہو چکی وہ کتنا ہی لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے اُسے کوئی خطرہ نہیں۔

اور جو مخلوق سے محبت رکھے اس کے دل میں محبت الٰہیہ کا گذر نہیں ہو سکتا۔ گویا وہ محبت الٰہی کو سمجھتا ہی نہیں۔ لِاَنَّ الْوَحْدَۃَ صِفَۃُ عَبْدٍ صَافٍ لِجِیْعٍ قَوْلُہٗ تَعَالٰی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ یعنی صفت جو صافی محض وحدت ہے جس اللہ کا فرمان کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں۔

حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ

انہیں تابعین میں سے شیخ صفا معدن وفا حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ ہیں جو درگاہ طریقت سے گذرے ہیں اور معاملہ حقیقت میں حظ وافر رکھتے تھے صحابہ کرام کے صحبت یافتہ ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی بھی زیارت کر چکے ہیں آپ کی ملاقات کا واقعہ یوں ہے کہ آپ نے اویس قرنی کی زیارت کا قصد کیا۔ حتیٰ کہ قرن پہنچ کر ناامید واپس آئے۔ پھر مکہ معظمہ گئے تو خبر ملی کہ اویس اب کوفہ میں رہتے ہیں۔ آپ شوق زیارت

ملنے ہوئے کو فرکت مگر زیارت نصیب ہوئی۔ امید زیارت میں ایک مدت دراز کوفہ میں گذاری۔ آخرش بصرہ آنے کا عزم کیا۔ روانہ ہوئے تو راستہ میں دیکھا کہ لب فرات اویس طہارت فرما رہے ہیں۔ اور آپ کے جسم پر خرقہ ہے پہچان لیا۔ وضو فرما کر اویس نے شانہ فرما کر بالوں کو سنوارا اور چلنے لگے تو ہرم بن حیان سامنے آگئے اور سلام کیا۔ حضرت اویس نے جواب سلام میں فرمایا۔ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ يَا هَرِمَ بْنَ حَيَّان۔

ہرم متعجب ہو کر کہنے لگے آپ نے کس طرح پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا۔ عَرَفَتْ رُوحِي رُوحَكَ "میری جان نے تیری جان کو پہچان لیا" تھوڑی دیر بیٹھے۔ پھر مجھے رخصت فرما دیا۔ میرے ساتھ جو گفتگو فرمائی اس میں حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق زیادہ باتیں تھیں۔ اور مجھے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی اور کہا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔ جز ایں نیست کہ عملوں کی جزا نیتوں پر ہے اور ہر ایک شخص کے لئے وہی بدلہ ہے جو اس کی نیت ہو۔ تو جس نے ہجرت کی اللہ و رسول کی طرف تو اس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہوگی اور جس نے ہجرت کی حصول دنیا کے لئے یا کسی عورت کے لئے کہ اس سے عقد کرے۔ تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی جس نیت سے ہجرت کی"

اس کے بعد مجھے فرمایا۔ عَلَيْكَ بِقَلْبِكَ۔ اپنے دل کی نگرانی ہر قسم کے اندیشۂ غیر سے کر۔ اس عبارت کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مجاہدہ اتنا ہو کہ اپنے دل کو تابع حق کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اپنی خواہشات کو اس دل کا فرمانبردار بنا لے۔

یہ دونوں زبردست اصول ہیں۔ مگر دل کو خدا کا تابع کرنا ان مریدوں کا کام ہے جو کثرت شہوت اور محبت حرص سے مجتنب ہو جائیں اور ہر قسم کے تفکرات جو درجہ بدرجہ پیدا ہوتے ہیں انہیں دل سے دور کریں اور تدبیر صحت و حفظ امور میں کوشاں رہیں۔ اور ہر معاملہ میں نظر بر حق رکھے تاکہ ازدیاد محبت ہو اور اپنے کو تابع دل مرضی بنالینا کاملوں کا کام ہے۔ اسلئے حق تعالیٰ شانہ ان کے دلوں کو اپنے نور جمال سے منور فرما دیتا ہے۔ اور تمام علل و اسباب سے آزاد کر دیتا ہے اور درجہ علیا

پر پہنچا کر خلعت تقرب بخش کر اپنے الطاف کی تجلیات اُن پر فرماتا ہے۔ اور اپنا مشاہدۂ جمال اللہ قرب کو اُن پر مستولی کر دیتا ہے۔ اس وقت اُن کا جسم بھی اُن کے دل کے موافق کر دیا جاتا ہے۔ تو وہ گروہ جو پہلے اہل دل تھا وہ صاحب القلوب اور باقی الصفت ہے۔ اور یہ گروہ جو مغلوب القلوب ہے وہ فانی الصفت ہے۔ اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ حق جل جلالہ نے فرمایا إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ "مگر وہ بندے جو خالص کئے گئے" اسے بیشتر لام کی زیر سے پڑھا گیا اس لئے کہ مخلِص فاعل ہے اور باقی الصفت اور مخلَص مفعول فانی الصفت۔ اور یہ بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں کہ تن کو موافق دل بناتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کے دل تجلی حق کی طرف محول اور مشاہدۂ جمال میں محو ہوتے ہیں اور باقی الصفت جو ہیں وہ دل کو بتکلف موافق اَمر بناتے ہیں۔

یہ مسئلہ درحقیقت صحو و سکر و مشاہدۃ و مجاہدت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے مشرح طور پر کسی اور جگہ بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ

انہیں تابعین میں امام عصر فرید دہر ابو علی الحسن بن ابی حسن البصری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک گروہ نے آپ کی کنیت ابو محمد لکھی ہے اور ایک جماعت نے ابو سعید۔ آپ کا مرتبہ اہل طریقت میں بہت بلند ہے۔ اور فن تصوف میں آپ کے نہایت لطیف اشارات ہیں۔

ایک حکایت ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اُس نے صبر کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا صبر دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک صبر وہ ہے جو مصائب بلا کے اندر کیا جائے۔ دوسرا صبر اُن چیزوں سے جن سے ہمیں باز رہنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا اُن سے اطاعت حکم کرتے ہوئے رُکنا اور خواہشات کے خلاف پر صبر کرنا۔

اعرابی نے کہا۔ اَنْتَ زَاهِدٌ مَا رَأَيْتُ اَزْهَدَ مِنْكَ "آپ ایسے زاہد ہیں کہ آپ سے زیادہ زاہد میں نے نہیں دیکھا" اور آپ سے زیادہ صابر بھی کوئی نہ ہوگا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے اعرابی میرا زہد تو رغبت کلی ہے۔ اور میرا صبر خالص جزع اور بے صبری ہے۔ اعرابی نے عرض کی کہ حضرت اس اجمال کی تفصیل فرمائیں۔ آپ نے ان جملوں سے تو مجھے مشوش کر دیا۔ اور میرا عقیدہ متذبذب ہوگیا۔

آپ نے فرمایا ہمارا صبر بلا پر یا اطاعت حکم پر بوجہ خوف جہنم ہے اور یہ عین بے صبری ہے۔ اور ہمارا زہد دنیا میں رغبت خالص ہے۔ نعمت آخرت کے ساتھ اور یہ عین رغبت ہے۔ نہایت مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنا حصہ اور اپنی قوت ارادی کو درمیان سے اٹھا چکے اُن کا صبر خالص اللہ کے لئے ہے نہ کہ اپنے جسم کو جہنم سے امن دینے کے لئے۔
اور زہد ہمارا خالص اللہ کے لئے ہو نہ کہ خصوصیت سے بہشت میں داخل ہونے کیلئے
اور یہ علامت صحت اخلاص کی ہے۔
آپ ہی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اِنَّ صُحْبَتَ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ الظَّنَّ بِالْاَخْيَارِ
جو بدبختوں میں رہیگا نیکوں کی جماعت سے اور اُن کے پیشواؤں سے بدگمان ہو جائیگا۔
اور یہ بات متفق علیہ ہے بلکہ یقینی۔
اور موجودہ زمانے کے لوگوں کے بالکل موافق حال ہے جو عام طور پر محبوبان بارگاہ کے منکر ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسمی صوفیوں کی مجالس میں عوام بیٹھے اور ان کے ہر کام میں انہیں خیانت نظر آئی۔ اور اُن کی زبانوں پر دروغ بے فروغ پایا۔ اور دوسروں کی غیبت کرتے گنا۔ اور اُن کے کان دو معیت اور ہزلیات پر لگے ہوئے دیکھے۔ اُن کی آنکھیں لہو و لعب اور شہوت پرستی پر لگی دیکھیں اور اُن کی تمامتر کوششیں حرام و مشتبہ مال جمع کرنے میں صرف پائیں۔ تو انہوں نے خیال کر لیا کہ صوفی عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں اور ان کا عمل اور مجاہدہ یہی ہے بلکہ صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط اور اتہام ہے۔ بلکہ صوفیوں کے تمام افعال طاعت الٰہی پر ہیں۔ اور اُن کی زبان کلام حق اور ثمر محبت حق حاصل کرنے پر کھلتی ہے اُن کے ضمیروں میں خالص محبت الٰہی بھری ہوئی ہوتی ہے۔ اُن کے کان سماع حق کے محل اور حقیقت نیوش ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں مشاہدۂ جمال یار کو کھلی ہوتی ہیں ان کی سعی و کوشش تمام حصول اسرار خفیہ پر ہوتی ہے اور وہ راز مخفی کے دیکھنے میں مجاہدہ کرتے ہیں۔
اگر کوئی قوم ایسی ظاہر ہو جائے کہ صوفیاء کے زمرہ میں مل کر اُن کی سی رفتار و گفتار میں خیانت کرے۔ تو اُن کی خیانت کا اثر اُن پر ہی پڑیگا نہ اُن احرار جہان اور سادات زمان پر۔ یاد رکھو جو شریر لوگوں سے صحبت رکھے گا وہ اپنی شرارت نفس کے ماتحت ہوگا۔ اور اگر اس

میں بھلائی اور نیکی ہوگی تو وہ اخیار کے ساتھ ہی صحبت پسند کرے گا۔ از مترجم۔ شعر۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز　　کبوتر با کبوتر باز با باز

تو یاد رکھو کہ کسی کی برائی اس کی ذات سے ہوگی صحبت ناسزا اور غیر کفو قبول کرنا اس کی نا اہلی ہے بلکہ وہ روز ازل سے ہی اس قوم اشرار سے ہوگا۔ اور اس نے اپنے نفس کے شر کو دیکھا ہوگا۔ تو ایسے منکر جو خاصان بارگاہ سے بدظن ہو گئے۔ وہ ایسے مکاروں کی اقتدا میں خراب ہوتے۔ برخلاف ان اخیار و محبوبان بارگاہ کے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچشم رضا دیکھا اور اپنے خواص میں انہیں جگہ عطا فرمائی۔ ان کی صحبت اگر جان و دل کے بدلے میں حاصل ہو تو بھی ارزاں ہے۔ اس لئے کہ ان کا طریق عمل برگزیدہ اور وہ تمام عالم سے علیحدہ اور ان کی برکت سے انسان مقاصد دارین حاصل کرتا ہے۔ ان کا حال اس شعر میں کسی نے خوب کہا ہے۔

فَلَا تَحْقِرَنْ نَفْسِیْ وَاَنْتَ حَبِیْبُهَا　　فَکُلُّ اِمْرِءٍ یَصْبُوْا اِلٰی مَنْ یُجَانِسُوْا

نہ حقیر سمجھ تو میرے وجود کو حالانکہ تو اس کا محبوب ہے۔ یاد رکھو ہر شخص اپنے ہم جنس سے مطلب کو پہنچتا ہے

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے رئیس العلماء فقیہ الفقہاء حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ ہیں۔ بڑے عظیم الشان اور بلند رتبہ والے گذرے ہیں۔ آپ کے نفوس بہت مقبول ہیں۔ اور بہت زیادہ پاک باطن تھے۔ آپ کے مناقب بہت ہیں۔ خصوصاً فن فقہ میں اور توحید و حقائق تفسیر و شعر و لغت وغیرہا میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ بظاہر عیار نظر آتے اور دل کے اعتبار سے نہایت پارسا تھے۔ نہ کہ پارسا نما اور عیار طبع۔ اور مذہب طریقت میں یہ صورت نہایت محمود ہے۔

مشائخ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ کی ایک روایت مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اِرْضَ بِالْیَسِیْرِ مِنَ الدُّنْیَا مَعَ سَلَامَةِ دِیْنِكَ کَمَا رَضِیَ قَوْمٌ بِکَثِیْرِهَا مَعَ ذِهَابِ دِیْنِهِمْ۔ راضی رہ اس تھوڑی دنیا سے جس میں تیرا دین سلامت رہے۔ جیسے راضی ہیں کثرت مال و دنیا کے ساتھ اپنا دین فنا کر کے عوام الناس۔

یعنی فقر سلامتی دین کے ساتھ اس سے بہتر ہے کہ غنا غفلت کے ساتھ حاصل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جب فقیر اپنے دل میں نظر کرتا ہے تو اندیشہ کی زیادتی نہیں پاتا اور جب ہاتھ پر نظر ڈالتا ہے تو اُسے قانع پاتا ہے۔

اور غنی جب دل میں نگاہ کرتا ہے تو اندیشوں کی دنیا آباد دیکھتا ہے اور جب ہاتھ کو دیکھتا ہے تو مشتبہ مال سے ملوث ہوتا ہے۔

تو رضا اور دستانِ الٰہی اُس کے خداوندی پر بلا غفلت رہتی ہے۔ اور رضائے غافلانِ دنیا پر غرور کے حصول اور آفت ہے حسرت وندامت اُس آفت سے اچھی ہے جو آفت پر ذلت و معصیت ہو۔ غرضیکہ جب کوئی بلا غافلوں پر آتی ہے تو کہتے ہیں الحمد للہ مال پر ٹل گئی۔ جان و تن اس آفت سے محفوظ ہے۔ اور جب کوئی بلا محبوبانِ بارگاہ پر آتی ہے تو کہتے ہیں کہ الحمد للہ کہ یہ بلا تن پر ٹل گئی اور دل محفوظ رہ گیا۔ اس لئے کہ جو بلا تن پر آئی اور اس سے دل محفوظ رہ جائے وہ نہایت اچھی بلا ہے اور اگر وہ بلا دل پر آتی اور دل غافل ہو جاتا تو اگرچہ تن نعمتوں میں ہوتا، مگر ایسی نعمت نعمت نہیں بلکہ نقمت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قلیل دُنیا کے ساتھ راضی رہنا اس کے کثیر ہو جانے کی موجب ہے اور رضا و کثیر دنیا کے ساتھ اسے قلیل کر دینے والی ہے۔ اور ایسی جماعت کے لئے قلیل مثلِ کثیر ہے۔

آپ سے ہی ایک روایت ہے رضی اللہ عنہ کہ آپ مکہ معظمہ میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا بسعید مجھے وہ حلال بتاؤ کہ اس میں حرام نہ ہو اور وہ حرام بتاؤ جس کے اندر حلال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا۔

ذِكْرُ اللّٰهِ حَلَالٌ لَيْسَ فِيْهِ حَرَامٌ وَذِكْرُ غَيْرِهٖ حَرَامٌ لَيْسَ فِيْهِ حَلَالٌ

"اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا ایسا حلال ہے کہ اُس میں حرام نہیں اور غیر خدا کا ذکر ایسا حرام ہے کہ اس میں حلال نہیں"۔ اس لئے کہ اس کے ذکر میں نجات ہے اور اُس کے غیر کے ذکر میں ہلاکی ہی ہلاک وباللہ التوفیق۔

گیارھواں باب

تبع تابعین تا بہ زمانۂ حال

شجاع طریقت متمکن اندر شریعت حضرت

حضرت حبیب عجمیؒ حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپ بڑے بلند ہمت اور بہت باقدر لوگوں میں سے گذرے ہیں۔ اپنے زمانہ کے مشائخ میں بہت معزز تھے۔ آپ کی ابتدائی توجہ اور بیعت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔

آپ ابتداء زمانہ میں بڑے ریاکار اور فتنہ و فساد میں مشاق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق توبۃ النصوح عطا فرمائی اور ایسے مقرب بارگاہ ہو گئے۔

کچھ علم و عمل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ آپ کی زبان عجمی تھی اس وجہ سے زبان عربی پر دشواری سے چلتی تھی۔ آپ کی بہت سی کرامتیں مخصوص ہیں۔

آپ کا درجہ یہاں تک بلند ہوا کہ ایک روز حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ آپکی عبادت گاہ میں آئے نماز شام کی تکبیر ہو رہی تھی اور جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر اقتدار کی مگر جب دیکھا کہ حضرت حبیب عجمی کی زبان سے مخارج قرآن کریم - صحیح نہیں نکل رہے تھے۔ نماز تو آپنے پڑھی مگر یہ محسوس فرمایا کہ ان کے مخارج صحیح نہیں ہیں۔ شام کو جب سوئے تو خواب میں جمال الٰہی سے مشرف ہوئے۔ عرض کی الٰہی تیری رضا کس چیز میں ہے۔ جواب ملا حسن اگر میرے حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھتا اور صحیح نیت کرتے تجھے اس کی عجمی زبان نہ روکتی تو میں تجھ سے راضی ہو جاتا۔

اور مشائخ میں مشہور ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب ظالم حجاج سے فرار ہو کر تشریف لائے تو حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے صومعہ عبادت میں روپوش ہوئے۔ حجاج کے آدمی آئے اور آپ سے کہنے لگے۔ حبیب تم نے حسن کو کبھی دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ملازموں نے کہا کہاں دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی میرے عبادت خانہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ متلاشی اندر حجرہ میں گئے کسی کو نہ پایا۔ سمجھے کہ حبیب عجمی نے ہم سے مذاق کیا ہے۔ غضبناک ہو کر بولے سچ بتاؤ کہ کس جگہ انہیں دیکھا ہے۔ آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ سچ کہتا ہوں۔ وہ میرے حجرۂ عبادت میں ہیں۔ دوبارہ پھر گئے۔ مگر حسن بصری رحمۃ اللہ انہیں نظر نہ آئے پھر سہ بارہ دیکھنے گئے آخرش مایوس ہو کر چلے گئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا حبیب یہ تو میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے تمہاری برکت سے مجھے اُن کی نظر سے مخفی کر دیا مگر تم نے ان سے یہ کیوں کہہ دیا کہ حسن بصری اس جگہ اندر ہیں۔ عرض کی اوستاد میری برکت سے آپ اُن کی نظر سے پوشیدہ نہیں کئے گئے۔ بلکہ وہ سچ جو میں نے بولا۔ اس کی برکت سے آپ کو وہ سپاہی نہ دیکھ سکے۔ اگر میں جھوٹ بول دیتا تو مجھے اور آپ کو وہ رسوا کرتے۔ اس قسم کی بہت سی کرامتیں آپ سے ظاہر ہوئیں۔

آپ سے لوگوں نے پوچھا رضا رالہٰی کس چیز میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ فِیْ قَلْبٍ لَیْسَ فِیْہِ غُبَارُ النِّفَاقِ۔ "اُس دل میں رضا رالہٰی ہے جس پر غبارِ نفاق نہ ہو"

اس لئے کہ نفاق خلافِ وفاق ہے اور رضا عین وفاق اور محبت کو نفاق کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ اس کا مقام محض رضا ہے تو رضا صفت محبوبان ہوئی اور نفاق صفت دشمنان۔ اور یہ مضمون بڑا زبردست ہے۔ انشاء اللہ کسی دوسری جگہ بیان کیا جائیگا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے نقیب اہل انس زین جملہ جن و انس حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب خاص تھے۔ مشائخ میں آپ کی کرامات مشہور ہیں۔ اور ریاضت و مجاہدہ میں آپ کی خصلتیں مذکور

دینار ایک غلام تھا اور یہ صاحبزادہ اسی حالت میں پیدا ہوئے کہ ان کے والد

غلام تھے۔ آپ کی بیعت کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت مالک ایک شب بمع چند لوگوں میں مشغول عیش و طرب تھے۔ جب سب سو گئے تو آپ نے اس عود سے آواز سُنی جسے بجا رہے تھے۔

یَا مَالِکُ مَا لَکَ اَنْ لَا تَتُوْبَ "اے مالک تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تُو توبہ نہیں کرتا۔

یہ سنتے ہی آپ نے سب کاموں سے ہاتھ کھینچا، اور حضرت حسن البصری رحمۃ اللہ کی خدمت میں آکر بیعت توبہ کی۔ اور اپنے چال چلن کی اصلاح اس درجہ کی کہ ایک دن مالک بن دینار کشتی میں لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ کسی کا ایک نگینہ جواہرات کا گم ہوگیا سب کی طرف نظر ڈالی حضرت مالک بن دینار ہی سب میں اجنبی نظر آئے۔ آپ پر اس نگینہ کی چوری کا الزام لگ گیا۔ آپ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی کہ یک لخت تمام دریا کی مچھلیاں دریا سے منہ نکالے ہوئے نظر آئیں اور دیکھا کہ ہر مچھلی کے منہ میں ایک ایک نگینہ ہے۔ آپ نے ایک نگینہ لے کر اسے دیدیا۔ اور خود کشتی سے سطح آب پر اُتر کر کنارہ پر تشریف لائے اور دریا سے باہر ہوگئے۔ آپ کے ارشادوں میں سے ہے کہ۔

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ عَلَی الْاِخْلَاصِ فِی الْاَعْمَالِ "عملوں میں سے محبوب تریں عمل مجھے وہ اخلاص ہے جو عمل میں ہو"

اس لئے کہ عمل با اخلاص ہی عمل ہوتا ہے اور اخلاص عمل کے اندر بمنزلہ روح ہے اور عمل بمنزلہ جسم۔ چنانچہ جب جسم بے روح رہ جاتا ہے تو وہ جماد محض ہوتا ہے۔ اسی طرح عمل بلا اخلاص محض حبار منثور ہے۔ مگر اخلاص تمام اعمال میں باطن ہے۔ اور طاعات اعمال ظاہر کا نام ہے اور اعمال ظاہری عمل باطن کے ساتھ تکمیل کو پہنچتے ہیں اور اعمال باطن کی قدر و قیمت اعمال ظاہر پر موقوف ہے۔

جیسے اگر کوئی کسی کے ساتھ ہزار برس دل سے مخلصانہ محبت رکھے مگر جب تک اس کا عمل اخلاص کا نظر نہ آئے گا۔ وہ اخلاص اخلاص نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی ہزار سال ظاہری عمل کرتا ہے۔ مگر جب تک اس میں اخلاص نہ آئے گا۔ وہ عمل طاعت مخلصانہ نہ کہلائے گا۔

حضرت ابو حبیب بن سلیم الراعیؒ

انہیں میں سے امیر الاولیا فقیر بے ریا ابو حلیم حضرت حبیب بن سلیم الراعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، مشائخ کرام میں آپ کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔ آپ دلائل اور آیات کے بیان فرمانے میں خاص عبارت رکھتے تھے۔ اور آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے خاص مصاحب تھے اور آپ کے حالات اصحابِ حال کے سے تھے۔ آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ "یعنی مومن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔" آپ بکریاں چراتے اور کنارۂ فرات پر تشریف رکھتے۔ آپ کا طریقہ زیادہ تر عزلت نشینی تھا۔

ایک مشائخ کرام سے راوی ہیں کہ جب میں فرات کے کنارے سے گذرا حبیب کو نماز میں پایا۔ اور آپ کی بکریوں کی نگرانی بھیڑیا کر رہا تھا۔ میں نے کہا اس بزرگ کی زیارت کرنی چاہیئے اس میں علاماتِ ولائیت پائے جاتے ہیں میں ٹھیرا رہا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ صاحبزادہ کس کام آدھر آئے ہیں میں نے عرض کی حضور کی زیارت کے لئے۔ آپ نے فرمایا جزاک اللہ

میں نے کہا حضرت یہ کیا معاملہ ہے کہ بھیڑیئے اور بکریوں کو ایک جگہ دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا اسکی وجہ یہ ہے کہ بکریوں کا چرواہا اپنے رب کے ساتھ موافق ہے۔ یہ فرمایا اور اپنا پیالہ چوبین ایک پتھر کے نیچے رکھ دیا۔ اس پتھر سے دو چشمے جاری ہوگئے۔ ایک دودھ کا اور دوسرا شہد کا۔ میں نے یہ دیکھ کر عرض کیا حضور یہ درجہ کس عمل کے بدلہ میں حاصل کیا۔ فرمایا۔ بمتابعت محمد رسول اللہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پھر فرمایا صاحبزادے قوم موسیٰ علیہ السلام جبکہ اُن کی مخالف تھی تو پتھر نے انہیں پانی دیا تھا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام درجہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے برابر نہ تھے پھر جبکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہوں تو پتھر مجھے کیوں نہ شیر و شہد دے۔

اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو موسیٰ علیہ السلام سے کہیں افضل و اعلیٰ مرتبہ ہیں میں نے عرض کی حضور مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔

لَا تَجْعَلْ قَلْبَكَ صَنْدُوْقَ الْحِرْصِ وَبَطْنَكَ وِعَاءُ الْحَرَامِ ۔ اپنے دل کو حرص وہوا کا صندوق نہ بنا اور اپنے شکم کو حرام کا برتن نہ کر۔

اس لئے کہ ہدایت مخلوق انہیں دو چیزوں میں ہے اور نجات انہیں دو چیزوں سے مجتنب رہنے میں۔ علاوہ اس کے میرے شیخ سے یہاں بہت سی روایات ہیں لیکن میں اسوقت ضیق میں ہوں۔ اس وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ میری کتابیں غزنی میں رہ گئیں۔ اللہ اس شہر کو اپنی حفاظت میں رکھے میں اس وقت ہندوستان لہانور[1] میں ہوں۔ جو مضافات ملتان سے ہے اور ناجنسوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ والحمد للّٰہ عَلَی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ

حضرت ابو حازم مدنیؒ

انہیں میں سے پیشوائے حضرت ابو حازم مدنی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں۔ آپ بھی مشائخ کرام میں مقتدا مانے جاتے ہیں آپ کو معاملات عبادت میں خاص حصہ عطا ہوا۔ اور میدان فقر میں آپ کا قدم بہت صحیح تھا اور آپ کے مجاہدات کی روش نہایت پاکیزہ تھی۔

اور حضرت عمرو ابن عثمان مکی نے آپ کے حالات میں بہت کوشش کی ہے۔ آپکے کلام وعظ اس مقبول خواص ہیں۔ اور آپکے علمی جواہر پارے بہت سی کتابوں میں مشہور ہیں۔ اور عمرو بن عثمان روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا مَا مَالُكَ قَالَ اَلرِّضَا مِنَ اللّٰهِ وَالْغِنٰى عَنِ النَّاسِ "آپ کا خزانہ اور مال کیا ہے۔ فرمایا میرا مال رضاء الٰہی ہے۔ اور مخلوقات سے بے نیازی"

جو اپنے رب سے راضی ہوگیا وہ مخلوقات سے مستغنی ہوگیا۔ اور زبردست خزانہ مرد کامل کا رضاء مولا ہے اور اس میں اشارہ غنا جو ہے وہ من جانب اللہ ہے تو جو من جانب اللہ غنی ہوگا۔ وہ یقیناً غیر خدا سے مستغنی ہوگا۔ اس کا راستہ بجز درگاہ الٰہی کوئی نہیں۔ وہ خلوت میں بجز اپنے رب حقیقی کے کسی کو نہیں پکارتا۔ کسی نے مشائخ میں سے کہا کہ میں حضرت ابو حازم کے پاس آیا۔ دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ میں کچھ دیر ٹھہر رہا۔ تاکہ وہ بیدار ہوں تھوڑی دیر بعد آپ اٹھے

---

[1] لہانور سے مراد شہر لاہور ہی ہے اسلئے کہ اس شہر کا نام پہلے لہانور تھا۔ جیسا کہ مراد شاہ زندگی خفر ای شاہ عبد الجلیل رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے۔ دو بسال غریب بہ ماہ صیام۔ بشہر لہانور عالی مقام۔ انہیں کا شعر ہے۔ وری لا جدیے شہر لہانور جو دار السلطنت ہے۔ وہ مشہور اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ رام چندر کے دو بیٹے تھے ایک لہ اور دوسرا قصو لہ نے لہانور آباد کیا اور قصو نے قصور آباد کیا ــــ از مترجم نقل از تاریخ مخزینہ مسند محمد لطیف

مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضور نے میرے ذریعے آپ کو پیام فرمایا ہے کہ جاؤ۔ ماں کی خدمت کرو۔ یہ حج سے بہتر ہے۔

یہ سنتے ہی میں واپس گھر آگیا اور حج کو نہیں گیا بس اس سے زائد ان سے میری گفتگو نہیں ہوئی۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے داعی اہل مجاہدت قائم اللہ بشاہدت حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپ اپنے زمانہ میں اپنی نظیر آپ ہی تھے اور آپ کو بہت تابعین (یعنی وہ جنہوں نے صحابہ کرام کی زیارت کی) کی صحبت کا شرف ملا اور بہت سے مشائخ آپ کو اپنا امام و پیشوا مانتے ہیں۔ اور رموز طریقت میں آپ پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ اور حقائق تصوف میں آپ کے خیالات بہت بلند تھے آپ کے ارشادات جامع اور کامل ہوتے تھے، آپ ہی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ "میں نے کوئی چیز نہ دیکھی مگر جو دیکھا اس میں جلوہ الٰہی دیکھا" اور یہ خاص مقام مشاہدہ ہے۔

کہ بندہ غلبہ محبت یار میں اس مقام پر پہنچ جائے کہ جب وہ فعل میں نظر ڈالے تو اُسے فعل نہ سمجھے۔ جیسے کوئی تصویر کو دیکھے تو اس کی نظر مصور پر پڑتی ہے۔ اس مضمون کی حقیقت بموجب فرمان ابراہیم علیہ السلام ہے کہ جب آپ نے ماہتاب و آفتاب کو دیکھا تو هٰذَا رَبِّیْ فرمایا اور اور جب ستارہ دیکھا تو هٰذَا رَبِّیْ کہا اور یہ کہنا تمامتر غلبہ شوق میں تھا کہ جس چیز کو دیکھا اس میں صفات محبوب کا مشاہدہ کیا۔

اس لئے کہ جب محبان خاص عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر شے کو مقہور بقہر و اسیر سلطان دہر دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے۔ اس کے پردہ میں فاعل حقیقی کی قدرت کام کر رہی ہے تو اس کی تلاش کرتے کرتے اپنے دل میں ہر چیز کو محض ناچیز یقین کر لیتے ہیں اور جب مجبوبان بارگاہ بچشم اشتیاق اس عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو مقہور نہیں بلکہ سب کو قاہر دیکھتے ہیں اور مخلوق کو نہیں بلکہ سب میں جلوۂ خالق دیکھتے ہیں اور اس بحث کو ہم باب مشاہدہ میں بیان کریں گے انشاء اللہ

اس مسئلہ میں ایک جماعت کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اور وہ اس غلط فہمی کے ماتحت کہتے ہیں کہ وہ مرد جس نے کہا۔ رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ "یعنی اللہ کو میں نے اس میں دیکھا" اس سے مکان

اور حلول ثابت ہوتا ہے۔ اگر بالفرض علی التقدیر کوئی کہے کہ مکان مخلوق ہے تو مکین بھی مخلوق ہوگا اور اگر مکین قدیم تو مکان بھی قدیم ماننا پڑیگا۔ اس میں دو فساد آتے ہیں۔ یا خلق کو قدیم کہا جائے یا معاذاللہ خالق کو محدث اور یہ دونوں کفر ہیں۔

تو دیکھنے سے مراد ذات حقیقی نہیں ہوگی بلکہ اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہر چیز میں نشانی قدرت الہیہ اور براہین فطرت قادریہ کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور یہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں پھر اس بحث میں بڑے لطیف رموز و نکات ہیں جو اپنی جگہ پر انشاءاللہ بیان کریں گے۔

حضرت ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے امام امان متقد اشقیاں شرف فقہاء عز علماء حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الخزار رضی اللہ تعالٰے عنہ ہیں۔ آپ مجاہدات و عبادات میں نہایت ثابت تمام اور طریقت کے اصول میں بڑے جلیل الشان عالم مانے گئے ہیں حتیٰ کہ ابتدائی زمانہ میں آپ نے عزم عزلت نشینی فرمالیا تھا اور مخلوق سے تبری فرمالی تھی چاہتے تھے کہ مخلوقات سے علیحدہ ہو کر دل کو ریاست جاہ مخلوق سے پاک فرمائیں اور خالص رب جل مجدہ کی اطاعت میں کمربستہ ہوں کہ ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استخوانہائے مبارک لحد مبارک سے جمع کر کے ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیکر پسند کر رہے ہیں۔ اس خواب سے اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ بیدار ہو گئے اور سخت پریشان۔ آخر ایک صحابہ کرام کے تلامذہ میں سے حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی خدمت میں گئے۔ اور خواب بیان کیا آپ نے تعبیر دی کہ خواب مبارک ہے۔ تم علم سید الانبیاء حاصل کر کے محافظت سنت میں اعلیٰ درجہ پاؤ گے بلکہ ان روایات سنت میں نقد و تنقیح کر کے تصرف فرمانے کے مجاز ہو گے اور صحیح کو سقیم سے علیحدہ کرو گے۔

دوبارہ پھر خواب میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں اے ابو حنیفہ تجھے اللہ نے میری سنت زندہ کرنے کے لئے بنایا ہے۔ گوشہ نشینی کا عزم نہ کر چنانچہ آپ نے خدمت دین شروع کر دی۔ اور بڑے بڑے مشائخ کرام کے مثل ابراہیم ادہم اور فضیل بن عیاض، داؤد طائی بشر حافی رحمہم اللہ وغیرہم کے استاذ ہوئے اور علاوہ اس کے آپ کے تورع اور اتقا کے بہت سے

واقعات علماء میں مشہور ہیں
چنانچہ بادشاہ ابوجعفر منصور کے عہد کا واقعہ مشہور ہے۔ کہ چار آدمی اس نے اپنی سلطنت میں قضاۃ کیلئے خاص طور پر منتخب کئے اور فیصلہ کیا کہ ان میں سے ایک قاضی اسلام بنایا جائے (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ (۲) حضرت سفیان ثوری (۳) حضرت مسعر ابن کدام رحمۃ اللہ علیہ اور (۴) حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہم اور حقیقت ہے کہ یہ چاروں زبردست علماء میں سے تھے کسی کو ملازمین میں سے حکم ملا کہ ان چاروں کو بلالائے۔ جب ایلچی آیا۔ چاروں روانہ ہوئے۔ راستہ میں امام صاحب نے فرمایا کہ میں آپ حضرات کو کچھ باتیں کہوں جو فراستاً میرے ذہن میں آئی ہیں سب نے جواب دیا کہ فرمائیں۔
آپ نے فرمایا میں تو حیلہ سے اپنے کو عہدۂ قضاء سے بچالوں گا۔ اور مسعر دیوانہ بنکر بچ جائیگا اور سفیان دربار سے بھاگ جائیں گے۔ اب رہے شریح۔ یہ قاضی بنیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت سفیان تو راستہ سے ہی بھاگے اور کشتی میں بیٹھکر فرمانے لگے مجھے چھپالو کہ حکومت میرا سر کاٹنا چاہتی ہے۔ اور یہ جملہ حدیث سید اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ فرمایا حضور نے فرمایا ہے۔ مَنْ جَعَلَ قَاضِیًا فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ۔ جو قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ ملاحوں نے آپ کو چھپا دیا۔ اور یہ تینوں حضرات دربار ابوجعفر منصور میں پہنچے۔
ابوجعفر منصور نے خصوصیت سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ کو منصب قضاء پر متمکن ہونا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا۔ امیر المؤمنین میں عربی النسل نہیں بلکہ ان سے محبت رکھنے والا ہوں تو سادات عرب میرے حکم پر خوش نہ ہونگے۔ ابوجعفر منصور نے کہا حضرت اس عہدہ کو نسب سے تعلق نہیں ہے۔ یہ عہدہ علم والے کو ملتا ہے آپ نے فرمایا پھر بات یہ ہے کہ میں اس منصب کے لائق نہیں اور سچ کہتا ہوں کہ لائق نہیں۔
پھر اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں اس عہدہ کے لائق نہیں اور اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ دروغ گو قاضی مسلمانان بننے کا کس طرح اہل ہو سکتا ہے۔
اور آپ کو خلیفۃ اللہ ہیں کبھی روا نہیں رکھ سکتے کہ دروغ گو کو اپنا نائب بنائیں اور مسلمانوں کے

خون مال عزت و مدینہ کا اسیر بنہ کریں۔ یہ فرمایا اور بموجب پیشگوئی نجات پا گئے۔ اب حضرت مسعر بن کدام کی باری آئی۔ آپ آگے بڑھے۔ اور امیر المومنین ابو جعفر منصور کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے۔ ابو جعفر اچھی طرح ہو تمہارے بچے بیوی تو اچھے ہیں منصور نے بے ربط کلام سن کر حکم دیا کہ اسے دربار سے نکال دو۔ یہ دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضرت شریح کو فرمایا گیا کہ تمہیں منصب قضا پر آنا چاہیئے۔ آپ نے کہا کہ میں مزاجی آدمی ہوں۔ میرا دماغ کمزور ہے منصور نے کہا علاج کرالیں۔ عصارہ موافق اور نبیذ ثلث مثلث استعمال کریں۔ آپ کی عقل کامل ہو جائے گی آخرش منصب قضا شریح کو دیدیا گیا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت شریح کو چھوڑ دیا اور کبھی اُن سے کلام نہ فرمایا۔ اور یہ آپ کے کمال حال کی خاص نشانی تھی۔ اُن میں دو علیحدہ علیحدہ شانیں نظر آتی ہیں۔ ایک تو ان کی پیشگوئی کی صداقت کہ جیسا فرمایا ویسا ہی ہوا۔ دوسرا اپنے کو صحت و سلامتی پر ایسا قائم رکھا کہ جاہ و اعزاز خلقت کی پرواہ نہ کی۔

یہ سنتوں ایسے پایہ کے نکلے کہ کسی نہ کسی حیلہ سے مخلوق کو اپنے سے دُور رکھ کر اتنے بڑے منصب سے مجتنب ہو گئے۔

آج کل کے دن عام علما و فضلا اس قسم کے عمل اور ورع و تقویٰ کی پرواہ نہیں کرتے اس لئے کہ وہ سب کے سب حرص و ہوا کے ساتھ وابستہ ہیں اور طریقہ حقہ سے فرار شدہ ہیں۔ اُن کے لئے امرا کے گھر بمنزلہ قبلہ ہیں۔ ظالم اہل حکومت کی بارگاہ بیت المعمور ہے اور جابروں کے درباروں میں اُن کے فرش تک پہنچ جانا۔ قاب قوسین او ادنیٰ سے کم نہیں سمجھتے۔ اور جو کچھ اُن کی مرضی کے خلاف بات ہو اُس سے یہ پہلے منکر ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ غزنی میں (خدا اس شہر کو محفوظ رکھے) علم و امامت کے مدعیوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ مرقعہ پہننا بدعت ہے۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ جو حشیش اور پوشاک دبیق جو خالص ابریشم سے تیار ہوتا ہے۔ تمہارے اور تمام مردوں کے لئے شرعاً حرام ہے نہ ان جباؤں اور قباؤں کو ظالم جابر حکام سے خوشامد کر کے لیتے اور پہنتے ہو۔ ہاں میں اول تو خوشامد حرام پھر ظالم سے لیکر حرام پھر اس کا پہننا حرام لیکن اسے تم پہنتے ہو اور کبھی اُسے

پہنتے تک نہیں کہتے۔

برخلاف فرجی کے کہ وہ جامۂ حلال ہوتا ہے اور مال حلال سے خریدا جاتا ہے اس کا پہننا
کس طرح بدعت حسنہ ہوا حقیقت یہ ہے کہ اگر تمہارے دلوں پر رعونت غالب ہوا ور نفس
کی گمراہی میں تم نہ پھنسے ہوتے تو اس کے بجائے کہ خرقہ کو بدعت کہہ دیا۔ کوئی اچھی بات
کہہ دیتے۔

عورتوں پر لباس ابریشم حلال ہے اور مردوں پر حرام۔ اور دیوانوں پر مباح۔ اگر تم
لوگ عورت یا دیوانہ ہو تو پھر تم معذور ہو۔ ونعوذ باللہ من عدم الانصاف۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوفل بن حیان رضی اللہ
عنہ نے وفات پائی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور مخلوقات حساب
کتاب کے مقام پر کھڑی ہے۔

حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں کہ حوض کوثر کے کنارے جلوہ
فرما ہیں اور آپ کے بائیں طرف بہت سے مشائخ حاضر ہیں۔ ایک بزرگ معمر کو دیکھا کہ بہت
خوبصورت ہیں اور آپ کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے اپنا رخسار مبارک
حضور کے رخ اقدس پر رکھا ہوا ہے۔ اور ان کے برابر حضرت نوفل بن حیان کھڑے
ہیں۔ انہوں نے جیسے ہی مجھے دیکھا تو میری طرف آئے اور سلام فرمایا۔ میں نے انہیں کہا
مجھے پانی دیجئے۔ فرمایا حضور سے اجازت لے لوں کہ حضور نے انہیں انگلی سے اشارہ
فرما کر پانی دینے کا حکم فرمایا۔ میں نے پانی پیا اور میرے ساتھی جو تھے انہیں پلایا۔ مگر وہ
جام جس میں پانی ملا تھا۔ بدستور مملو ہی رہا۔ کچھ کم نہ ہوا۔

میں نے حضرت نوفل بن حیان سے پوچھا کہ یہ بزرگ سفید بالوں والے جو حضور کے داہنے
جانب کھڑے ہیں۔ کون ہیں۔ فرمایا یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
ہیں۔ اور بائیں طرف جو کھڑے ہیں وہ صدیق اکبر خلیفہ رسول رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح میں پوچھتا رہا۔ اور اپنی انگلیوں پر گنتا رہا حتیٰ کہ سولہ بزرگوں کو میں نے
گنا جب میں بیدار ہوا تو سولہ عدد پر میری انگلی میں گرہ کے نشان تھے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ۔ این اطلبک قال عند علم ابی حنیفۃ۔ "حضور میں حضور کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا ابو حنیفہ کے علم کے نیچے۔

غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ورع و تقویٰ میں اس قدر مناقب ہیں کہ یہ کتاب اُن کی متحمل نہیں

میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ) ایک بار شام میں تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے سرہانے سو رہا تھا کہ اپنے کو مکہ معظمہ میں دیکھا اور اُسی خواب میں دیکھا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور ایک بزرگ معمر کو اپنے پہلو میں اس طرح لے رکھا ہے جیسے بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں۔

میں فرطِ محبت سے دوڑا اور حضور کے پائے اقدس کو چومنے لگا۔ اور میں اس تعجب میں تھا کہ یہ معمر حضور کے اتنے محبوب کون ہیں حضور میرے تعجب کو نورِ نبوت سے سمجھ گئے۔ مجھے فرمانے لگے۔ یہ تیرا امام ہے اور تیرے شہر کے لوگوں کا امام ہے یعنی ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مجھے اس خواب کے بعد اس ہستی پاک کے ساتھ امید قوی ہے اور میرے اہل شہر بھی بالخصوص امیدوار ہیں۔ اور اس خواب سے میرا یہ خیال بھی صحیح ہو گیا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں پاک ہستیوں میں سے تھے جو اوصاف طبع سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ اس لئے ان کے چلانے والے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر آپ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے (یعنی ارادہ صواب کرے مگر بلا ارادہ خطا ظاہر ہو جائے) یا مصیب ہوتا ہے (یعنی حقیقت معاملہ کو اچھی طرح پہنچنے والا)۔

اور جب اُن کے قائد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور نبی کی صفت بقا سے قائم ہے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر سے صدور خطا ناممکن ہے جو اُس ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس سے بھی خطا نہیں ہو سکتی۔ یہ درحقیقت ایک نہایت لطیف رمز ہے۔

مروی ہے کہ جب حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہ علم دین حاصل فرما کر پیشوا بن چکے اور منصب افتا حاصل کر لیا تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اب مجھے کیا حکم ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ عَلَيْكَ بِالْعَمَلِ فَاِنَّ الْعِلْمَ بِلَا عَمَلٍ كَالْجَسَدِ بِلَا رُوْحٍ "اب تم پر عمل لازم ہے اسلئے کہ علم بلا عمل ایسے ہے جیسے جسم بلا روح"

جب تک علم عمل کے ساتھ نہ ہو صاف نہیں ہوتا اور نہ بغیر عمل زمانہ سے مخلصی ملتی ہے۔ اور جو مجرد علم پر قناعت کرے وہ عالم نہیں ہے۔ اس لئے کہ عالم مجرد علم پر قانع نہیں ہوتا اور علم کا جو عین ہے وہ خود عمل کا متقاضی ہے جس طرح ہدایت مجاہدہ کی متقاضی ہے یا جیسے مشاہدہ بلا مجاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علم بے عمل نہیں آتا اور علم میراث عمل ہے اور علم کا فائدہ اور اس کا انکشاف عمل کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ کسی صورت میں علم کو عمل سے جدا نہیں کرنا چاہئے جیسے نور آفتاب کو آفتاب سے علیحدہ نہیں کر سکتے اور ابتدا کتاب میں ہم نے بیان علم پر ایک مختصر باب لکھدیا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے سید زہاد قائد اوتاد حضرت عبداللہ بن المبارک مروزی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ کا وجود اپنے زمانہ میں محتشمان قوم میں سے تھا اور شریعت طریقت کے احوال و اسباب اقوال میں آپ کو امام وقت مانا گیا۔ آپ نے بڑے بڑے مشائخ کرام و صوفیاء عظام کی زیارت فرمائی اور ان کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے۔ آپکی تصانیف ہر علم و فن میں مشہور اور کرامتیں مذکور ہیں۔

ابتداء دور آپ کا ایسا تھا کہ آپ ایک کنیز پر فریفتہ تھے اور اتنے دلدادہ تھے کہ ایک رات مستانہ وار اُٹھے اور ایک اپنے ہم چشم کو ساتھ لے کر اپنی معشوقہ کے مکان کے زیر دیوار کھڑے ہو گئے معشوقہ بھی آپکی فریفتہ تھی۔ وہ وقت معہودہ پر بر سر بام آگئی اور تمام شب یہ اُسے دیکھتے رہے وہ انہیں دیکھتی رہی۔ تمام شب گذر گئی۔

جب صبح کی اذان کی آواز آئی۔ ابن مبارک کو خیال آیا کہ عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ مگر جب دن نکل آیا تو سمجھے کہ یہ عشاء کی نہیں فجر کی اذان تھی۔ اور میں نے تمام شب حسن پرستی معشوق میں گذری

نفس لوامہ نے ملامت کی آپ کو محسوس ہوا اور دل سے کہنے لگے تجھے شرم کرنی چاہیئے کہ تمام رات محض ہوائے نفسانی کو پورا کرنے کو تو نے ایک پاؤں کھڑے ہو کر گذار دی۔ اس پر خواہش یہ ہے کہ اعزاز اخروی حاصل کرے۔

اگر یہ شب نماز میں طویل سورت شروع کرکے اپنے رب کے حضور کھڑا ہوتا تو دیوانہ وار خود رفتہ ہو جاتا۔ ابن مبارک اس پر دعوائے ایمان پس یہ مکالمہ دل سے کرکے آپ نے فی الفور توبہ کی۔ اور ایسی توبہ کی کہ اس کے بعد آپ کے اوقات علم اور طلب حق میں صرف ہوئے اور زہد و دیانت میں یہ درجہ پایا کہ ایک بار آپ کی والدہ باغ میں گئیں اور آپ کو باغ میں سویا ہوا دیکھا۔ قریب پہنچیں تو دیکھتی ہیں کہ ایک بہت بڑا سانپ شاخ گل منہ میں لیکر آپ کے سرہانے مگس رانی کر رہا ہے۔ اس زمانہ میں آپ مقام مرو میں تھے۔ اس کے بعد آپ یہاں سے بغداد تشریف لے آئے اور بزرگان عظام کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے پھر کچھ عرصہ آپ مکہ معظمہ میں حاضر رہے۔ بعد ازاں پھر مرو واپس آ گئے۔

لوگوں کو معلوم ہوا تو برائے زیارت حاضر آئے اور ایک درس آپ کیلئے قائم کیا گیا اور ایک مجلس خاص آپ کے فیض صحبت سے استفادہ کرنے کو قائم ہو گئی۔

مرو میں مسلمانوں کے اندر کچھ لوگ عقلی دلائل کے ماتحت اپنی رائے کے مطابق عمل کرنے والے تھے اور کچھ لوگ فرمان رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عامل تھے۔

آج تک ان کا یہی رویہ ہے ان لوگوں کو رضی الفریقین کہتے ہیں۔ اس لئے کہ دونوں فریق باہمی موافق تھے۔ پھر آپ نے یہاں دو مسافر خانے بنوائے۔ ایک ان لوگوں کے لئے جو حضور کے حکم کے ماتحت عمل کرتے تھے۔ دوسرا ان کے لئے جو اپنی رائے اور عقل کی روشنی میں چلتے تھے چنانچہ آج تک یہ دونوں لوگ وہاں موجود ہیں۔ اور اصلی عقیدہ میں دونوں متحد اور ایک عقیدہ پر قائم ہیں۔

بعد ازاں آپ وہاں سے پھر حجاز میں تشریف لے گئے اور یہاں ہی ہمیشہ کے لئے رہ گئے لوگوں نے آپ سے ایک بار پوچھا کہ آپ نے عجائبات عالم میں سے کیا چیز خاص دیکھی۔ فرمایا ایک راہب دیکھا اور راہب نصاریٰ کے زاہد کو کہتے ہیں جو تارک الدنیا ہو جو اپنے طریقہ کے

مجاہدہ وریاضت میں گھل کر زار و نزار ہو چکا تھا۔ اور خوف الٰہی سے اس کی کمر اتنی جھک گئی تھی کہ دوہرا ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ یَا رَاھِبُ کَیْفَ الطَّرِیْقُ اِلَی اللّٰہِ فَقَالَ لَوْ عَرَفْتَ اللّٰہَ لَعَرَفْتَ الطَّرِیْقَ اِلَیْہِ فَقَالَ اَعْبُدُ مَنْ لَا اَعْرِفُہٗ وَتَعْصِی مَنْ تَعْرِفُہٗ اللہ تعالیٰ تک رسائی کا کونسا راستہ ہے۔ کہنے لگا اگر تو اللہ کو پہچان لے گا اس کے راستہ کو بھی جان لے گا۔ پھر کہنے لگا میں اس کا پرستار ہوں۔ جسے آج تک نہیں پہچانا اور تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے جسے تو جانتا ہے۔

یعنی معرفت ذات مقتضی خوف ہے۔ اور میں تجھے بے خوف اور بے غم پاتا ہوں اور بیخوفی مقتضی کفر و جہل ہے۔ اس جواب سے میں نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ اور اس کے الفاظ نے مجھ پر یہ اثر کیا کہ بہت سے ناکردنی افعال سے رُکا رہا۔

آپ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَائِہٖ محبوبانِ بارگاہ کے قلوب پر سکون حرام ہے اس لئے ان کے دل سکون میں نہیں ہوتے۔" دنیا میں ان کا اضطراب طلب جمال کے لئے رہتا ہے۔ اور عقبیٰ میں ان کا اضطراب طرب بے کیف کی وجہ میں۔ چونکہ دنیا میں وہ جلوہ یار نے غیبت میں رہنے کی وجہ میں مضطر رہتے ہیں اور عقبیٰ میں وصل بے کیف کے باعث۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ ان کی دنیا مثل عقبیٰ کے ہے اور عقبیٰ مثل دنیا کے۔ اس لئے کہ سکونت دل کے لئے دو چیز ضروری ہیں۔ یا حصول مقصود یا مراد پانے سے غفلت۔ اور یہ لوگ ان دونوں چیزوں کو روا نہیں رکھتے۔

دو گونہ رنج و عذابست جان مجنوں را بلا فرقت لیلٰے و صحبت لیلٰے۔ از مترجم غفرلہٗ

اُن کا مقصد یہ ہے کہ خفقان محبت سے دل کو سکون ہی نہ ملے اور غفلت محبان الٰہی کے یہاں حرام ہے اس لئے کہ غفلت آتی اور حرکات طلب میں سکون ہوا اور وہ اضطرار و اضطراب طلب سے دل میں سکون پسند نہیں کرتے۔ اس بحث میں اہل طریقت محققین کے بہت قوی دلائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت فضیل بن عیاض

انہیں میں سے شاہ اہل جنت بادشاہ درگاہ وصلت ابو علی الفضیل بن عیاض

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ بھی صحابیک قوم میں سے تھے اور اکابر صوفیا سے گذرے ہیں آپ کو اعمال و مجاہدات میں سے خاص حصہ عطا ہوا تھا۔ اور ارباب طریقت میں ایک مشہور صوفی مانے گئے۔

آپ کی بھی ابتدائی کیفیت عیاری و راہزنی میں رہی۔ مرو سے باورد کے مابین انکا محاذ قزاقی تھا لیکن طبیعت کی خوبی اس وقت بھی اتنی تھی کہ آپ کو جوانمرد اور رحم دل صلح پسند بلند ہمت کہا جاتا تھا حتیٰ کہ جن قافلہ میں نسوانی طبقہ ہوتا اُسے لوٹنا برا جانتے تھے۔ اُس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ فرماتے۔ اور جس کے پاس کالائے سفر یا سرمایۂ زاد راحلہ کم ہوتا اس سے کچھ نہ لیتے بلکہ متمول کو اگر لوٹتے تو اتنا مال ضرور چھوڑ دیتے جس سے وہ اپنا سفر پورا کر سکے۔

آخر کار ایک سوداگر مرو سے روانہ ہوا۔ لوگوں نے اُسے کہا کہ راستہ میں فضیل راہزن ہے۔ اس کے لئے کچھ بدرقہ لے جاؤ (یعنی اُس کے مقابلہ کا انتظام کر کے جاؤ) سوداگر نے کہا میں نے اس کی راہزنی کے ساتھ یہ بھی سُنا ہے کہ وہ خدا ترس آدمی ہے۔ اس لئے کسی خاص انتظام کی حاجت نہیں۔ صرف ایک قاری صاحب کو کچھ روزینہ مقرر کر کے ساتھ لے لیا۔ اور اونٹ پر بٹھا کر کہہ دیا کہ آپ راستہ بھر تلاوت قرآن مجید شب و روز فرمائیں۔ غرضکہ قافلہ اُس جنگل میں آگیا جہاں فضیل کی کمیں گاہ تھی۔

قافلہ دیکھتے ہی فضیل گھات میں لگے۔ اور قافلہ کے قریب پہنچے۔ اتفاقاً اسوقت قاری کی زبان پر یہ آیۂ کریمہ آگئی۔ اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ "کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر اور یاد سے خشوع و خضوع حاصل کریں"

اس آیت کے سنتے ہی فضیل رضی اللہ عنہ کے دل میں رقت محسوس ہوئی۔ اور آفتاب ہدایت و رحمت ان کی پیشانی پر تاباں ہوا۔ انہوں نے رہزنی کے ایام میں جن جن پر غارت کی تھی سب کی فہرست بنا رکھی تھی۔ اسی وقت توبہ کی اور جن جن کا مال لوٹا تھا۔ انہیں راضی کر کے معافی لی۔ اور مرو سے روانہ ہو کر بیت اللہ شریف کے مجاور بن گئے۔

یہاں بڑے بڑے بزرگان دین اور عرفاء کا ملین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ پھر کوفہ میں آکر حضرت امام ہمام ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کی صحبت سے ایک مدت تک متمتع رہے۔

آپ سے فن حدیث میں بڑی بڑی بلند روایات منقول ہیں اور فن تصوف و معرفت میں بہت سے بلند کلام مشہور ہیں۔

آپ سے ہی مروی ہے کہ آپنے فرمایا۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ عَبَدَهٗ بِكُلِّ طَاقَتِهٖ۔" جو اللہ تعالیٰ کا عرفان کامل کرلے وہ ضرور اپنی تمام ہمت و قوت اس کی پرستش میں صرف کرے گا۔

اس لئے کہ جو بھی عارف الہٰی ہوجائیگا، وہ یقیناً اس کے انعام احسان کو جان لیگا اور اس کی رافت و رحمت سے واقف ہوگا۔ پھر جب اسے جان لے گا اس کا یقیناً دوست بن جائیگا اور جب دوست بنے گا تو دوست کی پیروی بحد استطاعت لازمی کرے گا اس لئے کہ حکم محبوب محب پر دشوار و بار نہیں ہوا کرتا۔

تو جس کی دوستی جس سے زیادہ ہوگی۔ حرص اطاعت بھی اس میں بڑھ جائے گی۔ اور از دیاد محبت حقائق معرفت میں سے ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ آپ فرماتی ہیں۔ کہ ایک شب حضور میرے پاس سے اُٹھے اور میری نظروں سے اوجھل ہوئے مجھے وہم ہوا کہ شاید حضور ازواج کے کسی کمرہ میں تشریف لے گئے ہیں میں حضور کے پیچھے پیچھے چلی۔ مسجد میں آئی تو میں نے حضور کو نماز میں قیام فرما دیکھا۔ اور اشکباری میں تمام شب گذر گئی۔ صبح کو بلال آئے فجر کی اذان دی۔ مگر حضور بدستور نماز میں اشکباری کے ساتھ مشغول تھے۔

جب جماعت سے فارغ ہوگئے تو حضور حجرہ میں تشریف لائے میں نے دیکھا کہ پائے اقدس اس قدر متورم ہیں کہ انگلیوں سے شقاق ہوکر زرد پانی جاری ہے میں رونے لگی، اور عرض کی۔ حضور اللہ تعالیٰ نے آپکے سبب اس کے اول آخر تمام لنا بخش دیا ہے پھر اس قدر غم کیسا۔ چھوڑیئے یہ کام وہ کریگا جسے اپنی عاقبت کے امن کا خطرہ ہے۔

حضور نے فرمایا اے عائشہ یہ میرے رب کا فضل ہے کہ اس نے مجھے یہ منصب جلیل عطا فرمایا۔ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ تو کیا مجھے اس کی بارگاہ میں شکر گذار بندہ نہ ہونا چاہیئے جبکہ اُس نے مجھ پر کرم فرمایا مژدہ بخشش سنایا، تو کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں عبادت وشکر بھی نہ کروں۔ اور اپنی استطاعت وقوت کے موافق استقبال نعمت بھی نہ کروں۔

یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں پچاس نمازیں قبول فرمالیں اور وہ حضور کو قطعاً گراں نہ گزریں حتیٰ کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے سے حضور محض امت کی خاطر واپس تشریف لے گئے اور پچاس کی پانچ نمازیں کرالائے۔ اس لئے کہ اس ہستی مقدس کی طبع مقدسہ فرمان محبوب کے ساتھ کسی مخالفت کی روادار نہ تھی۔ لِاَنَّ الْمُحَبَّۃَ ھِیَ الْمُوَافِقَۃُ اسلئے کہ محبت تمام ہی موافقت محبوب کا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلدُّنْیَا دَارُ الْمَرْضٰی وَالنَّاسُ فِیْھَا کَالْمَجَانِیْنِ وَلِلْمَجَانِیْنِ فِیْ دَارِ الْمَرْضٰی الْغِلُّ وَالْقَیْدُ۔ دنیا بیمار خانہ ہے اور لوگ اس میں پاگلوں کی طرح آباد ہیں اور ظاہر ہے کہ پاگلوں کیلئے زنجیر وقید ہوتی ہے۔ تو ہماری خواہشات نفسانیہ ہمارے لئے بیڑیاں ہیں اور ہماری معصیت شعاریاں ہماری قید۔

حضرت فضل بن ربیع فرماتے ہیں کہ میں ہارون رشید کے ہمراہ مکہ معظمہ میں تھا جب حج کیا۔ تو مجھے کہنے لگے اس جگہ مردان خدا میں سے کوئی خدا کا بندہ ہو تو اس کی زیارت کریں۔ میں نے عرض کی ہاں حضرت عبد الرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ ہیں۔ ہارون رشید نے کہا چلو۔ مجھے ان کی خدمت میں لے چلو۔ ہم اُن کے پاس پہنچے اور تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں۔ جب رخصت ہونے لگے تو ہارون رشید نے میرے ذریعہ دریافت کرایا کہ اگر آپ پر کچھ قرض ہے تو فرمائیں تاکہ ادا کر دیا جائے آپ نے فرمایا ہاں کچھ مقروض ہوں مختصر یہ کہ بحکم ہارون رشید وہ قرض ادا کر دیا گیا۔ جب باہر آگئے تو ہارون نے مجھ سے کہا۔ فضل ابھی میرا دل کسی ان سے زیادہ رفیع الشان مقرب بارگاہ کی زیارت کا متقاضی ہے میں نے کہا حضرت سفیان بن عیینہ بھی یہاں ہیں

ہارون نے کہا چلو چنانچہ وہاں پہنچے۔ تھوڑی دیر فیض صحبت سے مستفید ہو کر رخصت ہونے لگے اور حسب سابق میرے ذریعہ یہاں بھی سوال قرضداری کا کیا گیا۔ آپ نے بھی اپنا مقروض ہونا ظاہر کیا اور بموجب حکم شاہی وہ ادا کر دیا گیا۔ باہر آکر ہارون مجھ سے کہنے لگے فضل ابھی میرے دل کا مقصد حاصل نہیں ہوا کہ اچانک مجھے یاد آگیا کہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ بھی یہاں ہی ہیں۔ میں ہارون کو اُن کی خدمت میں لے گیا۔ آپ بالا خانہ کے حجرہ میں تلاوت قرآن فرما رہے تھے ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے اندر سے دریافت فرمایا۔ کون ہے۔ میں نے کہا۔ امیر المومنین ہیں۔ فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب سُن کر فرمایا۔ مجھ سے اور امیر المومنین سے کیا تعلق میں نے کہا سبحان اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس میں ارشاد ہے۔

لَيْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ "بندہ کو یہ زیبا نہیں کہ طاعت الٰہی میں اپنے کو ذلیل کرے" آپ نے فرمایا۔ بَلٰى اَمَّا الرِّضَاءُ عِزٌّ دَائِمٌ عِنْدَ اللّٰهِ ٹھیک ہے مگر رضا مولا میں رہنا دوامی عزت ہے۔ اس رضا کے اہل کے نزدیک تو میری ذلت دیکھ رہا ہے اور میں رب جل علا تعالیٰ کے حکم کے آگے راضی ہو کر ہمیشگی کی عزت پاتا ہوں۔ پھر آپ نیچے تشریف لائے اور دروازہ کھول کر چراغ گل فرما دیا اور ایک گوشہ میں حجرہ کے اندر تشریف فرما ہو گئے۔ ہارون اندھیرے میں آپ کو ڈھونڈنے لگے۔ آخر کار حضرت فضیل پر ہارون کا ہاتھ جا پڑا۔ حضرت فضیل نے فرمایا۔ وہ ہاتھ جس سے زیادہ نرم میں نے نہیں دیکھا۔ اگر عذاب الٰہی سے نجات یافتہ ہے تو بہت ہی اچھا ہے۔ ہارون رشید یہ سُن کر رو پڑے اور اتنے روئے کہ بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا۔ عرض کی حضور مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے امیر المومنین تمہارے باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ انہوں نے حضور سے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی ایک قوم کا امیر بنا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا میں نے آپ کے ایک ایک سانس کو آپ کی ذاتی جسم کا امیر بنا دیا ہے یعنی آپکا ایک ایک سانس جو اطاعت الٰہی میں گذرے وہ مخلوقات کی اطاعت سے تمہارے سے بہتر ہے۔ اِنَّ الْاِمَارَةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ النَّدَامَةُ "اس لئے کہ امارت سے قیامت کے روز بجز ندامت کچھ حاصل نہیں"

ہارون عرض کرنے لگے حضور کچھ اور بھی فرمائیں۔ حضرت فضیل نے فرمایا جب حضرت عمر بن

عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو مسندِ خلافت پر متمکن کیا تو آپ نے حضرت سالم بن عبداللہ اور رجاء بن حیوۃ اور محمد بن کعب القرظی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلا کر عرض کی کہ میں اس بلا میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اب بتایئے ان بلاؤں کا علاج میرے لئے کیا ہے۔ میں درحقیقت اس منصب کو بلا سمجھتا ہوں۔ اگرچہ عوام اسے نعمت جانیں۔ ان حضرات میں ایک صاحب فرمانے لگے کہ امیرالمومنین اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ کل روزِ قیامت عذاب سے مامون رہیں تو ہماری اس نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں

۱۔ معمر مسلمانوں کو باپ کی طرح بنگاہِ عزت دیکھو

۲۔ جوان مسلمانوں کو مثل بھائی کے برتو۔

۳۔ مسلمانوں کے بچوں کو بیٹوں کی طرح سمجھو۔

پھر انہیں باپ بھائی بیٹوں کی طرح سمجھنا ہی کافی نہیں بلکہ اُن کے ساتھ معاملہ بھی باپ بیٹوں بھائیوں کا سا رہے۔ پھر یقیناً دیار اسلام گھر کی طرح ہوں گے اور اہل و عیال کا سا برتاؤ تیرے ساتھ رہے گا اور بموجب حکم حدیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی حکومت قائم ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہے زُرْ اَبَاكَ وَاَكْرِمْ اَخَاكَ وَ اَحْسِنْ عَلٰی وَلَدِكَ "اپنے باپ کی زیارت کرو اور بھائی کے ساتھ احترام سے پیش آؤ اور اولاد کے ساتھ نیک برتاؤ کرو"

پھر حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے ہارون کو فرمایا۔ امیرالمومنین مجھے خوف ہے کہ یہ آپ کا حسین رخ زیبا کہیں دوزخ کی آگ میں نہ جھلسے۔ لہذا آپ سب سے زیادہ خوفِ الٰہی رکھیں اور اس کے احکام کے حقوق اس وقت سے زیادہ بہتر صورت میں ادا کریں۔ اس کے بعد امیرالمومنین ہارون رشید نے عرض کی حضرت آپ پر کچھ قرضہ تو نہیں حضرت فضیل نے فرمایا ہاں۔ قرضہ ہے مگر وہ تیرے ادا کرنے کا نہیں۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی پیروی کا قرضہ ہے۔ اگر اس قرضہ میں وہ مجھے پکڑ لے تو مجھ پر افسوس ہی افسوس ہے۔ ہارون رشید عرض کرنے لگے حضرت میں تو لوگوں کے قرض کے متعلق استفسار کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ کا بڑا ہی بڑا شکر ہے کہ اس کی طرف سے مجھے بے حد نعمتیں مل رہی ہیں مجھے ہرگز اپنے رزاق حقیقی کا شکوہ نہیں جو میں بندوں سے کرتا پھروں۔

ہارون رشید نے ہزار دینار پیشکش کئے اور عرض کی۔ یہ قبول فرمائیں اور اپنی ضرورتوں

میں صرف کریں۔ حضرت فضیل فرمانے لگے۔ امیرالمومنین میری کوئی نصیحت تم پر کارگر نہ ہوئی۔ اور ابھی سے ظلم وجور اور ریاکاری شروع کر دی۔ ہارون کہنے لگے حضور میں نے کیا ظلم کیا۔ فرمایا میں نے تجھے نجات کی طرف بلانا چاہا۔ تو تو نے مجھے بلا میں پھانسنے کا ارادہ کیا۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ہارون اور فضل رحمہما اللہ دونوں روتے ہوئے رخصت ہوئے حضرت فضل بن ربیع فرماتے ہیں کہ باہر آ کر ہارون نے مجھے کہا۔ اے فضل نرشتہ خصلت صوفی اگر ہے تو یہ ہے۔ یہ شان بے نیازی اور یہ رعب داب کی ادائیں اس کے کمال ولایت کی دلیل ہیں۔ ان کی نظر میں دنیا اور اہل دنیا ہی جو حقارت ہے اس کی نظیر وہی حضرت فضیل ہیں اور زینت دنیا سے منافرت اور اہل دنیا کی تواضع سے بے پرواہی جو میں نے ان میں پائی۔ اس کی مثال بھی یہی خود ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مناقب و پاک حالات ہیں۔ مگر یہاں مختصراً اس پر اکتفا کیا گیا

حضرت ذوالنون مصری

انہیں میں سے سفینۃ التحقیق وکرامت شمشیر شرف وولایت ابوالفیض حضرت ذوالنون بن ابراہیم مصری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ ہیں۔ آپ نہایت خوش خلق تھے۔ آپ کو ثوبان کے نام سے پکارا جاتا تھا خاندانی حیثیت سے عالی اور اہل طریقت میں عارف اور صوفی کامل مانے گئے ہیں۔ آپ طریقہ ملامتیہ پر تھے۔ اسی وجہ سے اہل مصر کی نظروں سے آپ کے مناصب عالی مخفی رہے۔ کوئی آپ کو بری نظر سے دیکھتا۔ کوئی معمولی آدمی سمجھتا۔ غرضیکہ جبتک آپ مصر میں رہے کسی نے آپ کے حال باطن اور جمال ایمانی کو نہ پہچانا۔ جبکہ آپ کی رحلت ہوئی اور بسرات دنیا سے کوچ فرمایا۔ تو شہر کے ستر آدمیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور یہ فرماتے سُنا کہ اللہ کا دوست ذوالنون مصری آ رہا ہے ہم اس کے استقبال کو آئے ہیں۔ جب وفات ہو گئی تو آپ کی پیشانی پر بخط جلی لکھا ہوا پایا۔

هٰذَا حَبِيْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰهِ قَتِيْلُ اللّٰهِ " یہ خدا کا محبوب ہے۔ اللہ

کی محبت میں وفات پائی۔" یہ قتیل اللہ ہے۔

جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو مرغان ہوائی آپ کے جنازہ پر اس طرح چھا گئے کہ پَر سے پَر ملا کر مثل بر سایہ کنان تھے۔ اہالیانِ مصر نے جب آپ کا یہ درجہ رفیع دیکھا تو پچھتائے اور جو لوگ آپ کو بری نظر سے دیکھتے تھے تائب ہوئے۔

آپ کی کافی تعلیمات اور حقائق علوم میں نہایت نفیس بیانات موجود ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اَلْعَارِفُ کُلَّ یَوْمٍ اَخْشَعُ لِاَنَّہٗ فِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ مِّنَ الرَّبِّ اَقْرَبُ ہر روز عارف کامل خاشع و ترساں رہتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی ہر ساعت تقرب بارتبہ قرب میں قریب ہوتی ہے" اور ظاہر ہے کہ جو شخص بارگاہ میں قریب تر ہوتا جائیگا۔ لامحالہ شیون جبروتی کا تحیر بڑھتا رہے گا اور جتنا تحیر ترقی افزا ہوگا خشوع و خضوع ترقی کریگا اور جلالِ حق اس پر اور اس کے دل پر مستولی ہوتا جائے گا۔

تو پھر وہ اپنے کو اتنا اجنبی اور بعید دیکھتا ہے کہ آرزوئے وصل بھی فنا ہو جاتی ہے اور خشوع پر خشوع زیادہ ہونے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحالت مکالمہ جناب باری سے عرض کیا۔ اَیْنَ اَطْلُبُکَ قَالَ عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ "الٰہی میں تجھے کہاں تلاش کروں فرمان الٰہی ہوا ٹوٹے دلوں میں" اور اُن میں جو قید عشق سے اپنے کو مایوس کر چکے ہیں

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی الٰہی مجھے میرے دل سے زیادہ کوئی نا امید تر اور شکستہ نظر نہیں آتا۔ تو ارشاد باری ہوا کہ موسیٰ پھر وہیں ہوں جہاں تو ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جس میں ترس و خشوع نہیں اس کا دعوٰی عرفان جہالت خالص ہے۔ اُسے عارف نہیں کہہ سکتے

اس لئے کہ حقیقت معرفت کیلئے علامات صدق ارادت لازمی ہے۔ اور ارادت صادق بندۂ کامل کے اسباب انساب کو قطع کرنے کی طرف آمادہ کرتی ہے۔ اسے سوائے اپنے رب جل مجدہ کے کسی سے تعلق و نسبت نہیں رہتی۔

جیسا کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اَلصِّدْقُ سَیْفُ اللّٰہِ فِیْ اَرْضِہٖ مَا وُضِعَ

رفقو [illegible] نے جس کو سبق پڑھ [illegible]

علیٰ شَیْئٍ اِلَّا قَطَعَہٗ " راستی ایسی شمشیر الٰہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی چیز اس کے سامنے نہیں ہوتی مگر اُسے کاٹ دیتی ہے "

اور صدق رویت مسبب کی طرف ہے نہ کہ اسباب سبب کی طرف۔ اور جب سبب ثابت ہوگیا حکم صدق ساقط ہوگیا۔ ایک حکایت میں ہے کہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ اپنے یاران طریقت کے ساتھ کشتی میں تشریف فرما تھے اور رود نیل کی سیر میں مشغول تھے جیسا کہ اہل مصر کی عادت ہے کہ اچانک ایک اور کشتی آئی جس میں ایک جماعت اہل طرب و نشاط کی بیٹھی تھی۔ اور باہمی جھگڑے فساد کی باتیں کرتے جا رہے تھے۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ کے ہمنشیں شاگردوں کو اُن سے سخت نفرت پیدا ہوئی حتیٰ کہ آپ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ حضور اُن کیلئے بددعا فرمائیں کہ یہ سب غرق دریا ہو جائیں۔ تاکہ مخلوق سے ان کی شومی و بدچلنی منقطع ہو جائے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کھڑے ہوتے اور دست دعا دراز فرما کر عرض کی الٰہی جس طرح اس گروہ کو دنیا کے عیش عطا فرمائے ہیں۔ اسی طرح انہیں اُس جہان کا عیش بھی عطا فرما دے۔ یہ سن کر مریدانِ خاص متعجب ہوئے۔ جب اُن اوباشوں کی کشتی آپ کے قریب آئی اور اُن کی نگاہیں حضرت ذوالنون پر پڑیں۔ یک لخت سب رونے لگے اور اپنے عود اور تمام ساز توڑ کر توبہ کرتے ہوئے رجوع الی اللہ میں متوجہ ہو گئے۔

آپ نے اپنے خواص کو فرمایا تم دیکھ رہے ہو اس جہان کا عیش اس جہان کے عیش سے توبہ کرنے میں تھا۔ دیکھا دونوں کی مراد حاصل ہوگئی اور اس طرح مراد ملی کہ کسی کو رنج نہ ہوا۔ یہ فرمان مسلمانوں پر اس مرد خدا کی شفقت خاص کے ماتحت تھا اور اس میں حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا بھی تھی کہ کفار نے جس قدر ظلم و تعدی میں زیادتی کی حضور کی شان رحمت اتنی ہی بڑھتی گئی۔ اور ان کے مظالم سے شانِ رحمت میں تغیر آیا بلکہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ " الٰہی اس قوم کو راہ ہدایت دکھا دے یہ نادان ہیں "

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس سے مصر آ رہا تھا۔ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ دور سے آ رہا ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اس سے

کچھ باتیں کی جائیں۔ چنانچہ جب وہ قریب آیا تو میں نے دیکھا، وہ مرد نہیں ہے بلکہ ایک بڑھیا معمر ہیں۔ ہاتھ میں لکڑی ہے۔ اور پشمینہ کا جبہ زیب تن ہے۔ میں نے کہا مِنْ اَیْنَ آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں۔ قَالَتْ مِنَ اللّٰهِ فرمایا اللہ کی طرف سے قُلْتُ اِلٰی اَیْنَ میں نے کہا کدھر تشریف لے جا رہی ہیں۔ قَالَتْ اِلَی اللّٰهِ فرمایا اللہ کی طرف۔ میرے پاس کچھ دینار تھے۔ میں نے نکال کر پیش کرنے چاہے کہ اشارے سے مجھے روک دیا اور فرمایا کہ اے ذوالنون تیرا وہم جو میری طرف سے تیرے دل میں پیدا ہوا یہ تیری عقل کے ضعف کی بنا پر ہے۔ میں جو کام کرتی ہوں اللہ کے لئے کرتی ہوں۔ اور سوائے اپنے رب کے کسی سے کچھ نہیں لیتی۔ اس لئے کہ میں سوا اس کے کسی کی پرستار نہیں تو جس کی پرستار ہوں اسی سے جو لینا ہو وہ لیتی ہوں۔ یہ فرمایا اور مجھ سے علیحدہ ہو کر چل دیں۔ اس واقعہ میں ایک عجیب و غریب رمز لطیف ہے کہ اس بڑھیا مقرب بارگاہ نے کہا میں ہر کام اسی کے لئے کرتی ہوں۔ یہ ان کی صدق محبت کی دلیل ہے۔

اس لئے کہ لوگوں کے عمل دو صورت پر ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اپنا ہر کام محض اللہ کیلئے کرتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ ہم نے یہ کام خالص اللہ کے لئے کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ وہ خالصاً لوجہ اللہ کرتے ہیں، مگر پھر بھی وہ اپنے لئے کرتے ہیں اگرچہ ان کی ہوائے نفسانی اور خواہش ان سے منقطع ہوتی ہے، مگر آخر وہ جو عمل کر رہے ہیں اس میں حرص ثواب آخرت اور جزائے جنت کا لالچ ضرور ہوتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں کہ عمل کرتے ہیں مگر ثواب و عقاب آخرت اور ریا و سمع دنیا دونوں سے علیحدہ ہو کر محض تعمیل حکم محبوب کیلئے کرتے ہیں۔ اور حقیقتاً محبت حق تعالیٰ اس کی متقاضی ہے کہ اپنے حقوق سے بھی علیحدہ ہو کر فرمان محبوب کی تعمیل حکم اور تعظیم میں جھک جائے۔

پہلی جماعت کے خیال میں یہ بات سماتی ہوئی ہے کہ جو کچھ آخرت کے لئے کیا جائے وہ خالص اللہ کے لئے ہے۔ اور انہوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ اطاعت کرنے سے مطیع کو جو بعد میں کل حصہ ملے گا وہ دنیا کی اس مصیبت سے بہتر ہے جس میں اس دنیا کے اندر راحت اور تھوڑی دیر لطف حاصل ہوتا ہے اس لئے اطاعت الٰہی کے بدلے جو راحت ابدی ملے گی وہ ہمیشہ کے لئے ہوگی۔

اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کو ہمارے اعمال و عبادات و ریاضات و مجاہدات سے کیا فائدہ ہے اور اعمال صالحہ ترک کرنے سے کیا نقصان، اگر تمام عالم صدق ابوبکر رضی اللہ عنہ حاصل کرے تو اس کا

فائدہ اسی کے لئے ہے اور کذب فرعونی اختیار کرلے تو اس کی ذات تو وہ صفات کا کیا نقصان سو اس کے کہ اپنی جان پر ظلم ہوگا جیساکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا۔ اگر تم اچھے عمل کروگے تو اپنی جانوں کے ساتھ بھلائی کروگے اور اگر بُرے عمل کروگے تو وہ بھی تمہاری جانوں پر ہیں "

اور یہ بھی فرمایا۔ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ "جس نے کوشش کی تو یقیناً اس نے اپنے لئے کوشش کی بیشک اللہ تمام عالم سے بے نیاز ہے"

لوگ ملک ابدی اپنے لئے چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ خالص اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ یاد رکھو محبت الٰہی میں طریق محبت اختیار کرنا بالکل علیحدہ چیز ہے۔

دوست دوست کے حکم کی تعمیل اس غرض سے نہیں کیا کرتا کہ اس کا معاوضہ ملنے کی امید رکھے بلکہ اس کا مقصد اس تعمیل میں صرف اور صرف دوست کے حکم کی ادائیگی اور اس کی خوشنودگی مرکوز ہوتی ہے۔ اس کی نظر کسی اور چیز پر نہیں جاتی۔ یہاں صرف اتنا ہی کافی ہے۔ خدا نے چاہا تو اس کی تفصیل باب اخلاص میں بیان ہوگی۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے امیر امرا سالک طریق لقا ابو اسحٰق حضرت ابراہیم بن ادہم بن منصور رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے یگانہ عارف طریقت اور سید قران گذرے ہیں آپ کی بیعت حضرت خضر علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھی۔ آپنے بہت سے قدماء مشائخ کو دیکھا اور حضرت امام ہمام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ کر تحصیل علم فرمایا۔ ابتدائی دور میں آپ امیر بلخ تھے۔ ایک دن آپ شکار کو گئے اور اتفاقاً لشکر سے بچھڑ گئے اور ایک ہرن کے پیچھے لگ گئے۔

اللہ تعالےٰ نے اس ہرن کو قوت ناطقہ عطا فرمائی اس نے بزبان فصیح حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کو مخاطب کرکے کہا۔ أَلِهٰذَا خُلِقْتَ أَمْ بِهٰذَا أُمِرْتَ۔ کیا اسی لئے تم پیدا کئے گئے تھے یا اسی کام کا تمہیں حکم ملا ہے "

یہ سنتے ہی آپ کے دل میں خیال آیا۔ اور توبہ فرما کر سب سے ہاتھ اٹھا لیا اور زہد و ورع

کے پابند ہوگئے۔

پھر حضرت فضیل ابن عیاض اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہما سے ملے۔ ان کی صحبت میں رہ کر مستفید ہوئے۔ اور توبہ کے بعد آپ نے اپنی محنت کی آمدنی کے سوا بیت المال وغیرہ کسی ذریعہ کو ذریعہ معاش نہ بنایا۔ آپ کی عملی شان اظہر من الشمس ہے اور آپکی کرامات بیحد مشہور ہیں۔ فن تصوف میں آپ کے بڑے بڑے لطیف وبدیع اقوال نفیسہ منقول ہیں۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ آپ کی توصیف میں فرماتے ہیں، مَفَاتِحُ الْعُلُوْمِ اِبْرَاهِیْمُ کنجیاں جمیع علوم ابراہیم بن ادہم ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اِتَّخِذِ اللّٰهَ صَاحِبًا وَذَرِ النَّاسَ جَانِبًا۔ اللہ جل علاشانہ کو اپنا یار بکڑ اور لوگوں کو ایک طرف چھوڑ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جب بندہ کا رجوع بحق تعالیٰ درست ہو تو وہ محبت الٰہی میں مخلص بنتا ہے۔ اور مخلصانہ رجوع الی اللہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ما سوائے اللہ سے اعراض وانحراف کرلے۔ اس لئے کہ صحبت خلق کو معاملہ الٰہی سے کوئی سروکار نہیں اور صحبت الٰہی اگر صحیح طور پر قبول کرلی جائے تو پھر مخلص بحق تعالیٰ ایسا ہو جاتا ہے کہ فرمان الٰہیہ کے پورے کرنے اور اطاعت الٰہی میں نگونسار رہنے میں اخلاص کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ خلوص عین محبت ہے۔ اور خلوص محبت بحق جب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب نفس امارہ سے دشمنی ہو جائے تو نفس امارہ کے دشمن سے حرص وہوا کی تمام لشکر بار دُور ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ جو ہوا و حرص آز کا آشنا و پابند ہے وُہ یقیناً خدا سے جدا ہے۔ اور جو شاخ ہوا کو کاٹ چکا۔ وہ اپنے رب کی خلوۃ خاص میں آرمیدہ ہو گیا۔

تو درحقیقت وجود انسان ہی اپنے حق میں دنیا ہے۔ جب انسان اپنے وجود سے اعراض کرے تو گویا اُس نے مخلوقات سے اعراض کرلیا۔ اور جس نے اپنے وجود کی طرف توجہ کی تو گویا مخلوق کی طرف متوجہ ہوا اور یہی وہ حجاب ہے جو اُس نے اپنے اوپر کی۔ اور یہ بھی مسلم امر ہے کہ تمام مخلوقات جس حال میں ہے بحکم قضا و قدر صحیح ہے۔ مگر ہر انسان کو اپنے سے کام ہے۔ اور ہر انسان مخلوق ہے۔

تو بنا استقامت ظاہری و باطنی طالب کے لئے دو چیزوں پر ہے۔

ایک اس امر پر کہ اپنے کو پہچانے اور جانے یعنی علم حاصل کرے۔ دوسرے وہ عمل جو کر رہا ہے۔ اسے سمجھے اس کا تعلق رویت لوح تقدیر پر ہے۔ اس میں ترک فرمان حق کو تحت ماتحت تقدیر نہیں بنایا جا سکتا۔

اس لئے اعراض مخلوقات سے اس وقت تک صحیح نہیں ہو گا جبتک خود اس کی جانب سے ارادتاً اعراض نہ ہو تو جب خود اپنے ارادہ سے اعراض مخلوقات سے کر لیا تو سب کچھ مرادیں اپنے رب سے پالے گا۔ اور جب حق تعالےٰ شانہٗ کی طرف رجوع ہوا تو گویا اقامت امر حق کے لئے خود آیا اب مخلوقات سے آرام حاصل کرنے کی کوئی صورت تیرے پاس نہ رہیگی تو جو چیز بھی سوائے حق جل جلالہٗ کے کسی غیر سے چاہے گا۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ غیر اللہ سے آرام جان طلب کر رہا ہے اور بغیر رویت توحید ہوگا۔ اور آرام اپنی ذات سے حاصل کرنا اثبات تعطل ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کو بلی کی طرح رہنا اس سے بہتر ہے کہ اپنے اختیارات میں رہے۔ اس لئے کہ صحبت یا غیر خدا کیلئے ہے اور صحبت بالخود حرص وہوا کے پانے کے لئے۔

اب اس بحث کو ہم اسی کتاب میں کسی اور جگہ مفصل بیان کریں گے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت ہے جو فرماتے ہیں کہ جب میں جنگل میں گیا ایک ضعیف العمر بزرگ صورت سے ملا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔ اے ابراہیم تمہیں معلوم ہے۔ یہ کون جگہ ہے۔ تم بغیر زاد راحلہ کے جا رہے ہو۔ میں اسے سمجھ گیا کہ یہ ضعیف العمر بزرگ نہیں بلکہ شیطان ہے۔ میری جیب میں چار درم نقرئی پڑے تھے۔ جو میں نے کوفہ میں زنبیل بیچ کر جیب میں ڈال لئے تھے۔ میں نے انہیں نکال کر پھینک دیا۔ اور عہد کیا کہ ہر میل پر چار سو رکعت نفل پڑھونگا۔ چار سال متواتر صحرا نوردی میں رہا میرا رزاق مطلق بلا کسی تکلیف کے مجھے روزی پہنچاتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ اُن کے فیض صحبت میں میں نے اُن سے اللہ کا نام سیکھا۔ بس اس کے بعد سے میرا دل ماسواء اللہ سے قطعاً فارغ ہو گیا۔ علاوہ ازیں آپ کے بہت سے مناقب ہیں۔ وباللہ التوفیق

حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے سریر معرفت تاج اہل معاملت حضرت بشر بن الحارث الحافی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ مجاہدات وریاضات میں بڑی بلند شان والے ہیں۔ اعمال و اخلاص میں حظ نام رکھتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض کے خاص صحبت یافتہ لوگوں میں سے تھے۔ وہ اپنے ماموں حضرت علی بن حشرم رضی اللہ عنہ سے مرید تھے۔ علم اصول و فروع کے بڑے جید عالم گذرے ہیں۔ آپ کی توبہ کا ذکر یوں ہے کہ ایک روز آپ مست شباب ہوئے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا اُسے تعظیم کے ساتھ آپ نے اُٹھا لیا۔ اُسے پڑھا تو لکھا ہوا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آپنے اُسے عطر لگا کر پاک مقام پر رکھ دیا

اُسی رات خواب میں جمال الٰہی سے مشرف ہوئے اور یہ بشارت سُنی۔ یَا بِشْرُ طَیَّبْتَ اِسْمِیْ فَبِعِزَّتِیْ لَاُطَیِّبَنَّ اِسْمَكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ "اے بشر تو نے میرے نام کو خوشبو کیا میری عزت و جلال کی قسم میں تیرے نام کی مہک دنیا و آخرت میں پھیلاؤں گا۔ حتیٰ کہ کوئی تیرا نام نہ سنے گا مگر نام سُنکر اسے راحت دل ملے گی۔ آپ نے اپنی آزاد روش سے اسی وقت توبہ کی اور زہد و تقویٰ کا طریقہ مضبوط تھام لیا اور مشاہدۂ جمیل یار میں اتنے محو ہوئے کہ غایت استغراق میں جوتی بھی نہ پہنتے (اسی وجہ میں آپ حافی کہلاتے ہیں۔ حافی ننگے پیر کو کہتے ہیں) لوگوں نے پوچھا آپنے جوتی پہننا کیوں ترک دیں۔ فرمایا زمین میرے محبوب کا بنایا ہوا فرش ہے۔ میں جائز نہیں سمجھتا کہ محبوب کے بچھائے ہوئے فرش سے اپنے پیروں کو علیحدہ کر دُں اور میرے پیر اور اُسکی بساط میں کوئی واسطہ رکھوں۔

یہ بات آپ کے عجائب معاملات میں سے ہے کہ ان کے نظر و خیال میں پاؤں اور زمین کے مابین جوتی بھی حجاب تھی۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّكُوْنَ عَزِیْزًا فِی الدُّنْیَا وَشَرِیْفًا فِی الْاٰخِرَةِ فَلْیَجْتَنِبْ ثَلٰثًا لَا یَسْاَلُ اَحَدًا حَاجَتَهٗ وَلَا یَذْكُرُ اَحَدًا بِسُوْءٍ وَلَا یُجِیْبُ اَحَدًا اِلٰی طَعَامِهٖ "جو چاہے کہ دنیا میں عزت دار رہے اور آخرت میں شریف تو اسے چاہیے

کہ تین باتوں سے مجتنب رہے (۱) مخلوقات میں سے کسی سے اپنی حاجت روائی نہ چاہے۔ (۲) کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے (۳) اور کسی کا مہمان نہ بنے۔

اس لئے کہ جو اپنے رب کے دروازہ کو جانتا ہے اُسے مخلوق کے سامنے حاجت لے جانے کی کیوں حاجت ہو اور یہ حقیقت ہے کہ وہاب مطلق کے در کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف وہی دست سوال دراز کریگا جسے کیف عرفان حق حاصل نہ ہوا ہو۔ اور جبکہ یقین قلب کے ساتھ وہ جان چکا کہ قاضی الحاجات تمام عالم کا وہی حبیل حقیقی ہے تو جس غیر سے حاجت روائی چاہے گا وہ اپنے جیسے سے حاجت روائی چاہنا ہوگا۔

لِاَنَّ لِاسْتِعَانَةِ لِمَخْلُوْقٍ مِنَ الْمَخْلُوْقِ كَاسْتِعَانَةِ الْمَسْجُوْنِ مِنَ الْمَسْجُوْنِ۔ اس لئے کہ طلب اعانت مخلوق کی مخلوق سے ایسے ہے جیسے ایک قیدی اپنے ساتھ کے قیدی سے اعانت چاہے۔ (اقول باللہ التوفیق)۔

حضرت بشر حافی کے اس قول پر جو ذکر ہوا۔ عارف باللہ فانی فی اللہ حضرت خواجہ عالم مخدوم علی بن عثمان الجلابی رحمتہ اللہ نے جو تحریر فرمایا باللہ العظیم اُن کے مرتبہ اور شان کے لئے ہی شایاں ہے لیکن اس سے کوئی نجدی یا زبانی توحید کا بیمار یہ نہ سمجھ لے کہ یہ شان ہر ایرا غیر انتھو خیرا کی ہے بلکہ یہ مرتبہ اُن پاک ہستیوں کا ہے جو مشاہدۂ جمال باری میں ہر آن مستغرق رہنے والے ہیں۔ عوام کے لئے تو قرآن کریم وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ فرمارہا ہے اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم فَلْيُنَادِ اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللهِ کا حکم مکرر سہ کرر دے رہے ہیں۔ لہٰذا اس مضمون سے عوام غلط فہمی میں پڑ کر اپنے کو محروم نسبت اعانت خاصان بارگاہ نہ بنائیں۔ اچھی طرح یاد رکھیں کہ یہ خاصان بارگاہ شناوران دریائے محبت غریق بحر وحدت سرمستان بادۂ عشق و معرفت کے شان کی ترجمانی ہے۔ عوام کا یہ درجہ ہرگز ہرگز نہیں۔ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور صدر مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان۔ آگے فرماتے ہیں رحمتہ اللہ علیہ جو شخص کسی کو بُرا کہے یہ بُرا کہنا تصرف کرنا ہے حکم الٰہی کے اندر اس لئے کہ وہ جسے بُرا کہا اور اس کے افعال کا خالق رب العلا تبارک و تعالیٰ ہے۔ اور حضرت عزت المجید جل مجدہٗ کی بنائی اور پیدا کی ہوئی چیز میں نقادی کرنا اس کے فعل قدیم کا

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہٗ انہیں میں سے فلک معرفت فلک محبت ابویزید طیفور بن عیسٰے بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ساجلہ مشائخ سے گذرے ہیں۔ ان کی کیفیت حالیہ اعلیٰ درجہ پر تھی اور ان کی شان تصوف بہت بلند مانی گئی ہے حتیٰ کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَبُوْ یَزِیْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَۃِ جِبْرِیْلَ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ " بایزید بسطامی ہم میں ایسے معظم ہیں جیسے جماعت ملائکہ میں جبریل امین "

آپ کے جدامجد مجوسی تھے اور بسطام کے معززین میں سے ایک آپ کے والد بھی تھے اور آپ سے احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت روایات ہیں۔

رد کرنا ہے۔ اس لئے کہ جب کسی فعل کو عیب والا کہا گیا تو یہ فاعل کو عیب دار کہنے کے مترادف ہے سوا اس کے کہ جس چیز کو اس کے خالق نے جس حکم کے ساتھ ظاہر کرنے کو فرمایا اس کی تعمیل حکم میں ویسا کہو جیسے حکم الٰہی کی تعمیل میں ذم کفار کرنا ہم پر فرض ہے دو قس علی ہذا جمیع الاہب مثل النجدیۃ والرفضۃ والوہابیہ والمرزائیہ ومن علی الباطل) ابو الحسنات قادری۔

ہے باقی تمیز کفر و اسلام گلیں ورنہ تیرے کافر بھی اچھے (از مترجم)

اور یہ جو فرمایا کہ کسی کی مہمانی میں نہ جائے۔ یہ اس لئے کہ جب رزاق مطلق خدا ہے تو اگر وہی مخلوق کو تیری روزی کا سبب بناتا ہے تو بنائے۔ تو ہر حال میں اپنے رازق حقیقی کو دیکھ۔ مخلوق کو نہ دیکھ۔ بقول سعدی شیرازی۔

نہ کس میدہاند نہ کس مے دہد خدا مے دہاند خدا مے دہد (از مترجم)

تو بھی یقین رکھ کہ یہ روزی میرے رب نے مجھے دی اور اگر وہ اس روزی رسانی پر مجھے اپنا احسان مند بنائے تو ہرگز ہرگز اس کی دعوت قبول نہ کر اس لئے کہ روزی کسی ذریعہ سے پہنچے وہ تیرے رازق حقیقی نے پہنچائی ہے اس میں کسی کا احسان نہیں

ہاں یہ ضرور ہے کہ اہل سنت کے نزدیک روزی جو ہے وہ غذا ہے اور معتزلہ کے نزدیک روزی ملک ہے۔ اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ بذریعہ غذا پالتا ہے نہ مخلوق مخلوق کو یہ مجاز محض ہے اللہ اسی

اور آپ اپنے بسطام کی آبادی میں فرد الفرید گذرے ہیں، اور فن تصوف میں آپ کو یکتا عالم مانا گیا ہے اور حقائق علم بیان کرنے میں آپ سے زائد دوسرا نظر نہ آیا اور آپ علم کے ساتھ محبت اور شریعت مطہرہ کی خاص طور پر تعظیم کرنے والے تھے۔ اور یہ تمام صفات آپ میں حقیقۃً موجود تھیں۔ یہ نہیں کہ الحاد و زندقہ کی مدد کے لئے زہد و ورع کا محض پردہ ڈال لیا ہو جیسا کہ اکثر ایسا کر لیتے ہیں۔

بلکہ آپ ابتدا سے مجاہدہ و عمل صالح میں رہے۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں۔ عَمِلْتُ فِی الْمُجَاهِدَةِ ثَلٰثِیْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَیْئًا اَشَدَّ عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِهٖ وَلَوْلَا اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ لَبَقِیْتُ وَاخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ تیس سال مجاہدہ کرتا رہا میں نے شدید تریں علم و عمل سے کسی چیز کو نہ پایا اور اختلاف علما نہ ہوتا تو میں زہد و ورع سے رہ جاتا اور حق اطاعت دین ادا نہ کر سکتا اور سچ بات یہ ہے کہ اختلاف علماء رحمت ہے۔ مگر جبکہ توحید میں مجرد ہو جائے تو پھر یہ اختلاف نہیں رہتا۔ بقول شاعر۔

چہ کافر چہ مومن چہ گبر و چہ ترسا دو عالم بدو زلف شیدا برآمد (از مترجم)

اور حقیقت حال یہ ہے کہ عام طور پر طبیعت علم کے مقابلہ میں جہل کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے اور جہل کا یہ ادنیٰ فائدہ واضح ہے کہ بہت سے کام بغیر کسی فکر کے انسان کر سکتا ہے۔ اور اس علم کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ عالم کا کوئی قدم فکر و غور کئے بغیر نہیں اٹھ سکتا اور شریعت اسلامیہ کا راستہ اور اس کی پل صراط اخروی پل صراط سے کہیں زیادہ باریک اور پُر خطر ہے۔

تو ایسے ماحول میں انسان کو چاہیئے کہ ہر حال میں اس طرح رہے کہ اگر بلند و بالا مقامات ولایت حاصل کرنے سے عاجز ہو تو میدان شریعت میں رہ جائے اور بلندی سے گرے تو ادھر اُدھر نہ گرے بلکہ شریعت کے ماحول میں گر کر ٹھہر جائے۔ تاکہ اگر تمام کمالات و مراتب تقرب تجھ سے رہ جائیں تو کم از کم تیری عملی کیفیت تو باقی رہے۔ اس لئے کہ مرید کیلئے سلوک میں بڑی بلا اور آفت ترک عمل ہے۔ اور شریعت مطہرہ کی اتباع اور اس کے ماتحت معاملہ رکھنے میں مدعیان ولایت و کرامت کے تمام دعاوی گم ہو جاتے ہیں۔ اور تمام انسان اپنی لسان سے جو پردہ ڈال کر لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں، برہنہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْجَنَّۃُ لَاخَطَرَ لَھَا عِنْدَ اَھْلِ الْمَحَبَّۃِ وَاَھْلُ الْمَحَبَّۃِ مَحْجُوْبُوْنَ بِمَحَبَّتِہِمْ "عشاق اور اہل محبت کے دلوں میں جنت کا کبھی خطرہ بھی نہیں گزرتا۔ اس لئے کہ وہ اپنے محبوب کے پردہ محبت میں محجوب ہیں۔ انہیں اپنے محبوب کے انداز و ناز کے مقابلہ میں کسی دوسری طرف دیکھنے کی مہلت ہی نہیں۔

اور چونکہ بہشت مخلوق ہے۔ اگرچہ مخلوقات میں بہترین مخلوق سہی مگر محبت محبوب صفت محبوب ہے۔ اور صفت مخلوق نہیں۔ تو قدیم کو چھوڑ کر جو مخلوق کی طرف گیا۔ وہ محروم ہوا۔ تو محبان محبوب پردہ محبت میں روپوش ہیں اسلئے کہ وجود محبت محبوب مقتضی دوئی ہے اور اصل توحید میں دوئی کا وجود ہی نہیں۔ اس لئے محبان الٰہی وحدانیت سے وحدانیت کی طرف ہوتے ہیں اور ماسوے اللہ سے بالکل محجوب

اور یہ بھی حقیقۃ الامر ہے کہ طریقہ محبت میں علت محبت بھی محبت ہی ہے۔ اب ایک بڑی آفت جو اس بحث میں ہے۔ وہ یہ کہ دوستی میں ایک مرید اور ایک مراد ضروری ہے تو اب اگر مرید حق ہے تو بندہ مراد ہوگا۔ اور اگر مراد حق ہے تو مرید بندہ ہوگا۔ تو ایسی صورت میں جبکہ حق کو مرید اور بندہ کو مراد کہا جائے تو بندہ کا ثابت ہونا لازم ہوگا (جو بالکل باطل ہے) اور اگر حق تعالےٰ مراد اور بندہ مرید قرار دیا جائے۔ تو بھی طلب و ارادت مخلوق بجانب حق لازم آئے گی۔ اور طریقہ محبت میں ان توہمات کا قطعاً دخل نہیں۔ بہر حال محب میں آفت ہستی وجود جبتک ہے اس وقت تک محب نہیں ہو سکتا محب۔ محب ہی جب کہلائیگا جبکہ اس کے ارادہ اور دعاوی تمام فنا ہو جائیں۔ اور یہی محب کے لئے بہترین مقام ہے۔ اور محب درحقیقت وہی ہے جو بقاء محبت کے ساتھ فنا ہو جائے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے ہی مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

ایک دفعہ میں مکہ معظمہ گیا تو صرف بیت اللہ نظر آیا۔ میں نے کہا حج مقبول نہیں ہوا۔ اس لئے کہ ایسے پتھر میں نے بہت سے دیکھے ہیں۔ دوبارہ جب گیا تو بیت اللہ بھی دیکھا اور رب جل علا صاحب بیت کو بھی پایا۔ تو میں نے کہا ابھی حقیقت توحید

کشف نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ قدیم کے ساتھ حادث بھی نظر آرہا ہے۔
تیسری بار گیا تو تمام کا تمام جلوہ خداوندی نظر آیا۔ نہ بیت تھا نہ کوہ۔ تو غیب سے ندا آئی۔ اے بایزید تو اگر اپنے کو بھی نہ دیکھتا تو خواہ تمام عالم دیکھتا مگر مشرک نہ ہوتا۔ اور چونکہ تو تمام عالم کو میرے ساتھ نہیں دیکھتا مگر اپنے کو دیکھ رہا ہے۔ مشرک ہے۔
میں نے فوراً توبہ کی اور توبہ کرنے سے بھی توبہ کی۔ اس لئے کہ توبہ کرنے والا حادث ہو کر اپنا وجود مانتا ہوا توبہ کرتا ہے، اور اس مقام پر وجود کا اثبات ہی عند الصوفیا شرک خالص ہے۔

حضرت عبداللہ بن حارث

انہیں میں سے امام فنون جاسوس ظنون حضرت ابو عبداللہ ابن حارث بن اسد محاسبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ عالم تھے اور اصول و فروع میں عالم کے علماء آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے علماء میں ممتاز اور یگانہ تھے آپ نے ایک کتاب اصول تصوف میں تالیف کی رغائب نام رکھا۔ علاوہ اس کے بہت سی تصانیف بڑے بلند فنون میں تصنیف فرمائیں۔ اتنے بلند ہمت تھے کہ بغداد شریف میں اپنے وقت کے شیخ المشائخ مانے گئے۔

آپ کا ایک ارشاد منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْعِلْمُ بِحَرَکَاتِ الْقُلُوْبِ فِیْ مُطَالِعَةِ الْغُیُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَکَاتِ الْجَوَارِحِ " جو حرکات دل عیوب پر واقف و نگران رہے وہ عمل ظاہری کرنے والے سے افضل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ علم محل کمال ہے۔ اور جہل محل طلب۔ اور علم بارگاہ رب العزت میں بہتر ہے۔ اور جہل بدتر۔ علم انسان کو درجہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ اور جہل بارگاہ الٰہی میں جانے سے روکتا ہے۔

اور خلاصہ تو یہ ہے کہ حقیقتہً علم عمل سے بزرگ تریں ہے۔ اس لئے علم ہی وہ چشمہ ہے جس کے ذریعہ انسان کو عرفان الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر بجالت جہل

---

۱ یہ حکم ایسی ہستیوں کے لئے ہے عوام اس سے علیحدہ ہیں) از مترجم غفرلہٗ
۲ ایک لطیف واقعہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ کے حال کی ترجمانی کیلئے کافی ہے۔

عمل کرتا رہے تو اللہ تعالےٰ کو نہیں پا سکتا۔ مصرع

کہ بے علم نتواں خدارا شناس ۔ از مترجم

اور پھر واضح طور پر ظاہر ہے کہ اگر عمل بلا علم میں کوئی قوت ہوتی تو زمانے کے رہبان اپنے انتہائے زہد اور شدت مجاہدے سے مقام مشاہدہ پر پہنچ جاتے اور دومن غیبت میں پڑے رہ کر عاصی کے عاصی ہی رہ جاتے۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ عمل بندہ کی صفت ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بعض راویوں نے ہماری مذکورہ بالا عبارت میں غلطی کی اور انہوں نے علم و عمل کی جگہ عمل ہی نقل کر دیا یعنی اسی طرح انہوں نے کہا۔ اَلْعَمَلُ بِحَرَکَاتِ الْقُلُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَکَاتِ الْجَوَارِحِ۔ حالانکہ یہ محال ہے کہ بندہ کا عمل حرکت دل کے ساتھ ہو اور اگر اس سے مراد فکر و مراقبہ اور حالات قلبیہ ہوں تو تعجب نہیں اس لئے کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْنَ سَنَۃً۔ ”ایک ساعت قدرت الٰہیہ کے فکر و مراقبہ میں بیٹھنا ساٹھ ہزار برس کی عبادت سے افضل ہے“ لیکن درحقیقت عمل جوارح کو فکر و مراقبہ سِرّی سے کوئی نسبت نہیں۔ اگرچہ یقیناً عمل سِرّی ہونے کے علاوہ اعمال جوارح سے فاضل ترین ہے اور افعال باطن سے حالات پر اثر ہوتا ہے وہ درحقیقت اعمال ظاہر کی تاثیر سے اثر پذیر ہوتا ہے۔

اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَۃٌ وَّ سَھْرُ الْجَاھِلِ مَعْصِیَۃٌ۔ ”عالم کا سونا بھی عبادت ہے اور جاہل کی بیداری معصیت“ اس لئے کہ خواب و بیداری میں جاہل کا سِرّ یعنی قلب مغلوب ہوتا ہے۔ اور جس کا دل مغلوب ہے اس کا جسم بھی یقیناً مغلوب ہے۔ تو دل کا مغلوب حق ہونا حرکات ظاہری اور محنت کے سبب نفس امارہ کے مغلوب ہونے سے بہتر ہے۔

آپ سے ایک روایت ہے کہ ایک روز آپ نے ایک درویش کو فرمایا کُنْ لِلّٰہِ وَاِلَّا فَلَا تَکُنْ ”تو یا تو اپنے کو ذات واجب کے سپرد کر دے یا فنا ہو جا“ یعنی یا حق باقی بن یا از خود فانی ہو یا ... صفت ہے ... فرمایا۔ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

"آدم کو سجدہ کروے" یا اس صفت سے متصف ہو۔ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا "کیا انسان پہ وہ وقت آگیا اس زمانہ سے جبکہ وہ کچھ نہ تھا"

اگر تو حق باقی رہتا ہے تو تیری قیامت تیرے اختیار میں ہوگی اور اگر فنا ہو جائے گا۔ تو باقی بحق رہ کر قیامت بحق کے ساتھ تیرا نشر ہوگا۔ اور اس میں ایک معنی ہیں جسے رازدان راز جمیل جانتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے معرض من خلق طلب ریاست سے منقطع حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصر طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ کبراء مشائخ سے گذرے ہیں اور اہل تصوف میں سید السادات تھے اپنے زمانہ کے بے مثل صوفی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید ہیں۔ اور حضرت فضیل بن عیاض و ابراہیم بن ادہم رحمہما اللہ وغیرہ عارفانِ کامل کے ہمعصر گذرے ہیں۔ اور حضرت حبیب ابن سلیم راعی کے مرید خاص ہیں۔ آپ کو علوم عقلیہ و نقلیہ سے حظ وافر ملا اور فن فقہ میں فقیہ الفقہاء مشہور ہیں۔

حکومت و ریاست چھوڑ کر آپ نے گوشہ نشینی اختیار فرمائی آپ کا زہد و ورع خصوصیت سے مشہور ہے۔ آپ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں۔ اور آپ کی علمی شان خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اور بیان حقائق معرفت میں آپ کامل گذرے ہیں۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے ایک مرید کو مریدانِ خاص میں سے فرمایا اِنْ اَرَدْتَ اَلسَّلَامَةَ سَلِّمْ عَلَی الدُّنْیَا وَاِنْ اَرَدْتَ الْکَرَامَةَ کَبِّرْ عَلَی الْاٰخِرَةِ "بیٹے اگر دنیا کی سلامتی چاہتا ہے تو دنیا سے وداع ہو کر اس سے غائب ہو جا اور اگر کرامت آخرت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر ترک پڑھ لے"

یعنی یہ دونوں چیزیں محل حجاب ہیں۔ اور تمام فراغتیں دنیا و آخرت کے ترک میں مضمر ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ وجود سے فارغ ہو جائے اُسے کہدو کہ دنیا سے اعراض کرلے۔ اور جو چاہے کہ دل فارغ ہو اس سے کہدو کہ عاقبت کی امیدوں سے اپنا دل علیحدہ کرلے۔

ایک حکایت ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محمد بن حسن کے ساتھ ربط ضبط رکھتے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قاضی اسلام سے ملنا پسند فرماتے۔ عرض کیا گیا یہ دونوں مبلغ علم مانے ہوئے ہیں پھر اُن میں سے ایک کو آپ محبوب رکھتے ہیں اور ایک سے تعلقات ربط نہیں فرماتے

آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ محمد بن الحسن نے نعمتہائے دنیاوی ترک کر دیں۔ اور منصب علم کو پسند فرمایا ہے تو اس کی عزت کا دینی سبب علم ہے۔ اور ذلت دنیاوی اس کی نظر میں ہے۔ اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ اول سے ایک درویش تارک الدنیا تھے اور ان کی تنگدستی حصول علم کی وجہ میں رہی۔ اب اُنکی عزت کا سبب اور وجاہت و ثروت کا باعث اُن کا علم بنا ہے۔

تو محمد بن حسن ابو یوسف جیسا نہیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت داؤد طائی جیسا مستغنی عن الدنیا نہیں دیکھا۔ اُن کی نظر میں تمام دنیا اور اہل دنیا کی کچھ حیثیت ہی نہیں آپ کو حزب فقرا بچشم کمال دیکھتے تھے۔ اگرچہ آپ دنیاوی بلا میں بھی ہوتے۔

علاوہ اس کے آپ کے بہت سے مناقب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے شیخ اہل حقائق منقطع از علائق حضرت ابو الحسن سری بن مغلس السقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے اور تمام علوم میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ بالخصوص فن تصوف میں آپ کی شان بہت بلند تھی اور تصوف کی ترتیب مقامات اور بسط احوال میں سب سے اول جس نے غور و خوض کیا وہ یہی سری سقطی ہیں۔ اور مشائخین عراق کا اکثر حصہ آپ کے ہی بیعت سے مشرف ہے۔ آپ نے حضرت حبیب بن سلیم راعی کی بھی زیارت کی۔ اور اُن کے فیض صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔ آپ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ چونکہ آپ بازار بغداد میں سقط فروشی کیا کرتے تھے۔ (جسے اُردو زبان میں کباڑی کہتے ہیں) اسی بناء پر آپ کو سقطی کہا جاتا ہے۔

آپ کا رجوع الی اللہ کا واقعہ یوں ہے کہ جس بازار میں آپ کباڑی کا کام کرتے تھے اس میں آگ لگ گئی۔ تمام بازار جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ آپ سے کہا گیا کہ حضرت آپ کی دکان بھی جل گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میں دکان اور مال کی قید سے آزاد ہو چکا ہوں۔ جب آکر لوگوں نے دو دکان دیکھی کہ تمام بازار میں وہی ایک دکان ہے جو جلنے سے بچی ہوئی تھی۔ اور چاروں طرف کی تمام دکانیں سوختہ تھیں۔ جب آپ نے اپنے حافظ حقیقی کا یہ کرم دیکھا تو فرطِ مسرت میں تمام سامان و دکان درویشوں کو دے کر طریقۂ تصوف اختیار فرمایا۔

بعض نے آپ سے پوچھا کہ ابتداءِ عرفان آپ کو کس طرح حاصل ہوا۔ فرمایا ایک روز حبیب بن سلیم راعی کا میری دکان پر گذر ہوا۔ میں نے اپنے کباڑ خانہ کی بعض شکستہ چیزیں انہیں دیں کہ وہ درویشوں میں تقسیم فرما دیں۔ تو انہوں نے مجھے دعا دی خَیَّرَکَ اللّٰہُ "اللہ تجھے اختیار فرمائے"۔ اس روز سے کہ تیرے کان میں اُن کی دعا کی آواز آئی میرا دل دنیاوی معاملات سے متنفر ہو گیا۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ دعا میں فرمایا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ عَذَّبْتَنِیْ بِہٖ مِنْ شَیْئٍ فَلَا تُعَذِّبْنِیْ بِذُلِّ الْحِجَابِ "الٰہی مجھے عذاب دینا ہی منظور ہو تو اپنے جمال کے حجاب کا عذاب مجھ پر نہ فرمانا۔

اس لئے کہ اگر میں مشاہدۂ جمال سے محجوب نہ ہوا تو پھر کوئی مصیبت و بلا آئے مجھے آسان ہو گی۔ اور اگر تیرے مشاہدۂ جمال سے محجوب رہ کر معذب ہوا تو ذلت حجاب کی وجہ میں تیری نعمتیں بھی میرے لئے موجب ہلاکت ہوں گی۔

اور بات بھی ٹھیک ہے کہ مشاہدۂ جمال محبوب کرتے ہوئے جو بلا بھی آئے وہ بلاء نہیں ہو سکتی لیکن بغیر مشاہدہ یا نعمت بھی اگر ہو تو بوجہ حجاب بلاءِ عظیم ہے۔

اور جہنم میں سب سے اشد ترین جو عذاب ہے وہ حجاب ہے۔ اور اگر جہنم میں جلوہ ذات کا مشاہدہ ہے تو کسی مومن کو بہشت یاد نہ آئے۔ اس لئے کہ دیدارِ حق کی اس قدر مسرت و فرحت ہو گی کہ بلاءِ تن اور عذابِ جسم کا ہوش ہی نہ رہے گا۔

اور بہشت میں کوئی نعمت جمالِ ذات باری عزاسمہٗ سے بڑھ کر نہ ہو گی۔ اگر

وہ نعمتیں جو بہشت میں ہیں اُن سے سو گنی اور نعمتیں ملیں اور جلوہ احدیت سے جنتی محجوب ہوجاتے ۔ تن من دھن سب فنا کرڈ ے اور ہلاک ہو جائے ۔

تو سنت الہیہ یہی ہے کہ اپنے محبوبوں کے قلوب کو اپنے جمال کے مشاہدہ میں ہر حال رکھتا ہے تاکہ مجاہدہ ور یاضت و بلاہائے ترک اکل و شرب تمام برداشت کرسکیں ۔

یہی وجہ ہے کہ عارفان کامل کی بھی صدا و دعا رہے کہ ہر عذاب منظور ہے مگر اپنے جمال کے حجاب سے محفوظ رکھ اگر تیرا جمال ہمارے دلوں کی چشم حق بین میں مکشوف ہے ۔ تو پھر ہمیں کسی بلا و مصیبت کی پرواہ نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

رحمۃ اللہ علیہا نہیں ہیں سے میر منبک

حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم ازدی ۔ اہل بلاد بلوئی مایۂ زہد و تقوی

حضرت ابو علی شقیق ابن ابراہیم ازدی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں ۔ بڑے معزز قوم اور مقتدائے ہمچشماں عالم جمیع علوم شرعی و فقہی گذرے ہیں ۔ آپ کی بہت سی تصانیف تصوف اور دیگر علوم میں مشہور ہیں ۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کے ہم صحبت تھے اور بڑے بڑے مشائخ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اُن کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے ۔

آپ سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ جَعَلَ اللّٰہُ اَھْلَ طَاعَتِہٖ اَحْیَاءً فِیْ مَمَاتِہِمْ وَ اَھْلَ الْمَعَاصِیْ اَمْوَاتًا فِیْ حَیٰوتِہِمْ " اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت کرنے والوں کو موت کے اندر بھی زندہ فرمایا ہے ۔ اور اہل معصیت کو زندگی کے اندر مُردہ بنایا ہے ۔ یعنی مطیع اگرچہ مردہ ہو زندہ ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ تمام ملائکہ اس کی اطاعت پر آفرین کہتے ہیں ۔ جو قیامت کے دن اُن کے اجر و ثواب کے لئے مؤید ہوگی تو وہ لوگ قبل مرگ میں باقی بہ بقاء جزا ہوتے ہیں ۔

ایک واقعہ ہے کہ ایک ضعیف العمر حضرت ابو علی شقیق کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ حضور میں سخت گنہ گار ہوں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا بڑے میاں

بنقول شخصے ۔

[illegible] صورت نہیں ہے

[illegible]

بڑی دیر میں توبہ کی طرف رخ کیا۔ وہ عرض کرنے لگا حضور دیر میں نہیں آیا بلکہ جلدی آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے۔ عرض کی حضور جو مرنے سے قبل توبہ کی طرف آجائے اگرچہ بظاہر دیر میں آئے اس کا نام جلدی آنے کے مترادف ہے

مشہور ہے کہ حضرت ابو علی شقیق رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع الی اللہ بالاخلاص اس طرح ہوا کہ ایک سال بلخ میں قحط پڑا اور اتنا شدید پڑا کہ آدمی آدمی کو کھانے لگ گیا۔ تمام مسلمان غمناک تھے کہ بازار میں ایک غلام آپ نے دیکھا۔ جو نہایت بےفکر اور ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ لوگوں نے اُسے کہا تو اتنا بےفکر ہو کر ہنستا پھر رہا ہے۔ تجھے شرم کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں تو سخت اضطراب اور غم ہے تو یہ خوشیاں رچا رہا ہے

غلام کہنے لگا بات یہ ہے کہ مجھے اصلاً کسی بات کا غم نہیں اس لئے کہ میں جس کا غلام ہوں۔ وہ جاگیردار ہے اور اس کا غلہ کی پیداوار کافی ہے۔ اس کی فراخدستی نے مجھے بے غم کر رکھا ہے۔

حضرت ابو علی شقیق نے غلام کا یہ جواب سنتے ہی عبرت حاصل کی اور دل میں کہا۔ کہ اس غلام کو ایک جاگیردار کے استغنا کی وجہ میں بےغمی حاصل ہوئی اور میں جس کا بندہ ہوں وہ مالک الملک رزاق کل رب الارباب ہے۔ اور مجھے بلامعاوضہ روزی پہنچانے والا ہے پھر مجھے کسی اندوہ وغم کا شکار بننا کیونکر روا ہے۔

یہ سوچا اور شغل دنیا سے منہ پھیر کر طریق حق کا رُخ فرمالیا۔ اور غم روزی سے آزاد ہو گئے۔ اور یہ قصہ بھی آپ کی کیفیت تو واضح پر ہے آپ کے بہت سے فضائل و مناقب ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں ایک غلام کا شاگرد ہوں۔ جو کچھ مجھے ملا۔ اُسی کی بدولت ملا۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت ابو سلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی

انہیں میں سے اپنے وقت کے شیخ فرد طریق حق میں مجرد دہر حضرت ابو سلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ قوم کے چمکتے جوہر اور ریحان قلوب

دوستاں را کجا کنی محروم ۔۔۔ تو کہ با دشمناں نظر داری ۔۔۔ از مترجم

خلائق گذرے ہیں۔ آپ کا ریاضت و مجاہدہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اپنے وقت کے علم فرزانہ تھے اور نفس امارہ کی عیاریوں پر آپ خاص طور سے متنبہ تھے۔
آپ کے اقوال نہایت لطیف و نفیس ہیں۔ معاملات اور محافظت قلوب اور رعایت جوارح میں آپ کی نصائح میں رجوع الی اللہ میں نہایت مفید ہے۔
آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اِذَا غَلَبَ الرَّجَاءُ عَلَی الْخَوْفِ فَسَدَ الْوَقْتُ "جب امیدیں خوف بے نیازی پر غالب آجائیں تو اس کا وقت خراب ہو جاتا ہے۔"
اس لئے کہ وقت کہتے ہیں اپنی حالت کی نگہبانی کو تو جب انسان اپنی حالت و ماحول کو نگہبان نہ رہا تو کس طرح خوف بے نیازی اسکے دل پر مستولی ہو سکتا ہے اور جب اٹھ گیا تو یقیناً انسان نگہبانی کے ماحول سے بے پرواہ ہو جائے گا۔ اور ایسی صورت میں اس کا وقت ضائع ہونے کے سوا اور کیا ہوگا۔ اور اگر خوف امید پر غالب رہا تو کیفِ توحید باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ غلبہ خوف سے مایوسی ہوتی ہے اور حق سے مایوسی (مذہب صوفیا میں) شرک خالص ہے۔
(تو بہترین حال صوفی یہ ہے کہ محافظ کیف توحید رہے اور امید کے میدان کو بھی ہاتھ سے چھٹنے نہ دے اور اپنے وقت کی محافظت بھی کرے اور خوف الٰہی بھی دل پر مستولی رکھے۔ گویا خوف و امید کے وزنی پلڑے مساوی ہوں۔ اور بندہ محافظت توحید میں مومن ہوتا ہے (کما فی الحدیث اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ۔ از مترجم غفرلہٗ) اور محافظتِ وقت کیساتھ ساتھ مطیع بنتا ہے۔ اور امید و رجا کا تعلق محض مشاہدہ سے ہے اور اسی میں اعتقادات کی جزم مستتر ہے۔
اور خوف کا تعلق محض مجاہدہ سے ہے۔ اور اس میں اضطرار ہی اضطرار ہے۔ اور مشاہدہ جمال مورث مجاہدہ ہے۔
اور اس کے معنے یہ ہیں کہ تمام امیدیں ناامیدی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اور جو اپنے اعمال کے فلاح و بہبود سے ناامید ہو تو اس کا ناامید ہونا نجات و فلاح اور کرم الٰہی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور اس پر من جانب اللہ در کشادگی کھل جاتا ہے اور اس کے دل کو خواہشات کی بلاؤں سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے اور تمام اسرار ربانی اس پر کھل جاتے ہیں۔
حضرت احمد حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شب خلوۃ میں نوافل پڑھ رہا تھا کہ

اثنا نماز میں مجھے نہایت راحت محسوس ہوئی۔ دوسرے دن حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ سے عرض کیا تو فرمایا۔ ابھی تو ضعیف ہے ابھی خطرہ خلائق تیرے دل سے نہیں نکلا۔

یہی وجہ ہے کہ خلوت میں تیرا اور حال ہے اور جلوت میں اور حال

دو نول جہاں میں اس سے بدتر کوئی وسوسہ اور خطرہ نہیں جو بندہ کو تقرب ذات سے روک دے۔ جب دلہن کو رونمائی کے لئے بٹھلاتے ہیں تو اس غرض کے لئے بٹھاتے ہیں کہ سب اُسے دیکھیں اور اس رُونمائی میں اس کی عزت بڑھتی ہے لیکن دلہن کو یہ نازیبا ہے کہ اس وقت اپنے کو خود دیکھنے میں مصروف ہو جائے اور غیر کے دیکھنے سے اُس کی ذلت ہو۔

اسی طرح اگر سب لوگ مطیع کے اطاعت کو دیکھنے لگیں تو اس میں مطیع کا کچھ نقصان نہیں لیکن اگر مطیع خود اپنی اطاعت اور حسن عمل پر ناز کرنے لگے تو یہ اس کی ہلاکت کا موجب ہے عیاذاً باللہ منہا

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے پروردہ حضرت علی بن موسیٰ رضا، وابستہ درگاہ مولا ابو محفوظ

حضرت معروف بن فیروز الکرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ قدماء سادات اور مشائخ کبار سے گذرے ہیں۔ جوانمردی اور ورع و تقویٰ میں آپ مشہور و معروف تھے۔

آپ کا ذکر اس سے پہلے چاہیئے تھا لیکن میں نے یہ ترتیب دو بزرگوں کی تتبع میں مناسب سمجھی۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اسی ترتیب پر اذکار مشائخ بیان فرمائے ساتھ استاد ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں اسی ترتیب سے بیان فرمایا۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی کے استاذ تھے اور حضرت داؤد طائی کے خاص مرید۔

ابتداء میں غیر مسلم تھے۔ پھر حضرت علی بن موسیٰ رضا، رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر اسلام قبول فرمایا۔ اور ان کی خدمت میں نہایت محبوب بن کر رہے۔ ان کے اوصافِ حمیدہ بہت ہیں۔ حتیٰ کہ آپ فنون و علوم میں سید القوم کہلائے۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لِلْفُتُوَّةِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ وَفَاءٌ بِلَا خِلَافٍ

وَمَدْحٌ بِلَا جُوْدٍ وَعَطَاءٌ بِلَا سُوَالٍ " جوانمرد کے لئے تین علامتیں ہیں. وفاداری میں پورا اُترنا کہ کبھی بے وفائی نہ کرے اور مدح بلا اُمید جود و بخشش تیسرے عطا بلا سوال "

وفا ر بلا بے وفائی یہ ہے کہ بندہ اپنے عہد عبودیت میں بیوفائی اور معصیت کو اپنے اوپر حرام جانے اور مدح بلا جود یہ ہے کہ تعریف اس کی کرے جس سے اپنے اوپر کوئی احسان کا بار نہ لیا ہو۔ اور عطا بے سوال یہ ہے کہ جب استطاعت ہو تو دینے میں کسی کی تمیز نہ کرے اور جب کسی کا حال معلوم ہو تو اسے سوال کرنے سے پہلے کچھ بخشے۔

اور یہ تینوں صفتیں خلق سے خلق میں ہیں. مگر تمام مخلوقات ان صفتوں سے عاریتاً متصف ہے۔ اس لئے کہ در حقیقت یہ ہر سہ صفت صفات حق سے ہیں۔ اور ان صفات کا مظہر بندگان الٰہی ہیں اور بندگان الٰہی ان صفات میں حقیقت صفت الٰہیہ کے دکھانے والے ہیں سو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ وہ وفا ہے کہ اس کا خلاف نہیں۔ ہر چند کہ بندے اپنی وفا میں خلاف کرتے ہیں. مگر وہ اُن پر اپنے الطاف کی بارشیں ہی کرتا ہے۔

دوسرے اس کی وفا پر یہ امر بھی دلیل واضح ہے کہ روز ازل میں بلا کسی فعل کے نیک بندوں کو جو مقدر میں نیک تھے. جلائے گا، اور دنیا میں فعل بد کی وجہ سے فہرست مرحومین سے خارج نہیں فرماتا. اور مدح بے جود سوائے اس ذات پاک کے کوئی نہیں کر سکتا اس لئے کہ بندہ کے کسی فعل کا وہ محتاج نہیں ہے مگر بندہ کے ادنیٰ سے ادنیٰ نیک عمل کی وہی تعریف فرماتا ہے۔

اور عطا بے سوال بھی سوائے اس کے کوئی نہیں کر سکتا. اس لئے کہ کریم وہی ہے اور ہر ایک کا حال اس پر منکشف ہے۔ اور ہر ایک کا مقصود بغیر زبان سے ظاہر کئے وہی جانتا ہے۔

تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو اعزاز و کرامت کا منصب عطا فرماتا ہے اسے بزرگ بناتا ہے. تو وہ اپنی استطاعت و قوت کے مطابق بندوں کے ساتھ ان ہر سہ صفات کو لیکر برتاؤ کرتا ہے۔ اس وقت بارگاہ ایزدی سے اس کا نام صاحب فتوت رکھا جاتا ہے اور جماعت فتیان میں اس کا نام درج ہو جاتا ہے۔

یہ ہر سہ صفت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں دیکھی گئی تھیں۔ اور اس کا خلاصہ اس کی جگہ انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

حضرت حاتم الاصم رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے زبدہ عباد جمال الاوتاد حضرت ابو عبدالرحمٰن حاتم بن الاصم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ محتشمان بلخ سے ہیں اور قدما رشائخ خراسان سے گذرے ہیں۔

آپ حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم ازدی کے مرید ہیں۔ اور حضرت احمد خضرویہ کے استاد آپ کا ابتداء سے انتہا تک کوئی قدم صدق واخلاص کے خلاف نہیں اٹھا حتیٰ کہ ان کے منقبت میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ صِدِّیْقُ زَمَانِنَا حَاتِمُ الْاَصَمِّ "ہمارے زمانے کا صدیق حاتم اصم ہے"

آپ کے اقوال آفات نفس کے دیکھنے اور سمجھنے میں نہایت دقیق اور بلند منقول ہیں۔ اور رعونت وتلون طبع کے متعلق بہت کچھ ارشادات ہیں۔

آپ کی بہت سی تصانیف معاملات وعبادات میں مشہور ہیں۔

مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلشَّهْوَةُ ثَلٰثَةٌ شَهْوَةٌ فِی الْاَکْلِ وَشَهْوَةٌ فِی الْکَلَامِ وَشَهْوَةٌ فِی النَّظْرِ فَاحْفَظِ الْاَکْلَ بِالثِّقَةِ وَاللِّسَانَ بِالصِّدْقِ وَالنَّظْرَ بِالْعِبْرَةِ "شہوت تین ہیں۔ ایک کھانے کے اندر ایک کلام کرنے میں اور ایک دیکھنے میں۔

لہٰذا کھانے میں ہوشیار رہ اور اپنی روزی کا خدا پر بھروسہ رکھ۔ اور زبان کو سچ بولنے کے علاوہ محفوظ رکھ۔ اور آنکھ کو محفوظ رکھ جہاں نظر پڑے۔ اس سے عبرت حاصل ہو۔

تو جو کھانے پینے میں اللہ پر توکل کر لیتا ہے وہ شہوتِ اکل وشرب سے آزاد ہو جاتا ہے اور جو بات کرنے میں راست گوئی کا پابند ہو جاتا ہے وہ شہوات کذب سے آزاد ہو جاتا ہے اور جو آنکھ سے دیکھتے وقت راستی ملحوظ رکھتا ہے (یعنی جائز وناجائز کا خیال کر لیتا ہے) وہ شہوت چشم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اور حقیقت توکل یہ ہے کہ اپنا رب حقیقی دل زبان سے اپنے رب حقیقی کر جانے اور اس پر اُسے استقامت حاصل ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَاِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا

اللہ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔الخ) (از مترجم غفرلہٗ) اس وقت اس کی عبادت بھی اخلاص اور راستی سے ادا ہوگی۔ اور معرفت و صداقت کے ساتھ ہر شے پر نظر رکھے گا حتیٰ کہ اس کا اکل و شرب سوائے دوست کے نہ ہوگا۔

اور اس کی ہر حرکت و سکون میں کیفیت وجدانیہ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اور اس کی نظر سوائے مشاہدۂ ذات کے کسی طرف نہ جائے گی۔

تو جب وہ صحیح طور پر کھائے گا یا صحیح کلام کریگا۔ تو یہ کھانا خالص حلال ہوگا۔ اور یہ کلام خالص ذکر دوست ہوگا اور صحیح دیکھنا بھی جب ہی صحیح ہوگا جبکہ سوائے ذات کے کچھ نہ دیکھے۔

اس لئے کہ عارف کے لئے وہی کھانا حلال ہوتا ہے جو رب حقیقی کا عطیہ ہو اور بلا اذن محبوب اُسے وہ کھانا کھانا بھی حلال نہیں ہوتا۔ اور سوائے ذکر محبوب کے اٹھارہ ہزار عالموں میں سے کسی عالم کا ذکر راست نہیں آتا۔

اور سوائے جمال و جلال محبوب موجودات عالم میں اس کا نظارہ ہی جائز نہیں۔ پھر جب اُسی سے کھائے اسی سے بولے اسی کو دیکھے تو شہوت غنی۔ اور جب اسی سے کلام ہوا اور بلا اس کی اجازت کلام بھی نہ ہوا۔ تو بھی شہوت لسانی نہ رہی اور جب ہر شے میں جو فعل دیکھا۔ اس کی طرف سے دیکھا اور اس کے اذن سے دیکھا۔ تو یہ دیکھنا بھی مبنی علے الشہوت نہ ہوا۔

اور اگر تو اپنی خواہش اور حرص سے کھانے اگرچہ کسب حلال سے ہی کھائے مگر یقیناً شہوت اکل ہے۔ اور اگر تو اپنی ہوائے نفسانی کے ماتحت کلام کرے اگرچہ وہ درود غیرہ ہو مگر شہوت لسانی ہے۔ اور اگر اپنی خواہش نفسانی سے دیکھے اگرچہ اس دیکھنے سے شہادۃ وغیرہ میں کام لے مگر یہ وبال اور شہوت نظر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی

انہیں میں سے امام مطلبی ابن عم نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے تمام علوم میں

امام گذرے ہیں اور جوانمردی و ورع میں مشہور ہیں۔ آپ کے بہت زیادہ مناقب ہیں اور آپ کا کلام بہت بلند مانا گیا ہے۔

آپ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اُس وقت تک شاگرد رہے جب تک مدینہ منورہ میں آپ کا قیام رہا۔ پھر جب عراق میں تشریف لائے تو حضرت محمد بن حسن کرد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نشست و برخواست رکھی۔ آپ کے مزاج میں خلوت نشینی کا خاص شوق تھا۔ مگر ایک جماعت آپ کی خدمت میں آئی اور آپ کی مقلد بن گئی حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں متبعین میں سے ہیں۔ جب اس خدمت کی طرف آپ مجبور ہو گئے تو پھر آپ نے اجتہادیات کے ذریعہ خدمت امامت انجام دینی شروع فرمائی اور آپ کی وجاہت عام ہو گئی۔ اور خلوت نشینی نہ فرما سکے لیکن اس امامت و وجاہت کے دور میں بھی آپ محمود الخصال رہے۔

ابتداءً دور میں آپ کے مزاج کے اندر کچھ سختی تھی جب حضرت سلیمان راعی کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے تو اس کے بعد آپ کی وہ خشونت جاتی رہی اور جہاں بھی آپ تشریف لے گئے طلب حق میں رہے۔

آپ کا ارشاد ہے۔ إِذَا رَأَيْتَ الْعَالِمَ يَشْتَغِلُ بِالرُّخَصِ فَلَيْسَ يَجِيْئُ مِنْهُ شَيْئٌ۔

"جب تو علماء کو دیکھے کہ رخصت اور تاویلات میں مشغول ہیں سمجھ لے کہ اب ان سے کچھ حاصل نہیں ہوگا"

یعنی علماء و پیشوا تمام اصناف خلائق سے ہیں اور یہ ہرگز روا نہیں کہ اُن سے آگے کوئی ایک قدم بھی بڑھے۔ اور راہ حق اور معنی حقیقی کا انکشاف بغیر احتیاط اور مجاہدہ کے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور علم حاصل کرنا اس کا کام ہے جو مجاہدہ سے گریز کرے اور طالب علم کو چاہیئے کہ احکام میں تخفیف اختیار کرے۔ اس لئے کہ علم حاصل کرنا درجۂ عوام میں ہے تاکہ کم از کم اس علم کے ذریعے دائرہ شریعت سے تو باہر نہ گریں۔ اور مجاہدہ و ریاضت یہ درجہ خواص ہے۔ اُن کا عام درجہ جو ہے وہ رضا محض ہے اس سے زائد وہ کسی چیز پر نظر نہیں ڈالتے اور نہ انہیں نظر ڈالنا چاہیئے۔

اور علماء حقہ اس درجہ میں اخص الخواص ہیں جب یہ اخص الخواص عوام کے درجہ پر راضی ہو گئے تو اس کا نتیجہ کچھ نہیں اور نہ ایسی حالت میں ان سے کچھ امید رکھنی چاہیئے۔

اور رخصت اور تاویلات ڈھونڈنا خدا تعالیٰ کے احکام میں نرمی اور خفت نکالنا ہے۔

اور علماء تو خاص محبوبانِ خدا ہیں پھر فرمانِ دوست کو ہلکا اور خفیف کرنا کس طرح گوارہ کر سکتا ہے۔ اور وہ تعمیلِ حکمِ دوست میں ادنٰے درجہ ہرگز منظور نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر حکم کی تعمیل اعلٰے درجۂ احتیاط پر کریگا۔

ایک شیخ مشائخ کرام سے راوی ہیں۔ کہ ایک شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کی حضور مجھے روایت پہنچی ہے کہ اللہ تعالٰی نے زمین پر اوتاد و اولیاء مقرر فرمائے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ اس راوی نے تجھے خبر صحیح پہنچائی ہے۔ میں نے عرض کی حضور میں چاہتا ہوں کہ اُن میں سے کسی ایک کی زیارت کر دوں۔ فرمایا حضرت محمد بن ادریس اُن میں سے ایک ہیں۔ آپ کے مناقب اس کے علاوہ اور بہت ہیں۔

حضرت امام محمد احمد بن حنبل

انہیں میں سے شیخِ سنت قاہر اہلِ بدعت حضرت ابو محمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ورع و تقوٰی میں امتیازِ خصوصی رکھتے اور حافظِ حدیث تھے۔ اور انہیں اربابِ شرع اور اہلِ طریقت دونوں فریق مبارک مانتے ہیں آپ بڑے بڑے مشائخ کرام کے صحبت یافتہ ہیں۔ مثل حضرت ذوالنون مصری او بشر حافی اور سری سقطی معروف کرخی رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ اور بھی مشائخ کرام کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں اور آپ کی فراست (یعنی نورِ ایمانی سے خطراتِ قلوبِ عوام پر عبور) بالکل صحیح ہے۔

بعض لوگ حضرت ممدوح کا تعلق فرقہ مشبہہ[۵] سے بتاتے ہیں۔ یہ محض غلط ہے اور ان پر افتراء ہے (مشبہہ مثلِ معتزلہ و دہریہ کے اس زمانہ میں کوئی فرقہ تھا) وہ قطعاً اس الزام سے بری

---

۵ فرقہ مشبہہ کی تعریف میں حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔ اَلْمُشَبِّهَةُ وَهُمْ ثَلَاثَةُ فِرَقٍ اَلْهِشَامِيَّةُ وَالْمُقَاتِلِيَّةُ وَالْوَاسِبِيَّةُ ـ وَالَّذِیْ اتَّفَقَتْ عَلَيْهِ الْفِرَقُ الثَّلَاثَةُ اَنَّ اللّٰهَ جِسْمٌ وَاَنَّهُ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّعْقِلَ الْمَوْجُوْدُ اِلَّا جِسْمًا۔ مشبہہ میں تین فرقے ہیں ہشامیہ اور مقاتلیہ اور واسبیہ اور وہ عقیدہ جس پر یہ تینوں فرقے متفق ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی ایک جسم ہے اور وہ جسم ایسا ہے کہ اس کا ادراک عقل کو جائز نہیں۔ وہ موجود ہے اور جسم ہے الخ۔ (از غنیۃ الطالبین عربی صفحہ ۹۰ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور۔ (ابو الحسنات)

ہیں۔ اُن کے عقائد اور اصولِ دین و مذہب نہایت پسندیدہ تھے۔ اور تمام علماء اس پر متفق ہیں۔

جبکہ آپ بغداد شریف تشریف لائے۔ فرقہ معتزلہ نے آپ پر غلبہ کیا اور یہ تجویز کی کہ آپ کو تکلیف دے کر مجبور کیا جائے تاکہ آپ بھی قرآن کریم کو مخلوق فرماویں۔

باوجودیکہ آپ معمر اور نہایت ضعیف تھے۔ آپ کی مشکیں کسی گئیں۔ ہزار تازیانہ آپ کو لگائے۔ اور پھر کہا کہ قرآن کریم کو مخلوق کہیں۔ مگر آپ مستقیم علی الحق رہے۔ اسی حالت میں آپ کی شلوار مبارک کا کمربند کھل گیا اور چونکہ آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اسے باندھنے میں آپ عاجز ہونے لگے۔ یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ ایک تیسرا ہاتھ غیب سے نمودار ہوا اور کمربند باندھ کر غائب ہو گیا۔ جب اُن ظالموں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو گھبرا گئے اور آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ نے اس تمام تکلیف کو بھی من جانب اللہ سمجھا۔ اور اُن سے کوئی انتقام قوت باطنی کے ذریعہ نہ لیا۔

غرضیکہ آخر عہد حکومت معتزلہ میں ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر آئی۔ اور عرض کیا کہ جن لوگوں نے آپ کو یہ تکلیف دی اس کی بابت آپ کا کیا حکم ہے۔ فرمایا میں کیا کہوں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ واسطے مجھے یہ تکلیف دی۔ وہ یہ سمجھے کہ میں قرآن کریم کو مخلوق نہ کہنے میں باطل پر ہوں اور وہ اپنے کو حق پر سمجھتے رہے۔

میں یہاں تو یہاں بروز قیامت بھی ان تازیانوں کے بدلہ میں اُن سے خصومت کیلئے تیار نہیں۔ آپ کا کلام بہت بلند ہے اور معاملات میں آپ کے احکام نہایت واضح ہیں۔

چنانچہ جب کوئی آپ کے پاس مسئلہ پوچھنے آتا تو آپ معاملات کے سوال کا جواب واضح دیتے اور اگر حقائق تصوف کے متعلق ہوتا تو اسے حضرت بشر حافی کے سپرد فرماتے

چنانچہ ایک روز ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ اَلْاِخْلَاصُ حضور اخلاص کی کیا تعریف ہے۔ فرمایا۔ اَلْاِخْلَاصُ ھُوَ الْخَلَاصُ مِنْ اٰفَاتِ الْاَعْمَالِ اخلاص کہتے ہیں اعمال سے آفات کے نجات پانے کو۔ یعنی جو عمل کرے اس میں اُس کی آفت جو ریا ہے وہ قطعاً نہ ہو اور دکھاوے کا کوئی حصہ تیرے عمل میں نہ آئے۔

اُس نے عرض کی کہ التوکل حضور توکل کیا ہے۔ فرمایا۔ اَلثِّقَۃُ بِاللّٰہِ۔ اللہ پر پورا

بھروسہ کر لینا اور اس کی رزاقی پر یقین واثق کر لینا۔ عرض کی حضور۔ مَا الرِّضَا رضا کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ تَسْلِیْمُ الْاُمُوْرِ اِلَی اللّٰہِ اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دینا۔ عرض کی حضور مَا الْمُحَبَّۃُ محبت کیا چیز ہے۔ فرمایا یہ بشر حافی سے جا کر پوچھ۔ اس لئے کہ جب تک وہ رونق افروز ہیں میں اس کا جواب دینے کا اہل نہیں۔

اور حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ تمام احوال میں امتحان لئے گئے اپنی زندگی میں تو طعن معتزلہ سے امتحان ہوا۔ اور بعد وفات مشبہہ کے ساتھ مل جانے کی تہمت سے حتیٰ کہ آج تک بعض اہل سنت وجماعت میں بوجہ عدم واقفیت حال آپ پر تہمت لگاتے رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ اُن اتہامات سے بالکل بری ہیں۔ والسلام

حضرت ابوالحسن احمد بن حواری رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں میں سے سراج وقت واقف اسرار آفات منفت حضرت ابوالحسن حواری رضی تعالےٰ عنہ ہیں۔ مشائخ شام میں بڑے زبردست شیخ مانے گئے ہیں اور اُن کی تعریف مشائخ نے خود بیحد فرمائی حتیٰ کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَحْمَدُ بْنُ الْحَوَارِیْ رَیْحَانَۃُ الشَّامِ "احمد بن حواری ملک شام کے مہکتے ہوئے پھول ہیں" ان کا کلام بہت بلند ہے ان کے اشارات بغائت لطیف ہیں۔ علم طریقت اور متعدد فنون میں ماہر گذرے ہیں۔ آپ سے صحیح روایات کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث بھی مروی ہیں۔ اور آپ کے زمانہ میں لوگوں کا رجوع آپ کی طرف زیادہ تھا۔ یعنی اپنے تعزیہ جھگڑے کا فیصلہ لوگ آپ سے ہی کراتے تھے۔

آپ ابوسلیمان دارانی کے مرید تھے۔ اور حضرت سفیان بن عیینہ اور مروان بن معاویہ فزاری کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ علاوہ اس کے سیاحت کر کے متعدد مقامات سے ادب فائدہ حاصل فرمایا۔ آپ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اَلدُّنْیَا مَزْبَلَۃٌ وَ مَجْمَعُ الْکِلَابِ وَ اَقَلُّ مِنَ الْکِلَابِ مَنْ عَکَفَ عَلَیْہَا فَاِنَّ الْکَلْبَ یَاخُذُ مِنْہَا حَاجَتَہٗ وَیَنْصَرِفُ وَالْمُحِبُّ لَہَا لَا یَزُوْلُ عَنْہَا وَلَا یَتْرُکُہَا بِحَالٍ "دنیا گندگی کا ڈھیر ہے (یعنی کوڑھی ہے) اور کتوں کا جمع رہنے کا مقام۔ اور ادنی درجہ کا ذلیل کتا وہ ہے جو اس کے گرد پھرتا ہے اور ہوس دنیا سے

اُسے سیری نہ ہو۔ اس لئے کہ کتا مزبلہ پر آکر اپنی حاجت کے مطابق لیتا ہے اور لوٹ جاتا ہے اور دنیا کا دوست اور حریص خالص رہے جو کبھی مال دُنیا سے سیر نہیں ہوتا۔"

حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اُن مردانِ خدا سے گذرے ہیں کہ اُن کی نظر میں دُنیا اتنی حقیر تھی کہ اُسے مزبلہ سے تشبیہ دی اور دُنیا دار کو ذلیل تریں کتا بتایا اور اس پر دلیل میں فرمایا کہ کتا اپنا پیٹ بھر کر مزبلہ سے ہٹ جاتا ہے مگر دنیادار مالِ دنیا سے سیر نہیں ہوتا۔ اُس کی حرص میں آخر عمر تک لگا رہتا ہے۔

یہ فرمان آپ کے انقطاعِ دنیا پر خاص نشان ہے اور اہلِ دنیا سے آپ کے اعراض پر خاص دلیل ہے۔ اور دنیا سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اہلِ طریقت کا خوش آئند چمن زار اور میدان خوشگوار ہے۔ آپ نے ابتداء میں علم حاصل فرمایا حتیٰ کہ اماموں کے منصب جلیل پہ پہنچے۔

اس کے بعد اپنی تمام کتابیں اُٹھا کر دریا بُرد فرمادیں اور کہا۔ نِعْمَ الدَّلِیلُ اَنْتَ وَاَمَّا الْاِشْتِغَالُ بِالدَّلِیلِ بَعْدَ الْوُصُولِ مُحَالٌ "میرے لئے بہترین دلیل اور میرا راہبر تو ہے اور جب تُو میرے لئے کافی ہے (تو پا استدلیان چوبیں بود) کے بموجب اشتغال بالدلیل واصل الی اللہ کے لئے محال ہے۔ اس لئے دلیل کی اس وقت حاجت ہے جبکہ مرید راستہ میں ہو اور جب بارگاہ تک پیش ہوچکا ہو تو دیدار کا جلوہ مِل گیا۔ اب بارگاہ اور راہ دونوں کی قدر و قیمت نہ رہی۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ یہ فعل آپ کا بحالتِ سُکر ہوا تھا۔ اور یہ کلام بھی سُکریہ ہے۔

اس لئے کہ اس راہ میں جو یہ کہے وَصَلْتُ میں مِل گیا۔ فَقَدْ فَصَلَ، وہ یقیناً علیحدہ ہوگیا کیونکہ اس بارگاہ تک خود پہنچنا اس بارگاہ سے دور ہونے کے مرادف ہے تو ہر شغل شغل ہی ہے اور ہر فراغت فراغت ہی ہے اور ہر اصول مشاغل وصول میں اپنے وجود سے نیست ہونا ہے۔

اس لئے کہ وصل و فصل اور شغل و فراغت اور اصول وصول یہ سب بندہ کی صفت ہیں۔

فصل و وصل اور عنایت الٰہی بارگاہ احدیت سے ازل میں اس کے انتخاب کے موافق ہو چکی ہوتی ہے۔ اور بندہ اپنی قوتِ ارادی سے کسی طرح اس مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

اور عنایت الٰہی اور اس کے ازلی مقررشدہ حصّہ کے وصول کے لئے اس کا کوئی اصول وصول نہیں اور نہ ملازمت اور ارادہ قرب دمجاورت اور مجاہدہ اس کا قدیم بن سکتے ہیں۔ تو عاشق کیلئے یہ دعویٰ روا ہی نہیں ہو سکتا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ وصل ذات بندہ کی عزت کا موجب ہے اور فصل و ہجر بندہ کی ذلت و اہانت کا سبب اور صفاتِ قدیمہ میں تغیر جائز نہیں۔

میری رائے ہے کہ (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی) فرماتے ہیں کہ ممکن ہے وصول الی اللہ کے لفظ سے اس شیخ کامل کی مراد خدا کا راستہ ہو۔ اس لئے کہ کتابوں میں خدا کا راستہ ہے۔ تو جب راستہ واضح ہو گیا تو کتابِ عبارت منقطع ہو گئی۔ اس لئے کہ عبارات کتب میں وہ فقرہ نہیں جو مشاہدہ کا ہے۔ عبارت تو مقصود کو غائبانہ ہی سمجھا سکتی ہے۔ اور جب مشاہدہ حاصل ہو گیا تو عبارت گم ہو گئی اور پھر مشاہدہ و معرفت کے بعد زبان بھی عبادت کی طرف سے گونگی ہو جاتی ہے تو جب عبارت کی طرف سے زبان ہی گنگ ہو تو کتاب کا ضائع کرنا ہی بہتر ہے۔

حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور بزرگوں نے بھی ایسا کیا منجملہ ان کے حضرت ابوسعید فضل اللہ محمد مہینی کے صاحبزادہ ہیں۔ انہوں نے بھی جب ان پر کیفِ شہودی طاری ہوا اپنی تمام کتابیں دریا بُرد کر دیں۔

اور محض رسمی لوگوں نے مصنوعی صوفی بن کر اپنی کاہلی اور نااہلی کی وجہ میں ان مردانِ خدا کی تقلید کی۔ مگر وہ بے حاصل بات ہے۔

ان خاصانِ خدا نے جو ایسا کیا وہ محض تعلق دنیاوی کے انقطاع کی غرض سے کیا اور توجہ الی الغیر کو ترک فرمایا۔ ماسوی اللہ سے اپنے قلب منور کو فارغ غرض سے ان کا یہ فعل تھا۔

اور یہ حالت جب تک ازلی سکر اور ازلی دانش و بینش ودیعت نہ ہو کبھی نہیں ہو سکتی اور اس حالت کا تعلق کیفیتِ سُکر اور ابتدا رعشق کی آگ میں ہے منتہی کو اس سے یوں تعلق نہیں ہوتا کہ وہ متمکن بالمشاہدہ ہوتا ہے اور متمکن کے لئے کونین بھی حجاب نہیں بن سکتے۔ اس لئے کہ ان کا دل علائق سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے۔ تو جس پر کونین حاجب نہ ہو سکے اس پر ایک کاغذ کی کیا حیثیت جو حجاب بن سکے۔ (اور اگر یہ کہا جائے کہ کتابیں دھو ڈالیں تو اس سے مراد نفی عبارت ہو سکتی ہے اس لئے کہ جب حقیقتِ معنیٰ حاصل ہو جائے تو عبارت بیکار ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں تو بہترین بات یہ ہے کہ عبارت خود بخود زبان سے منفی ہو۔

اور جو عبارت کتاب میں لکھی ہے وہ زبان پر جاری ہے اور عبارت عبارت سے اولیٰ نہیں

ہو۔ میرا خیال ہے کہ شیخ ابوالحسن احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غلبۂ حال میں کہا ہوگا کہ جب اس کے سننے والے نہ پائے تو اُسے دریا بُرد کر دیا ہوگا۔ اور یہ جو فرمایا تو بہترین میری دلیل اور میرا راہنما ہے۔ تو جب مراد و مرید اس ذات سے پوری ہوگئی تو ما سوی اللہ سے اس کی مشغولی محال ہے۔

اس امر میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کے پاس بہت سی کتابیں جمع ہوگئی ہوں جو آپ کو اپنے اوراد و اعمال میں روکتی ہوں اور مشغول کرتی ہوں۔ تو آپ نے مشغول لغیر اللہ کو اٹھا ڈالا ہو اور فراغت قلبی غیر سے حاصل کی ہو اور ترک عبادت کے لئے فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

ابو حامد حضرت احمد بن خضرویہ البلخی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہیں میں سے سرہنگ جوانمردی

آفتاب خراسان حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہ البلخی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ اپنے حال میں بہت بلند گذرے ہیں اور شرافت وقت میں مخصوص ہیں۔ اور اپنے زمانہ کے مقتدائے قوم اور مرجع خواص و عوام تھے۔ اور آپ کا طریقہ ملامتیہ تھا۔ ہمیشہ آپ کا لباس سپاہیانہ ہوتا تھا اور آپ کی بیوی صاحبہ مسماۃ فاطمہ امیر بلخ کی صاحبزادی تھیں۔ رحمہما اللہ۔ یہ بھی طریقت میں عظیم الشان مرتبہ رکھتی تھیں اور امیر بلخ کی صاحبزادی یعنی بیگمات شاہی سے تھیں۔ جب ان کے دل میں نور عرفان من جانب اللہ پیدا ہوا، حضرت احمد خضرویہ کی خدمت میں آدمی بھیجا اور عرض کرایا کہ آپ مجھے میرے والد سے طلب فرمائیں۔ آپ نے التفات نہ کیا۔ دوبارہ پھر آدمی بھیجا۔ اور کہلایا کہ حضور میں آپ کو اس وجہ میں چاہتی ہوں کہ آپ راہ بر حق ہیں۔ نہ اس لئے کہ آپ کو جوان حسین دیکھ کر آپ کی طرف مائل ہوں۔ راہ راست سے ہٹا دینے والے بہت ہیں۔ مجھے راہبر کی تلاش ہے لہذا آپ پیام دیں۔ آخر ش آپ نے امیر بلخ کے یہاں پیام دیا۔ امیر بلخ نے ایک مرد خدا عارف کامل سے اپنی صاحبزادی کو نامزد کرنا اپنے لئے عین سعادت جانا اور رقو از رشتہ کر دیا۔ بعد شادی حضرت فاطمہ بنت امیر بلخ نے آپ کی خدمت میں آتے ہی مشاغل دنیاویہ ترک فرما دیئے اور گوشہ نشین ہوگئیں۔ آپ کے خلوت خانہ خاص میں صرف حضرت احمد اور حضرت فاطمہ ہی رہتے۔

حتی کہ ایک بار حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ کو حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کی

زیارت کا شوق ہوا۔ حضرت فاطمہ بھی حضرت بایزید کے دربار میں ہمراہ حاضر آئیں۔ جب حضرت بایزید کے سامنے دونوں آگئے حضرت فاطمہ نے نقاب ہٹادیا۔ اور حضرت بایزید کے ساتھ بے حجابانہ گفتگو شروع کر دی۔ حضرت احمد خضرویہ کو اُن کی اس حرکت پر تعجب ہوا اور غیرت زوجیت آپ پر مستولی ہوئی۔ فرمانے لگے فاطمہ جس بے حجابی سے تم بایزید کے سامنے باتیں کر رہی ہو اس کی وجہ مجھے بھی معلوم ہونی چاہیئے۔

حضرت فاطمہ نے فرمایا۔ احمد تم محرم طبیعت ہو۔ اور بایزید محرم طریقت۔ تمہارے ذریعہ میری آتش حرص وہوا کا علاج ہوتا ہے اور اُن کے ذریعہ خدا رسی ہوتی ہے۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ بایزید مجھ سے بے نیاز ہے اور تم میرے محتاج ہو۔

غرضکہ حضرت فاطمہ ہمیشہ حضرت بایزید کے سامنے بے حجاب رہتیں۔ اور نہایت بے تکلفی سے کلام فرماتیں۔

ایک روز حضرت بایزید کی نظر حضرت فاطمہ کے ہاتھ پر پڑی۔ دیکھا مہندی لگی ہوئی ہے فرمایا فاطمہ! ہاتھوں میں مہندی لگا رکھی ہے آپنے فرمایا بایزید! جب تک کہ تمہاری نظر میرے ہاتھ پر نہ پڑی تھی۔ میرا آپ کے ساتھ رابطہ بے حجاب تھا۔ اب جبکہ تمہاری نظر مجھ پر پڑنے لگی۔ اب آپ سے بیحجابی حرام ہے۔ بس اسی روز واپس ہوگئیں اور نیشاپور تشریف لاکر قیام فرمایا۔ اہل نیشاپور آپ کے ساتھ نہایت خوش اعتقاد تھے۔ اور مشائخ نیشاپور بھی آپ کے یہاں زانوئے عقیدت تہہ فرماتے تھے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی نیشاپور گئے۔ بلخ جانے کا عزم تھا حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کرنی چاہی۔ حضرت فاطمہ سے مشورہ کیا۔ کہ دعوت یحییٰ میں کیا کیا کھانے ہوں۔ اور کیا کیا سامان مہیا ہونا چاہیئے۔

آپ نے فرمایا اتنی گائیں اتنی بکریاں اتنا سامان ترکہن اتنے چراغ اتنی قسم کے عطر اور ان تمام سامانوں کے ساتھ بیس گدھے بھی ذبح ہونے چاہئیں۔

حضرت احمد نے فرمایا یہ بیس گدھوں کے گوشت سے کیا مطلب ہے۔ فرمایا جب کوئی صاحب کرم صاحب ثروت کے گھر جاتا ہے تو محلہ کے لوگوں کے ساتھ محلہ کے کتوں کیلئے بھی

کچھ ہونا چاہیئے۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے آپ کے منقبت میں فرمایا مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنَ الرِّجَالِ مَخْبُوءٍ تَحْتَ لِبَاسِ النِّسْوَانِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی فَاطِمَةَ رَحِمَهَا اللّٰهُ " جو چاہے کہ کسی مرد کو عورت کے لباس میں مخفی دیکھے۔ اس سے کہو کہ وہ فاطمہ کو دیکھ لے "

اور حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَوْ لَا اَحْمَدُ بْنُ خِضْرَوَیْهِ مَا ظَهَرَتِ الْفُتُوَّةُ " اگر احمد بن خضرویہ نہ ہوتے تو دنیا میں مروت و جوانمردی پیدا نہ ہوتی " آپ کے بڑے بلند کلام اور نہایت مہذب تخیل ہیں اور آپ کی تصانیف ہر فن میں اعمال و آداب و نکات میں مشہور و معروف ہیں۔

آپ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلطَّرِیْقُ وَاضِحٌ وَالْحَقُّ لَائِحٌ وَالدَّاعِیْ قَدْ اَسْمَعَ فَمَا التَّحَیُّرُ بَعْدَ هَا اِلَّا مِنَ الْاَعْمٰی " راستہ کھلا ہے اور حق روشن ہے اور نگہبان سننے والا پھر تجردہی کر سکتا ہے جو اندھا ہو " یعنے اب راستہ ڈھونڈنا محض غلطی ہے۔ اس لئے کہ راہِ حق مثل آفتاب کے تابان ہے بلکہ انسان اپنے آپ کو ڈھونڈے کہ وہ کہاں ہے اور جب اپنے کو پالے تو راستہ پر آجائے کیونکہ حق اس سے بھی زیادہ اظہر ہے کہ طالب اس کی طلب کرے۔

آپ سے ہی مروی ہے کہ فرمایا۔ اُسْتُرْ عِزَّ فَقْرِكَ " فقیری کے منصب جلیل کو پوشیدہ رکھ " یعنی مخلوق کے آگے نہ کہتا پھر کہ میں درویش ہوں تاکہ تیرا راز نہ کھل جائے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالے کی طرف سے بڑی زبردست بخشش ہے۔

آپ سے ہی مروی ہے کہ فرمایا۔ ایک درویش نے رمضان المبارک میں ایک متمول کی دعوت کر دی۔ اور اُن کے گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب وہ دولتمند واپس ہوا۔ تو اس نے ایک سنہری تھیلی سکہ کی اُن کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے اس تھیلی کو واپس کر دیا۔ اور کہلا دیا کہ یہ تھیلی اسے دے جو اپنا راز تم سے جیسے کے آگے ظاہر کر دے۔ یا تیرے جیسے دولت مند کو اپنی عزت فقر سے بلند جانے۔

یہ اُن کے سچے فقر کی دلیل ہے۔ واللہ تعالے اعلم۔

حضرت عسکری بن الحسین

رحمۃ اللہ علیہ ۔ انہیں میں سے امام متوکلان برگزیدۂ اہل زمان ابو تراب حضرت عسکری بن الحسین النخعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ مشائخ خراسان میں اجلہ سادات میں مشہور ہیں درجۂ مردی وزہد و ورع میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی بیحد کرامتیں ہیں اور بہت زیادہ عجائبات ایسے ہیں جو جنگلوں میں دیکھے گئے۔

سیاح متصوفین میں سے آپ تھے اور ہمیشہ جنگل میں خلوت نشیں رہا کرتے یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات بھی بصرہ کے ایسے جنگل میں ہوئی۔ کہ بعد وفات کئی سال بعد ایک قافلہ پہنچا، تو آپ کی لاش مبارک کو ایک پیر پر قبلہ رُو کھڑے دیکھا لاش مبارک بیجان تھی۔ اور خشک ہو چکی تھی اور آپ کے پاس سامنے چمڑے کا کوزہ یعنی کشکول چرمی رکھا ہوا تھا اور عصا ہاتھ میں تھا۔ لیکن جنگل کے درندے آپ کی لاش مبارک کے پاس نہ پھٹکے اور اتنی مدت تک پاؤ مبارک سے لاش نہ گری

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلْفَقِیْرُ قُوْتُہٗ مَا وَجَدَ وَلِبَاسُہٗ مَاسَتَرَ وَمَسْکَنُہٗ حَیْثُ نَزَلَ۔ "فقر کی غذا وہی ہے جو مل جائے۔ اسی کو اختیار کرے۔ اور لباس وہ ہے جس سے بدن ڈھانپ لے۔ اس میں اپنا تصرف نہ کرے۔ اور اس کے مقام کیلئے وہی جگہ ہے جہاں چلتے چلتے ٹھہر جائے۔ اپنے لئے کوئی خاص جگہ نہ بنائے۔

اس لئے کہ ان تین چیزوں میں تصرف کرنا لغیر اللہ ہونا ہے اور درحقیقت تمام عالم ان ہی تین چیزوں کی بلا میں مبتلا ہے (اور یہ جو کچھ تین چیزوں کا ذکر فقیر کا ہوا) یہ بھی اسباب ظاہری کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ درحقیقت غذائے درویش وَجَدْ ہے اور لباس درویش تقویٰ ہے اور مسکن درویش مقام غیب۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّاءً غَدَقًا۔ "اور اگر یہ لوگ صراط مستقیم پر قائم رہتے تو ہم انہیں کافی پانی پلاتے اور فرمایا۔ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَیْرٌ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْفَقْرُ وَطَنُ الْغَیْبِ۔ فقر وطن غیب ہے۔ تو جب اکل و شرب فقیر شراب دیدار یار ہے اور لباس فقیر تقویٰ اور مجاہدہ اور وطن فقیر مقام غیب اللہ وصل

کے مقام کا اظہار چاہتا فقر کے طریقہ کا کھلا راستہ ہے اور اس کے عمل روشن ہیں اور یہ فقیر کا درجۂ کمال ہے۔

حضرت ابوذکریا یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انہیں میں سے لسان محبت و وفا این طریقت

والا حضرت ابوذکریا یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ نہایت بلند حال اور نیک سیرت گزرے ہیں۔ اور آپ کا مقام رجا میں میدانِ حقیقت کے اندر پورا قدم راسخ تھا حتیٰ کہ حسن بصری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو یحییٰ پیدا فرمائے ہیں۔ ایک نبیوں میں اور ایک ولیوں میں۔ انبیاء میں حضرت یحییٰ بن ذکریا علیہما السلام تھے۔ کہ آپ کو طریق خوف اس درجہ عطا ہوا کہ تمام مدعیان افراط خوف کی وجہ میں اپنی کامیابی سے ناامید ہو گئے۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کو طریق رجا و امید اس درجہ عطا ہوا کہ تمام مدعیوں کے ہاتھ امید سے بھر گئے کسی نے کہا حضرت یحییٰ بن ذکریا علیہما السلام کا حال تو معلوم ہے لیکن یہ یحییٰ کون ہیں اور ان کا حال کیا ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ یحییٰ جہالت کی طرف ہرگز نہیں تھے۔ اور آپ سے کبھی کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوا۔ اور اعمال و عبادت میں پوری سعی فرماتے تھے۔ بلکہ ایسی جدوجہد کرتے تھے۔ کہ ان کی سعی کسی میں محنت کرنے کی تاب و طاقت نہیں۔

ان سے کسی نے صحابۂ کرام میں سے فرمایا کہ یحییٰ تمہارا مقام مقام رجاء ہے اور تمہارا عمل عمل خائفان ہے۔ آپ نے فرمایا۔ صاحبزادے اچھی طرح یاد رکھو ترک عبودیت ضلالت ہے اور خوف رجا ستونِ ایمان ہیں

یہ محال ہے کہ کوئی ارکانِ ایمانیہ کی حفاظت میں سعی کرتا ہوا گمراہ ہو جائے۔ خوف والا اس خوف سے عبادت کرتا ہے کہ وہ مقامِ تقرب سے کہیں قطع نہ ہو جائے اور رجاء والا با امید وصل جمیل عبادت کرتا ہے۔ اور جبتک عبودیت و عبادت نہ ہو تو خوف صحیح ہے نہ رجا اور جب عبادت حاصل ہے تو دونوں یعنی خوف و رجا عبادت ہیں۔ اور جہاں عبادت نہیں وہاں عبارت در لفظ امید و رجا۔ کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں اور نکات و اشارات عجائب و غرائب کافی۔

خلفائے راشدین کے بعد جو سب سے پہلے مشائخ کرام میں سے برسرِ منبر جلوہ افروز ہوئے. وہ بھی ابو ذکریا حضرت یحییٰ بن معاذ ہیں۔ اور میں اُن کے کلام کو بہت پسند کرتا ہوں اس لئے کہ ان کا کلام میرا دقیق طبع ہے۔ اور سماعت میں نہایت لذیذ اور اصلیت میں بحد غایت دقیق اور عبارت کی حیثیت سے نہایت مفید۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلدُّنْیَا دَارُ الْاِشْغَالِ وَالْاٰخِرَۃُ دَارُ الْاَھْوَالِ وَلَایَزَالُ الْعَبْدُ بَیْنَ الْاَشْغَالِ وَالْاَھْوَالِ حَتّٰی یَسْتَقِرَّ بِہِ الْقَرَارُ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ۔ دُنیا جائے اشغال واعمال ہے۔ اور آخرت مقام خوف وہول اور بندہ ہمیشہ اعمال اور خوف میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ٹھہرنے کا مقام یا جنت ہو جاتی ہے یا جہنم بن جاتا ہے۔ کہ اُس میں ہمیشہ رہتا رہے۔

بہت بختاور اور خوش وقت وہ دل ہے کہ اعمال واشغال اور خوف سے مامون ہو کر اپنی ہمت کو دونوں سے جُدا کر کے اپنے رب حقیقی سے پیوستہ ہو چکا ہو۔

آپ اپنے خیال میں غنا کو فقر پر بزرگ جانتے تھے۔ اور جب مقام رَے میں آپ پر بہت قرض ہو گیا تو خراسان کا قصد فرمایا۔ جب بلخ پہنچے تو اہل بلخ نے آپ کو روکا تاکہ کچھ وعظ و پند سنیں۔ غرضکہ یہاں کے لوگوں نے آپ کو ایک لاکھ درم نذر کئے۔ جب آپ یہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں چوروں نے سب لوٹ لئے اور آپ تنہا نیشاپور تشریف لے آئے آپ کی وفات نیشاپور میں ہوئی۔ لوگوں میں آپ کی خاص عزت تھی۔ واللہ تعالےٰ اعلم

حضرت عمرو بن سالم نیشاپوری حدادی

انہیں میں سے شیخ المشائخ خراسان نادر زمن ابو حفص حضرت عمرو بن سالم نیشاپوری حدادی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ قوم کے بڑے بزرگ اور سادات سے تھے۔ مشائخین وقت کے بڑے ممدوح گذرے ہیں۔ حضرت ابو عبد اللہ ابیوردی کے ہمنشیں اور حضرت احمد خضرویہ کے رفیق خاص ہیں۔ کرمان سے شاہ شجاع ان کی زیارت کے لئے آئے۔ اور آپ اس وقت بغداد میں تشریف فرما تھے۔ مریدوں نے آپس میں کہا۔ سخت افسوس ہے کہ شیخ الشیوخ خراسان سے

یہاں تشریف لائیں۔ اور ہم اُن کے کلام فیض ترجمان سے استفادہ نہ کریں۔ آپ کیلئے ایک ترجمان تلاش کیا جائے۔ (اسلئے کہ عام طور پر سب جانتے تھے کہ آپ کو عربی زبان نہیں آتی۔)

جب آپ مسجد شونیزیہ میں تشریف لائے تو بہت سے مشائخ یہاں جمع ہوئے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے۔ آپ نے تمام مشائخ کے ساتھ ایسی فصیح و بلیغ عربی زبان میں گفتگو فرمائی کہ حاضرین جلسہ آپ کے بلاغت کے مقابلہ سے عاجز آ گئے۔

آپ سے سوال کیا گیا۔ مَا الْفُتُوَّۃُ۔ حضرت فتوت کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا تمام مشائخ تشریف فرما ہیں اور سب یکے بعد دیگرے تعریف فتوت کریں۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ پہلے شروع ہوئے اور فرمایا۔ اَلْفُتُوَّۃُ عِنْدِیْ تَرْکُ الرُّوْیَۃِ وَاِسْقَاطُ النِّسْبَۃِ " میرے نزدیک فتوت یہ ہے کہ انسان اپنی فتوت یعنی جوان مردی کو نہ دیکھے اور جو کچھ کر رہا ہے۔ اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرے اور یوں نہ کہے کہ یہ میں کرتا ہوں۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مَا اَحْسَنَ مَا قَالَ الشَّیْخُ نہایت اچھا بیان فرمایا شیخ نے۔ وَلٰکِنَّ الْفُتُوَّۃُ عِنْدِیْ اَدَاءُ الْاِنْصَافِ وَتَرْکُ مُطَالَبَۃِ الْاِنْصَافِ لیکن میرے نزدیک فتوۃ نام ہے انصاف کا حق ادا کرنا اور اپنے لئے طلب انصاف کو ترک کرنا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ قُوْمُوْا اَصْحَابَنَا فَقَدْ زَادَ ابو حفص عَلٰی آدَمَ وَ ذُرِّیَّتِہٖ اے میرے یارو کھڑے ہو جاؤ ابو حفص جوانمردی میں آدم اور آدم کی اولاد سے بڑھ گیا۔

آپ کی ابتدا توبہ کا حال یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ آپ ایک لونڈی پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ شہر نیشاپور میں ایک جادوگر یہودی ہے۔ اس کے ذریعہ سے تمہارا مقصد حاصل ہو جائیگا۔ حضرت ابو حفص اس کے پاس آئے اور سب حال سنایا۔ یہودی نے کہا چالیس روز کے لئے نماز چھوڑنی ہوگی۔ اور اپنے تمام ذکر و اذکار نیک نیتی کے اعمال دل اور زبان سے ترک کرنے ہونگے۔ تو پھر جو افسوں کرونگا وہ تیری کامیابی میں پورا ہوگا۔

آپ نے ایسا ہی کیا جب چالیس دن گذر گئے یہودی نے اپنا منتر کیا۔ لیکن آپ کی مراد

پوری نہ ہوئی۔ یہودی کہنے لگا آپ نے تمام باتیں میری ہدایت کے موافق پوری نہیں کیں، آپ کچھ نہ کچھ کرتے رہیں

حضرت ابوحفص نے فرمایا "اپنے اعمالِ ظاہری میں نے سب ترک کر دیئے لیکن میرا ضمیر جو ملامت کرتا رہا وہ علیحدہ بات ہے۔ ہاں ایک روز جس راستہ سے میں آ رہا تھا وہاں ایک پتھر پڑا ہوا تھا۔ اسے میں نے راستہ سے علیحدہ کر دیا تھا تاکہ اس سے کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔

یہودی نے کہا ابوحفص لوگوں کی ایذا رساں چیز کو تم نے ہٹایا اور اپنے رب کو غضبناک کیا اور چالیس روز اس کا حکم ضائع کر دیا۔ اگر تو اپنے رب کو غضبناک نہ کرتا تو وہ تجھے اس لونڈی کی مہاجرت کے رنج سے نجات دے دیتا۔

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت توبہ کی۔ اور وہ یہودی بھی مشرف باسلام ہو گیا۔

آپ لوہار کا کام کرتے تھے۔ آپ مقام باورد گئے اور حضرت عبداللہ باوردی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی اور اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ جب واپس نیشاپور تشریف لائے بازار میں ایک نابینا کو دیکھا کہ تلاوت کلام پاک کر رہا ہے۔ آپ اپنی دکان پر بیٹھے ہوئے اسکی تلاوت سُن رہے تھے۔ کہ آپ پر وجد طاری ہوا۔ اور حالتِ جذب میں بغیر سنڈاسے کے سُرخ لوہا بھٹی سے ہاتھ میں لے لیا۔ جب شاگردوں نے یہ حال دیکھا تو حواس باختہ ہو گئے۔ جب آپ کی کیفیت وجدانی فرد ہو گئی اور ہوش میں آئے تو کسبِ معاش سے ہاتھ اُٹھا لیا اور دکان چھوڑ دی۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ تَرَكْتُ الْعَمَلَ ثُمَّ رَجَعْتُ اِلَيْهِ ثُمَّ تَرَكَنِيَ الْعَمَلُ فَلَمْ اَرْجِعْ اِلَيْهِ "میں نے کسبِ معاش چھوڑا پھر اس کی طرف رجوع ہوا پھر کسب نے مجھے چھوڑا تو اب میں اُس کی طرف رجوع نہیں۔

اس لئے کہ جو چیز بندہ اپنے ارادہ سے ترک کرے وہ ترک کرنا بہتر نہیں۔ اس لئے کہ یہ صحیح اصول ہے کہ ہر کسب محلِ آفت ہے۔ اور یہ بہتر نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ بلا قصد و ارادہ غیب سے وہ چیز ترک ہو۔ اور ہر موقعہ پر اختیار بندہ اس سے متصل نہ ہے۔ اس لئے کہ لطیفۂ حقیقت اُس ارادہ کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے۔

تو کسی شے کا ترک داخلِ بندہ کی طرف سے بالکل درست نہیں۔ اس لئے کہ عطاء

زوال در حقیقت منجانب اللہ ہے تو پھر جو عطا کئے توحق کی طرف سے اسے لے اور جب زوال آئے تو ترک کر دے۔

جب اس حال میں صافی ہو جاتا ہے۔ تو وجود اخذ و ترک منجانب اللہ ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ بندہ کی طرف سے ہو کر بندہ اپنی کوشش سے اس کا لینے والا بنے یا دفع کرنے والا۔

تو اگر ہزار سال مرید قبول حق میں کوشاں رہے تو اتنا نہیں ہو سکتا مگر ایک لمحہ بھی اس کا قبولیت حق کے ساتھ مانا جائے۔ اس لئے اقبال لایزال قبولیت ازلی کے ساتھ بستہ ہے اور سرور سرمدی سعادت سابقہ ازلیہ سے پیوستہ۔ اور بندہ کو اخلاص و خلوص کے سوا چارہ نہیں۔ تو وہ بندہ محبوب بارگاہ ہے جو تمام اسباب مسبب کی مشیت پر چھوڑ دے۔

حضرت ابو صالح حمدون رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے قدوۂ اہل ملامت حضرت ابو صالح حمدون ابن احمد ابن عمارۃ القصار رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ قدما مشائخ میں متورع اور فقہ کے اندر خاص درجہ کے مالک تھے۔ آپ کا سلسلہ ثوری تھا اور حضرت ابو تراب نخشبی کے مرید تھے اور حضرت علی نصر آبادی کے معتقدوں میں سے تھے۔ آپ کے نہایت دقیق رموز اور اعمال میں آپ کا کلام دقیق مشہور ہے۔ اور مجاہدات میں اتنے منصب بلند پر تھے کہ نیشاپور کے ائمہ و مشائخ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ ممبر پر جلوہ فرما ہوں اور لوگوں کو وعظ کریں تاکہ آپ کے کلام سے لوگوں کے دلوں میں فائدہ پہنچے۔

آپ نے فرمایا مجھے وعظ کہنا روا نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کیوں۔ فرمایا اس لئے کہ ابھی میرا دل دنیا اور جاہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ میرا کلام بیفائدہ ہے اور لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں کریگا۔ اور جو کلام دلوں پر اثر پذیر نہ ہو وہ علم کے استخفاف کا موجب ہے اور شریعت مطہرہ کا استہزا کرنا ہے۔ کلام کرنا اس کے لئے مسلم ہے کہ خاموشی اس کی دین میں داخل ہو۔ اور جب بولے تو جتنا خلل ہو مٹ جائے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ سخن سلف صالحین کس لئے دلوں کے واسطے بہت مفید ہیں آجکل کی باتیں کرنے سے۔ آپ نے فرمایا۔

لِاَنَّهُمْ تَكَلَّمُوا لِعِزِّ الْاِسْلَامِ وَنَجَاتِ النُّفُوْسِ وَرِضَاءِ الرَّحْمٰنِ وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ

لِحَزِّ النَّفسِ وَطَلَبِ الدُّنیاوَقَبُولِ الخَلقِ" اس لئے کردہ کلام فرماتے تھے اعزاز اسلام کے لئے اور نفسوں سے نجات کے لئے اور رضا الٰہی حاصل کرنے کو ، اور ہم بولتے ہیں نفس کے اعزاز کی خاطر اور طلب دنیا کے لئے اور لوگوں میں مقبولیت پیدا ہونے کی غرض سے۔"

تو جو کلام موافقت حق کیلئے ہو وہ حق کی مدد کے ساتھ ہوتا ہے اس میں رعب و داب ہوتا ہے اور اشرار پر اثر کرتا ہے۔ اور جو کلام اپنی موافقت کیلئے ہو اس میں ذلت و خواری ہے اور اس کا فائدہ کچھ نہیں۔ ایسے بولنے سے نہ بولنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ ایسا بولنے والا اپنے لفظوں سے خود بیگانہ ہوتا ہے۔

انہیں میں سے شیخ باوقار شرف خواطر و اسرار

حضرت منصور بن عمار رضی اللہ عنہ حضرت ابو سری منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اکابر مشائخ سے گذرے ہیں۔ اور اہل عراق کے ہم صحبت اور اہل خراسان میں مقبول الکلام واعظ تھے۔ آپ کے بیان لطیف کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے تقریر میں فنون و علوم و روایات درایات احکام و معاملات کے دریا موجزن ہوتے تھے بلکہ بعض اہل تصوف نے تو آپ کی تعریف میں بہت ہی مبالغہ کیا ہے۔

آپ کے ذکر میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ "سُبحَانَ مَن جَعَلَ قُلُوبَ العَارِفِینَ اَوعِیَۃَ الذِّکرِ وَقُلُوبَ الزَّاھِدِینَ اَوعِیَۃَ التَّوَکُّلِ وَقُلُوبَ المُتَوَکِّلِینَ اَوعِیَۃَ الرِّضَا وَقُلُوبَ الفُقَرَاءِ اَوعِیَۃَ القَنَاعَۃِ وَقُلُوبَ اَھلِ الدُّنیَا اَوعِیَۃَ الطَّمَعِ" اس کی ذات منزہ و پاک ہے جس نے عرفاء کے قلوب کو ذکر کا برتن بنایا اور زاہدوں کے دلوں کو ظرف توکل کیا اور متوکلین کے قلوب کو منبع رضا بنا دیا۔ اور درویشوں کے ضمیر کو محل قناعت قرار دیا اور دنیاداروں کے دلوں کو طمع کا برتن کیا۔

اس میں عبرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو حساس بنایا اور اس میں معنی متجانس رکھے۔ چنانچہ ہاتھوں کو محل بطش و گرفت بنایا۔ پیروں کو چلنے کے کام کا آلہ قرار دیا۔ آنکھوں کو دیکھنے کے لئے پیدا کیا کانوں کو سماعت کے واسطے مخصوص بنایا زبان کو بولنے کے لئے رکھا۔ اور ان اعضاء کے اسماء خلقی میں اور وہ افعال جو ان سے ظاہر ہونے میں ان میں کوئی

زیادہ خلاف نہیں رکھا، بلکہ ہر جگہ ہر عضو ایک کا اپنے کام یکساں ہی ہے۔ مگر دل ایک ایسی
چیز پیدا فرمائی کہ ہر ایک کے اندر وہی دل ہے مگر اس میں مختلف ارادے اور مختلف خواہشات
ہیں۔ ایک دل ظرف عرفان بنایا تو ایک دل منبع ضلالت کر دیا۔ ایک دل میں قناعت ڈال دی تو
ایک دل کو اوعیہ سمہ دریا کر دیا تو معلوم ہوا کہ مخلوقات میں سے وہ مخلوق جس سے خلاق عالم
کی صنعت کمال تعجب خیز ظاہر ہو سوا دل کے نظر نہیں آتی۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلنَّاسُ رَجُلَانِ عَارِفٌ بِنَفْسِهٖ فَشُغْلُهٗ فِی
الْمُجَاهِدَاتِ وَالرِّيَاضَةِ وَعَارِفٌ بِرَبِّهٖ وَشُغْلُهٗ بِخِدْمَتِهٖ وَعِبَادَتِهٖ وَ
مَرْضَاتِهٖ" لوگوں میں دو گروہ ہیں یا خود عارف ہیں یا حق عارف ہیں۔ وہ لوگ جو
بخود عارف ہیں اُن کا مشغلہ مجاہدہ و ریاضت ہے۔

اور وہ لوگ جو بحق عارف ہیں ان کا مشغلہ خدمت و عبادت و طلب رضا رہے۔
تو عارفان بخود کی عبادت ریاضت ہوئی اور عارفان بحق کی عبادت ریاست ہوئی یہ پہلا
اس لئے عبادت کر رہا ہے۔ کہ درجہ حاصل کرے، دوسرا اس لئے عبادت کرتا ہے کہ عطا شدہ
نعمت کا شکر گزار رہے۔

فَشَتَّانَ مَا بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ تو دونوں کے منازل و مقام میں بڑا فرق ہے۔ یعنے
عارف بخود وہ بندہ ہے جو مجاہدہ پر قائم ہے۔ اور عارف بحق وہ بندہ ہے جو مشاہدہ میں
محو ہے۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

اَلنَّاسُ رَجُلَانِ مُفْتَقِرٌ اِلَى اللّٰهِ فَهُوَ فِی اَعْلَى الدَّرَجَاتِ عَلٰى لِسَانِ الشَّرِيْعَةِ
وَاٰخَرُ لَا يَرَى الْاِفْتِقَارَ بِمَا عَلِمَ مِنْ فَرَاغِ اللّٰهِ مِنَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ وَالْاَجَلِ وَالْحَيَاةِ
وَالسَّعَادَةِ وَالشَّقَاوَةِ فَهُوَ فِی افْتِقَارِهٖ اِلَيْهِ وَاسْتِغْنَائِهٖ بِهٖ لوگ دو قسم کے ہیں
ایک نیاز مند بخدا۔ یہ نہایت اعلیٰ و ارفع درجہ والے ہیں اور شریعت طاہرہ نے بھی انہیں بلند
درجہ کہا۔ دوسرے وہ ہیں جو اپنی نیازمندی اور حاجت کو نہیں دیکھتے۔ اس لیے کہ وہ
جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہی مخلوق کے رزق، اجل، حیات، شقاوت، سعادت
سب مقدر کر دی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تو وہ گروہ اپنی حوائج میں حاجات کا

محتاج ہوا۔ اور یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے مستغنی ؛
یعنی پہلا گروہ عین افتقار میں محجوب ہُوا اعتقادیہ اللہ سے دوسرا گروہ اپنی حاجتوں سے مستغنی ہو کر اللہ کے ساتھ غناد مشاہدہ میں ہُوا۔ تو پہلا گروہ نعمت کے ساتھ ہوا۔ دوسرا گروہ منعم نعمت کے ساتھ۔ پہلا گروہ مشاہدۂ نعمت میں اگرچہ غنی ہے مگر فقیر ہے دوسرا گروہ مشاہدہ منعم میں اگرچہ فقیر ہے مگر غنی ہے۔

حضرت احمد بن عاصم انطاکی رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے ممدوح اولیاء قدوۂ اہل رضا حضرت ابو عبداللہ احمد بن عاصم انطاکی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اعیان قوم اور سادات قبائل سے گذرے ہیں۔ علوم شریعت کے بہترین عالم اصول و فروع میں اعلیٰ ماہر تھے نہایت دراز عمر پائی قدماً مشائخ کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ اتباع تابعین کو دیکھا اور ہمعصر بشر حافی اور سری سقطی رضی اللہ عنہما تھے حضرت حارث محاسبی کے مرید تھے۔ حضرت فضیل عیاض کی بھی آپ نے زیارت کی اور انکے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ آپ اکثر زبانوں میں ستودہ تھے۔ آپ کا کلام بہت بلند مانا گیا ہے۔ آپ کے لطائف نہایت شافی ہیں۔ علم طریقت میں آپ ماہر گذرے ہیں۔
آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَنْفَعُ الْفَقْرِ مَا كُنْتَ بِهٖ مُتَجَمِّلاً وَبِهٖ رَاضِیاً۔ نافع ترین فقر وہ ہے جس سے تو جمال پائے اور اپنے جمیل کے ساتھ راضی رہے۔
یعنی مخلوقات کا جمال وجود اسباب میں ہے اور فقیر کا جمال نفی اسباب اور اثبات مسبب میں اور اسی کی طرف رجوع رہ کر اس کے احکام پر راضی رہنے میں۔
اس لئے کہ فقر فقدان سبب کا نام ہے۔ اور غنا وجود سبب کو کہتے ہیں۔
تو فقیر بلا سبب حق کے ساتھ ہے اور جہاں سبب ہے وہاں وجود خودی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سبب محل حجاب ہے اور ترک سبب محل کشف و جمال دو جہان۔ اور کشف میں رضا ہے۔ سخط و غضب میں تمام عالم حجاب میں ہے اور یہ بیان فضیلت فقر میں واضح ہے۔

حضرت ابو محمد عبداللہ خبیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انہیں میں سے سالک طریق تقویٰ اندیشت بزہد یحییٰ

حضرت ابو محمد عبداللہ بن خبیق رضی اللہ عنہ ہیں ۔ زہاد قوم میں سے گذرے ہیں۔ اور ہر معاملہ میں اعلیٰ متورع تھے۔ آپ سے بہت روایات ہیں اور آپ فن حدیث میں مشہور ہیں۔ آپ کا مسلک فقہ میں مسلک ثوری تھا اور معرفت و حقیقت میں ماہر تھے۔

اور آپ نے صحابہ کرام کی زیارت کی اور ان کے فیض صحبت میں رہے آپ کے مضامین قال و عمل میں نہایت لطیف ہیں۔ آپ کا ایک ارشاد ہے۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَکُوْنَ حَیًّا فِیْ حَیٰوتِہٖ فَلَا یَسْکُنُ الطَّمَعَ فِیْ قَلْبِہٖ جو چاہتا ہے کہ دنیاوی زندگی میں زندہ ہو جائے اُسے کہو کہ وہ اپنے دل کو مسکن طمع نہ بنائے تاکہ کل ماسوی اللہ سے آزاد ہو۔

اس لئے کہ طامع ہمیشہ مردہ ہوتا ہے اور اپنے طمع کی قید میں مقید۔ تو جس دل میں طمع ہے وہ دل ایسا ہے جس پر مہر لگی ہو اور لازمی ہے کہ جو دل مختوم یعنی مہر شدہ ہے وہ یقیناً مُردہ ہے۔

سبحان اللہ دل وہی ہے جو ماسوی اللہ سے مردہ ہو اور اپنے رب کی محبت میں زندہ۔

اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے دل کے لئے عزت و ذلت پیدا فرمائی ہے۔

اور اس کی یاد سے جو دل معمور ہے اُسے دل کی عزت گردانا۔ اور جس میں طمع ہے اسے دل کی ذلت قرار دیا۔ جیسا آپ نے فرمایا ہے خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْقُلُوْبَ مَسَاکِنَ الذِّکْرِ فَصَارَتْ مَسَاکِنُ الشَّھَوَاتِ وَلَا یَمْحُوا الشَّھَوَاتِ مِنَ الْقُلُوْبِ اِلَّا خَوْفٌ مُزْعِجٌ اَوْ شَوْقٌ مُقْلِقٌ " اللہ تعالےٰ نے دلوں کو مساکن ذکر بنایا تھا مگر جب نفس امارہ کی صحبت کا اثر پڑا مسکن شہوت بن گیا اب اس دل کو کوئی چیز شہوات سے پاک نہیں کر سکتی۔ مگر وہ خوف جو مضطر کر دے۔ یا وہ شوق جو آرام بھلا کر قلق پیدا کر دے۔"

تو خوف اور شوق دو ستون ہوئے ایمان کے۔ جیسے دل محل ایمان ہے اور اس کے قرین قناعت و ذکر ہیں۔ نہ کہ طمع اور غفلت تو قلب مؤمن طماع اور تابع شہوات نہیں ہو سکتا۔ اس لئے طمع و شہوت کا نتیجہ وحشت ہے جو دل کو متوحش کر کے ایمان سے بے خبر کر دیتی ہے اور ایمان کو انس بحق لازمی ہے۔ اور وحشت کو انس غیر حق کے ساتھ ضروری۔

جیسا کہ کہا ہے کہ اَلطَّمَّاعُ مُتَوَحِّشٌ مِنْہُ کُلُّ وَاحِدٍ" طماع کی صحبت سے ہر ایک وحشت زدہ ہو جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انہیں میں سے شیخ طریقت امام شریعت ابوالقاسم حضرت جنید بن محمد بن

جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ مقبول اہل ظواہر وارباب قلوب تھے۔ علوم کے تمام فنون میں کامل اور اصول و فروع و معاملات و عبادات میں مفتی اعظم اور امام اصحاب ثوری مانے گئے ہیں۔ آپ کے فرامین نہایت عالی ہیں اور آپ کا حال بدرجہ غایت کامل تھی کہ تمام اہل طریقت آپ کی امامت پر متفق ہیں۔ اور کسی مدعی علم و تصوف کو آپ پر اعتراض نہیں۔

اور آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہیں اور انہیں کے مرید ہیں۔

ایک روز حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کوئی مرید ایسا بھی ہے جس کا مرتبہ پیر سے بلند ہو گیا ہو۔ فرمایا۔ ہاں اس کے براہین ظاہر ہیں (یعنی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے (اگرچہ یہ فرمانا حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا) بصورت تواضع تھا۔ اور آپ نے جو کچھ فرمایا اپنی بصیرت باطنی کے ذریعہ فرمایا۔ اس لئے کہ کوئی اپنے سے اوپر والے کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ دیدار کا تعلق تحت سے ہے۔

بنا بریں آپ نے یعنی حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے جبکہ انہیں دیکھا اپنی نظر میں بلند دیکھا مگر یقیناً اپنے درجہ سے یہ دیکھنا نیچے ہی درجہ کا دیکھنا ہو گا۔

اور مشہور ہے کہ زمانہ حیوٰۃ سری سقطی رحمۃ اللہ میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید بن محمد سے عرض کی ہمیں کچھ فرمایئے تاکہ ہمارے دل سکون و راحت پائیں۔ آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اور فرمایا جب تک میرے شیخ حضرت سری جلوہ آرائے مسند ظاہر ہیں میں کوئی بات کہنے کا مجاز نہیں رکھتا۔ یہانتک کہ ایک رات خواب استراحت میں تھے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں۔ جنید لوگوں کو کچھ سنایا کرو اس لئے کہ تیرے بیان سے اللہ تعالیٰ ایک عالم کی نجات فرمائے گا۔

جب بیدار ہوئے تو دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ میں اپنے مرشد کے درجہ سے اتنا بلند ہو گیا ہوں کہ حضور نے مجھے حکم دعوت فرمایا جب صبح ہوئی حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید بھیج اور حکم دیا کہ جب جنید نماز سے فارغ ہوں تو کہو کہ میرے مریدوں کی درخواست تم

نے رد کر دی۔ اور انہیں کچھ دستیار اشیاخ بغداد نے سفارش کی اسے بھی تم نے رد کر دیا۔ میں نے پیغام بھیجا پھر بھی آمادہ وعظ نہ ہوئے۔ اب جبکہ پیغمبر عالم سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تمہیں ملا ہے۔ لہٰذا اس حکم کی تعمیل کرو۔

حضرت جنید بن محمد نے یہ حکم سنتے ہی جواب میں کہلا بھیجا کہ حضور جو میرے دماغ میں افضلیت کا سودا سمایا ہے وہ جاتا رہا ہے اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ سری سقطی میرا مرشد کامل میرے تمام حالات ظاہر و باطن سے مشرف ہے۔

اور آپ کا درجہ ہر حال میں میرے درجہ سے بلند۔ اور آپ یقیناً میرے اسرار پر مطلع ہیں۔ اور میں آپ کے منصب جلیل کی بلندی سے محض بے خبر ہوں۔ اور اپنی غلطی سے استغفار کرتا ہوں جو میں نے اس خواب کے بعد اپنے متعلق سوچا تھا۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی حضور آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں نے خواب میں حضور کی زیارت کی۔ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے جمال سے خواب میں شرف حاصل کیا۔ مجھے جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ میں نے اپنے حبیب پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا کہ اسے حکم دو تاکہ وہ وعظ کہے تاکہ اہل بغداد کی مراد بر آئے۔

یہ حکایت دلیل واضح ہے کہ پیران کامل ہر صورت میں مرید کے حالات پر واقف ہوتے ہیں آپ کے کلام بہت بلند ہیں اور رموز نہایت لطیف۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

كَلَامُ الْأَنْبِيَاءِ نَبَاءٌ عَنِ الْحُضُوْرِ وَكَلَامُ الصِّدِّيْقِيْنَ إِشَارَةٌ عَنِ الْمُشَاهَدَةِ

(کلام انبیاء کرام حضور کے ذریعے ہوتا ہے یعنی وہ جو کچھ فرماتے ہیں آنکھوں دیکھی اور تفصیلی علم کے ذریعہ ہوتا ہے) اور کلام صدیقین مشاہدہ سے ہوتا ہے۔ یعنی ان کی صحت خبر محض مشاہدہ پر ہے جو نظر سے ہوتا ہے اور اسی وجہ میں شاہد تخیل سے ہے اور خبر سوائے آنکھ کے دیکھے نہیں ہو سکتی۔ اور اشارات سوائے غیر کے نہیں ہوتے۔

تو صدیقین کا مرتبہ کمال انبیاء کرام کے ابتدائی مراتب کے برابر ہوتا ہے اور اس میں جو ... ہے وہ واضح ہے۔ اور یہ عقیدہ ملحدین کا ہے۔ کہ انبیائے کرام کو فضیلت میں مؤخر مانتے

ہیں۔ اور اولیاء کرام کو مقدم کہتے ہیں۔

آپ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک بار میرے دل میں خواہش ہوئی کہ ابلیس لعین کو دیکھوں۔ کہ میں ایک دن مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہوا تھا۔ کہ ایک بڈھا آیا اور دُور سے میری طرف دیکھا جب اس کو میں نے دیکھا تو میں نے اپنے دل میں وحشت کا اثر محسوس کیا جب وہ میرے نزدیک آیا میں نے اس سے پوچھا۔ بڈھے تو کون ہے کہ میری نظر شدت وحشت سے تجھے دیکھنے کی تاب نہیں لاتی اور تیری نحوست کی ہیبت کو میرا دل برداشت نہیں کرتا کہنے لگا میں وہی ہوں جس کے دیکھنے کی آپ نے خواہش فرمائی تھی۔ میں نے کہا ملعون تجھے آدم علیہ السلام کے سجدہ سے کس چیز نے روکا۔ بولا جنید آپ کا یہ خیال ہے کہ میں غیر خدا کو سجدہ کر لیتا۔ حضرت جنید فرماتے ہیں۔ میں متحیر سا ہو گیا۔ اور اس کا یہ کلام میرے ضمیر پر اثر پذیر ہوا ہی تھا کہ مجھے الہام ہوا قُلْ لَهُ كَذَبْتَ لَوْ كُنْتَ عَبْدًا مَّامُوْرًا مَاخَرَجْتَ عَنْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ فَسَمِعَ النِّدَاءَ مِنْ قَلْبِيْ فَصَاحَ وَقَالَ اَحْرَقْتَنِيْ بِاللّٰهِ وَغَابَ "اے جنید اس خبیث کو کہدو کہ بے ایمان تو جھوٹا ہے اگر تو بندہ تھا تو اپنے مالک کے حکم سے باہر نہ ہوتا اور اس کی نہی سے تقرب ذکر تا شیطان نے یہ آواز میرے قلب کی سن لی اور ایک چیخ ماری اور بولا خدا کی قسم اے جنید تو نے مجھے جلا ڈالا۔ اور نظر سے غائب ہو گیا۔"

یہ حکایت آپ کے تحفظ عصمت پر خاص دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی خود نگرانی فرماتا ہے۔ اور ہر حالت میں مکر ہائے شیطانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک واقعہ ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ سے آپ کا ایک مرید کچھ بد اعتقاد ہوا اور اس غلط فہمی میں پڑا کہ اب میں بھی کسی درجہ پر فائز ہو چکا ہوں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے اعراض کر لیا۔ چند روز بعد اس غرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا خیال جنید پر منکشف بھی ہوا یا نہیں۔ اور حضرت جنید اپنے نور فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرما رہے تھے جب وہ مرید آیا آپ سے کچھ سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کیسا جواب چاہتا ہے الفاظ و عبارات میں یا حقیقت معنی میں۔ مرید نے عرض کی دونوں طرح آپ نے فرمایا ... تجربہ کرنے کی بجائے اپنا تجربہ کر لیتا تو میرے تجربہ کا ...

نہ ہوتا۔ اور اس جگہ تجربہ کی غرض سے نہ آتا۔

اور معنوی جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے منصبِ ولائیت سے معزول کیا۔ یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا چیخنے لگا اور پکارا کہ حضور راحتِ یقین میرے دل سے جاتی رہی توبہ کرنے لگا۔ اور پہلی بات سے ہاتھ اٹھایا۔ اس وقت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیانِ اسرار ہوتے ہیں۔ تجھ میں ان کی ضرب کی برداشت نہیں۔ پھر ایک پھونک اس پر ماری۔ وہ پھر اپنے پہلے درجہ پر متمکن ہوا۔ اُس دن سے خاصانِ بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے بھی توبہ کی اور پختہ عہد کر لیا۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ انہیں میں سے شیخ المشائخ طریقت امام ائمہ شریعت شاہ اہلِ تصوف بری از آفت تکلف حضرت ابوالحسن احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت نیک عمل اور واضح کلام فرمانے والے اور مجاہدات میں نہایت عالی ظرف گذرے ہیں۔ تصوف میں آپ کا مسلک مخصوص ہے۔ اور صوفیوں میں اسی وجہ سے ان کی جماعت کو نوری کہتے ہیں۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ متصوفین میں باعتبار مسلک بارہ[۱۲] فرقے ہیں دو گروہ مردود ہیں۔ اور دس گروہ مقبول بارگاہ ہیں۔

وہ بارہ فرقے یہ ہیں۔ (۱) محاسبیاں (۲) قصاریان (۳) طیفوریاں (۴) جنیدیان۔ (۵) نوریان (۶) سہلیان (۷) حکیمان (۸) خرازیان (۹) خفیفیان (۱۰) سیاریان۔ (۱۱) حلولیان (۱۲) حلاجیان۔

---

[۱۲] ان میں سے دس فرقے سیاری فرقہ تک محققانِ اہلِ سنت و جماعت سے گذرے ہیں لیکن دو گروہ مردود ہیں۔ ایک حلولی ہے۔ جو حلول و امتزاج کا قائل ہے۔ از مترجم (یعنے اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰے بندے کے جسم میں حلول کرتا اور بندہ میں آکر مل جاتا ہے) معاذ اللہ۔ اور اسی فرقہ سے وابستہ سالمی اور مشبہہ ہے (مشبہہ کا تو عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کا جسم ہے اور وہ جسم ایسا ہے کہ عقل اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔ اور فرقہ سالمیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالٰے صورتِ انسانی میں جلوہ فرما ہوگا۔ اور امت محمد صلی اللہ علیہ

دوسرا فرقہ حلاجیان ہے جن کے نزدیک ترک شریعت اور الحاد موجب نجات ہے۔ یہ فرقہ بھی مردود ہے۔ اور ان میں دو فرقہ اور ہیں۔ ایک اباحتیان دوسرا فارسیان ان کی تصریح اسی کتاب میں اپنے مقام پر تمہیں ملے گی۔

ان فرقوں کے عقائد اور ان کے فرق اور اختلاف کا بیان مفصل درج کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ لیکن حضرت ابوالحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ نہایت پاکیزہ ہے اور ترک مداہنت اور رفع مسامحت میں آپ نہایت سخت تھے۔ اور ہمیشہ مجاہدات شدیدہ ریاضات میں رہے۔ آپ فرماتے ہیں میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بار حاضر ہوا میں نے دیکھا آپ صدر مقام پر تشریف فرما ہیں۔ میں نے کہا۔ یَا اَبَا الْقَاسِمِ غَشَشْتَهُمْ فَصَدَّرُوْكَ وَنَصَحْتُهُمْ فَرَمَوْنِیْ بِالْحِجَارَةِ لے ابو القاسم تم نے ان سے حق چھپایا تو انہوں نے تمہیں صدر نشین بنالیا اور میں نے انہیں نصیحت کی تو انہوں نے مجھے پتھروں سے مارا۔ اسلئے کہ مداہنت کو خواہشات نفسانی سے موافقت ہے اور حق گوئی اور نصیحت کو مخالفت اور آدمی اس چیز کا دشمن ہے جو اس کی خواہشات کے مخالف ہو۔ اور اس کا دوست ہے جو اس کے ہوائے نفسانی کے موافق ہو۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق خاص تھے اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور آپ نے بہت سے مشائخ کرام کی زیارت کی اور ان کی صحبت میں رہے اور آپ نے حضرت احمد بن ابی الحواری کو بھی پایا۔

فن تصوف میں آپ کے اشارات نہایت لطیف ہیں اور آپ کے اقوال نہایت پیارے اور جمیل فنون میں آپ کے نکات عالی مشہور ہیں۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْجَمْعُ بِالْحَقِّ تَفْرِقَةٌ عَنْ غَیْرِهٖ وَتَفْرِقَةٌ عَنْ غَیْرِهٖ جَمْعٌ بِهٖ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملنا غیر سے مفارقت ہے اور غیر اللہ سے علیحدہ

وسلم میں (معاذ اللہ) ظہور کریگا اور تمام مخلوقات کے لئے قیامت کے دن جن و انس اور ملائکہ اور حیوانات کی شباہت میں ظہور کریگا اور ہر ایک کے ساتھ ایک خاص صفت ہوگی حالانکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تشبیہ و شباہت سے منزہ ہے۔ [illegible] العالمین (مترجم عفرلہ)

ہونا اللہ سے ملنا ہے۔

یعنی جس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمعیت خاطر حاصل کر لے تو غیر خدا سے وہ قطعاً علیحدہ ہے اور اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملنا اندیشۂ مخلوق سے جدا ہو جانا ہے۔ تو جب مخلوقات سے اعراض صحیح ہو جائے تو اقبال بھی درست ہوگا اور یہ مسلم امر ہے۔ کہ اقبال بھی درست ہونے کی صورت میں ضِدّان لا یجتمعان۔ دو ضدیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں (بقول مولانا روم علیہ الرحمۃ۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ایں خیال است و محال است و جنوں (از مترجم)

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت ابوالحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بار ایک مکان میں تین روز تک متواتر شور کرتے رہے۔ لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی۔ آپ فوراً اٹھے اور تشریف لائے اور فرمایا اے ابوالحسن اگر تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس بے نیازی کے ساتھ شور کرنا فائدہ مند نہیں ہے تو اپنے دل کو رضا و تسلیم کے محور پر لاؤ۔ تاکہ تمہارا دل خوش و خرم رہے۔

حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ جنید کی اس ہدایت پر خاموش ہوئے اور فرمانے لگے ابوالقاسم تم میرے بہترین استاد ہو۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَعَزُّ الْاَشْیَاءِ فِیْ زَمَانِنَا شَیْئَانِ عَالِمٌ یَعْمَلُ بِعِلْمِہٖ وَعَارِفٌ یَنْطِقُ عَنْ حَقِیْقَتِہٖ ہمارے زمانے میں محبوب ترین دو چیزیں ہیں ایک وہ عالم جو اپنے علم پر عامل ہو دوسرا وہ عارف جو حقائق راز اپنے کلام میں بیان کرے۔

یعنی ہمارے زمانہ میں علم و معرفت دونوں محبوب ہیں۔ اس لئے کہ علم بے عمل علم نہیں۔ اور عرفان بے حقیقت عرفان نہیں۔

اس بیان میں حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کا پتہ دیا۔ درحقیقتاً ان کے وقت تک ہمیشہ یہ دونوں چیزیں محبوب رہیں۔

آج کے دن بھی اگرچہ یہ دونوں چیزیں عزیز ہیں۔ مگر اب یہ بات ہے کہ جو شخص کسی عالم کی یا عارف کی تلاش میں مشغول ہو تو اس کے لیل و نہار پراگندہ ہو جائیں گے۔ مگر اسے عارف عالم نہ [illegible] ملے گا۔

آج کے دن طالب کو چاہیئے کہ خود وجد و جہد میں مشغول ہو اور اپنے رب کی طرف رجوع کرے، تاکہ اسے عالم میں عالم و عارف ہی نظر آئیں۔ اس لئے کہ عالم و عارف اسے عزیز ہے اور عزیز شئے بمشکل ملتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شئے عزیز الوجود ہو اس کی تلاش میں پریشان ہونا تضیع اوقات کرنا ہے۔ تو پھر جب اس نے علم و معرفت اپنے ہی طلب کی تو گویا اس نے حقیقت و معرفت اپنے اندر پائی۔ لہذا یہی طریقہ بہترین ہے کہ فی زمانہ خود جد و جہد کرے اور اپنے رب سے اس درجہ کی طلب کرے۔

آپ سے ہی مروی ہے کہ فرمایا۔ مَنْ عَلِمَ الْاَشْیَاءَ بِاللّٰہِ فَرُجُوْعُہٗ فِیْ کُلِّ شَیْئٍ اِلَی اللّٰہِ" جو خدائی اشیاء تقرب الٰہی سے جانے تو تمام اشیاء کی طرف جو اس کا رجوع ہے وہ خالق اشیاء کی طرف ہے نہ کہ اشیاء کی طرف۔

اس لئے کہ وجود ملک اور ظہور ملک مالک پر موقوف ہے۔

تو عارف کی راحت رویت مُکَوِّنْ پر ہے نہ کہ کَوْن پر۔ اس لئے کہ اگر اشیاء کو علت افعال جانے گا ہمیشہ رنجور و غمگین رہے گا۔ اور ہر شئے کی طرف رجوع کرنا اس کیلئے شرک ہو گا اس لئے کہ یہ اشیاء کو سبب فعل جانتا ہے۔ اور سبب اپنے آپ کبھی قائم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مسبب کے ماتحت ہوتا ہے۔ تو جب مسبب الاسباب ہی خالق اسباب ہے تو اسی کی طرف رجوع کرنا مشاغل ماسوی اللہ سے نجات دلاتا ہے۔

ابو عثمان حضرت سعید بن اسماعیل حیری

انہیں میں سے مقدم سلف از سلف خود خلف ابو عثمان

حضرت سعید بن اسماعیل حیری رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ قدما و اجلہ صوفیاء سے گذرے ہیں اور اپنے زمانہ میں فرد فرید تھے۔ اور اہل دل آپ کو منصب رفیع پر جانتے تھے۔ آپ کی ابتدا صحبت حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ تھی۔ اس زمانہ میں ایک مدت تک حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی رہ چکے ہیں۔ اور انہیں کے ہمراہ نیشاپور آئے اور حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ کی زیارت کی اور انہیں کی خدمت میں بقیہ عمر پوری فرمائی۔ آپ [illegible] ہمیشہ سے طلب حقیقت کیطرف

رجوع تھا اور بچپن سے ہی مجھے اہل ظواہر سے نفرت تھی۔ تو میں سمجھتا تھا کہ اس ظاہری عمل اعمال کے سوا جس پر عوام لگے ہوتے ہیں شریعت مطہرہ میں ضرور کوئی خاص راز بھی ہوگا۔ آخرش میں اپنے مقصود کو پہنچا

وہ اس طرح کہ ایک روز یحییٰ بن معاذ کی مجلس میں میرا گذر ہوا۔ میں ان سے ملا اور ان کی فیض صحبت سے جس راز کی مجھے تلاش تھی وہ مجھے حاصل ہو گیا۔ میں نے ان کی صحبت میں رہنا پسند کیا۔ پھر ایک جماعت شاہ شجاع کے پاس سے آئی۔ اس نے ان کے فضائل مجھے سنائے مگر میں نے اپنے دل کا رجحان اسی طرف پایا۔ غرضکہ سر سے کرمان آیا اور شاہ شجاع کی خدمت میں رہنا چاہا۔ انہوں نے مجھے رہنے کی اجازت نہ دی۔ اور فرمایا تیرا دل رجا پروردہ ہو چکا ہے۔ تو نے یحییٰ بن معاذ کی صحبت پائی ہے اس کا مقام مقام رجا ہے۔ اور جس نے مقام رجا حاصل کر لیا ہو وہ طریقت نہیں پا سکتا۔ اس لئے کہ پیروی رجا سے سستی کا پھل ملتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے بہت تضرع و زاری کی اور بیس دن تک اُن کے در پر پڑا رہا آخرش کرم فرمایا اور مجھے قبول کیا اور فیض صحبت سے مستفیض فرمایا۔ ایک مدت تک اُن کی خدمت میں رہا بڑے زبردست و غیور تھے۔ آپ کا ارادہ نیشاپور میں آکر حضرت ابو حفص کی زیارت کرنے کا ہوا تو میں بھی آپ کے ہمرکاب آیا جس روز شاہ شجاع حضرت ابو حفص حداد کے یہاں آئے قبا پہنے ہوئے تھے۔

حضرت ابو حفص نے شاہ شجاع کو دیکھتے ہی قیام فرمایا۔ اور استقبال کیلئے آگے بڑھے۔ اور فرمایا۔ وَجَدْتُ فِي الْقَبَاءِ مَا طَلَبْتُ فِي الْعَبَاءِ" قبا میں وہ چیز میں نے پائی جو میں عبا میں مانگ رہا تھا۔ میں ایک مدت تک وہاں رہا میری دلبستگی یہاں ہوگئی۔ لیکن شاہ شجاع کے دبدبہ ولایت نے ان کی صحبت میں زیادہ رہنے سے مجھے روک دیا۔

حضرت ابو حفص فراست ولایت سے میری دلی مرضی کو دیکھ رہے تھے اور در حقیقت میں تضرع و زاری کے ساتھ جناب باری میں دست بدعا تھا کہ مجھے ابو حفص کی صحبت اس طرح میسر ہو کہ شاہ شجاع مجھ سے آزردہ نہ ہوں۔

غرضکہ وہ جس دن شاہ شجاع کا قصد واپسی کا ہوا تو میں نے اُن کی پیروی میں کپڑے پہنے

مگر میرا دل ابوحفص کے پاس ہی تھا۔ کہ روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ شجاع سے فرمایا کہ حضرت اس بچے کو آپ خوشی سے میری دلبستگی کے لئے چھوڑ دیں کہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں۔

حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا۔ اَجِبِ الشَّیْخَ۔ شیخ کے حکم کی تعمیل کر اور تشریف لے گئے۔ میں بخوشی یہاں رہ گیا۔

اَب میں نے ان کی صحبت میں جو جو عجائبات دیکھے، وہ قابل بیان نہیں بس اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقام شفقت فرمایا تھا۔ خداوند کریم نے حضرت ابوعثمان کو تین پیروں کے ذریعہ تین مقامات سے عبور کرایا۔ اور یہ تینوں لطیفے ان تین پیروں کے ذریعہ انہیں ملے۔ مقام رجا حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ کی صحبت سے مقام غیرت صحبت حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اور مقام شفقت حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مرید پانچ یا چھ یا اس سے بھی زائد مرشدوں کے ذریعے منزل رسیدہ ہو سکے۔ اور ہر پیر کی صحبت علیحدہ علیحدہ اس کے ایک مقام کی کشف کے لئے ہو۔

مگر بہترین اخلاص کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اپنے پیر کو اپنی ترقی مقامات میں محدود کر کے اس کی شان نہ گھٹائے اور یہ نہ سمجھے کہ میرے پیر کی قوت کا انتہیٰ یہیں تک تھا۔ بلکہ یوں کہے اُن کے در سے میری قسمت میں اتنا ہی حصہ تھا۔ اس سے زائد نہ تھا اور میرا مرشد اس سے کہیں زیادہ درجہ و رتبہ کا مالک ہے اور یہی ادب کا مقتضیٰ ہے۔ اس لئے کہ راہ حق میں جو منزل تک پہنچ چکے ہیں۔ انہیں کسی مقام اور حال سے کام نہیں رہتا۔

اور اظہار حقائق تصوف کے سبب نیشاپور اور خراسان میں حضرت جنید اور حضرت رویم اور حضرت یوسف بن الحسین اور حضرت محمد بن فضل بلخی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوئے کہ ان کے فیض صحبت سے استفادہ کیا اور یہ لوگ اپنے فن میں زبردست دستگاہ رکھتے تھے کہ ان کے برابر مشائخ میں کسی نے قوت باطنی نہیں دیکھی۔ نیشاپور کے لوگوں نے حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کے لئے منبر لگایا۔ اور انہوں نے تصوف کی تعلیم لوگوں میں پھیلائی ان کی [illegible] تصوف میں ان کی روایات

بہت یقینی ہیں۔

اُن سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا حق لِمَنْ اَعَزَّہُ اللہُ بِالْمَعْرِفَۃِ اَنْ لَا یَذِلَّہٗ بِالْمَعْصِیَۃِ" اللہ تعالیٰ کے لئے یہی زیبا ہے کہ جسے اپنے جام عرفان سے سرشار کردے اور اپنی معرفت کی عزت سے نواز دے اُسے معصیت کے ساتھ ذلیل نہ کرے۔"

اور اس مرتبہ کا تعلق کسب بندہ پر ہے اور اس کے مجاہدہ دوامی پر اور امور حقہ کی رعایت کرنے پر لیکن حضرت سعید بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے منقولہ فرمان کے مطابق جبت سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے کہ جب کسی کو اپنی معرفت کے ساتھ نواز دے تو معصیت سے اُسے خوار نہ کرے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا معرفت عطائے حق پر موقوف ہے۔ اور معصیت منتسب الی العبد ہے۔

تو جب کسی کو بعطاء الٰہی اعزاز عرفان مل گیا تو محال ہوگا کہ وہ بندہ اپنے کسی بُرے فعل کے ساتھ ذلیل ہو۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کیف عرفان سے نوازا اور تاج معرفت بخشا تو محض زلت آدم کے ذریعہ انہیں ذلیل نہیں فرمایا۔

انہیں میں سے سہیل معرفت قطب محبت ابو عبداللہ حضرت

ابو عبداللہ حضرت احمد بن یحییٰ بن الجلال

احمد بن یحییٰ بن الجلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ قوم کے سردار سادات وقت سے گذرے ہیں۔ آپ کا طریقہ نہایت نیک اور آپ کی سیرت نہایت پاکیزہ مصاحب جنید بغدادی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالحسن نوری اور ایک جماعت کبر مشائخ کی زیارت کئے ہوئے ہیں۔ آپ کا کلام نہایت بلند ہے۔ آپ کے اشارات بہت لطیف ہیں حقائق معنی کے بیان میں آپ مخصوص تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ ہِمَّۃُ الْعَارِفِ اِلٰی مَوْلَاہُ فَلَمْ یَعْطِفْ عَلٰی شَیْئٍ سِوَاہُ" عارف کے تمام ارادے اور قوتیں اس کے مولا کی طرف موقوف ہیں تو ہرگز وہ اپنے مولا کے حکم بغیر کسی طرف رجوع نہیں ہوتا۔"

اس لئے کہ عارف کو معرفت کے بغیر کچھ معلوم نہیں اور عارف کا سرمایہ ضمیر معرفت ہی ہے۔ اور اس کے ضمیر کا مقصود رویت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے کہ ہمت وتجلی کی پراگندگی

رنج وغم کا پھل دیتی ہے اور رنج و غم انسان کو بارگاہِ خاص سے روک دیتا ہے۔

آپ سے ایک حکایت ہے فرماتے ہیں۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا آتش پرست۔ میں اس کے جمال کو دیکھ کر متحیر ہو گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ میری طرف سے گذرے میں نے عرض کی حضور کیا اللہ تعالےٰ ایسی صورت کو بھی آگ میں جلا دیگا۔ حضرت جنید نے فرمایا۔ صاحبزادے یہ چند لمحات زندگی کی گرم بازاری ہے جس نے تجھے اس خیال میں پھانسا ہے۔ تو ان چیزوں کو بنظر عبرت نہیں دیکھتا۔ اگر بنظرِ عبرت دیکھے تو ہر ذرہ میں ایسے ہی عجائبات موجود ہیں۔ لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تو ضرور اس چہ میگوئی اور بے حرمتی میں معذب ہوگا۔ جنید تو یہ فرما کر تشریف لے گئے اور مجھ پر یہ عذاب آیا۔ کہ کیفِ قرآنی مجھ سے فراموش ہو گیا۔ کئی سال بحضور عزوجل توبہ کرتا رہا۔ تو کہیں جا کر وہ بلا دفع ہوئی اور اب میری ہمت نہیں کہ موجودات میں سے کسی چیز پر التفات کروں یا اپنے وقت کو بنظر عبرت بھی موجودات میں ضائع کروں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت رویم بن احمد رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے وحید العصر امام الدہر حضرت محمد رویم بن احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اجلۂ مشائخ و سادات قوم سے گذرے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے خاص رازدار مرید اور آپ کے ہمعصر تھے۔ آپ کا مسلک حضرت داؤد انطاکی کے موافق تھا فن فقہ میں فقیہ الفقہا تھے۔ اور علم تفسیر قرآت میں کافی حصہ لئے ہوتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ اپنے زمانہ میں یکتائے عالم مانے گئے۔ آپ کی کیفیت حالیہ نہایت بلند تھی اور آپ کا مقام تقرب رفیع سیاحی تصوّف کی وجہ میں تجرید اور کثرت ریاضت کے باعث تفرید میں آپ مشہور تھے۔

آپ نے اپنی آخری عمر اہلِ دنیا میں محض اپنے کو مخفی رکھنے کے لئے گذاری اور خلیفۂ وقت کے معتمد خاص بن گئے اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ حالانکہ آپ کا درجہ کمال اس سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ اس وجہ میں آپ اس عہدہ میں بھی چھپ سکے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ ان کی تعریف میں فرمایا۔ "ما فارغان مشغولیم و رویم

مشغول فارغست یہ ہم دنیا کے علائق سے فارغ ہو کر مشغول بدنیا ہیں۔ اور تدیم بن احمد علائق میں مشغول رہ کر بھی دنیا سے فارغ ہے۔

آپ کی تصانیف فن طریقت وحقیقت میں بہت ہیں خاصکر بحث سماع میں ایک کتاب ہے جس کا نام "غلط الواجدین" ہے۔ میں اس کتاب پر عاشق ہوں۔

آپ سے روایت ہے کہ ایک روز کوئی شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کَیْفَ حَالُكَ حضرت کیسے مزاج ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ کَیْفَ حَالُ مَنْ دِیْنُهٗ هَوَاهُ وَ هِمَّتُهٗ دُنْیَاهُ لَیْسَ هُوَ بِصَالِحٍ تَقِیٍّ وَلَا بِعَارِفٍ نَقِیٍّ اسکا مزاج کیا ہو سکتا ہے جس کا دین اس کی حرص آز ہو اور جس کی منتہائے مقصود اس کی دنیا ہو نہ وہ صالح اور متقی ہے اور نہ عارف نقی"

اس جواب میں آپ نے عیوب نفس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ نفس امارہ کے نزدیک ہوا و حرص ہی دین ہے۔ اور نفس کے متبع کا دین حرص کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے اور اس کی شریعت اس کا اتباع ہوتا ہے۔ جو شخص ان کی پیروی کرے۔ اگرچہ وہ بدعتی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ان کے نزدیک دیندار ہوگا اور جو ان کے خلاف چلے۔ اگرچہ وہ پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو بے دین کہلائے گا۔

اور یہ آفت ہمارے زمانہ میں اتنی عام ہے کہ اس سے کوئی بھی بچا ہوا نہیں ہم اللہ تعالے سے پناہ مانگتے ہیں ایسے شخص کی صحبت سے۔ جس میں یہ صفت ہو۔

لیکن حضرت محمد رویم بن احمد رضی اللہ عنہ نے سائل کے جواب میں احوال زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ اور ممکن ہے کہ انہیں اس حال میں اپنا وجود معلوم ہوا ہو۔ اور اس سے اپنے وجود کی صفت بیان فرمائی ہو۔ اور عارف چونکہ منصف ہوتا ہے اس لئے منصفانہ انداز میں جواب دیا ہو۔ واللہ تعالے اعلم۔

حضرت ابو یعقوب یوسف رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے یگانہ زمانہ بلند قدر حضرت ابو یعقوب یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے وقت کے امام اور مشائخ عظام میں سے گذرے ہیں۔ معمر تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کے مرید تھے۔ علاوہ ان کے بہت سے مشائخ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے۔ اَذَلُّ النَّاسِ اَلْفَقِیْرُ الطَّمَّاعُ کَمَا اَعَزُّھُمُ الْمُحِبُّ الصِّدِّیْقُ "ذلیل ترین انسانوں میں طماع فقیر ہے جیسے معزز ترین انسان راستباز محب صادق ہے" طمع درویش کو دونوں جہان کی ذلت کا شکار بنا دیتی ہے۔ اسلئے کہ درویش پہلے ہی اہل دنیا کی نگاہ میں حقیر و ذلیل ہوتا ہے۔ تو جب وہ اہل دنیا سے طمع کرتا ہے تو اور بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ تو عزت کا غنا اس فقیر سے بہت افضل ہے جو ذلت کے ساتھ فقیر ہو۔ اور طمع درویش کو جھوٹ کے ساتھ منتسب کر دیتی ہے۔ اور محب اپنے محبوب کی نظر میں سب سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

اس لئے کہ محب اپنے آپ کو محبوب کے مقابلہ میں حقیر سمجھتا ہے اور محبوب کی تواضع میں رہتا ہے۔ اور یہ بھی نتائج طمع میں سے ایک نتیجہ ہے۔ پھر جب طمع جاتی رہتی ہے ذلت عزت سے بدل جاتی ہے جبتک زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طمع تھی۔ ہر لحظہ رسوا اور ذلیل ہوتی تھی پھر جب اُن کے دل سے طمع جاتی رہی تو اللہ تعالٰے نے خوبصورتی اور جوانی سب کچھ عطا فرما کر معزز کر دیا۔ اور قاعدہ ہی کچھ ایسا ہے کہ دوست کی توجہ محبوب کی بے توجہی کے موجب ہوتی ہے۔ اور جب محب بے نیاز ہو جائے اور طمع جاتی رہے تو محبوب اسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور درحقیقت محب کی اس وقت تک ہی عزت ہوتی ہے جبتک طمع وصل نہ ہو۔ اور جب طمع وصل آجائے اور وہ حاصل نہ ہو تو سب ذلتوں سے بدترین ذلت ہے۔

تو محب وہی ہے جو محبوب کے وصال و فراق میں مشغول نہ ہو۔

انہیں میں سے آفتاب اہل محبت قدوۂ اہل معاملت حضرت ابوالحسن

حضرت ابوالحسن سمنون رضی اللہ عنہ

سمنون بن عبد اللہ الخواص رضی اللہ تعالٰے عنہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے بے نظیر عارف اور درجۂ عشق و محبت میں شان رفیع رکھنے والے تھے۔ مشائخ وقت آپ کو بزرگ جانتے اور سمنون المحب کے نام سے پکارتے تھے۔ لیکن آپ اپنے کو سمنون الکذاب فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے غلام الخلیل سے بہت رنج اٹھائے۔ یہ وہ شخص تھا کہ اس نے خلیفۂ وقت کے سامنے خلاف واقعہ تہمتیں دیں اور اس سے شیخ سمنون کو دلی رنج تھا اور غلام

الخلیل بڑا ریاکار تھا اور مدعی زہد و پارسائی بنا ہوا تھا۔ اور اپنے کو صوفی بنائے ہوئے تھا۔ اور اعیانِ دولت اور خلیفہ وقت کے ساتھ نہایت زیادہ ربط ضبط کر رکھا تھا۔ گویا اس نے دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالا تھا۔ جیسے کہ اس زمانہ میں اس قسم کے صوفی نما دنیا دار ابھرتے ہیں۔ یہ وہ بد باطن تھا کہ لباسِ تصوف میں امراء و خلفاء کے دربار میں پہنچتا اور خاصانِ بارگاہ کے خلاف دربارِ شاہی میں زہر اگلتا۔

اور اس سے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ خاصانِ بارگاہ کے فیوض سے یہ لوگ محروم رہیں۔ اور اُن کے فیضِ صحبت سے تبریک حاصل نہ کر سکیں اور یہ اُن کی نظروں میں جچا رہے اور فروغِ صدق سے اس کا دروغ دب نہ جائے۔

بڑے خوش قسمت تھے حضرت سمنون کہ اُن کے زمانہ میں اُن کے اور دیگر مشائخ کرام کے لئے ایک ہی غلام الخلیل تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں تو ہر محقق کے لیے لاکھ لاکھ غلام الخلیل موجود ہیں۔

مگر پرواہ نہیں۔ اس لئے کہ مردار کرگس کا ہی حصہ ہوتا ہے مردار گوشت کھانے کے لئے گدھ جوا کرتے ہیں۔

جبکہ حضرت سمنون کے نورِ عرفان کی بارشوں نے بغداد میں انہیں مجمع خلائق بنایا اور ہر ایک آپ کے فیضِ صحبت سے استفادہ کرنے کو جھکا۔ تو غلام الخلیل کو اس کی جلن ہی اور حضرت سمنون کے خلاف افترا پردازیاں شروع کر دیں۔ مختصر یہ کہ ایک عورت حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کی تابانیٔ حسن پر فریفتہ ہوگئی اور خدمت میں حاضر آکر اپنے کو پیش کیا۔ آپ نے صاف انکار کر دیا۔ مایوس ہو کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ آپ حضرت سمنون کو حکم فرمائیں کہ مجھے قبول کر لیں۔ حضرت جنید اس عورت پر سخت ناراض ہوئے۔

جب عورت نے دیکھا کہ کامیابی ناممکن ہے تو اس نے غلام الخلیل کے پاس جا کر افترا پردازی شروع کی جیسا کہ عورتوں کا اُن کے مکر کے اعتبار سے عام رویہ ہوتا ہے غلام الخلیل تو پہلے ہی جل بھن رہا تھا۔ اس عورت کے بیانات اس طرح سُنے جیسے ایک

دشمن اپنے دشمن کے متعلق کچھ سنا کرتا ہے۔ اور پھر خوب طعن و تشنیع حضرت سمنون کے شان میں کرتا رہا حتیٰ کہ خلیفۂ وقت کے کان تک واقعہ پہنچا دیا خلیفہ کچے کانوں کی وجہ سے علی الفور برہم ہوا۔ اور تجویز قتل سمنون کی ٹھانی جب جلاد بلالیا گیا اور اس نے ضابطہ کے موافق حکم چاہا۔ تو خلیفہ کی زبان قدرتاً بند ہوگئی اور کچھ حکم نہ دے سکا۔

رات جبکہ سویا تو خواب میں منکشف ہوا۔ کہ قتل سمنون تیری سلطنت کے زوال کا موجب ہے (ہوش کر۔ اور غلام الخلیل کی فتنہ پردازی سے اپنی جان بچا) صبح خدمت سمنون میں خلیفہ حاضر ہوئے اور اپنی غلطی کی معافی چاہی اور بہ شان و شکوہ آپ کو بری کیا۔

آپ کے بڑے بلند کلام اور دقیق اشارات ہیں جن سے حقیقت محبت واضح ہوتی ہے۔ اور یہ وہ بلند ہستی ہیں کہ ایک بار آپ سفر حجاز سے تشریف لا رہے تھے بمقام فیہ میں آئے تو اہل فیہ نے درخواست کی کہ کچھ وعظ سنائیں۔ آپ منبر پر رونق افروز ہوئے تو مجمع مجتمع نہ تھا۔ آپ نے قنادیل کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ میں تمہیں وعظ سناتا ہوں۔ یہ فرمانا تھا کہ تمام قندیلیں کر چُور چُور ہو گئیں۔ آپ کا ارشاد ہے۔

لَا يُعَبَّرُ عَنْ شَيْئٍ اِلَّا بِمَا هُوَ اَدَقُّ مِنْهُ وَلَا شَيْئَ اَرَقُّ مِنَ الْمَحَبَّةِ فَبِمَ يُعَبَّرُ عَنْهَا۔ یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تعبیر نہیں دی جا سکتی۔ مگر اس کی جو اس کی بہ نسبت رقیق ہو اور محبت ایک ایسی باریک چیز ہے کہ اس سے دقیق کوئی شے نہیں تو اس کی تشبیہ و تعبیر کس شے سے کی جائے؟

اور اس سے مراد یہ ہے کہ محبت وہ چیز ہے کہ جس کی تشبیہ کسی چیز کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ محبت صفت محبوب ہے پھر اس کی حقیقت جب بیان ہو سکتی ہے جبکہ اس کا ادراک ممکن ہو اور صفات محبوب کا ادراک محال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابوالفارس حضرت شاہ شجاع الکرمانی

انہیں میں سے شاہ شجوع

ابو الفوارس حضرت شاہ شجاع الکرمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں شہزادہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے بے نظیر صوفی ہوئے ہیں حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ ہیں۔ اور

بہت سے مشائخ کرام کی زیارت کر چکے ہیں حضرت ابو عثمان حیری کے مناقب میں ان کا مختصر حال بیان ہو چکا ہے۔ تصوف میں ان کے رسائل مشہور ہیں۔ ایک کتاب مرتبۃ الحکماء ان کی مؤلفہ مشہور و معروف ہے آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ کا ارشاد ہے

لِاَهْلِ الْفَضْلِ فَضْلٌ مَالَمْ يَرَوْهُ فَاِذَا رَاَوْهُ فَلَا فَضْلَ لَهُمْ وَلِاَهْلِ الْوِلَايَةِ وِلَايَةٌ مَالَمْ يَرَوْهَا فَاِذَا رَاَوْهَا فَلَا وِلَايَةَ لَهُمْ اہل فضیلت اسی وقت تک فضیلت حاصل ہے۔ جبتک کہ وہ اپنی فضیلت کو خود نہ دیکھیں اور جب خود بینی آگئی۔ فضیلت جاتی رہتی ہے اور اہل ولائیت اسی وقت تک ولی ہوتے ہیں جبتک انہیں اپنی ولائیت کا احساس نہ ہو جب وہ اپنے کو ولی سمجھنے لگے تو سمجھو لو کہ انکی ولائیت گئی"۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جبتک فضل ولایت رہتا ہے۔ تو خود بینی ساقط ہو جاتی ہے اور جب خود بینی آجاتی ہے معنی حقیقی ولایت کے اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ فضل ایسی صفت ہے کہ جسے وہ حاصل ہو جائے تو اُسے معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ولائیت بھی ایک ایسی ہی صفت ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کی رویت نہیں ہوتی اور جب کوئی کہنے لگے کہ میں فاضل ہوں یا ولی۔ تو نہ وہ فاضل ہے اور نہ ولی۔ ان کی کرامتوں میں لکھا ہے کہ مکمل چالیس سال آپ نے رات دن میں خواب نہیں فرمایا۔ اور قطعاً نہیں سوتے۔ اور جب کبھی آنکھ لگی بھی تو اللہ تعالےٰ سے لگی چنانچہ جب خواب میں جمال الٰہی سے مشرف ہوئے تو آپ نے عرض کی۔ الٰہی میں تیرے جمال بلکمال کو بیداری شب میں دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن آج سویا تو جمال پایا۔ ارشاد ہوا اے شاہ راتوں کی بیداری کی بدولت ہی آج تو ہمیں خواب میں دیکھ رہا ہے۔ اگر وہ راتیں بیداری میں نہ گذارتا تو آج خواب میں ہمیں نہ پاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے سرور دل نور سر حضرت عمرو بن عثمان مکی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کبرائے قوم سے اور سادات زمانہ سے گذرے ہیں۔ آپ کی تصانیف تصوف میں مشہور ہیں آپ کو نسبت ارادت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے تھی۔ پہلے آپ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مشرف ہوئے پھر حضرت جنید سے بیعت کی۔

اصول میں آپ امام وقت تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

لَا یَقَعُ عَلٰی کَیْفِیَّۃِ الْوَجْدِ عِبَارَۃٌ لِاَنَّہٗ سِرُّ اللّٰہِ عِنْدَ الْمُؤْمِنِیْنَ کیفیت وجدانیہ کی ترجمانی کسی لفظ اور عبارت سے نہیں ہو سکتی اسلئے کہ وہ خاص بتر الٰہی ہے اور مومنین اس کے امین ہیں۔"

اور وہ چیز جس پر بندہ کی عبارت اور الفاظ کا تصرف ہو سکتا ہے وہ ہرگز سرحق نہیں اس لئے کہ کلیتہً تصرف و تکلف بندہ کا اسرار ربانیہ سے منقطع ہے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن عثمان اصفہان تشریف لائے تو ایک بے ریش نوعمر لڑکا آپ کی صحبت میں آیا۔ اور اُس لڑکے کا باپ اُسے آپ کی خدمت میں آنے سے مانع تھا۔ آخر وہ اس روک ٹوک کی وجہ میں اس قدر غمگین ہوا کہ بیمار ہو گیا۔ ایک مدت تک بیمار رہا تا آخر ایک روز آپ اپنی جماعت کے ساتھ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ لڑکے نے حضرت عمرو بن عثمان سے عرض کی کہ حضور قوال کو حکم فرمائیں کہ وہ کچھ سنائے۔ آپ نے قوال کو فرمایا۔ قوال نے گانا شروع کیا اور یہ بیت پڑھی۔

مَالِیْ مَرِضْتُ فَلَمْ یَعُدْنِیْ عَائِدٌ ‏ وَیَمْرَضُ عِنْدَکُمْ فَاُعِیْدُ

"یعنی کیا بات ہے کہ میں بیمار ہوا تو تم میں سے کسی نے میری عیادت نہ کی۔ حالانکہ تم میں سے اگر کوئی بیمار ہو تو میں عیادت کرتا ہوں۔"

مریض نے جیسے یہ شعر سُنا تو بستر مرض سے اُٹھا اور بیٹھ گیا اور اس کے چہرے سے ظاہر تھا کہ مرض میں افاقہ ہے۔ لڑکا بولا۔ زِدْنِیْ کچھ اور بھی سُنا۔ قوال نے یہ بیت سنائی۔

وَاَشَدُّ مِنْ مَرَضِیْ عَلَیَّ صُدُوْدُکُمْ ‏ وَصُدُوْدُ عَبْدِکُمْ عَلَیَّ شَدِیْدٌ

"اور میرے مرض کی سخت تریں علت تم سے مجھے روکنا ہے۔ اور اس سے زیادہ اشد اور بھاری تمہارا مجھ سے رُک جانا ہے۔"

اس کے بعد وہ لڑکا تندرست ہو گیا۔ باپ نے یہ کرامت دیکھ کر لڑکے کو حضرت عمرو بن عثمان کے سپرد کر دیا۔ اور جو بدگمانی اس کے دل میں تھی وہ جاتی رہی اور تائب ہوا۔ اور یہ لڑکا اپنی قوم کے بہترین درویشوں میں ہوا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ

انہیں میں سے مالک القاب

نامی العیوب حضرت ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے بہترین شیخ ہیں۔ اور آپ ہر زبان میں نہایت ستودہ تھے۔ آپ کی ریاضتیں بہت زیادہ ہیں اور آپ نہایت باعمل تھے۔ آپ کا اخلاص و عیوب افعال پر نہایت لطیف کلام ہے۔ علما ظاہری آپ کی شان میں کہتے۔ هُوَ جَمَعَ بَيْنَ الشَّرِيْعَةِ وَالْحَقِيْقَةِ ۔ انہوں نے شریعت و حقیقت میں اتحاد کر کے دکھا دیا۔

لیکن یہ کہنا ان ارباب ظواہر کا غلط ہے۔ اس لئے کہ کوئی صوفی ایسا نہیں جو شریعت و طریقت میں فرق کرتا ہو۔ اس لئے کہ شریعت بغیر حقیقت کے مکمل نہیں اور حقیقت بغیر شریعت کے حقیقت نہیں ہو سکتی۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اور مشائخ کے کلام بہت باریک اور ادق ہیں جسے عوام کے ذہن قبول

نہیں کر سکتے اور حضرت سہل کے مضامین بہت سہل اور اس قدر آسان ہیں کہ عوام کے ذہن بھی اُسے قبول کر لیتے ہیں۔ اس وجہ میں انہوں نے اس خصوصیت کے ساتھ حضرت سہل کی تعریف کی۔ ورنہ جبکہ خود حضرت رب عز اسمہٗ نے شریعت و طریقت و حقیقت کو متحد کیا ہے تو اولیاء کلام کا اس میں فرق کرنا محال ہے۔ ہاں بالمحالہ یہ بات ضرور ہو گی کہ جب فرق حقیقت و شریعت میں سمجھا جائیگا تو ایک کو رد کر کے دوسرے کو قبول کرنا ہو گا اور یہ یاد رکھو کہ ردِ شریعت الحاد خالص ہے اور ردِ حقیقت شرک۔ اور جو فرق کرتے ہیں وہ تفریق معنوی کیلئے کرتے ہیں، تو وہ توحید میں اثبات ہے۔

جیسے کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت۔ اگر کوئی چاہے کہ ایمان صحیح رکھ کر ایک کو دوسرے سے جدا کرے، ہرگز نہیں کر سکتا اور اس کی یہ خواہش باطل محض ہوگی۔ درحقیقت شرع فرع حقیقت ہے جس طرح معرفت فرع حقیقت ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ امتثال امر اور تعمیل حکم کرنا اہل ظواہر کے لئے شریعت کے معنی ہیں

ہے۔ بلکہ جس چیز کو اُن کی طبیعت قبول نہ کرے اور بے سمجھی سے اُلجھ جائیں اس سے منکر ہو جاتے ہیں سادر انکار کے اصل کا اصول راہِ حق میں نہایت خطرناک ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی الْاِیْمَانِ اور اس ربِ جلیل و جہ منیر کو عطاء ایمان پر حمد ہے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ مَاطَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرُبَتْ عَلٰی اَھْلِ وَجْهِ الْاَرْضِ اِلَّا وَھُمْ جُھَّالٌ بِاللّٰہِ اِلَّا مَنْ یُؤْثِرُ اللّٰہَ عَلٰی نَفْسِہٖ وَرُوْحِہٖ وَدُنْیَاہُ وَ اٰخِرَتِہٖ " آفتاب طلوع اور غروب نہیں ہوتا کسی روئے زمین کے بسنے والے پر مگر وہ ذات عز اسمہٗ کے ساتھ جاہل ہوتا ہے۔ مگر وہی جسے اللہ تعالٰی نے برگزیدہ فرمالیا ہو اُس کی جان وتن اور دنیا و آخرت سے یعنی جو اپنے کنج دل میں اپنے دستِ ارادی کو متصرف مانتا ہے۔ یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے۔ ذاتِ واجب تعالٰی شانہٗ سے اور جسے نعمت عرفان حاصل ہے وہ ترکِ تدبیر میں جھکا ہوا ہے۔ یہ جہل سے معرفت تقدیر کی دلیل ہے واللہ اعلم

انہیں میں سے برگزیدۂ اہل

حضرت ابوعبداللہ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ حرمین قرۃ العین

حضرت ابوعبداللہ محمد بن فضل بلخی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، اجلۂ مشائخ سے ہیں۔ اہل عراق و خراسان کے محبوب ترین پیشوا، تھے حضرت احمد بن خضرویہ کے مرید اور حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ کو اُن سے خاص محبت تھی۔ آپ کو بلخ کے متعصب مجرو جاہلوں نے آپ کے مسلک عشق سے بدظن ہو کر بلخ سے نکال دیا۔ مگر آپ نے اپنا مسلک نہ چھوڑا۔ بلخ چھوڑ کر سمرقند میں عمر بسر فرمائی۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَعْرَفُ النَّاسِ بِاللّٰہِ اَشَدُّھُمْ مُجَاھَدَۃً فِیْ اَوَامِرِہٖ وَاَتْبَعُھُمْ لِسُنَّۃِ نَبِیِّہٖ (صلی اللہ علیہ وسلم) اربابِ عرفان میں بزرگ تریں وہ ہے جو اوامر شریعت کی اتباع میں زیادہ سعی و مجاہدہ کرے۔ اور اہلِ اتباع میں بہتریں وہ ہے جو سنت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت کوشش سے پیرو ہو۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا عَجِبْتُ مِمَّنْ یَقْطَعُ الْبَوَادِیَ وَالْقِفَارَ وَالْمَفَاوِزَ حَتّٰی یَصِلَ اِلٰی بَیْتِہٖ وَحَرَمِہٖ لِاَنَّ فِیْہِ اٰثَارَ اَنْبِیَائِہٖ کَیْفَ لَا یَقْطَعُ نَفْسَہٗ وَ

هَوَا هُ حَتّٰى يَصِلَ اِلٰى قَلْبِهٖ لِاَنَّ فِيْهِ آثَارَ مَوْلَاهُ ۔ مجھے تعجب ہے اس پر جو وادی اور جنگل عبور کر کے اللہ کے گھر (مکہ) پہنچا اور اس کی حرم سے آملتا ہے اس لئے کہ اس میں انبیا کرام کے آثار ہیں، وہ کیوں نفس کے لیے جنگلوں اور حرص کے دریاؤں کو قطع کر کے اپنے کنج قلب تک نہیں پہنچتا کہ اس میں اُس کے مالک کے نشان ہیں۔

یعنی دل محل معرفت الٰہی ہے۔ اور فضیلت میں کعبہ سے افضل ہے اسلئے کہ کعبہ قبلہ عبادت ظاہری اور بندہ کی نگاہ اس پر رہتی ہے مگر دل وہ ہے کہ اس پر نظر رب جلت مجدہ عز اسمہٗ ہے تو جہاں دل ہے وہاں میرا محبوب ہے اور جہاں اس کی ملکیت ہے میری مراد وہاں ہی ہے۔

اور جہاں انبیاء کرام کے نشان ہیں وہاں ہمارے دوستوں محبوبوں کا قبلہ ہے۔ والسلام

حضرت ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی

انہیں میں سے شیخ باخطر فانی از صفات بشر ابو عبداللہ حضرت محمد بن علی الترمذی رضی اللہ تعالٰے عنہ ہیں۔ علوم و فنون میں امام کامل اور محققین مشائخ سے گذرے ہیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں اور کرامتیں بھی مشہور ہیں اور آپ کی تصانیف سے آپ کی شان ظاہر ہے۔

جیسے ختم الولایت کتاب النہج۔ نوادر الاصول وغیرہ علاوہ اس کے بعض کتابیں بہت ہی زبردست ہیں۔

چنانچہ میرا ان کے ساتھ رابطہ عقیدت اتنا ہے کہ گویا میں اور میرا دل توان کا شکار ہے اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محمد بن علی وہ دُرِ یتیم ہے کہ عالم میں اس کی مثال نہیں۔ اور علوم ظاہری میں بھی ان کی بہت سی تالیفات ہیں اور احادیث میں انکی سندیں نہایت بلند ہیں۔ اور قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی مگر عمر تمام ہوگئی۔ مگر جس قدر کہ لکھی ہے وہ اہل علم میں موجود ہے۔

اور علم فقہ ترمذ میں ہی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مصاحب دوست حضرت محمد حکیم سے حاصل کیا۔

یہ وہ محمد حکیم ہیں کہ ولائیت ترمذ کے صوفی حکما ان کی ہی اقتدا کرتے تھے۔ غرضکہ انکے مناقب بہت ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت بھی حاصل ہوتی۔

اور آپ کے مرید حضرت ابوبکر وراق راوی ہیں کہ ہر یک شنبہ یعنی اتوار کو حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لاتے تھے۔ اور آپس میں واقعات پر سوال و جواب ہُوا کرتے تھے۔ آپ سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔

مَنْ جَھِلَ بِاَوْصَافِ الْعُبُوْدِیَّۃِ فَھُوَ بِنُعُوْتِ الرُّبُوْبِیَّۃِ اَجْھَلُ جو علم شریعت اور اوصافِ بندگی سے جاہل ہے۔ وہ مناعت ربوبیت سے سخت تر جاہل ہے اور جو ظاہر بین نفس کو نہیں پہچانتا وہ حق تعالےٰ شانہٗ کے عرفان کا رستہ ہرگز نہیں جان سکتا اور آفات صفات بشریت نہیں دیکھ سکتا۔ وہ لطائف صفات حق ہرگز نہیں جان سکتا۔ اس لئے کہ ظاہر کا تعلق باطن سے ہے۔ تو جو ظاہر سے بغیر باطن کے تعلق کرے یہ محال ہے۔ اور جو باطن سے تعلق کرے اس کا تعلق بغیر ظاہری تعلق کے محال ہے تو خدا کی صفتوں کی معرفت عبودیت کے ارکان کی صحت پر موقوف ہے۔ اس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کلمہ اصل اصول ہے۔ اور نہائیت ہی مفید بات ہے۔ انشآ اللہ اس کی مزید توضیح اپنی جگہ پہ کی جائے گی۔

حضرت ابوبکر محمد بن عمر وراق رحمۃ اللہ علیہ

اہلِ فقر و صفوۃ حضرت ابوبکر محمد بن عمر الوراق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ بزرگان مشائخ سے گذرے ہیں۔ اور زہاد قوم میں تھے۔ حضرت احمد بن خضرویہ اور حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ کے دیکھنے والے اور اُن کی صحبت یافتہ ہیں۔ آپ کی تالیفات آداب و معاملات میں متعدد ہیں۔ اور مشائخ کرام میں آپ مؤدب ادب کہلاتے ہیں۔

آپ ایک حکایت فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے چند اجزاء ... دیئے ... فرمایا ... نہیں ... ڈال دے میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا ہیں

بجائے دریا میں ڈالنے کے انہیں گھر میں رکھ دیا اور خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ دریا میں ڈال آیا ہوں فرمایا پھر کیا دیکھا میں نے عرض کی۔ کچھ نہیں دیکھا۔ فرمایا تو نے وہ دریا میں نہیں ڈالا۔ واپس جاؤ اور دریا میں ڈالو۔ واپس حکم کی تعمیل کے لئے چلا۔ اور دل میں اس امر کا احساس ہوا کہ میں نے غلط بیانی کی۔ آخرش وہ اجزا میں نے دریا میں ڈالے تو فوراً دریا پھٹا اور اس میں سے ایک صندوق ظاہر ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ اور اس میں وہ جزو جو میں نے دریا میں ڈالے تھے۔ چلے گئے۔ اور صندوق کا ڈھکنا بند ہو گیا۔ اور پانی بھی مل گیا۔ اور صندوق واپس پانی میں چلا گیا۔ یہ سب تماشہ دیکھ کر میں واپس آیا اور تمام قصہ عرض کیا۔ فرمایا۔ اب تو یقیناً وہ اجزاء پانی میں ڈال کر آیا۔ میں نے عرض کی حضور اس معاملہ کا راز تو معلوم ہونا چاہیئے۔ فرمایا ہم نے اصول اور تحقیق میں کچھ تصنیف کیا تھا لیکن اس کے سمجھنے کی عام عقلوں میں اہلیت نہ تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ مجھ سے طلب فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے دریائے جیحون کو حکم دیا کہ ان اجزاء کو خضر تک پہنچا دے۔ چنانچہ وہ اس ذریعہ سے خضر علیہ السلام تک پہنچ گئے

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلنَّاسُ ثَلٰثَةٌ اَلْعُلَمَاءُ وَالْاُمَرَاءُ وَالْفُقَرَاءُ فَاِذَا فَسَدَ الْعُلَمَاءُ فَسَدَ الطَّاعَةُ وَالشَّرِیْعَةُ وَاِذَا فَسَدَ الْاُمَرَاءُ فَسَدَ الْمَعَاشُ وَاِذَا فَسَدَ الْفُقَرَاءُ فَسَدَ الْاَخْلَاقُ۔ "آدمی تین قسم کے ہیں۔ ایک علماء، دوسرے امراء تیسرے فقراء۔ جب علماء میں فساد پیدا ہو گا۔ طاعت الٰہی اور شریعت مطہرہ میں فساد ہو جائیگا۔ اور جب امراء میں فساد آ گیا۔ تو لوگوں کی معاش خراب ہو جائے گی۔ اور جب فقراء بگڑ گئے تو لوگوں کے اخلاق وعادات خراب ہو جائیں گے۔"

تو امراء وسلاطین کا فساد جور وتعدی ظلم وستم ہے اور علماء کا فساد طمع وحرص آز ہے۔ اور فقراء کا فساد ریاست وجاہ طلبی

جبتک علماء امراء ملوک علماء سے علیحدہ نہ ہوں گے تباہ نہ ہونگے اور جبتک فقراء کے اندر ریاست طلبی نہ آئیگی تباہ نہ ہونگے۔ اور جور ملوک بے علمی کی وجہ میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور علماء کا طمع بے دینی وریا کی وجہ سے ہو گی۔ اور فقر میں ریاست طلبی بے توکلی کی وجہ میں

آئینگی۔ تو بادشاہ بے علم اور عالم بے عمل اور فقیر بے توکل شیطان کے قرین دانیس ہیں۔
اور علم کا فساد ان تینوں میں فساد آجانے سے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابوسعید احمد بن خراز

طریق فنا ابوسعید احمد بن عیسٰی خراز انہیں میں سے سفینۂ توکل ورضا سالک

رضی اللہ عنہ ہیں۔ بڑے زبردست اہل کشف گذرے ہیں مریدوں کے احوال ومواق کے بہترین ترجمان اور طالبوں کے حالات پر زبردست برہان تھے۔ آپکی خصوصیات سے یہ بات ہے کہ طریق فنا وبقا کو الفاظ کا جامہ پہنا کر واضح فرمانے والے ایک آپ ہی تھے۔ آپ کے مناقب مشہور ہیں اور آپ کی ریاضت اور نکات کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ آپ کی تصانیف اور کلام اور رموزات نہایت بلند تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کو آپ نے پایا اور حضرت بشر حافی اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ نے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر کہا حضور کا فرمان ہے۔ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھَا۔ دلوں میں اللہ تعالٰے نے یہ جبلی اثر رکھا ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہوتا ہے جو اس کے ساتھ نیکی کرے۔ یعنی جو کسی کے ساتھ احسان کرے لامحالہ اس کے ساتھ انسان کا دل نیکی کریگا اور اسے محبوب سمجھے گا۔ تو آپ نے اس پر فرمایا۔ وَاَعْجَبًا مِمَّنْ لَّمْ یَرَ مُحْسِنًا غَیْرَ اللّٰہِ کَیْفَ لَا یَمِیْلُ بِکُلِّیَّتِہٖ اِلَی اللّٰہِ۔ سخت تعجب ہے کہ جو شخص سوائے اپنے رب کے کسی کو محسن ہی نہ دیکھے وہ کیوں کلیۃً اپنے رب کی طرف مائل نہیں ہوتا؟

اس لئے کہ احسان درحقیقت اسی کا ہے جو مالک الملک رب الارباب کر رہا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ احسان کسی کے ساتھ نیکی کرنے کو کہتے ہیں پھر اس احسان کا بدلہ اس کے ساتھ پورا ہو سکتا ہے۔ جو جزائے احسان کا محتاج ہو۔ اور اصل کا احسان بھی اسی شان کا ہو کہ جس چیز سے وہ احسان کر رہا ہے وہ اس کی ملک بھی نہیں ہے پھر وہ احسان نہ احسان ہے نہ اس احسان کا بدلہ درحقیقت بدلہ ہے۔ اس لئے کہ بدلہ بھی ایسی ہی چیز سے ہوتا ہے جو [illegible]

تو تمام ملک ملک الٰہی ہے اور وہ وہ ذات ہے کہ اپنے غیر سے بے نیاز ہے۔
اور محبوبان بارگاہ اس کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ انعام و احسان میں منعم حقیقی اور محسن تحقیقی وہی ایک ذات ہے اور وہ اپنے دلوں کو کلیتہً اسی کا اسیر بناتے ہوئے ہیں اور ان کی دوستی اسی ذات کے ساتھ ہے اور وہ غیر ذات منعم حقیقی سے ہمیشہ اعراض کرتے ہیں۔

انہیں میں سے شاہد محققان دلیل مریداں

حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رضی اللہ

عنہ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علی بن سہیل بھی مشائخ کبار سے گذرے ہیں۔ اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی خط و کتابت حضرت ابوالحسن علی کے ساتھ جو ہوئی ہے وہ نہایت لطیف مضامین سے پُر ہے اور یہ اس پایہ کے بزرگ گذرے ہیں کہ حضرت عمرو بن عثمان ان کی زیارت کے لئے اصفہان حاضر ہوئے۔ اور عمرو بن عثمان خود اتنے زبردست صوفی عارف تھے کہ انہیں حضرت ابو تراب رضی اللہ عنہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور حضرت جنید کے رفیق خاص تھے مگر ابوالحسن رضی اللہ عنہ کا پایا طریق تصوف میں بہت ستودہ تھا اور آپ فن تصوف میں رضا و ریاضت کے زیور سے آراستہ تھے اور تصرف نفس امارہ اور ہر قسم کے فتن و آفات سے محفوظ تسلیم کئے گئے ہیں۔ آپ کے طرز بیان کو حقائق و معاملات میں نہایت پسند کیا جاتا تھا۔ اور دقائق و اشارات میں آپ کا کلام لطیف تھا۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلْحُضُوْرُ اَفْضَلُ مِنَ الْیَقِیْنِ لِاَنَّ الْحُضُوْرَ وَطَنَاتٌ وَالْیَقِیْنُ خَطَرَاتٌ "حضور بارگاہ لم یزل افضل تریں ہے محض یقین وجود ذات سے اس لئے کہ حضور ذات جو آئینہ دل میں ہے وہ وطن کی طرح ہے۔ اور اس پر غفلت کسی طرح روا و ممکن نہیں اور یقین خاطر ایک ایسا تصور ہے کہ کبھی آتا ہے اور کبھی جاتا رہتا ہے۔ تو حاضران حضور بارگاہ لم یزل میں رہتے ہیں اور مومنین درگاہ ایزدی پر کبھی غیبوبیت کے حجاب میں ہوتے ہیں اور حضور بارگاہ کی تفصیل کے لئے ایک علیحدہ باب اس کتاب میں آئے گا۔ انشاء اللہ

آپ نے فرمایا۔ مِنْ وَقْتِ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اَلنَّاسُ یَقُوْلُوْنَ الْقَلْبُ الْقَلْبُ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَرٰی رَجُلًا یَصِفُ اِلٰی شَقِّ الْقَلْبِ فَلَا اَرٰی۔

"آدم علیہ السلام کے وقت سے قیامت تک لوگ دِل دِل کہتے چلے آرہے ہیں اور میں اس اَمر کو درست رکھتا ہوں کہ ایک ایسا آدمی دیکھوں جو بیان کرے کہ دل کیا چیز ہے اور وہ کیسا ہوتا ہے۔ مگر میں نے ایسا آدمی نہیں دیکھا اور عوام الناس پارۂ گوشت کو دِل کہتے ہیں۔ اور وہ گوشت پارہ مجانین واطفال اور مغلوب النفس لوگوں کے لئے دل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اہلِ دِل نہیں بلکہ محض بے دل ہیں۔ تو دل کیا چیز ہُوا۔ اگر دل وہ ہے جس سے انواع واقسام کی عبارتیں مسموع ہورہی ہیں۔ تو پھر اُسے عقل کیوں نہ کہا جائے۔ وہ دل نہیں ہے۔

اور اگر رُوح کا نام دل رکھا جائے تو وہ بھی نہیں ہے۔ اور اگر علم کو دل کہا جائے۔ تو وہ بھی دل نہیں۔

تو خلاصہ یہ ہُوا کہ دل وہ ہے کہ جس میں شواہد حق کا قیام ہو اور اس کے علاوہ جسے بھی دل کہو وہ عبارتی اور لفظی دِل ہے۔ حقیقۃً دل نہیں۔

حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر نساج

انہیں میں سے پر اہلِ تسلیم اندر طریقِ محبت مستقیم حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر نساج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بزرگانِ مشائخ سے تھے اور اعمال میں آپ بہترین واعظ گذرے ہیں۔ آپ کی عبارات نہایت مہذب ہوتی تھیں عمر دراز پائی ہے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ نے انہیں کی مجلس میں توبہ کی۔

آپ نے حضرت شبلی کو محافظت مراسم جنید کے لئے حضرت جنید رحمۃ اللہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ سے بیعت تھے اور آپ حضرت جنید کے ہمعصر تھے۔ اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ آپ کا بہت وقار کرتے تھے حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فرامین گوشِ قبول سے سُنا کرتے تھے۔

آپ کو خیر نساج اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ایک بار آپ اپنے مولد سے سامرہ کی طرف بقصد حج تشریف لے جارہے تھے راستہ میں آپ کا گذر کوفہ میں ہُوا دروازہ کوفہ پر

ایک خزناف یعنی ریشم بننے والے جلاہے نے پکڑلیا۔ اور کہا تم میرے غلام ہو اور تمہارا نام خیر ہے۔ آپ نے اس کی حرکت کو منجانب اللہ سمجھا اور اس کی مخالفت نہ کی کئی سال اس کی خدمت کرتے رہے۔ جبکہ وہ آپ کو پکارتا یا خیر۔ تو آپ اُس کے جواب میں لبیک فرماتے یعنی وہ کہتا اے خیر تو آپ فرماتے حاضر۔ آخرش وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوا۔ اور ایک دن کہنے لگا۔ تشریف لے جائیں میں نے غلطی کی۔ آپ میرے غلام نہیں ہیں۔

آپ وہاں سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ آگئے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے آپکے متعلق فرما دیا حسینؒ خیر ہماری نیکی ہے۔ اور اُسے آپ محبوب رکھتے۔ جو آپ کو خیر کے نام سے پکارتا۔ اور آپ فرماتے کہ یہ میرے لئے روا نہیں کہ ایک مردِ خدا میرا نام رکھے اور میں اُس نام کو پلٹ دوں۔

کہتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا۔ نماز مغرب کا وقت تھا جب آپ کو کیفیت غشیانی سے ہوش آیا اور آنکھیں کھولیں تو دیکھا ملک الموت کھڑا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ قِفْ عَافَاكَ اللّٰهُ فَاِنَّمَا اَنْتَ عَبْدٌ مَا مُوْرٌ وَاَنَا عَبْدٌ مَامُوْرٌ وَمَا اُمِرْتَ بِهٖ لَا يَفُوْتُكَ وَمَا اُمِرْتُ بِهٖ فَهُوَ شَيْءٌ يَفُوْتُنِيْ فَدَعْنِيْ اَمْضِيْ فِيْمَا اُمِرْتُ بِهٖ ثُمَّ اَمْضِ بِمَا اُمِرْتَ بِهٖ " ٹھیر اللہ تجھے معاف فرمائے بیشک تو بھی عبد مامور حکم دیا ہوا بندہ ہے۔ اور میں بھی بندۂ حکم الٰہی ہوں۔ اور جو کچھ تجھے حکم ملا ہے وہ ٹل نہیں سکتا ہے۔ یعنی جان لینا لازمی ہے اور جو مجھے حکم ملا ہے وہ میری فرو گذاشت کی وجہ میں ٹل رہا ہے۔ یعنی وقت نماز ہے وہ مجھے پڑھ لینے دے تاکہ میں اس حکم سے سبکدوش ہو لوں۔ جو مجھے حکم ملا ہے۔ پھر میں تجھے اجازت دونگا کہ تو اپنے متعلقہ حکم کی تعمیل سے سبکدوش ہو۔

پھر آپ نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا۔ نمازِ شام ادا فرمائی۔ اُس کے بعد جان آفرین کو جان سپرد فرمائی۔ اسی شب آپ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اللہ تعالٰے نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا جواب دیا۔

لَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ هٰذَا وَلٰكِنْ اِسْتَرَحْتُ مِنْ دُنْيَاكُمْ " مجھ سے یہ نہ پوچھو

مگر اتنا بتانے دیتا ہوں کہ تمہاری دنیا سے بہت راحت میں ہوں۔
آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اپنی مجلس خاص میں۔ شَرَحَ اللّٰہُ صُدُوْرَ الْمُتَّقِیْنَ بِنُوْرِ الْیَقِیْنِ وَکَشَفَ بَصَائِرَ الْمُوْقِنِیْنَ بِنُوْرِ حَقَائِقِ الْاِیْمَانِ "متقی کو یقین بغیر چارہ نہیں کہ اس کا دل نورِ یقین سے کھلا ہوا ہے۔ اور مومن کو حقائق ایمان بغیر چارہ نہیں کہ اُن کی چشمہائے عقل نورِ ایمان سے منور ہیں۔
تو جس جگہ ایمان ہوگا اور جہاں یقین ہوگا۔ تقویٰ بھی ہوگا۔ اس لئے یہ سب باہمدیگر تابع ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت ابوحمزہ خراسانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ
انہیں میں سے داعی عصر یگانۂ

دہر حضرت ابوحمزہ خراسانی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قدمائے مشائخ خراسان سے گذرے ہیں حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت یافتہ تھے۔ اور حضرت ابوسعید احمد خراز کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ توکل میں آپ کا قدم بہت راسخ تھا۔
ایک حکایت میں مشہور ہے کہ آپ ایک روز جاتے جاتے کوئیں میں گر گئے تین روز اسی کنوئیں میں رہے۔ ایک قافلہ ادھر پہنچا۔ آپ نے اپنے دل میں کہا کہ انہیں آواز دوں۔ پھر دل میں ہی فرمایا کہ یہ اچھا نہیں کہ اپنے رب کے سوا کسی سے مدد چاہی جائے۔ بلکہ یہ شکایت اپنے مولا کی ہے جو غیر سے کی جائے۔ اس لئے کہ مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ میرے رب نے مجھے کنوئیں میں ڈالا۔ اب تم مجھے اس کنوئیں سے نکالو۔
کہتے ہیں کہ اس قافلہ کے لوگوں میں سے کسی نے اس کنوئیں کو دیکھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ یہ کنواں برسرِ راہ ہے۔ اگر اسے بند کر دیا جائے تو ہمیں ثواب ملے گا (اور یہ اِمَاطَتِ اَذٰی ہے یعنی تکلیف دِہ اور ایذا رساں ہے۔ اس کو مٹا دینا ثواب ہے) آخرش وہ جمع ہوئے کہ اس کا منہ بند کر دیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اضطراب محسوس ہوا اور مایوسی پیدا ہوئی جب ان لوگوں نے کنوئیں کا منہ استوار کرنا شروع کیا اور تمام کنوئیں کا منہ پاٹ دیا اور واپس ہو گئے۔
میں اس بند کنوئیں میں اپنے رب کے حضور مناجات میں مشغول ہو گیا اور جان دینے کے لئے

آمادہ ہوگیا۔ اور تمام مخلوق سے ناامید تھا۔ جب شام ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کنوئیں کے اوپر کچھ جنبش معلوم ہوئی۔ میں نے غور سے دیکھا کہ یہ کنواں کون کھول رہا ہے تو معلوم ہوا کہ ایک سانپ کے مانند کوئی جانور ہے۔ اس نے اپنی دُم نیچے لٹکا رکھی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ منجانب اللہ میری اس کنوئیں سے نجات اس کے ذریعہ مقرر ہے۔ میں نے فوراً اس کی دُم پکڑلی۔ اُس نے مجھے فوراً اوپر کھینچ لیا۔

غیب سے فرشتے نے آواز دی اے حمزہ تیری نجات بہت اچھی نجات ہے کیونکہ تجھے ایک بڑی ہلاکت کے بعد نجات ملی ہے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا غریب کون ہے جواب دیا اَلْمُتَوَحِّشُ مِنَ الْاُلْفَۃِ جو الفت سے بھاگنے والا ہو یعنی جس کو سب الفتوں سے وحشت ہوتی ہے وہ غریب ہے۔ اس لئے کہ دنیا اور عاقبت میں درویش کا وطن وحشت ہے اور الفت وطن میں وحشت ہوتی ہے۔ اور جب الفت محبوب کے سوا کائنات سے منقطع ہوگیا تو وہ تمام عالم سے متوحش ہوگا۔ اس وقت وہ غریب کہلائے گا اور یہ درجہ بہت بلند ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

انہیں میں سے داعی مریداں حضرت

حضرت ابوالعباس احمد بن مسروق

ابو العباس احمد بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اجلہ بزرگان مشائخ سے گذرے ہیں اور تمام اولیائے کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں اَوْتَادُ الْاَرْضِ بنایا۔ آپ کو قطب المدار کی صحبت کا بھی شرف حاصل ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ قطب کون ہے۔ آپ نے ظاہر نہیں فرمایا لیکن اشارتاً بتایا کہ شاید جنید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے چالیس عارفان کامل کی خدمت کی اور اُن سے فیض حاصل فرمایا۔ اور علوم ظاہری و باطنی میں آپ نہایت اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ مَنْ کَانَ سُرُوْرُہٗ بِغَیْرِ الْحَقِّ فَسُرُوْرُہٗ یُوْرِثُ الْھُمُوْمَ وَمَنْ لَمْ اُنْسُہٗ فِیْ خِدْمَتِ رَبِّہٖ فَاُنْسُہٗ یُوْرِثُ الْوَحْشَۃَ

"جو غیر خدا کے ساتھ شاد و آباد ہے وہ مجسمۂ اندوہ و ملال ہے اور جسے اپنے رب کے ساتھ موانست نہیں اس کا اُنس خالص وحشت ہے۔"

یعنی وہ چیز جو ماسوائے اللہ میں ہے اسے فنا ہے۔ اور جو فنا کے ساتھ شاد ہے وہ باطل کے ساتھ باطل ہوگا۔ اور اس کا نتیجہ غم و اندوہ ہے۔ اور سوائے اس ذات کے ہر شئے لاشئے ہے۔ تو لاشئے سے اُنس رکھ کر جب اُسے حقیر دیکھے گا اور اس کی حقارت اس پر منکشف ہو جائے گی۔ تو یہ اُنس وحشت ہی وحشت ہوگا۔ تو خلاصہ یہ ہُوا کہ رویت غیر اللہ میں اندوہ و وحشت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم

حضرت ابو عبداللہ بن محمد اسماعیل

انہیں میں سے استاد متوکلان شیخ محققان حضرت ابو عبداللہ ابن محمد اسماعیل مغربی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں اور مقبول استاد نگہبان مریدان مانے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم خواص اور حضرت ابراہیم شیبانی رضی اللہ عنہما دونوں آپ کے مرید تھے۔ آپ کے براہین مباحث تجرید دنیا میں نہایت واضح تھے۔ آپ کا قدم انقطاع دنیا میں نہایت مضبوط تھا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

مَا رَئَیْتُ اَنْصَفَ مِنَ الدُّنْیَا اِنْ خِدْ مِتَّھَا خِدْ مَتْکَ وَاِنْ تَرَکْتَھَا تَرَکْتُکَ۔ " دُنیا سے زیادہ منصف میں نے نہیں دیکھا۔ اگر تو اس کی خدمت کرے۔ تو وہ تیری خدمت کرتی ہے۔ اگر تو اسے چھوڑ دے تو وہ تجھے چھوڑ دیتی ہے۔"

یعنی اگر تو اس سے اعراض کرے اور طلب بعزّ اسمہٗ کو مضبوط کرے تو دنیا تجھ سے بھاگتی ہے۔ اور اُس کے خطرات بھی تیرے دل پر نہیں آتے۔ تو جو شخص صداقت سے تارک دنیا ہو جائے وہ اُس کے شر سے مامون ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی ہر قسم کی آفتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

حضرت ابوالحسن بن علی جرجانی

انہیں میں سے ہر زمانہ اور زمانہ میں یگانہ حضرت ابوالحسن بن علی جرجانی رضی

اللہ عنہ ہیں۔ اپنے وقت میں بے نظیر عارف گذرے ہیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ معاملات میں بھی آپ نے تالیفات فرمائیں۔ اور رویت آفات نفس میں بھی بہت سی کتابیں لکھیں۔

آپ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ اور حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر گذرے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم سمرقندی آپ کے مرید تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ فِيْ مَيَادِيْنِ الْغَفْلَةِ يَرْكُضُوْنَ وَعَلَى الظُّنُوْنِ يَعْتَمِدُوْنَ وَعِنْدَهُمْ اَنَّهُمْ فِي الْحَقِيْقَةِ يَتَقَلَّبُوْنَ عَنِ الْمُكَاشَفَةِ يَنْطِقُوْنَ "دنیا کے لوگ غفلت کے میدانوں میں ہیں اور اپنے توہمات و آفت ظنیات پر اعتماد رکھتے ہیں اور اُن کے نزدیک یہ سب باتیں مبنی بر حقیقت ہیں اور ان کی زبانی باتیں اسرار و مکاشفات کے ساتھ ہوتی ہیں"

اس فرمان میں آپ کا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عوام گمان طبع اور غرور نفس پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی جاہل اپنی جہالت کا معترف نہیں۔ بالخصوص صوفیوں میں جو جاہل ہیں وہ بہت سخت ہیں۔

ایسے ہی علماء بھی اہل دنیا کے ہیں۔ تو وہ اپنے کو اَعَزَّ مَا خَلَقَ اللّٰه سمجھے بیٹھے ہیں یعنی تمام دنیا میں انہیں اپنے سے زیادہ عزت والا کوئی نظر نہیں آتا۔ تو پھر عوام جہال بھی اَذَلُّ مَا خَلَقَ اللّٰه ہو گئے ہیں کہ اُن سے زیادہ ذلیل اللہ کی مخلوق میں کوئی نہیں۔

حالانکہ عالم کی یہ شان ہونی چاہیئے تھی، کہ اُن کی کوئی بات سوائے حقیقت حال نہ ہوتی اور غرور و نخوت اُن میں قطعاً نہ ہوتا۔ اور جاہلوں میں تو وجود حقیقت ہونا ہی محال ہے۔ تو اُن میں غرور لازمی ہے۔

غرضیکہ سب غفلت کے میدان میں متحیر ہیں اور گمان باطل لئے بیٹھے ہیں کہ ہم جس حال میں ہیں وہ ولایت ہے اور اپنے ظن و وہم پر یقین کرکے سمجھ رہے ہیں کہ یہ عین یقین ہے اور رسم تصوف کے موافق ہے۔ اور اپنی حرص آز کے ماتحت باتیں کرتے ہیں اسے مکاشفہ بنا بیٹھے ہیں

اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے اسرار سے باز نہیں آتا مگر رویت جمال و جلال حق کے ساتھ یا اظہار جمال اُن پر اتنا مستولی ہو جائے کہ ہر شے میں جلوہ ذات کا مشاہدہ کرے۔ اور اپنی شان کو فانی دیکھے۔ اور کشف جلال ذات کے وقت اپنے وجود کو قطعاً نہ دیکھے۔ اور اپنے وجود کا وہم بھی اس کے دل میں نہ ہو۔

حضرت ابو محمد احمد بن حسین حریری

انہیں میں سے باسط علوم واضح رسوم حضرت ابو محمد احمد بن حسین حریری رضی اللہ عنہ ہیں۔ معاصرین حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ سے ہیں۔ اور حضرت سہیل بن عبداللہ کے صحبت یافتہ تھے۔ اور تمام علوم میں بہترین مہارت رکھتے تھے۔ اور فقہ کے امام وقت گذرے ہیں اور اصول میں نہایت اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ اور طریقت و تصوف میں اتنا بلند پایہ تھا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ ہمارے مریدوں کو ادب تصوف اور ریاضت عمل کی تعلیم دیں۔ حتیٰ کہ حضرت جنید کے بعد اُن کی سجادگی آپ کو حاصل ہوئی۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ دَوَامُ الْاِیْمَانِ وَقِوَامُ الْاَدْیَانِ وَصَلَاحُ الْاَبْدَانِ فِیْ ثَلٰثَۃٍ۔ اَلْاِکْتِفَاءُ وَالْاِتِّقَاءُ وَالْاِحْتِمَاءُ فَمَنِ اکْتَفٰی بِاللّٰہِ صَلُحَتْ سَرِیْرَتُہٗ وَمَنِ اتَّقٰی مَا نَہَاہُ اللّٰہُ عَنْہُ اِسْتَقَامَتْ سِیْرَتُہٗ وَمَنِ احْتَمٰی مَا لَمْ یُوَافِقْہُ اِرْتَاضَتْ طَبِیْعَتُہٗ فَثَمَرَۃُ الْاِکْتِفَاءِ صَفْوَۃُ الْمَعْرِفَۃِ وَعَاقِبَۃُ الْاِتِّقَاءِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَغَایَۃُ الْاِحْتِمَاءِ اِعْتِدَالُ الطَّبِیْعَۃِ" ایمان کا دوام و استمرار اور قوام دقیام دین اور اصلاح جسم تین چیزوں میں ہے۔ ایک کفایت کرنا دوسرا پرہیزگاری اختیار کرنا تیسرے غذا میں احتیاط رکھنا۔ جو شخص اپنے رب کے ساتھ اکتفا کرے اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور جو تقویٰ حاصل کرے۔ اور پرہیزگار ہو جائے اس کی عادت و خصلت نیک ہو جاتی ہے اور جو غذا میں حتیاط رکھے اُس کا نفس ریاضت سے پاک و درست ہو جاتا ہے۔ تو ثمرۂ اکتفا صفائی قلب ہے اور انجام تقویٰ اور پرہیزگاری حُسن خلق ہے اور احتیاط غذا کا نتیجہ تندرستی اور اعتدال طبیعت ہے۔

یعنی جو اپنے رب کے ساتھ توکل کرے اس کا عرفان بلند اور قلب مصفیٰ ہو جاتا ہے اور جو اہلِ

میں تقویٰ کا پابند ہو۔ اس کا خلق درست ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت میں عزت پا جاتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ کَثُرَ صَلٰوتُهٗ بِاللَّیْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ۔ جو رات میں نمازیں زیادہ پڑھے۔ اس کا چہرہ دن میں بہت منور ہو جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن متقیوں کی جب جماعت آئیگی تو وُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ تو ان کے چہرے منبروں پر منور ہونگے اور منبر بھی نوری ہوں گے۔ اور جو غذا میں احتیاط رکھے تو اس کا تن ہر بیماری سے محفوظ ہے۔

الحاصل کلام نہایت جامع ہے اور یاد رکھنے کے قابل۔ واللہ اعلم بالصواب۔

انہیں میں سے شیخ ظرفا قدوہ اہل

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل آملی

وفا و صفا حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل آملی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بزرگان مشائخ سے گذرے ہیں اور اپنے ہمعصروں میں محتشم مانے گئے ہیں علم تفسیر و علم تجوید کے بڑے عالم تھے۔ لطائف قرآنی کے بیان میں آپ مخصوص تھے حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے مریدان خاص میں تھے۔ حضرت ابراہیم مارستانی کی صحبت یافتہ تھے۔ اور حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ آپ کی بہت عزت فرماتے تھے بلکہ آپ کے سوا کسی کو علم تصوف میں آپ تسلیم نہیں فرماتے تھے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلسُّکُوْنُ اِلٰی مَاْلُوْفَاتِ الطِّبَاعِ یَقْطَعُ صَاحِبَهَا عَنْ بُلُوْغِ دَرَجَاتِ الْحَقَائِقِ۔ جس چیز کی طرف رغبت طبع ہو اس سے آرام سکون حاصل کرنا بلندی حقائق کے درجات سے گرا دیتا ہے۔ یعنی جو مالوفات طبع کے ساتھ آرام حاصل کرے۔ وہ حقیقت آشنائی سے محروم رہ جاتا ہے۔

اس لئے کہ امزجہ اور طبائع آلات و اوزار نفس ہیں۔ اور نفس محل حجاب ہے اور حقیقت محل کشف تو جو طالب محجوب ہے اور اس سے سکون چاہتا ہے جبکہ مکاشف نہیں تو ادراک حقائق کیونکر کر سکے گا۔ اس لئے کہ محل کشف سے وہ محجوب ہے جیسے ہوئے اعراض سے جو مالوف طبع ہیں۔ اور رحجان طبع دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک دنیا کے تمام ملحقات کے ساتھ۔ دوسرے عقبیٰ اور اس کے تمام احوال کے ساتھ۔

دنیا کے ساتھ بوجہ جنسیت الفت ہوگی یا عقبیٰ کے ساتھ بوجہ ناجنسیت اور

نا دیدہ ہونے کے تو نفس عاقبت کے ساتھ اُلفت محض گمان پر کرتا ہے نہ کہ اس کی حقیقت عینیہ سمجھ کر۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس حقیقت آشنا نہیں ہوتا اگر وہ حقیقت شناس ہوتا تو دنیا سے اپنا تعلق قطع کر لیتا اور جب ایسی دنیا سے انقطاع کر لیتا تو ولائیت طبع طے ہو جاتی۔ اور ولائیت طبع کے طے ہو جانے سے مکاشفہ حقیقت ہو جاتا ہے کیونکہ عافیت کا خویش با لطبع نفار طبع ہے۔ لِاَنَّ فِیْھَا مَالَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ اس لئے کہ اس میں قلبِ بشر پر عقبےٰ کا تصور نہیں آسکتا کہ وہ راہ کیسی پرخطر ہے۔ اور جو چیز بذریعہ کشف دل میں مستحضر ہو اس کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اور جب معرفت حقیقت عقبےٰ سے واہمہ انسان ہی عاجز آجاتا ہے۔ تو پھر طبیعت اُس کے عین حقیقت سے کیونکر اُلفت کر سکتی ہے۔

تو یہ بات صحیح ہوئی کہ اُلفتِ طبیعت گمان عاقبت سے ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت حسین بن منصور حلاج

انہیں میں سے مستغرق معنیٰ ابو المغیث حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ سرمستان بادۂ وحدت اور مشتاق جمالِ احدیت گذرے ہیں اور نہائیت قوی الحال مشائخ میں تھے۔

آپ کی شان میں مشائخ طریقت کے علیحدہ علیحدہ فیصلے ہیں حتیٰ کہ ایک گروہ تو آپ کو مردود کہہ گیا۔ ایک گروہ آپ کو مقبول بارگاہ بتا گیا۔

مردود کہنے والوں میں (۱) عمرو بن عثمان مالکی (۲) ابو یعقوب نہر جوری (۳) ابو ایوب اقطع (۴) علی بن سہل اصفہانی وغیرہ ہیں اور مقبولِ بارگاہ ماننے والے متاخرین میں بازیدہ عطا محمد بن خفیف۔ ابو القاسم نصر آبادی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور اُن کے علاوہ تمام متاخرین صوفیا انہیں مقبول مانتے چلے آئے ہیں۔

اور ایک گروہ اور ہے جو آپ کے معاملہ میں توقف کرتا ہے جیسے حضرت جنید بغدادی حضرت شبلی حضرت حریری حضرت حصری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور ایک

گروہ نے آپ کو جادو وغیرہ اسباب ظاہری کے ساتھ منتسب کیا ہے لیکن حضرت شیخ المشائخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالقاسم گرگانی اور شیخ ابوالعباس شقاقی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حسین بن منصور کو صاحب سِر مانتے تھے اور ان لوگوں کے نزدیک حسین بن منصور ایک عارف کامل بزرگ تھے۔

لیکن استاذ ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں۔ کہ اگر وہ ارباب معانی وحقیقت میں سے تھے تو لوگوں کے مطعون کرنے سے ایک عارف مہجور نہیں ہو سکتا اور اگر وہ مہجور فی الطریق والعرفان تھے۔ اور مردودِ بارگاہ تو مخلوق کے مقبول بنانے سے وہ مقبول نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان کا معاملہ ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ اور جس قدر اُن سے ہم علامات عرفانی دیکھتے ہیں۔ اسی حد تک ہم اُنہیں بنظرِ عظمت دیکھتے ہیں۔

اور مشائخ میں علاوہ چند کے کوئی ان کی مقبولیت کا منکر نہیں بلکہ تمام مشائخ اُن کے کمال فضل اور صفائی حال اور کثرتِ اجتہاد وریاضت کے معترف ہیں۔ اور اُن کے حالات کا اس کتاب میں ذکر نہ کرنا ایک حد تک بے امانتی وخیانت تھی۔ اس لئے کہ بعض لوگ ارباب ظواہر سے جو ہیں وہ اُن کی تکفیر کرتے ہیں اور اُن کی شانِ عرفان کے منکر ہیں۔ اور ان کے تمام کمالات وخوارق عادات امور کو مکر اور جادو کے ساتھ نسبت کرتے ہیں۔

اُن کا خیال ہے کہ یہ حسین بن منصور بن حلاج بغدادی ہے۔ جو محمود بن زکریا کا استاد ہے اور ابوسعید قرمطی کا رفیقِ خاص ہے۔ حالانکہ وہ حسین بن منصور بن صلاح ہے اور یہ حسین بن منصور حلاج ہیں رحمۃ اللہ علیہ پھر وہ حسین بن منصور جو ابن صلاح ہے۔ وہ بغداد کا ہے۔ یہ حسین بن منصور حلاج فارسی مقام بیضا کے ہیں۔

اور جو مشائخ حضرت حسین بن منصور حلاج ہی کو مردود و مہجور مانتے ہیں۔ اور اُن کے دین میں بھی طعن کرتے ہیں۔ کہ یہ طعن درحقیقت اس کے دین میں نہیں بلکہ اُن کے کیفیت حال پر ہے۔ وہ یہ کہ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ پہلے حضرت سہل بن عبداللہ سے بیعت ہوئے۔ پھر اُن کی بلا اجازت اُن سے علیحدہ ہو کر حضرت عمر بن عثمان مکی سے ملے وہاں بھی مستقل طور پر نہیں رہے اور وہاں سے بھی بلا اجازت چلدیئے۔ اور حضرت جنید بغدادی

رحمتہ اللہ علیہ سے آکر تعلق کرلیا۔ مگر حضرت جنید نے انہیں قبول نہ فرمایا۔ اور اس وجہ میں سب نے انہیں اپنے یہاں سے رد کردیا۔ تو اس صورت میں آپ کو مہجور معاملت کہا جاسکتا ہے نہ کہ اصل میں آپ کو مردود مذہب مانا جائے۔

دیکھتے نہیں کہ حضرت شبلی رحمتہ اللہ حضرت حسین بن منصور کی شان میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ کا اعلان ہے۔ اَنَا وَالْحَلَّاجُ فِیْ شَیْئٍ وَّاحِدٍ فَخَلَّصَنِیْ جُنُوْنِیْ وَاَهْلَکَهٗ عَقْلُهٗ میں اور حسین بن منصور حلاج ایک ہی طریق پر ہیں۔ مگر مجھے میرے دیوانہ پن نے آزاد کرادیا اور حسین بن منصور کو اس کی عقلمندی نے ہلاک کرادیا۔

اگر (معاذ اللہ) وہ بیدین ہوتے تو شبلی رحمتہ اللہ علیہ یہ نہ فرماتے کہ میں اور حلاج ایک چیز ہی ہیں۔ حضرت محمد بن خفیف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ هُوَ عَالِمٌ رَبَّانِیٌّ حسین بن منصور حلاج عالم ربانی تھے۔ اور ایسے ہی اوروں نے بھی بہت کچھ تعریف کی اور انہیں بزرگ بتایا۔

تو مشائخ کرام کی ناخوشنودی اور اُن کی طرف سے عاق کر دینا اس امر کو مستلزم نہیں کہ انہیں اسلام و مذہب سے بھی خارج کر دیا جائے۔ بلکہ یہ مہجوری طریقت کی مانی جائیگی اور اس کا طریقہ وحشت و اضطرار ہوتا ہے۔

آپ کی تصانیف مشہور ہیں۔ اور آپ کے رموز اور کلام نہایت مہذب ہیں جو اصول و فروع میں آپ نے فرمائے اور لکھے۔ اور میں نے (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمتہ اللہ علیہ ہجویری) رسالے اُن کی تصنیف کئے ہوئے بغداد و حوالی بغداد میں دیکھے بعض خوزستان میں بعض فارس و خراسان میں۔ سب میں ہم نے ایسی باتیں دیکھیں۔ جو مرید ابتداء سلوک میں کیا کرتا ہے اور اُن تصنیفات میں بعض رسالے نہایت معمولی بعض کچھ آسان بعض نہایت ادق مضمون سے پُر تھے۔ اور یہ حالت کے ساتھ بات ہے جب تجلی حق ہونے لگتی ہے تو اس کی قوت حال اس کی زبان و قلم پر بعض بار ایسی جلدی اور عجلت سے مضمون آجاتے ہیں کہ ناواقف دیکھکر تعجب ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا وہم ان کے سننے سے متنفر ہوجاتا ہے۔ اور عقل اس کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ تو جو آشنا رمز خاصان بارگاہ ہے وہ کہدیتا ہے کہ یہ مضمون بہت بلند ہے اور جو جاہل [illegible] ہے وہ قطعی منکر ہوجاتی ہے۔

تو اُن کا انکار بھی بمنزلہ اقرار کے ہوتا ہے اس لئے کہ وہ سمجھے بغیر منکر ہو کر اقرار کرتے ہیں کہ یہ مضمون ہمارے محدود معلومات و بصارت کے ماتحت غلط ہے۔
مگر جب اہل بصیرت و محققان حقیقت دیکھتے ہیں تو وہ اُن منکرین کے ہمنوائی نہیں کرتے اور مذمت و تعریف دونوں سے علیحدہ ہو کر ساکت ہو جاتے ہیں (اس لئے کہ جانتے ہیں کہ ان منکرین کی عقل نارسا وہاں تک پہنچ نہ سکے گی۔ لہٰذا ان سے اعراض ہی مناسب ہے، تو منکر کو کہہ دیتے ہیں کہ تیرا انکار تیری حیثیت علمی سے صحیح ہے۔ اور جاننے والے تو پہلے ہی ہمنوا ہوتے ہیں تو اُن سے کہنا تحصیل حاصل ہوتا ہے)۔

اور وہ لوگ جو اس مرد خدا کے احوال کو سحر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ یہ انتساب اُن کی ذات سے محال ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک جادو بھی ویسا ہی حق ہے جیسا کہ کرامت اولیاء کو حق مانا جاتا ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ساحر کے کمال کا مظاہرہ کفر ہے اور کمال حال میں کرامت کا اظہار کمال معرفت۔ تو ایک کا نتیجہ کمال غضب الٰہی ہے۔ اور ایک کا نتیجہ قربِ رضا مولا ہونا۔

اور اس بحث کی تفصیل اثبات کرامات کے باب میں بیان کیا جائے گا۔

اور بالاتفاق اہلِ بصیرت والسنت ایک مسلمان خاسر اور ساحر نہیں ہو سکتا۔ اور ایک کافر مکرم اور واجب التکریم نہیں بن سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ سحر و کرامت میں ضد ہے اور اجتماع اضداد محال ہے۔

اور حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ۔

اپنی مدت العمر میں لباس صلاحیت کے ساتھ مزین رہے۔ نماز کے پابند ذکر و مناجات میں لیل و نہار گذارنے والے۔ روزہ کے پابند اور آپ کی حمد نہایت مہذب تھی اور توحید میں نہایت لطیف نکتہ بیان فرماتے تھے۔ اگر وہ جادو کا کام کرنے والے ہوتے تو صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور ذکر اذکار میں سرگرمی اُن سے محال تھی۔ تو صحیح طور پر ثابت ہوا کہ اُن سے جو امورِ خارق عادات ظہور میں آئے۔ وہ کرامت تھی۔ اور کرامت سوائے ولی کے محقق نہیں ہو سکتی۔

بعض اہلِ تصوف اُن کو اس وجہ میں رد کرتے ہیں کہ اُن کے بعض کلمات میں امتزاج و اتحاد مذاہب کا مفہوم نکلتا ہے۔ یہ اعتراض بھی عبارت پر ہے نہ کہ اُن کی حقیقت معنی پر۔ اس لئے کہ غلبۂ حال میں صوفی اس قدر مغلوب ہوتا ہے کہ وہ ادائے عبارت پر قدرت نہیں رکھتا، اور اس سے امکان عبارت ناممکن ہو جاتا ہے۔ اگرچہ عبارت فی نفسہٖ صحیح ہوتی ہے۔ مگر اس میں اس قدر اغلاق ہوتا ہے۔ کہ عوام اور اہلِ ظواہر اس کی حقیقت معنی کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معنی عبارت اس قدر مشکل ہوں کہ اس کے مفہوم و مقصود کو عوام نہ سمجھ سکیں۔ اس وجہ میں اس کے منکر ہو جائیں لیکن یہ انکار اُن کے سمجھنے کا انکار ہے نہ کہ اس عبارت کا۔

ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ ہم نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں ملحدین کا ایک گروہ دیکھا جو اپنے کو حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا معتقد ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنے الحاد و زندقہ پر اُن کے کلام پر حجت لاتا ہے۔ اور اس گروہ کا نام ہی حلاجی ہے، اور حضرت حسین بن منصور حلاج کے معاملہ میں اس حد تک غلو کرتا ہے جس حد تک روافض محبت علی کرم اللہ وجہہٗ میں کرتے ہیں۔

ان کی رد میں ایک باب ہم لائیں گے۔ اُس میں ان سب فرقوں کا حال بیان کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز

تو اس امر کا خیال رہے کہ اس قسم کے مغلوب الحال صوفیوں کے کلام کا ہرگز اتباع نہیں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ وہ اپنے حال میں اس قدر مغلوب ہوتے ہیں۔ کہ اُن میں استقامت قطعی نہیں ہوتی۔ اور صوفیائے کرام میں اُن کی پیروی کرنی چاہیے جو صاحب استقامت ہیں۔ میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ کو بحمد اللہ تعالےٰ اپنے دل میں عزیز رکھتا ہوں۔ اور اُن کی عظمت میرے دل میں ہے لیکن یہ یقینی بات ہے۔ ان کی حالت مستقیم نہ تھی بلکہ وہ طریقت میں مغلوب الحال تھے۔ اور ہر مغلوب الحال کا کلام فتنہ سے خالی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین بن منصور

حلاج کے کلام سے بہت زیادہ خوف فتنہ ہے۔ بلکہ میرے ساتھ بھی میری ابتدا زمانہ میں ایسی کیفیت حالیہ گذر چکی ہے۔

میں نے حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ کے کلام کی شرح بھی لکھی ہے اور اس کتاب میں دلائل و حجج باہرہ کے ساتھ ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کلام اتنا بلند ہے کہ اسکو ارباب حال کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

اور ایک کتاب مسمی منہاج الدین ہماری تالیف ہے۔ اس میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے ابتداءِ حال سے انتہا تک تمام کوائف ذکر کئے ہیں یہاں بھی ہم نے مختصراً ان کا کچھ تذکرہ کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس راستہ میں اس قدر پہلو موافق و مخالف نظر آئیں اسکی پیروی سے احتراز کرنا لازم ہے۔ (مگر زبان طعن دراز کرنے سے بھی اجتناب کیا جائے)۔

اور جو نفسانی خواہشات اور ہوا پرستی کے متبع ہیں وہ ہر جگہ ایسے امور کے متلاشی ہوتے ہیں جس سے کجی اور تنفر پیدا ہو۔ (اُن سے بھی بچنا چاہیئے)

آپ کا ایک فرمان ہے جو آپنے فرمایا۔ اَلْاَلْسِنَةُ مُسْتَنْطِقَاتٌ تَحْتَ نُطْقِهَا مُسْتَهْلِكَاتٌ "یعنی گویا زبان خاموش و بے زبان دل کی ہلاکت ہے"۔

یہ عبارت عوام کے لئے خالص آفت ہے۔ اس کے معنے میں حقیقت معنی کے بغیر بیہودگی ہے اور جب اس کے معنی حاصل ہو جائیں تو وہ عبارت سے مفقود نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ جب معنی مفقود ہو جائیں تو عبارت کے ساتھ موجود نہیں ہو سکتے۔

غرضکہ ایسی عبارتیں طالب کو ہلاکت کے سوا اور کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتیں سوا اس کے کہ عبارت پڑھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ اسکے یہ معنی ہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم

حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن احمد خواص انہیں میں سرہنگِ متوکلان سالار مستلمان ابو اسحاق حضرت

براہیم بن احمد خواص رضی اللہ عنہ ہیں۔ توکل میں عظیم الشان تھے۔ اور نہایت

بلند تر بہ والے گذرے ہیں۔ بڑے بڑے مشائخ کو پا چکے ہیں۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں
۔ اعمالِ طریقت میں آپ کی تصانیف بھی بہت ہیں۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلْعِلْمُ کُلُّہٗ کَلِمَتَیْنِ لَا تُکَلِّفْ مَا کُفِیْتَ وَلَا تَضِیْعُ مَا اسْتُکْفِیْتَ ۔ یعنی علم سارا دو کلموں میں ہے ایک یہ کہ جس چیز کا اندیشہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے اُٹھا لیا۔ اس میں تکلیف نہ کر۔

دوسرے یہ کہ جو تجھے کرنا ہے۔ اور جو کچھ تجھ پر فرض ولازم ہے اُسے ضائع نہ کر تاکہ دنیا و آخرت میں خوش رہے۔ اس فرمان سے یہ مراد ہے کہ نوشتہ قسمت میں تکلیف نہ کر اس لئے کہ جو تیرے لئے مقسوم ہے وہ تیری جدوجہد سے بدل نہیں سکتا۔ اور جو حکم تجھے بذریعہ شرع ملا ہے اس کی تعمیل میں قصور نہ کر۔ اس لئے کہ ترک فرمان تیرے لئے موجب عذاب ہے۔ آپ نے کسی سے پوچھا کہ عجائبات میں سے آپ نے کیا ملاحظہ کیا۔ فرمایا بہت سے عجائبات دیکھے۔ مگر اس سے زیادہ تعجب ناک بات میرے نزدیک کوئی نہیں حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے اجازت صحبت چاہی مگر میں نے انکار کر دیا۔ عرض کیا گیا حضور کیوں انکار فرما دیا۔ فرمایا اس لئے نہیں کہ اُن سے بہتر کا متلاشی تھا۔ بلکہ اس خوف سے کہ کہیں اپنے رب عزوجل کے سوا غیر پر میرا اعتماد نہ ہو جائے اور اُن کی صحبت میرے توکل کو نقصان نہ پہنچائے۔
اور نفل میں پڑ کر ادا ر فرض سے کہیں نہ رہ جاؤں۔ یہ آپ کے درجہ کمال توکل کی دلیل تھی۔

حضرت ابو حمزہ بغدادی رضی اللہ عنہ، اہل الیقین حضرت ابو حمزہ بغدادی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہ کبار متکلمین اور مشائخ اہل بغداد سے گذرے ہیں۔ حضرت حارث محاسبی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ کے صحبت یافتہ تھے۔ اور حضرت نوری اور خیر نساج رحمہما اللہ کے ہمعصر تھے اور علاوہ ان کے بڑے بڑے مشائخ کرام کے ساتھ رہے ہیں مسجد رصافہ میں بغداد کے اندر آپ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اور علم تفسیر و قرأت

فن روات کے زبردست عالم گذرے ہیں اور حدیث میں بھی آپ کو کافی مہارت تھی۔
اور یہ وہ ہیں کہ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بلا کے موقعہ پر ہمراہ تھے۔
آخر میں اللہ تعالیٰ نے سب کو اس بلا سے نجات دی۔ اس کی تفصیل ہم مذہب نوری کا
جہاں ذکر کریں گے وہاں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اِذَا سَلِمْتَ مِنْكَ نَفْسُكَ فَقَدْ اَدَّيْتَ حَقَّهَا
وَاِذَا سَلِمَ مِنْكَ الْخَلْقُ قَضَيْتَ حُقُوْقَهُمْ۔ جب تو اپنے نفس سے سلامتی حاصل
کرے تو تو نے اپنی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ اور جب خلق تجھ سے سلامتی حاصل کرے تو تو
نے حق مخلوق ادا کر دیا یعنی حق دو ہیں۔ ایک نفس کا حق تجھ پر اور ایک مخلوق کا حق تجھ پر۔ تو
جب تو نے اپنے نفس کو معصیت سے روک لیا اور طریقہ سلامتی عقبیٰ پر اسے چلایا اس کا
حق ادا کر دیا۔ اور جب مخلوقات کو اپنے شر سے امین کر دیا اور اُن سے بُرائی نہ کی مخلوق کا
حق ادا کر دیا۔ گویا ایسی حالت میں زندگی گذار کر تجھ کو خلائق سے اور تجھ سے خلائق کو کوئی
برائی نہ پہنچے۔ اس کے بعد حق عبودیت اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو۔ واللہ اعلم۔

انہیں میں سے امام عالیمقام حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ

ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ محققان مشائخ میں سے گذرے ہیں۔ حقائق
شناسی میں عظیم الشان شخصیت تھی۔ اور مدارج تصوف میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔
مشائخ کرام میں آپ ستودہ صفات مانے گئے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے ہم صحبتوں
سے گذرے ہیں۔ آپ کا کلام اس قدر دقیق ہے کہ اہل ظواہر کی اس کے مفہوم تک رسائی
نہیں۔ اسی وجہ میں آپ نے اپنا کلام قلمبند نہیں فرمایا۔ اور آپ کا کسی شہر میں قیام نہیں
رہتا تھا۔ اسی وجہ میں کہ غالباً ہر جگہ نا اہلوں سے واسطہ پڑتا ہوگا۔ وہاں سے پراگندہ خاطر
ہو کر دوسرے شہر کو تشریف لے جاتے ہوں گے۔ سیاحت کرتے کرتے جب آپ مقام مرو
تشریف لائے، تو اہل مرو کو آپ نے باعتبار طبع لطیف اور نیک سیرت پایا۔ اور اہل مرو نے
بھی آپ کی عظمت کی اور آپ کے پند و نصائح گوش دل سے سُنے۔ چنانچہ بقیہ عمر یہیں پر

فرمائی۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

اَلذَّاکِرُوْنَ فِیْ ذِکْرِہٖ اَکْثَرُ غَفْلَۃً مِنَ النَّاسِیْ لِذِکْرِہٖ۔ "یاد کرنیوالوں کو یاد کرنے میں فراموش کردینے والے سے ذکر میں زیادہ غفلت ہوتی ہے۔"

اس لئے کہ رب جل مجدہٗ کو یاد رکھتے ہوئے اگر اس کا ذکر بھول جائے تو اتنا نقصان نہیں۔ اور بڑا نقصان اس میں ہے کہ اُسے فراموش کردے اور اس کا ذکر کرتا رہے۔

اس لئے کہ ذکر ایک علیحدہ چیز ہے اور مذکور علیحدہ تو جو خیال ذکر میں مذکور کی ذات کو فراموش کردے اور اس سے رُدگرداں ہو جائے تو یہ بہت بڑی غفلت ہے کہاں یہ ذکر غیر ہے بہ نسبت اس کے کہ مذکور کی یاد کا گمان بھی نہ رہے۔ بلکہ بھُول جائے۔ تو اس بھولنے والے کو باوجود ذکر غفلت سے قریب ہے۔ اور بھولنے والے کو نسیان و غفلت میں حجاب غیبت ہی ہے اور مشاہدۂ حضور نہیں۔

تو ذکر میں بحالت ذکر یاد اور تصوّر مذکور اگر ہے تو حجاب غیبت میں بھی اُسکے لئے حضور ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ اگر حضوری کا خود خیال کرے تو صوفی غفلت کے نزدیک ہے۔

اس لئے کہ طالب حق کے لئے اپنی طرف سے خواہش کرنا ہی ہلاک ہے کیونکہ اس راہ میں اگر گمان زیادہ ہو جائے تو معنی گم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر سعی زیادہ ہو جائیں تو گمان گم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت صوفی کو گمان بھی جب ہوتا ہے جب عقل کے ساتھ وہ متہم ہو اور جب تک عقل کے ساتھ وہ متہم ہے۔ ارادہ نفسانی لازمی ہے۔ اور یہاں ہمت کو تہمت اور ارادے سے کوئی تقرب کی منزل حاصل نہیں ہوتی۔ اور جسے حقیقۃً ذکر کہتے ہیں وہ یا تو حال غیبت میں ہوتا ہے۔ یا مقام حضور میں۔

اور جب ذاکر مشاہدہ حضور حق کرلیتا ہے تو پھر ذکر نہیں رہتا بلکہ مشاہدہ ہوتا ہے اور جب غائب از حق ہو اور اپنے وجود سے مطلع تو اگرچہ ذکر ہوتا ہے مگر اُسے ذکر نہیں کہتے بلکہ وہ غیبت ہے۔ اور غیبت درحقیقت غفلت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہی پردہ دوئی ہے یہی ہے حجاب جاناں

[illegible] تا — از مترجم غفرلہٗ

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ انہیں میں سے سکینۂ احوال سفینۂ مقال حضرت ابو بکر دلف بن جحدر شبلی رضی اللہ عنہ ہیں۔
بزرگان مشائخ سے گذرے ہیں۔ اور آپ کے لیل و نہار نہایت مہذب و مطیب بحق گذرے ہیں۔ آپ کے اشارات لطیف و ستودہ ہیں۔

چنانچہ ایک متاخرین سے فرماتے ہیں۔ ثَلٰثَۃٌ مِنْ عَجَائِبِ الدُّنْیَا اِشَارَاتُ الشِّبْلِیْ وَنُکَتُ الْمُرْتَعِشِ وَحِکَایَاتُ جَعْفَرٍ۔ عجائبات عالم میں تین چیزیں ہیں۔ حضرت شبلی کے اشارات اور مرتعش کے نکتہ اور جعفر کی حکایتیں۔

آپ قوم کے بہت بڑے لوگوں میں سے تھے۔ ارباب طریقت میں سادات طریق سے شمار کئے گئے ہیں۔ ابتدا میں خلیفۂ وقت کے دار و غہ ڈیوڑھی تھے حضرت خیر نساج کی مجلس میں آپ تائب ہوئے اور تعلق بعیت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کیا۔ بہت سے مشائخ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کے معنے یہ ہیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ اَیْ اَبْصَارُ الرُّؤُسِ عَنِ الْمَحَارِمِ وَاَبْصَارُ الْقُلُوْبِ عَمَّا سِوَی اللّٰہِ اے محبوب مومنین کو حکم فرمائیے کہ وہ چشم سر کو نظر شہوت سے نگاہ رکھیں اور چشم دل کو ما سوی اللہ سے اور انواع فکر و اندیشہ سے محفوظ کر کے رویت ذات کا خیال رکھیں۔

اس لئے کہ شہوۃ کا اتباع اور محارم کے گھور اگھاری غفلت میں سے ایک غفلت ہے۔ اہل غفلت کے لئے عذاب مہین یعنی نہایت ذلیل کرنے والا وہ عذاب ہے۔ جو انہیں اپنے عیبوں سے جاہل کہہ رہا ہے۔ اور جو اس دنیا میں جاہل رہا وہ عقبیٰ میں بھی جاہل ہی رہے گا۔

وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔ جو دنیا میں عیب صواب کی طرف سے اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔"

جبتک اللہ تعالےٰ انسان کے دل سے ارادات شہوت کی نجاست نہ نکال دے

اس وقت تک اس کی چشم سر غوامض یعنی جن سے آنکھ بند ہو ناضروری ہے محفوظ نہیں رہ سکتی۔

اور جب تک اپنی محبت کسی کے دل میں ثابت نہ کرے۔ اس کی چشم سر بلا نظارۂ غیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

آپ کا ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک دن آپ بازار میں تشریف لائے۔ تو لوگوں نے کہنا شروع کیا۔ ھٰذَا مجنون "یہ دیوانہ ہے" آپ نے فرمایا۔ اَنَا عِنْدَکُمْ مَجْنُوْنٌ وَاَنْتُمْ عِنْدِیْ اَصِحَّاءُ فَزَادَنِی اللّٰہُ فِیْ جُنُوْنِیْ وَزَادَکُمْ فِیْ صِحَّتِکُمْ۔ "میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں۔ اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو۔ میرا جنون شدت محبت محبوب سے ہے اور تمہاری صحت قوت غفلت سے تو اللہ عزوجل میری دیوانگی زیادہ کرے۔ تاکہ میرا تقرب قرب سے اقرب ہو۔ اور تمہاری ہوشیاری زیادہ کرے تاکہ تمہارا بعد موجودہ بعد سے ابعد ہو جائے۔

اور یہ ارشاد آپ کا بمقتضائے غیرت تھا۔ کہ یہ لوگ دوست اور دیوانہ میں تمیز نہیں کرتے اور انہیں اپنی غفلت کا احساس نہیں تو یہ آخرت میں بھی ایسے ہی بے حس ہونگے۔ واللہ تعالٰی اعلم

حضرت ابو محمد بن جعفر بن نصیر خالدی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہیں میں سے حاکی احوال ہ

الطف اقوال وادا حضرت ابو محمد بن جعفر بن نصیر خالدی رضی اللہ عنہ ہیں حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے کبار اصحاب سے گذرے ہیں۔ اور فنون وعلوم میں متبحر تھے۔ اور مشائخ کرام کی سیرتوں کے حافظ اور ان کے مراتب کے خاص نگران مانے گئے ہیں۔

آپ کا کلام ہر فن میں مشہور ہے۔ اور خاص کر رعونت میں آپ نے بہت کچھ فرمایا اور ہر مسئلہ پر آپ نے حکایت چسپاں فرمائی اور اس کا حوالہ کسی نہ کسی کی روایت سے ثابت کیا۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

اَلتَّوَکُّلُ اِسْتِوَاءُ الْقَلْبِ عِنْدَ الْوُجُوْدِ وَالْعَدَمِ "توکل یہ ہے کہ وجود و عدم

رزق تیرے دل کے نزدیک یکساں ہو۔" اور جب وجود رزق ہو تو خرم و شاد نہ ہو اور عدم رزق کے وقت اندوہگیں نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ جسم ملک مالک ہے اور پرورش و ملوک جسم کے لئے تجھ سے بہتر وہی مالک عالم ہے جیسے چاہے رکھے تو اس کی دار السلطنت میں کسی قسم کا دخل نہ دے اور ملک مالک کے سپرد کرا ور اپنا تصرف منقطع کرلے۔

حضرت ابو محمد جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بار حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ کو بخار ہے میں نے عرض کی حضور اپنے رب سے دعا کریں تاکہ وہ آپ کو شفا دے۔ فرمایا کل میں نے عرض کی تھی تو مجھے جواب ملا کہ جنید جسم ہماری ملک ہے۔ ہم چاہیں تو تندرست رکھیں۔ چاہیں بیمار۔ تم کون ہو جو ہمارے اور ہماری ملک میں دخل و تصرف کر رہے ہو۔ خاموش رہو اور اپنا تصرف ہمارے ملک سے منقطع کرو۔ تاکہ ہمارے عبد صادق رہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابو علی محمد بن القاسم رُودباری

انہیں میں سے شیخ محمود معدن جود حضرت ابو علی بن قاسم رُودباری رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ شہزادہ تھے اور نوجوانان متصوف کے بزرگ تھے۔ اصل طریقت میں عظیم الشان درجہ پایا ہے۔ دقائق طریقت میں آپ کا کلام بڑا لطیف ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

اَلْمُرِیْدُ لَایُرِیْدُ لِنَفْسِہٖ اِلَّا مَا اَرَادَ اللّٰہُ لَہٗ وَالْمُرَادُ لَایُرِیْدُ مِنَ الْکَوْنَیْنِ شَیْئًا غَیْرَہٗ ۔ " مرید وہ ہے جو کسی چیز کا ارادہ اپنی ذات کیلئے نہ رکھے۔ مگر وہی جو اس کے رب کے ارادہ سے ہو۔ اور مراد وہ ہے کہ کونین میں سوائے ذات حق کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

تو جب تک اپنی ارادت و عقیدت میں راضی ہے مرید ہے۔ اور محب کی ارادت و عقیدت جب نہیں رہتی تو وہ مراد ہوجاتا ہے پھر جو حق تعالیٰ چاہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں چاہتا اور جو خدا چاہے وہ کرے۔ یہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کچھ نہیں چاہتا۔ تو رضا مقامات ابتدائی سے ہے۔ اور محبت انتہاء حال کا نام ہے اور مقامات

کی نسبت وجود عبودیت تک ہے۔ اور سرچشمہ اور درجات تائید ربوبیت میں ہیں۔
جب یہ سمجھ لیا تو خلاصہ یہ ہوا کہ مرید بخود قائم ہوتا ہے اور مراد بحق قائم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

انہیں میں سے

حضرت ابوالعباس مہدی سیاری رضی اللہ عنہ خزینۃ الاصفیاء

عالم عامل علی الفرید ابوالعباس حضرت مہدی سیاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام وقت تھے اور علوم ظاہری و باطنی کے عالم گذرے ہیں۔ حضرت ابوبکر واسطی کے صحبت یافتہ تھے اور بہت سے مشائخ کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ نہایت عالی ظرف اور زہد و ورع میں مشہور آپ کا کلام نہایت بلند اور تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلتَّوْحِیْدُ اَنْ لَا یَخْطُرَ بِقَلْبِکَ مَا دُوْنَہٗ "توحید یہ ہے کہ ماسوائے ذات حق تیرے دل کے نزدیک کوئی خطرہ نہ آئے۔ اور مخلوقات کی نظر کا تیرے دل کے پاس گذر نہ ہو اور تیری صفائی معاملہ میں کدورت نہ ہو۔ اس لئے کہ اندیشۂ غیر اثبات غیر نہیں ہوتا اور اثبات غیر ہونے کی صورت میں حکم توحید ساقط ہو جاتا ہے۔

یہ مرو کے بڑے رئیسوں کے خاندان سے تھے۔ اہل مرو میں انکے مقابلہ کا کوئی رئیس نہ تھا۔ انہیں میراث پدری کافی ملی تھی وہ تمام کی تمام دیکر دو موئے مبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل کیے۔ اللہ تعالیٰ نے موئے مبارک کی برکت سے توفیق توبۃ النصوح دی۔

حضرت ابوبکر واسطی کی صحبت میں آگئے اور اس درجہ کو پہنچ گئے کہ ایک گروہ صوفیہ کے امام بن گئے۔

جب آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی تو وصیت کی تھی کہ یہ موئے مبارک میرے منہ میں رکھدیئے جائیں۔ آجتک مرو میں ان کا یہ اثر ہے کہ لوگ اپنی حاجت روائی کے لئے اس قبر پر جاتے ہیں اور بامراد واپس آتے ہیں۔ اور حل مقاصد کے لئے آپ کی قبر پر جانا مجرب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے مالک وقت تجرید در تصوف

خالی طبع از تصرف و تکلف حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ ہیں اپنے زمانے کے امام علوم گذرے ہیں۔ اور مجاہدات میں آپ کی شان بہت بلند ہے۔ اور آپ کا بیان معانی حقائق میں نہایت شافی ہے۔ اور آپ کی عمر کا بیشتر زمانہ تصانیف و تالیف میں گذرا حضرت ابن عطا حضرت شبلی حضرت حسین بن منصور وغیرہ رحمہم اللہ کی زیارت فرما چکے ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں حضرت یعقوب نہرجوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ چکے ہیں اور سیر مکاشفات آپ کی بہت اچھی ہے اور خلوت نشینی بھی آپ نے بہت کی ہے۔ آپ بھی خاندان شاہی سے گذرے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق دی۔ اور حکومت و سلطنت سے اعراض فرما کر ماسوی اللہ سے انقطاع کیا۔

آپ کی بزرگی کا سکہ ارباب معانی کے دلوں پر سکہ زن ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلتَّوْحِیْدُ الْاِعْرَاضُ عَنِ الطَّبِیْعَۃِ "توحید نام ہے طبیعت سے اعراض کرنے کا" اس لئے کہ طبیعت آلاء و نعمت الٰہی سے محجوب نابینا ہوتی ہے۔ تو جبتک طبائع سے اعراض نہ ہو تقرب الی اللہ نہیں ہو سکتا۔ اور صاحب طبع حقیقت و توحید سے محجوب رہتا ہے۔

جب آفت طبع نظر آجائے تو یقیناً منزل توحید تک پہنچ جاتا ہے۔ آپ کی بہت سی کرامتیں اور دلائل ہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی

انہیں میں سے سیف سیادت آفتاب سیادۃ

حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اہل تمکین کے سردار اور علم خط کے بہترین ماہر تھے ریاضت و ثبات توکل میں مشہور تھے۔ آفات نفس کے عالم تھے۔ آپ کی علامات و روایات اور براہین روشن ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

مَنْ آثَرَ صُحْبَۃَ الْاَغْنِیَاءِ عَلٰی مُجَالَسَۃِ الْفُقَرَاءِ اِبْتَلَاہُ اللّٰہُ بِمَوْتِ

الْقَلْبِ" جو صحبت اغنیار فقرا کی صحبت پر پسند کرے۔ اللہ تعالیٰ اُسے موت قلب میں مبتلا کرے گا۔"

اس لئے کہ غنی لوگوں سے صحبت کرنے والے کو اغنیا نفرت سے دیکھتے ہیں۔ تو یہ صحبت کرنے والا اُن اغنیا کے خیالات سے متاثر ہو کر اُن کے فیض صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اغنیار کی صحبت کسی غرض دنیاوی کی وجہ ہی کی جاتی ہے۔ تو جب غرض دنیا کی مجالست اغنیا سے بڑھ گئی تو یقیناً دل نیازمندی دُنیا کی وجہ میں مرجاتا ہے۔

اور اس کا تن خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے۔ تو پھر صحبت اغنیا کا نتیجہ موت قلب ہے۔ تو کس لئے اُن کی صحبت سے اعراض نہ کیا جائے۔ اس مضمون میں صحبت و مجالست فقرار و اغنیار کا فرق واضح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابراہیم محمد بن محمود نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں میں سے مبارز صف صوفیاں معبر،

احوال عارفاں حضرت ابو القاسم ابراہیم محمد بن محمود نصیر آبادی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نیساپور میں مثل بادشاہ کے تھے جس طرح نیشاپور میں شاہان حمویہ تھے۔ ویسے ہی یہ بھی اپنے حال میں بلند اور شہنشاہ عقبیٰ تھے۔ فرق اتنا تھا کہ شاہ حمویہ کی عزت دنیا میں تھی اور ان کی عزت کا تعلق عقبیٰ سے تھا۔ آپ کے کلام دینیہ نہایت رفیع تھے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ اور اہل خراسان کے متاخرین میں پیرو استاد مانے گئے ہیں حتیٰ کہ آپ کے زمانہ میں آپ کے مقابلہ کا عارف کوئی نہ تھا۔ اور آپ عالم اہل زمانہ اور متورع مانے جاتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

اَنْتَ بَيْنَ النِّسْبَتَيْنِ نِسْبَةٌ اِلٰى اٰدَمَ وَنِسْبَةٌ اِلَى الْحَقِّ فَاِذَا انْتَسَبْتَ اِلٰى اٰدَمَ دَخَلْتَ فِيْ مَيَادِيْنِ الشَّهَوَاتِ وَمَوَاضِعِ الْاٰفَاتِ وَالذِّلَّاتِ وَهِيَ نِسْبَةٌ تُحَقِّقُ الْبَشَرِيَّةَ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا[1]

---

[1] بیشک وہ ظلوم بھولا ہوا ہے۔

فَاِذَا انْتَسَبْتَ اِلَی الْحَقِّ دَخَلْتَ فِیْ مَقَامَاتِ الْکَشْفِ وَالْبَرَاهِیْنِ وَالْعِصْمَۃِ وَالْوِلَایَۃِ وَهِیَ نِسْبَۃُ الْعُبُوْدِیَّۃِ۔ قَالَ اللہ تعالےٰ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا[1] تو دو نسبتوں میں ہے، ایک نسبت آدم دوسری نسبت حق جب تجھے آدم کے ساتھ نسبت ہو گی تو تجھے میدان شہوات ومقامات آفات وذلت میں پڑنا ہوگا اس لئے کہ طبائع انسان نہایت ذلیل وبے قدر ہیں۔ اور اگر تجھے نسبت بحق حاصل ہو گئی تو مقامات کشف وبرہان اور عصمت ولایت میں آجائے گا اور نسبت عبودیت حاصل کریگا۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ نسبت آدم بروز قیامت منقطع ہو جائیگی اور نسبت عبودیت ہمیشہ قائم رہے گی۔ اور اس کا تغیر ہرگز نہ ہوگا۔

توجب بندہ اپنے کو اپنے ساتھ منتسب کرے یا آدم کے ساتھ، تو یہ درجہ بہت گرا ہوا ہے، مقام کمال یہ ہے کہ بندہ خود کسی طرف اپنی نسبت نہ کرے بلکہ خود حق تعالےٰ اُسے فرمائے۔ یَا عِبَادِیْ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ "اے میرے بندو آج کے دن تمہیں کوئی خوف نہیں" واللہ اعلم بالصواب

حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری

انہیں میں سے سیر در سالکاں طریق جمال جا نہائے تحقیق حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ احرار درگاہ کے تختستان میں گذرے ہیں اور ائمہ تصوف میں بڑے امام مانے گئے ہیں۔ اپنے زمانہ کے بےنظیر صوفی تھے۔ آپ کے کلام نہایت بلند ہیں۔ اور آپ کی عبارات نہایت پُر لطف ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا

دَعُوْنِیْ فِیْ بَلَدِیْ هَاتُوْا مَا لَکُمْ اَلَسْتُمْ مِنْ اَوْلَادِ اٰدَمَ الَّذِیْ خَلَقَهُ اللہُ تَعَالٰی بِیَدِہٖ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُوْحِهٖ وَسَجَدَ لَهُ الْمَلٰئِکَۃُ ثُمَّ اَمَرَهٗ

---

[1] خدا کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں۔

بامرِ مخالف۔ اِذَا کَانَ اَوَّلُ الْاٰنِ مُدْذِیًا کَیْفَ یَکُوْنُ اٰخِرُہٗ ۔ چھوڑ دو مجھے میری بلا میں۔ کیا تم سب اولادِ آدم سے نہیں ہو۔ اور کیا اُنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے یدِ قدرت سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر اس میں نفخِ روح کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کریں۔ پھر اُسے ایک حکم دیا گیا لیکن اس نے اس حکم کے خلاف کیا تو جب پہلی ہی تم میں کھوٹ ہو تو بتاؤ اُس کے اخیر و اختتام میں کیا ہو گا؟

جب آدمی کو اس کی نسبت آدمیت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ مجسمۂ مخالفت نہ ہو گا تو کیا ہو گا۔ اور جب عنایت حقہ نسبت حق کے ساتھ اس پر مستولی ہو تو پھر وہ محبت الٰہی میں عمر گذارنے کے سوا کچھ پسند نہ کرے۔ وباللہ التوفیق۔

یہاں تک یعنی متقدمین صوفیائے کرام کے حالات اور ان کے پیشواؤں کے مناقب بیان کئے گئے ہیں۔ اگر سب کے ذکر اس کتاب میں کئے جائیں اور ان کے حالات و کرامات و حکایات جمع کریں تو مقصود تالیف کتاب رہ جائے اور کتاب اتنی طویل ہو جائے کہ مطالعہ مشکل ہو۔ اب ہم بعض متاخرین کے حالات نقل کریں گے۔

بارھواں باب

صوفیائے متاخرین

ناظرین کرام اللہ تمہیں توفیق عطا فرمائے۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ ہمارے زمانہ میں اس قسم کے لوگ باقی ہیں جو ریاست عرفان پر قبضہ بلا ریاضت و مجاہدہ کے چاہتے ہیں۔ اور متصوف بن کر ارباب قصد و عزم کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔

(طریقہ اُن کا یہ ہے کہ) جب ذکر وارفتگاں اور حالات سلف سُن کر انکے تشرف قرب کو دیکھتے ہیں۔ اور انکے زہد و ورع اور مجاہدہ کا قصہ معلوم کرتے ہیں۔ اپنے نفس اور دل سے پوچھنے اور نگاہ کرتے ہیں۔ (کہ آیا ہم اتنا مجاہدہ اس قدر ریاضت کرنے کے اہل ہیں یا نہیں) تو وہ اپنے نفس اور دل کو اُن مجاہدوں سے دور اور بعید پاتے ہیں (مگر صوفی بن کر عوام پر دام تزویر ڈالنے کے شوقین ہیں) تو بس ان چیزوں سے انکار شروع کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم وہ نہیں۔ اور ہم میں اس قسم کے لوگ اب باقی نہیں رہے۔

حالانکہ یہ قول اُن کا بر تبہ محال کے ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالےٰ نے کبھی زمین کو بے حجت الٰہیہ نہیں چھوڑا۔ اور امت محمدیہ کبھی بغیر ولی کے نہیں رہی۔ اور نہ رہے گی۔

چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لایزال طائفۃ من امتی علی الخیر والحق حتی تقوم الساعۃ اور فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم۔ لایزال فی امتی اربعون علی خلق ابراھیم علیہ السلام۔ ہمیشہ میری امت ایسی جماعت سے خالی نہ رہے گی جو خیر اور حق پر قیامت تک رہیگی۔ اور ہمیشہ میری امت میں چالیس مردان

خدا خلق ابراہیم علیہ السلام پر رہیں گے۔
اب ہم جن لوگوں کا اس کتاب میں ذکر کر چکے ہیں وہ گذر گئے اور ان کی روحیں راحت روح ریحان میں پہنچ گئیں، اور بعض اُن میں سے ابھی حیات جسمانی میں موجود ہیں۔ رضی اللہ عنہم وعنا وعن جمیع المسلمین والمسلمات۔

حضرت ابوالعباس احمد بن قصاب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

اُن متاخرین صوفیہ سے طراز طریق ولایت جمال اہل ہدایت ابوالعباس حضرت احمد بن قصاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے متقدمین ماوراالنہر کی زیارت کی ہے اور ان کے فیض صحبت سے بھی مستفید ہوئے ہیں۔ آپ اپنے علو حال اور صدق فراست اور کثرت برہان وکرامت میں مشہور و معروف تھے۔ حضرت ابوعبداللہ خیاط رحمۃ اللہ جو امام طبرستان تھے فرماتے ہیں کہ حضرت جلت مجدہ عز اسمہٗ کے فضلوں میں سے ایک فضل یہ ہے کہ اپنے مقرب بندے کو بلا تعلیم علم یہ ذہن سلیم عطا فرماتا ہے کہ اگر مجھے اصول طریقت میں یا دقائق توحید کوئی مشکل پیش آجاتی ہے تو میں ابوالعباس احمد سے پوچھکر حل کر لیتا ہوں۔ آپ غیر تعلیم یافتہ امی تھے مگر کلام اور نکات اتنے بلند بیان فرماتے تھے کہ علم تصوف اور اصول طریقت میں ابتدائے انتہا تک آپ کو عالی حال نیک سیرت مانا گیا۔

آپ سے بہت زیادہ حکایتیں میں نے سُنی ہیں۔ مگر اس کتاب میں میرا ارادہ اختصار پر ہے اس لئے بعض صرف نقل کرونگا) آپ فرماتے ہیں۔ ایک بچہ سامان لادے ہوئے اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے بازار آمل میں جارہا تھا۔ اور اس بازار میں عموماً کیچڑ رہتی تھی اتفاقاً اونٹ کا پاؤں پھسلا اور گر پڑا پنڈلی چور ہوگئی۔ لوگوں نے ارادہ کیا کہ اونٹ کی پشت سے سامان اتار دیں لڑکے نے منع کیا اور روکر بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہو گیا۔

فرماتے ہیں کہ میں بھی ادہر سے گذرا، دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا، اونٹ کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ آپ نے اونٹ کی باگ تھامی اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور عرض کی الٰہی اس اونٹ کا پاؤں درست کردے۔ اگر درست کرنا منظور نہیں تو قصاب کا دل اس بچے

رونے سے کیوں سوختہ کیا۔ اتنے میں اونٹ اُٹھا اور باسانی چلنے لگا۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا تمام عالم خواہ چاہے یا نہ چاہے اللہ تعالےٰ کی رضا کا خوگر کرنا چاہیئے۔ ورنہ رنج میں رہیں گے۔ اس لئے کہ جو اللہ تعالےٰ کی رضا میں راضی رہنے کا خوگر ہوگا وہ ہر بلا کو منجانب محبوب سمجھ کر بلا نہ سمجھے گا پھر گویا جو بلا بھی اُس پر آئے گی وہ بلا نہ ہوگی۔ اور اگر خوگر رضا نہ ہوا تو بلا جو آئی ہے آئیگی مگر رنجیدگی اس پر لازمی ہے اور درحقیقت بلا و عذاب جو ہمارے لئے مقدر ہے۔ اس تقدیر کو ہم متغیر نہیں کر سکتے۔ اور اگر ہم راضی برضا رہیں گے۔ تو ہماری رضا کی وجہ سے وہ بلا بحکم قادر ہمارے لئے راحت ہو جائیگی۔

تو جو اپنے رب کی رضا میں راضی رہنے کا خوگر ہے۔ اس کا دل ہر حال میں راحت پاتا ہے اور جو قضا و قدر سے اعراض کرتا ہے تو ورود قضا کے وقت رنجیدہ دل ہوتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

حضرت علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیہ بیان ترجمان برہان محققان حضرت ابو علی بن حسن بن محمد دقاق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ امام فن تھے اپنے زمانہ میں یکتائے عالم گذرے ہیں۔ بیان صریح زبان فصیح رکھتے تھے۔ اور کشف راہ مولا میں کامل بہت سے مشائخ کرام کو دیکھ چکے ہیں۔ اور اُن کے فیض صحبت میں مستفید رہے۔ ہیں آپ حضرت محمد بن محمود نصیر آبادی کے مرید تھے۔ اور بہترین واعظ تھے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا مَنْ اٰنَسَ بِغَیْرِہٖ ضُعِفَ فِیْ حَالِہٖ وَمَنْ نَطَقَ مِنْ غَیْرِہٖ کَذِبَ فِیْ مَقَالِہٖ۔ "جسے غیر خدا کے ساتھ وانست ہو وہ اپنے کیفیت حال میں ضعیف ہے۔ اور جو اپنے رب کے سوا کسی سے مکالمہ کرے وہ اپنے بیان میں جھوٹا ہے" اس لئے کہ اُنس غیر قلت عرفان کی وجہ سے ہوتا ہے اور اُس ذات حق سے اُنس جب ہوتا ہے جبکہ وحشت دلی جاتی رہے۔ اور جو متوحش بالغیر ہوگا غیر خدا سے ناطق نہیں ہو سکتا۔

ایک بزرگ سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز مجلس علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ

میں اس نیت سے پہنچا کہ متوکلوں کا حال دریافت کروں۔ آپکے سراقدس پر دستار طبری زیب تھی۔ میرے دل میں اس دستار کی طرف میلان ہوا۔ میں نے علی دقاق سے عرض کی کہ حضور توکل کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ توکل یہ ہے کہ تو اپنے دل کا میلان کسی کی دستار کی طرف نہ ہونے دے۔ یہ فرمایا اور دستار سراقدس سے اتار کر میری طرف پھینک دی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیاء سے شرف اہل زمانہ امام یگانہ ابوالحسن حضرت علی بن احمد خرقانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ اجلہ مشائخ سے تھے۔ اور اپنے وقت میں ممدوح اولیاء گذرے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ بقصد زیارت آپ کے پاس آئے۔ اور آپ کے ساتھ خاص راز کی باتیں ہوئیں۔ جب واپس ہوئے تو فرمایا۔ ابوالحسن ہم نے تمہیں اپنی عہد ولایت کے لئے منتخب کیا اور حسن مؤدب خادم شیخ ابوسعید کہتے ہیں۔ کہ جب شیخ حضرت ابوالحسن خرقانی کے پاس پہنچے تو آپنے اپنی طرف سے کوئی بات نہ کی۔ اور حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ کی باتیں سنتے رہے کبھی کبھی کسی بات کے جواب میں کلام فرماتے۔
میں نے عرض کی حضرت آپ کس لئے خاموش رہے۔ فرمایا۔ ایک بات کیلئے ایک ہی بولنے والا کافی ہوتا ہے۔
اور استاد ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ سے سُنا کہ فرماتے ہیں جب ہم ولائت خراسان میں آئے تو ہماری فصاحت ختم ہو گئی۔ اور عبارات حال جاتی رہیں۔ یہ دبدبہ وشوکت پیر خراسانی کا تھا۔ حتیٰ کہ ہم اپنے منصب ولائیت سے وہاں کی مدت قیام میں معزول ہو گئے۔
آپ سے مروی ہے کہ فرمایا راستے دو ہیں۔ ایک راہ ضلالت ہے دوسرا راہ ہدائیت۔ وہ جو راہ ضلالت ہے وہ بندہ کا راستہ ہے خدا کی طرف۔ اور وہ جو راہ ہدائیت ... کا ... کی طرف ... تو جو بندہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو

پہنچا۔ وہ ہرگز نہیں پہنچا۔ اور جو کہے مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیا وہ یقیناً پہنچ گیا۔
اس لیے کہ کامیابی پہنچنے اور نہ پہنچنے اور کامیاب ہونے نہ ہونے میں نہیں ہے
کہ پہنچانے اور نہ پہنچانے اور آزاد کرنے نہ کرنے میں مضمر ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوعبداللہ محمد بن معروف بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیہ سے بادشاہ زمان حضرت ابوعبداللہ محمد بن معروف بن داستانی
بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ علوم میں بہترین عالم اور درگاہِ حق میں محتشم تھے۔ آپ کا
کلام نہایت مہذب تھا۔ اور اشارات نہایت لطیف۔

شیخ سہلکی جو اس ملک کے امام تھے۔ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور میں نے
شیخ سہلکی سے ہی ان کے کچھ اقوال سنے ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔
اَلتَّوْحِيْدُ مِنْكَ مَوْجُوْدٌ وَ اَنْتَ فِي التَّوْحِيْدِ مَفْقُوْدٌ۔ "تجھ سے توحید
درست ہے لیکن تو توحید میں نادرست اور مفقود ہے۔"

یعنی بموجب اقتضائے حق توحید پر تیرا قیام صحیح نہیں۔ اور ادنیٰ درجہ توحید کا
نفی تصرف ہے۔ ملک جسم سے اور اپنے امور میں حق عزوجل کا اثبات شیخ سہلکی
نے فرمایا کہ جس وقت کہ بسطام میں ٹڈیاں اس قدر آئیں کہ تمام درختوں کو چاٹ
گئیں۔ اور کشتیاں اُن کی سیاہ ہو گئیں۔ اور لوگ تضرع وزاری میں مشغول ہو
گئے۔ تو شیخ بسطامی نے مجھ سے پوچھا یہ کیسا شور ہے۔ عرض کی حضور ٹڈیاں آئی
ہیں۔ اور لوگ ان سے تنگ آتے ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی شیخ اُٹھے اور چھت پر
تشریف لائے اور آسمان کی طرف رُخ کیا۔ کہ اُسی وقت تمام ٹڈیاں اُٹھیں
اور عصر کی نماز تک ایک بھی نہ رہی اور کسی کا ایک پتہ برابر نقصان نہ ہوا۔ واللہ اعلم

حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہنی رضی اللہ عنہ

انہیں متاخرین صوفیہ سے شہنشاہ محبان ملک طریق صوفیان حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہنی

ہیں۔ سلطان وقت و جمال طریقت گزرے ہیں تمام اہل زمانہ آپ سے مسخر تھے۔ کوئی آپ کے دیدار کا مشتاق رہتا۔ کوئی آپ سے حسنِ عقیدت رکھتا۔ کوئی آپ کی قوت حال کا قائل تھا۔ علوم و فنون میں مانے ہوئے عالم ہونے کے علاوہ اشراف قوم میں عظیم الشان درجہ رکھتے تھے۔ مزید براں طریقت میں آپ کی نشانیاں اور براہین بے حد ہیں چنانچہ آج تک آپ کے آثار کمالات اتنے ظاہر ہیں کہ دنیا جانتی ہے۔

ابتدائی زمانہ میں آپ بغرضِ حصولِ علم مقام منہ سے مقام سرخس میں آئے اور حضرت ابو علی زاہد یعنی چابکسوار کی خدمت میں رہے۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ تین روز کا سبق ایک دن میں پڑھا کرتے اور تین دن عبادتِ الٰہی میں بسر فرماتے۔ امام ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے جب آپ کی یہ راست روی ملاحظہ فرمائی تو آپ کی عزت فرمانے لگے۔ اور تعلیم میں کچھ زیادتی کر دی۔ اس زمانہ میں والی سرخس شیخ ابو الفضل حسن تھا۔ ایک دن حضرت فضل اللہ ابو سعید جو بُبار نہر پر گلگشت فرما رہے تھے کہ ابو الفضل والی سرخس سے دوچار ہو گئے۔

ابو الفضل حسن نے آپ سے کہا۔ ابو سعید جس راستے پر تم جا رہے ہو یہ تمہارا راستہ نہیں اپنا راستہ لو۔

حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور سیر فرما کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ اور اپنے مشاغل ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے درِ ہدایت کھولا اور حضرت ابو سعید کو مدارج علیا پر فائز فرمایا۔

شیخ ابو مسلم فارسی فرماتے ہیں کہ مجھے ابو سعید فضل اللہ سے دیرینہ خصومت تھی (لیکن اُن کے زہد و ورع کا شہرہ سُن کر) جب ان کی زیارت کا شوق ہوا۔ تو میں ایسی حالت میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میرے جسم پر ایسا خرقہ تھا کہ میلا ہو کر چمڑے کی طرح ہو گیا تھا جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا آپ تختِ مرصّع پر روائے مصری ڈالے تشریف فرما ہیں۔ میں نے اپنے دل میں یہ اعتراض کیا کہ یہ مرد دعویٰ فقیری کر کے اس قدر علائق دنیا میں پھنسا ہوا ہے۔ اور تمام علائق سے انقطاع کر کے مدعیٔ فقر ہونے سے میری اس کے ساتھ کیونکر موافقت ہو گی۔

ابوسعید فضل اللہ اپنے نورِ فراست سے میرے اس خطرے سے واقف ہو گئے اور سر اٹھا کر مجھ سے فرمایا۔ یَا اَبَا مُسْلِمٍ فِیْ اَیِّ دِیْوَانٍ وَجَدْتَ مَنْ کَانَ قَلْبُہٗ قَائِمًا فِیْ مُشَاھِدَۃِ الْحَقِّ یَقَعُ عَلَیْہِ اِسْمُ الْفَقْرِ۔ ابومسلم تم نے کس کتاب میں دیکھا کہ جب کسی کا دل خدا کے مشاہدہ میں قائم ہو اس پر نام فقر آتا ہے۔ یعنی جو اصحاب مشاہدہ ہیں وہ اپنے رب کے ساتھ غنی ہیں۔ اور جو فقیر ہیں وہ ارباب مجاہدہ کہلاتے ہیں۔

ابومسلم نے کہا یہ جواب سُن کر میں اپنے دل میں خجل و پریشان ہوا اور اپنے بے جا وسوسہ سے توبہ کی۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اَلتَّصَوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ بِلَا وَاسِطَۃٍ۔ تصوف قیام دل بحق کا نام ہے جو بلا واسطہ ہو۔ اور یہ بھی مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ مشاہدہ غلبہ دوستی سے ہوتا ہے اور شوقِ رویت و مشاہدہ استغراق میں ہوتا ہے اور فنا جسے کہتے ہیں وہ بقا بحق کہلاتی ہے۔

اس بحث کو کتاب الحج کے عنوان سے مشاہدہ وجود کی تفصیل کے لیے علیحدہ باب میں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ۔

ایک بار حضرت ابوسعید فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور سے طوس کا قصد فرمایا۔ راستہ میں سردی سخت تھی۔ حتیٰ کہ موزوں کے اندر بھی پائے مبارک سردی محسوس کرنے لگے۔ ایک درویش کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اپنی کمر کی پٹی کے دو ٹکڑے کر کے پائے مبارک میں لپیٹ دوں۔ مگر میرے دل نے اس کا کاٹنا گوارہ نہ کیا۔ اس لیے کہ وہ بہت عمدہ تھی۔ جب ہم طوس آ گئے۔ ایک روز محفل میں میں نے عرض کی کہ حضور وسواس شیطانی اور الہام میں کیا فرق ہے فرمایا۔ الہام وہ ہے جس میں تجھے کہا گیا کہ کمر پٹی کاٹ کر ابوسعید کے پیروں کو سردی سے محفوظ کر اور وسواس شیطانی وہ ہے۔ جس نے تجھے اس کام سے روکا۔ اور اس قسم کی بہت سی باتیں متواتر ہیں۔ لیکن اس مختصر میں یہی بس ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ

(یہ حضرت داتا صاحب کے مُرشد ہیں)

اِنہیں متاخرین صوفیاء میں سے مرشد بحق زین اوتاد شیخ عباد ابوالفضل حضرت محمد بن حسن ختلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ طریقت میں میری پیروی و اقتدا اِن کے ساتھ ہے۔ علم تفسیر و روایات کے زبردست عالم تھے۔ اور تصوّف میں مسلک جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ رکھتے تھے۔ اور آپ حضرت حصری کے مرید تھے۔ اور سروری کے مصاحب اور حضرت ابو عمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ رحمہم اللہ کے ہمعصر تھے۔

ساٹھ سال عزلت نشین رہ کر مخلوق میں سے اپنا نام گم فرما چکے ہیں۔ زیادہ تر آپ کا قیام جبل لگام میں رہا۔ کافی عمر پائی۔ آپ کی آیات و براہین بہت ہیں۔ مگر آپ کا لباس متصوفین کی رسم کا نہ تھا اور رسمی چیزوں کے آپ سخت خلاف تھے۔ میں نے اس مرد خدا سے زیادہ بارعب کوئی نہیں دیکھا۔ آپ سے میں نے سنا کہ فرمایا۔ اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْہِ صَوْمٌ۔ دُنیا تو ایک دن کی ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے۔ یعنی اس دنیا سے ہم نے کچھ حصہ نہیں لیا۔ اور اس کی قید میں ہم نہیں آتے۔ اس لیے کہ دُنیا کی آفتیں ہماری دیکھی ہوئی ہیں۔ اور اس کا جو حجاب ہے اس سے ہم واقف ہو چکے ہیں۔

ایک روز میں حضور کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا تھا وضو کے لیے۔ تو میرے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ جب تمام نظامِ عالم اور کاروبارِ دُنیا قسمت پر موقوف ہے تو کس لیے اچھے خاصے آزاد لوگ اُمید کرامت و فیوض پر اپنے آپ کو پیروں، فقیروں کا غلام اور بندۂ حکم بناتے ہیں۔

(میرے دل میں یہ خطرہ گزرا ہی تھا کہ) حضور فرمانے لگے صاحب زادے جو وسوسہ تمہارے دل میں پیدا ہوا ہمیں معلوم ہے۔ یاد رکھو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا و قدر کے ہر حکم کے لیے اللہ تعالیٰ نے سبب رکھے ہیں۔ جب عالم بچہ یعنی سپاہی زادہ کو اللہ تعالیٰ تاج عرفان و مملکت عشق سے نوازنا چاہتا ہے تو اُسے توفیق توبہ دے کر اپنے کسی مقرب دوست کی خدمت میں مشغول فرما دیتا ہے

ہے تاکہ وہ خدمت گزاری اس کی عزت و کرامت کے لیے سبب بنے اور مثل اس کے بہت سے لطائف ہر روز میرے اوپر ظاہر ہوتے رہتے تھے ۔

جس روز کہ حضرت کی وفات کا وقت آیا۔ آپ اس روز بیت الجن میں تھے ۔ یہ ایک گاؤں ہے جو دمشق اور بانیار رود کے مابین ایک گھاٹی پر آباد ہے۔ آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ اور مجھے ایک پیر بھائی سے دل میں رنج تھا۔ جیسا کہ عام لوگوں کی عادت کے ماتحت لوگوں میں ہوتا ہے۔ تو سرکار مجھ سے فرمانے لگے۔ بیٹا! تمہیں ایک عقیدہ بتاتا ہوں۔ اگر تم اس پر قائم ہو گئے تو تمام جہان کے غموں سے آزاد ہو جاؤ گے۔ یاد رکھو ہر جگہ اور ہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ خواہ نیک ہو یا بد۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کسی پیدا کی ہوئی چیز سے خصومت نہ رکھیں اور کسی کی طرف سے دل میں رنج نہ رکھیں۔ بس اس وصیت کے بعد اور کچھ نہ فرمایا اور جان جان آفرین کے سپرد فرمادی۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

ابو القاسم حضرت عبد الکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ

انہیں متاخرین صوفیاء میں استاذ و امام زین الاسلام ابو القاسم حضرت عبد الکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے زمانے کے بدیع المثال لوگوں میں تھے اور عزت و حرمت میں رفیع المثال اور منزلوں میں علو الحال تھے۔ ان کی بزرگی کا زمانہ معترف ہے اور ان کے فضائل عام طور پر مشہور۔ ہر فن میں ان کے لطائف بے حد ہیں۔ تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے حال و قال کو حشو و زوائد سے محفوظ فرمادیا تھا۔

آپ سے میں نے سُنا کہ فرمایا۔ مَثَلُ الْمُتَصَوِّفِ كَعِلَّةِ الْبِرْسَامِ اَوَّلُهٗ هَذَيَانٌ وَّاٰخِرُهٗ سُكُوْنٌ وَّ اِذَا تَمَكَّنْتَ خَرِسَ ۔ صوفی کی مثال مریض برسام کی سی ہے جس کی ابتدا ہذیان اور بہکی بہکی باتوں سے ہوتی ہے اور آخر میں خاموشی۔ اور جب وہ متمکن ہو جاتا ہے تو گونگا کر دیتا ہے۔

تو سعادت قلب کے دو رُخ ہیں۔ ایک وجد دوسرے نمود۔ وجد کیفیتِ جذبانہ ہے اور نمود وجد منتہیان ہے اور وجد ایک ایسی کیفیت ہے کہ اس کی ترجمانی عبارت میں محال ہے۔ تو جب

تک بلندی کی طالب رہتا ہے۔ اپنی علوِ ہمت میں ناطق ہوتا ہے۔ جو شبلی کو اس سبب اور اسی کو ہذیان کہا گیا۔ اور جب منتہاء کمال کو پہنچ گیا تو پھر نہ عبارت رہتی ہے نہ بیان نہ ہذیان۔

اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ جب موسیٰ علیہ السلام درجۂ مبتدی میں تھے۔ آپ کی ہمت رویت کی طالب تھی۔ حتیٰ کہ اپنی ہمت کے ماتحت طلب رویت کی عبارت بھی کہہ ڈالی اور صاف عرض کیا۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ۔ اے رب اپنا تجلی حسن دکھا کہ میں اس جلوہ کو دیکھوں۔ یہ وہ عبارت ہے جس سے مقصود حاصل نہ ہونا تھا تو یہ نطق بے معنی ہی تھا اور ہمارے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مقام منتہیٰ پر متمکن تھے۔ تو جب کسی کی شخصیت تمام مقامات سے عبور کر کے منتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اس کی ہمت و خواہش سب فنا ہو جاتی ہے تو حضور فرما رہے ہیں۔ لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ۔ تیری حمد و ثنا کا احصا ناممکن ہے۔ یہ منزل رفیع اور مقام عالی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد شقاقی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیا سے امام اوحد ابوالعباس احمد بن محمد شقاقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اصول و فروع میں بڑے ماہر اور امام وقت گزرے ہیں۔ بہت سے مشائخ کبار کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ متصوفین کی جماعت میں خاص طور پر کبرا و قوم مانے گئے۔ آپ خود کو مقام فنا کے ساتھ تعبیر فرماتے تھے اور آپ کی عبارات بہت مغلق ہوتی ہیں اور ان عبارتوں کے لیے آپ مخصوص ہیں۔

میں نے ایک جماعت جاہلوں کی پائی جو آپ کی عبارت کے ظاہر پر کورانہ تقلید کرتی ہے اور یہ تقلید بے معنی اور ناستودہ ہے (یعنی مفہوم مضمون قائل نہ سمجھ کر محض عبارت کے سطحی معنی کی تقلید جہالت محض ہے۔ اور وہ تقلید جو امام معین کی جاتی ہے۔ وہ عین منشاء اسلام ہے)۔ تم دیکھو کہ ان کی عبارتیں کس قسم کی ہیں۔ میرے دل میں ان کی زبردست محبت ہے۔ اور مجھ پر ان کی بے حد غایت صادق شفقت ہے۔ اور بعض علوم میں وہ میرے استاد بھی ہیں۔ جب تک میں ان کے پاس رہا میں نے تعظیم شرع کرنے والا ان سے زیادہ کسی کو نہ پایا۔

انھوں نے ماسوا اللہ اور کل مرادات سے اپنے دل کو صاف کر رکھا تھا۔ ان کے علم و عبادات وغیرہ بجز گرگی کیلئے فائدہ نہیں تھا۔ ان کے وقت حال کے مطابق ان کی عبارت علم اصول سے پیوستہ ہوتی تھی اور ان کا دل دنیا و عقبیٰ دونوں سے متنفر تھا۔

ہمیشہ جوش و خروش میں فرمایا کرتے تھے اَشْتَهِیْ عَدَمًا لَا وُجُوْدَ لَهٗ۔ میں نے ایسے عدم کی خواہش کی کہ جس کا وجود ہی نہیں۔ کبھی فارسی میں فرماتے۔ ہر آدمی را بایست محال باشد و مرا نیز بایست محالست کہ بیقین دانم آن نباشد کہ وآں آنست کہ بیایدم کہ خداوند تعالیٰ مرا بعدم بردکہ ہرگز آں عدم را وجود نباشد۔* ہر آدمی کے لیے ایک جگہ ہے اور میرے لیے بھی یقیناً ایک محل ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ عدم محض ہے اور وہ عدم وہ ہے کہ ضرور مجھے وہاں پہنچایا جائے گا۔ اور میرا رب مجھے عدم میں پہنچائے گا۔ اور وہ وہ جگہ ہے۔ جس کا وجود نہیں ہے

اس لیے کہ مقامات و کرامات تمام کے تمام محل حجاب و بلائیں اور انسان اپنے حجاب کا عاشق ہے اور نیستی و عدم جو دیدار یار میں ہو وہ بہترین نعمت ہے اور اس بہشت سے افضل ہے جس میں حجاب محبوب ہو۔ اور جب حق جل جلالہٗ وہ ہستی ہے کہ اس پر عدم محال ہے پھر اس کی ملکیت میں میرے نیست ہو جانے سے کیا زیان ہو سکتا ہے۔ اور یقیناً میرے عدم کو وجود نہیں ہے۔ یہ ان کی اصل طریقت میں دلیل قوی ہے۔ جو مرتبہ فنا میں منکشف ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ

انہیں متاخرین صوفیاء میں قطب زمانہ حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ متعنا اللہ المسلمین ببقائہ اپنے وقت میں عارف بے نظیر اور اپنے زمانہ میں صوفی بے بدل گزرے ہیں۔ آپ کا ابتدائی زمانہ بھی بہت نیک گزرا اور آپ کے سفر بشرائط مجاہدہ بہت کامیاب ہوتے۔ آپ کی طرف قریب قریب ہر دل رجوع رہا ہے۔ اور ہر ایک کی نظر میں آپ کا بہت زیادہ اعتماد تھا۔

---

* سمرقند کے مطبوعہ کتاب میں گرگان لکھا ہے اور مستورات نے کرمانی لکھا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے کرمانی کن معلومات کے تحت لکھا۔ واللہ اعلم (ابوالحسنات قادری)

مریدوں میں آپ کا کشف مشہور تھا۔ علوم ظاہری میں تمام فنون میں ماہر تھے۔ آپ کا ہر مرید ایک امتیاز خاص رکھتا تھا آپ کا خلق بھی نہایت اچھا تھا اور آپ کے پسماندگان بھی انشاء اللہ ایسے ہی ہوں گے۔ کہ قوم ان کی اقتدا و پیروی کرے۔ آپ کو لسان العصر مانا جاتا تھا۔

حضرت ابو علی حضرت ابو الفضل بن محمد فارمدی ابقاہ اللہ نے دنیا سے اپنا حصہ ترک کر کے سب سے اعراض کر لیا ہے اور علامہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد اس مبارک ہستی کے صدقہ میں پوری کی اور سید علی گرگانی کی زبان بنا دیا۔ ایک دفعہ میں شیخ گرگانی کی خدمت میں حاضر تھا اور اپنے لطائف جو مجھ پر منکشف ہوتے تھے عرض کر رہا تھا تاکہ اپنا حال ان کی ہدایت کے مطابق درست کروں کیونکہ آپ ناقد وقت تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ میرا تمام حال احترام کے ساتھ سنتے رہے۔

میرا لڑکپن اور بچپن کا نخوت اور جوش جوانی مجھے اپنے حال کی ترجمانی پر حریص بنا رہا تھا اور دل میں یہ خیال سکہ زن ہوا کہ جو لطائف مجھ پر منکشف ہوتے ہیں۔ شاید اس قدر لطائف ان پر منکشف نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اتنے غور و خوض سے سن رہے ہیں۔ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فراست ولایت سے میرے ضمیر کی آواز و خیال کو سمجھ لیا اور فرمایا۔ اے جان پدر یہ فروتنی اور نیاز مندی تیرے لیے نہیں ہے بلکہ ہر مبتدی سے جو اپنے حالات لطائف مجھے سناتا ہے۔ ایسے ہی سنتا ہوں۔ یہ تمہارے لیے ہی خاص نہیں ہے۔ جب میں نے آپ سے یہ الفاظ سنے تو میں خاموش ہو گیا۔ آپ نے جب میری یہ خجالت محسوس فرمائی تو مجھ سے فرمایا۔ بیٹا! انسان کو طریقت میں اس سے زیادہ نسبت نہیں کہ جب وہ اس طریق کو اختیار کرتا ہے تو پھر اس کوچہ کے سوا کسی اور سمت اسے جانا منظور نہیں ہوتا۔ اور جب وہ اس منصب سے معزول کر دیا جاتا ہے تو اسے اس کوچہ کے مذاکرہ سے فرحت ہوتی ہے۔

تو نفی و اثبات اور فقدان وجود ہر دو ایک خواہش کے ماتحت ہیں اور انسان کبھی اپنی پندار وہم و خواہش سے رستگار نہیں ہو سکتا۔ اسے چاہیے کہ بارگاہ ایزدی میں بندگی و عبودیت اختیار کرے اور تمام نسبتوں کو اپنے سے دفع کر کے سوا نسبت مردانگی اور عزم و استقلال و فرمانبرداری کے کسی وقت التفات نہ رکھے۔

(اس کے بعد منجانب اللہ اس پر اسرار منکشف ہوں گے۔) علاوہ اس کے ان کے اور میرے مابین بہت سے راز تھے۔ اگر ان کی تفصیل کی طرف رجوع ہو جاؤں تو جو مقصود تالیف کتاب ہے وہ رہ جائے۔ اس لیے اس مختصر میں اختصار پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت ابو احمد مظفر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ

انھیں متاخرین صوفیاء سے رئیس الاولیاء تاج اہل صفا حضرت ابو احمد مظفر بن حمدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سریر سلطنت پر در دروازۂ اسرار منکشف فرمایا اور تاج کرامت و عرفان سے انھیں نوازا۔ بحث فنا و بقا میں اُن کا پیام نہایت عمدہ و مجلد ہے۔

شیخ المشائخ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہمیں بندگی و عبودیت کے ذریعہ یہ راہ طریقت ملی مگر ابو احمد مظفر کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ یعنی ہم مجاہدہ کر کے مرتبۂ مشاہدہ تک پہنچے مگر وہ بفضل الٰہی مشاہدہ سے مجاہدہ کی طرف آئے۔

میں نے خود حضرت ابو احمد مظفر سے سُنا کہ فرماتے تھے کہ وہ نعمت جو عرفاء کو قطع بوادی عشق اور طے مراحل جہد کے بعد حاصل ہوتی اللہ تعالیٰ نے مجھے مسند پر حکومت کرتے ہوئے عطا فرمائی۔ بلکہ جو لوگ متکبر ہیں وہ (اپنے اوپر قیاس کر کے) حضرت خواجہ ابو احمد مظفر کے اس قول کو محض تعلی خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اُن کا عیب ہے۔ اس لیے کہ جو اپنے حال کو صدر رقت سے بیان کرے۔ وہ محض دعویٰ نہیں ہوتا۔ علی الخصوص جب کہ اُن کی رفعت مکانی کو ارباب معنی بھی بیان کر رہے ہوں۔

اور آج ان کے فرزند رشید موجود ہیں اور حضرت خواجہ احمد فرماتے ہیں کہ ایک روز میں اُن کی خدمت میں حاضر تھا کہ نیشاپور کا ایک مدعی تصوف ان کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا۔ فانی شود آنگاہ باقی شود یعنی اول فانی ہو تو پھر باقی ہوگا۔ حضرت خواجہ مظفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فنا پر بقا کس طرح صورت حاصل کر سکتی ہے اس لیے کہ فنا کے معنی نیست کے ہیں اور بقا کے معنی ہست کے۔ اور ان دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کی نفی ہے۔ (اس لیے کہ فنا بقا کی ضد ہے اور بقا فنا کی ضد) تو جب فنا ہوئی تو فنا معلوم کی فنا ہوگی۔ مگر یہ فنا

فنا رعین نہیں بلکہ جسے فنا کہا جاتا ہے۔ وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں کہ حقیقتیں فنا ہوں۔ تو درحقیقت فنا نام صفت فنا کا ہے۔ اس لیے کہ سبب کا فنا ہونا جائز ہے۔

تو صفت و سبب کے فنا ہو جانے سے موصوف اور مسبب باقی رہتا ہے۔ اور یہ یاد رکھو کہ ذات پر فنا کبھی درست نہیں۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ) کہ مجھے خواجہ مظفر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بلفظہ یاد نہیں رہی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اس عبارت کا مفہوم بیان کیا ہے۔

اور عبارت کے مفہوم کو میں اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتا ہوں تاکہ عام فہم ہو جائے وہ یہ ہے کہ بندہ کا اختیار بندہ کی صفت ہے اور جب تک بندہ اپنے اختیار میں رہتا ہے۔ محجوب ہوتا ہے۔ تو گویا صفت عبد حق تعالیٰ کی طرف بندہ کے لیے حجاب ہے اور اختیار ذات واجب اللہ تعالیٰ شانہ' ازلی و ابدی ہے اور اختیارات عبد حادث ہیں اور ازلی پر فنا محال ہے۔ تو جب اختیار فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ حق عبد میں بر تبہ بقا قائم ہوتا ہے تو اس وقت اختیار عبد فانی ہو کر تصرف عبدیت کو منقطع کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

ایک دن میں گرمی کی شدت سے شیخ ابو المظفر کی خدمت میں اپنے کپڑوں کا شوریدہ کئے ہوئے پسینہ میں شرابور سراسیمہ حاضر ہوا۔ مجھ سے فرمایا۔ ابو الحسن کیا حال ہے جو اس قدر گھبرا رہے ہو۔ میں نے عرض کی۔ سرکار سماع کی خواہش ہے۔ اسی وقت کسی خادم کو حکم ہوا علی الفور قوال حاضر ہو گئے۔ اور ایک جماعت اہل عشرت کی بھی آ گئی۔

قوالی شروع ہوئی کہ ایک نو عمر لڑکے نے جوش جوانی اور قوت ارادہ اور آتش عشق حرارت سے اثناء سماع میں مجھے مضطر کر دیا۔ کچھ اس کے جذبات سے اور کچھ کلمات پر سوز سے میں بیقرار ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ کیفیت غلیانی جو آفت حال سے مجھ پر طاری ہوئی تھی۔ کم ہوئی تو مجھ سے دریافت فرمایا۔ اب تیرا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کی اب بہت سکون ہے۔

سماع و قوالی کے نقصانات

فرمایا۔ ایک وقت تجھ پر وہ آئے گا کہ یہ آواز سماع اور کوے کی کائیں کائیں تیرے لیے یکساں ہوگی۔ اس لیے کہ سماع کا اثر صوفی کے قلب پر اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک وہ مشاہدہ سے محروم ہے تو جب

مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ سماع بیکار ہو جاتا ہے بخیال رکھنا اس سماع کی عادت نہ ڈال لینا کہیں یہ طبیعت ثانیہ بن کر تجھے مشاہدہ سے محجوب نہ کردے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تیرھواں باب

مختلف ممالک کے مشائخ متاخرین

بطریقِ اختصار اُن صوفیائے کرام کے حالات میں جو متاخرین میں سے ان شہروں میں جلوہ افروز ہیں۔ اگر میں اس وقت تمام متاخرین صوفیا کے حالات مفصل اس کتاب میں بیان کروں تو طوالتِ کتاب یقینی ہے اور اگر بعض کے حالات چھوڑ دوں تو مقصودِ کتاب ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ لہذا اب ہم اُن کے اسمائے گرامی لکھتے ہیں جو ہمارے زمانہ میں ہیں۔ اور وہ حقیقتاً اہلِ معانی اور اربابِ بالحق سے ہیں۔ اور وہ رسمی صوفی نہیں ہیں تاکہ اگر خدا چاہے تو حصولِ عوام سے قرب حاصل ہو جاتے۔ انشاء اللہ

مشائخ اہلِ شام و عراق

۱۔ حضرت شیخ زکی ابن العلا رحمۃ اللہ علیہ۔ بزرگانِ مشائخ سے ہیں اور ساداتِ زمانہ سے مانے جاتے ہیں میں نے انہیں شعلۂ محبت میں مثلِ شعلہ پایا۔ ان کی کرامات مشہور ہیں۔

۲۔ حضرت شیخ ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ رئیس الصوفیا ہیں تحقیق معرفت میں نہایت سلیس بیان رکھتے ہیں۔ حضرت حسین بن منصور کے ساتھ خاص تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی بعض تصنیفات میں نے پڑھی ہیں۔

۲۔ حضرت ابوالقاسم سدسی رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑے مجاہدہ والے بزرگ ہیں اور بلند حال
پروا ہے ہیں۔ بزرگوں کے ساتھ بہت عقیدت مند ہیں۔

مشائخ اہلِ فارس

۱۔ شیخ الشیوخ حضرت ابوالحسن بن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ۔ تصوف میں فصیح اللسان تھے
اور مسائل توحید میں واضح البیان مشہور و معروف عالم ہیں۔
۲۔ شیخ مرشد حضرت ابواسحاق بن شہریار رحمۃ اللہ علیہ۔ محتشان قوم میں ہیں۔ سیاست
شرع کے بہترین عالم ہیں۔

۳۔ شیخ طریقت حضرت ابوالحسن علی بن بکران رحمۃ اللہ علیہ۔ بزرگان متصوفہ سے ہیں۔
۴۔ شیخ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ۔ اپنی سلطنت کے بہترین خلف اور امید افزا حال
کے مالک ہیں۔
۵۔ شیخ ابوطالب رحمۃ اللہ علیہ۔ مرو کے رہنے والے عاشق کلمہ حق گزرے ہیں۔
۶۔ شیخ الشیوخ حضرت ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی میں زیارت نہ کر سکا۔

مشائخ قہستان و آذربائیجان و طبرستان و فک

۱۔ شیخ شفیق فرخ المعروف بہ اخی زنجانی رحمۃ اللہ علیہ نہایت نیک سیرت اور
ستودہ طریقت ہیں۔
۲۔ شیخ اندرین رحمۃ اللہ علیہ۔ بندگانِ قوم سے ہیں۔ آپ کی بہت سی نیکیاں قابلِ تحسین ہیں
۳۔ حضرت بادشاہ تائب رحمۃ اللہ علیہ۔ راہِ خدا میں مستقل گزرے ہیں۔
۴۔ شیخ ابوعبداللہ جنید رحمۃ اللہ علیہ۔ پیر کامل اور بہترین رفیق طریقت ہیں۔
۵۔ شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ۔ کشف میں اجلہ کملاء سے ہیں۔
۶۔ حضرت خواجہ حسن سمنان رحمۃ اللہ علیہ۔ عاشق بذار جمیل حقیقی اور امیدوار رحمت جلی ہیں
۷۔ شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ صوفیوں میں بڑے مجاہدہ و ریاضت کرنے والے ہیں۔
۸۔ حضرت احمد پسر شیخ خرقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ فرزند سعید ہیں۔

۹۔ حضرت ادیب کندی رحمۃ اللہ علیہ۔ سادات زمانہ سے ہیں۔

مشائخ اہل کرمان

۱۔ خواجہ علی الحسین سیرکانی رحمۃ اللہ علیہ۔ سیاحِ وقت، صاحبِ طریقت، تجرید میں کامیاب اور سفر ہائے عرفان میں کامل گزرے ہیں۔

۲۔ خواجہ علی الحسین کے صاحبزادہ حکیم اور مقبولِ حق ہیں۔

۳۔ شیخ محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ۔ بزرگانِ وقت سے ہیں۔

ان کے علاوہ کرمان میں بہت سے مشائخ اولیاء کرام، جوان و معمر عوام سے مکتوم و مخفی بھی ہیں۔ خراسان میں جو حضرات سایہ گستر ہیں وہ یہ ہیں۔

مشائخ خراسان

۱۔ شیخ مجتہد حضرت ابوالعباس سرمعانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی زندگی خوب ہے اور وقت نہایت اچھا ہے۔

۲۔ خواجہ ابوجعفر محمد بن علی حواری رحمۃ اللہ علیہ۔ بزرگانِ قوم اور محققان سرفیار میں ہیں۔

۳۔ خواجہ ابوجعفر ترشیزی رحمۃ اللہ علیہ۔ معززینِ قوم میں سے ہیں۔

۴۔ خواجہ محمود نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ۔ مقتداء زمانہ اور زبانِ باا ثر رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت شیخ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ۔ نیک زندگی گزار رہے ہیں اور صاحب باطن ہیں۔

۶۔ خواجہ رشید بن شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ۔ اُمیدوارِ لجۂ رحمت مقتدار قوم و قبلہ قلوب ہیں۔

۷۔ خواجہ احمد خادی سرخسی رحمۃ اللہ علیہ۔ زبردست عیار زردقت اور ایک مدت تک میرے رفیق رہے ہیں۔ ان کے بہت سے کمالات عجیب میں نے دیکھے۔

۸۔ شیخ احمد نجار رحمۃ اللہ علیہ سمرقندی مقیم مرو۔ اپنے زمانہ کے سلطان گزرے ہیں۔

۹۔ شیخ ابوالحسن علی بن اسود رحمۃ اللہ علیہ۔ اپنے باپ کے بہترین خلف ہیں۔ آپ کی علو ہمت و صدق فراست کی تفصیل کروں تو اہل خراسان کے حالات میں ہی کتاب بہت طویل ہو جائے

گی۔ میں نے تین سو مردان خدا خراسان میں ایسے پائے جو آفتاب و ماہتاب طریقت ہیں۔

مشائخ ماوراء النہر

۱۔ خواجہ امام رحمۃ اللہ علیہ۔ مقبول خواص و عوام سے ہیں۔

۲۔ حضرت ابو جعفر بن محمد حسین حرمی مرد متبع و گرفتار عشق حقیقی ہیں۔ آپ کی ہمت عالی اور لیل و نہار نہایت منصفی ہیں۔

۳۔ خواجہ فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہمعصر لوگوں میں وجاہت رکھتے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو محمد بالعزی یا بانغزی رحمۃ اللہ علیہ۔ نہایت قوی المعاملہ اور عارف کامل ہیں۔

۵۔ حضرت احمد ایلاقی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ وقت و مخدوم زمانہ تھے۔

۶۔ خواجہ عارف رحمۃ اللہ علیہ۔ فرید وقت اور بدیع العصر گزرے ہیں۔

۷۔ حضرت علی بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔ پیشوائے زمانہ اور مرد محتشم تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی میں نے زیارت کی اور ان کے مناصب دیکھے۔

مشائخ غزنین

۱۔ شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو الفضل بن اسدی پیر بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی کرامتیں بہت ہیں۔ اور آتش عشق میں مثل شعلہ تھے۔

۲۔ شیخ اسماعیل شاشی رحمۃ اللہ علیہ پیر محتشم تھے۔ اور آپ کا طریقہ ملامتیہ تھا۔

۳۔ شیخ سالار طبری رحمۃ اللہ علیہ علماء متصوفہ سے گزرے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو عبداللہ محمد بن الحکیم المعروف بہ مرید رحمۃ اللہ علیہ۔ مستان حضرت حق سے گزرے ہیں۔ اپنے مرتبہ کمال میں لاثانی تھے۔ اور لوگوں سے آپ کا حال مخفی تھا۔ آپ کے دلائل واضح اور آپ کا حال بہترین تھا۔

۵۔ شیخ محترم حضرت سعید بن ابی سعید رضی اللہ عنہ۔ حافظ محدث تھے۔ کافی عمر پائی۔ بہت سے مشائخ کی زیارت فرمائی۔ قوی الحال تھے۔ مگر لوگوں سے اپنا حال مخفی رکھا۔

۶۔ خواجہ بزرگوار حضرت ابو العلا عبدالرحیم بن محمد سعدی رحمۃ اللہ علیہ۔ معزز قوم تھے مجھے ان سے بہت محبت ہے۔ نہایت قوی الحال اور عالم علوم تھے۔

۰ شیخ احمد قودہ بن محمد حمویری رحمۃ اللہ علیہ اہل طریقت کے ساتھ محبت رکھنے والے اور صوفیا میں آپ کی عزت بے حد تھی۔ امید ہے کہ جیسی عقیدت لوگوں کو ان سے ہے۔ ان کے بعد بھی کوئی ایسا پیدا ہو جس سے ایسی ہی عقیدت ہو۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی۔ اس وقت اگرچہ یہاں کے بدکاروں نے شہر میں گندگی پھیلا دی ہے امید ہے کہ ان سے جلدی شہر پاک ہو جائیگا۔ اور پھر اولیائے کرام کا قدم گاہ بن جائیگا۔

اب ہم صوفیائے کرام کے فرقوں کا فرق بیان کرتے ہیں۔ انشاء اللہ عزوجل۔

چودھواں باب

صوفیاء کے مختلف مکاتب و مذاہب

قبل اس کے میں نے حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں بتایا تھا کہ صوفیاء کرام میں بارہ فرقے ہیں۔ ان میں سے دو فرقے مردود ہیں۔ اور دس مقبول یہ دس فرقے اعمال و طریقہ میں نیک ہیں اور مجاہدہ و ریاضت میں ان کے آداب لطیف ہیں۔ مشاہدہ میں قوی الحال ہیں۔ اگرچہ ان کے مجاہدہ و ریاضت کے طریقوں میں اختلاف ہے۔ مگر اصول و فروع شرع میں اور عقیدۂ توحید میں سب متفق ہیں۔

حضرت ابو یزید نے فرمایا۔ اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ۔ علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر تجرید توحید میں سب کا اتفاق ہونا ضروری ہے۔ اور اس مضمون کے موافق ایک حدیث مشہور ہے۔

تو یہی اختلاف عمل فی المجاہدہ والریاضت تصوف میں ہے اور روایات مشائخ میں تو درحقیقت سب متفق ہیں۔ اور از روئے مجاز مختلف۔

اب میں یہاں بر سبیلِ اختصار مشائخ کے اقوال کے ساتھ ان اختلافات کو تقسیم کروں گا اور ہر ایک کی وضاحت کے لیے ایک بساط بچھاؤں گا تاکہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ اور علماء کی اس سے اصلاح ہو اور مریدوں کیلئے اس سے فائدہ اور محبوں کو کامیابی۔ اور اہل عقل کو اس کا اندازہ اور تنبیہہ ہو۔ اور میرے لیے اس خدمت کا ثواب دونوں جہان میں ہے معاذ اللہ توفیق

فرقۂ محاسبیہ

فرقہ محاسبیہ کا تعلق ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی سے ہے آپ باتفاق صوفیاء کرام مقبول زمانہ تھے

نفس تھے۔ اور علوم اصول و فروع و حقائق تصوف میں بڑے ماہر تجرید و تفرید کی حقیقت جاننے والے اور معاملات ظاہری و باطنی میں نہایت ثابت قدم۔

آپ کا عقیدہ تھا کہ راضی برضا رہنا یہ کوئی مقامِ تصوف نہیں ہے بلکہ یہ سالک کا ایک حال ہے۔ مقامِ رضا کو مقام نہ ماننے کا دعویٰ سب سے پہلے آپ نے فرمایا۔ پھر اہلِ خراسان نے اُسے قبول کیا۔ پھر اہلِ عراق نے اس کا رد کیا اور کہا کہ رضا یقیناً ایک مقام ہے جو مقامِ توکل کا منتہی ہے۔ اور آج تک یہ اختلاف عراقی اور خراسانیوں میں چلا آرہا ہے۔ اب انشاء اللہ اس قول کی شرح ہم کرتے ہیں۔

حقیقتِ رضا

اوّل ہم رضا کی حقیقت بیان کریں اور اس کی اقسام بتائیں تاکہ متنازع فیہ کو سمجھ لینے سے مسئلہ واضح ہو جائے کہ یہ حال اور مقام کی حقانیت کیا ہے۔ اوّل کتاب و سنت میں تحقیقِ رضا کے متعلق تصریح موجود ہے۔ وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ "اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں" اور فرمایا۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ بے شک اللہ راضی ہوا مومنین سے جب کہ انھوں نے تجھ سے بیعت کی شجر کے نیچے۔

حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا۔ اس نے ذائقہ ایمان کا لطف حاصل کر لیا جو راضی ہوا اللہ کی ربوبیت پر۔

اور رضا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رضاءِ حق جل و علا بندہ کے ساتھ اور ایک رضاءِ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ تو رضاءِ حق تعالیٰ جو بندہ سے ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندے سے حق تعالیٰ راضی ہو کر اُسے ثواب اور نعمت جنت اور کرامتِ عرفان عطا فرمائے۔ اور رضاءِ بندہ بحق تعالیٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے فرمان پر قائم ہو کر گردنِ اطاعت جھکائے رکھے۔ تو رضاءِ حق مقدم برضاءِ بندہ ہے۔

حتیٰ کہ جب تک برضاءِ حق بندہ کو توفیقِ اطاعت و امتثالِ امر نہ ملے بندہ کبھی اُس کے حکم کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔ اور اس کی مرضی پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اس لیے کہ رضاءِ بندہ مقرون برضاءِ حق ہے۔ اور رضاءِ بندہ کا قیام رضاءِ حق کے ساتھ

نسبت حاصل ہونے پر ہے۔ اور بندہ کی رضا اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اس کا دل مستوی و مستقیم نہ ہو جائے۔ قضاء الٰہی کے دونوں پہلوؤں پر۔ اس لیے کہ قضاء الٰہی کا ایک پہلو منع نعمت و فرحت ہے۔ دوسرا پہلو عطا و بخشش ہے۔

رضا کے محور پر بندہ کا قیام تب صحیح ہوتا ہے جب کہ وہ عطا و منع دونوں کا نظارہ چشم دل سے اس طرح کرے جس طرح احوالِ عالم کا نظارہ کیا جاتا ہے۔ یعنی عطا پر فرحی و شادی اور منع کرنے پر رنج و تعب اُس کے دل پر اثر پذیر نہ ہو)۔ گویا شانِ جلالی یا شانِ جمالی جو بھی اس کے مشاہدہ میں آتی اس پر اُس کی رضا کا مشاہدہ ہو۔

یعنی جب کہ اُسے منع نعمت یا عطاءِ نعمت کا علم ہو تو احساس شادی و غم سے متقدم وہ سابق برضا ہو اور ایسا راضی برضا ہو کہ دونوں کیفیتیں اُس کے لیے مساوی ہوں۔ خواہ آتش ہیبت و جلال حق میں جلایا جائے یا نورِ لطف و جمال میں منور کیا جائے راضی برضا کے لیے جلنا اور مستنیر ہونا دونوں زبان و دل سے یکساں ہوں۔ اس لیے کہ راضی برضا شاہد حق ہوتا ہے۔ اور منجانب حق جو کچھ ہوتا ہے۔ سب اچھا ہی ہوتا ہے۔

حضرت امیر المومنین شہزادۂ گلگوں قبا شہید دشت کربلا امام حسین بن علی سید الشہدا رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہٗ سے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق سوال کیا گیا جو انھوں نے کہا تھا۔ اَلْفَقْرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْغِنَاءِ وَالسُّقْمُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الصِّحَّۃِ۔ "مجھے درویشی توانگری سے زیادہ پیاری ہے اور بیماری تندرستی سے زیادہ محبوب ہے"۔ تو حضرت شہزادہ صاحب نے فرمایا۔ رَحِمَ اللّٰہُ اَبَاذَرٍّ اَمَّا اَنَا فَاَقُوْلُ مَنْ اَشْرَفَ عَلٰی حُسْنِ اِخْتِیَارِ اللّٰہِ لَمْ یَتَمَنَّ غَیْرَ مَا اخْتَارَ اللّٰہُ لَہٗ۔ اللہ رحم فرمائے ابوذر پر اور اُن پر رحمتیں ہوں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ اللہ جل جلالہ شانہ کے حسنِ اختیار سے پہنچے اس کے سوا میں ہرگز تمنا نہ کروں۔ سوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اختیار فرمایا"۔

اس لیے کہ جب بندہ اختیارِ الٰہی کو دیکھ چکا اور اپنے اختیارات سے اعراض کر چکا تو تمام اندوہ و ملال سے آزاد ہو گیا۔ اور یہ عقیدہ مقام غیبت میں بھی صحیح نہیں ہوتا۔ اس کا یقین و اطمینان کے لیے حضور و شہود چاہیے۔ لِاَنَّ الرِّضَا لِلْاَحْزَانِ نَافِیَۃٌ وَلِلْغَفْلَۃِ مُعَالِجَۃٌ۔

کفایتہ۔ " اس لیے کہ رضا مرد خدا کو اندوہ و غم سے آزاد کر دیتی ہے اور چنگل غفلت سے چھڑا دیتی ہے اور اندیشہ غیر کو دل سے زائل کر دیتی ہے۔ اور قید و بند مشقت سے آزاد کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ رضا کی صفت رہائی دلانا ہے یعنی بری و آزاد کر دینا۔ لیکن معاملہ رضا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ علم الٰہی کے ساتھ منع و عطا کو سمجھ کر اسی کے علم پر قانع اور شاکر ہو جائے اور اس کا عقیدہ اس حال میں یہ ہو کہ تمام حالات کا دانا و بینا وہی رب جل مجدہ ہے۔

اس مسئلہ میں صوفیائے کرام کی چار اقسام ہیں :۔

ایک گروہ تو وہ ہے جو راضی بحق ہے عطاء محبوب پر اور یہ درجہ معرفت ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو راضی ہے نعماء الٰہی پر اور یہ درجہ دنیا ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو راضی ہے بلا پر اور یہ درجہ محنت و مجاہدہ ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو راضی ہے اصطفا پر اور یہ درجہ محبت ہے۔

وہ گروہ جو معطی سے عطا کو دیکھ کر بجان و دل قبول کر رہا ہے۔ اس کے دل سے کلفت و مشقت قطعی زائل ہو جاتی ہے۔ اور وہ گروہ جو عطاء کو بمعنی عطا دیکھ رہا ہے اور عطا کنندہ پر نظر رکھتا ہے۔ وہ عطا پر رہ جاتا ہے اور بتکلف راہِ رضا کو عبور کرتا ہے۔

اس رضا میں سب رنج و تعب مسکولی ہوتے ہیں اور معرفت اس وقت حقیقت بنتی ہے جب بندہ معرفت الٰہی میں مکاشف ہوتا ہے۔ اور جب معرفت اس کے لیے حبس و حجاب ہو تو وہ معرفت ناشناسائی ہوتی ہے۔ اور نعمت نقمت ہو جاتی ہے۔ اور عطا عتاب بن جاتی ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ سے دنیا پر راضی ہوتا ہے۔ وہ ہلاکت و زیاں کاری میں ہے اور بندہ کی یہ رضا سبب بے نصیبی ہے۔ بلکہ یہ رضا جہنم ہے۔ اس لیے کہ دنیا اولیائے حق کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ پھر اپنے دل کی دوستی کو اس میں ضائع کرے اور قسم قسم کے اندوہ اس کے ضمیر پر گزر کریں۔

نعمت اس وقت نعمت ہوتی ہے جب راہِ منعم کی راہنمائی کرے۔ اور جب نعمت منعم سے حجاب بنے تو وہ نعمت بلائے محض ہے۔ اور وہ اس رب مجید کی بلاء پر راضی ہے۔ وہ وہ گروہ ہے کہ ہر بلا میں مُبتلی کو دیکھتا ہے تو ہر قسم کی مشقت و تکلیف مشاہدہ جمالِ یار کی مسرت میں وہ

برداشت کر لیتا ہے۔ بلکہ وہ رنج اس مسرت سے جو مشاہدہ جمال دوست سے حاصل ہوتی ہے رنج نہیں رہتا۔

اور یہ گروہ جو اصطفائے حق سے راضی ہیں وہ محبان حق ہیں۔ یہ حالت رضا میں اور سخط و غضب میں بھی راضی رہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ہستی عاریت ہوتی ہے۔ یہ اپنی منازل دل کو سوائے حضرت جلت و مجد و عز اسمہ کے کہیں نہیں دیکھتے اور اپنی سر اپردۂ اسرار کو سوائے کے روضۂ الفت محبوب کہیں نہیں پاتے۔ یہ حاضر ہوتے ہیں اور بظاہر غائب۔ یہ عرشی ہوتے ہیں اور بظاہر فرشی۔ روحانی ہوتے ہیں اور بظاہر جسمانی۔ لوگوں میں ہوتے ہیں مگر درحقیقت ربانی تجلیات میں رہتے ہیں۔ متعلقات وحالات میں ہوتے ہیں۔ مگر ان کا دل منقطع ہوتا ہے۔ مخلوقات سے قطع تعلق کئے ہوئے۔ دوستی کے لیے کمربستہ اور سر بکف حاضر۔

وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۔ وہ اپنے نفسوں کے لیے ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہوتے اور نہ موت وحیات اور نشر کے۔ تو خدا کے سوا غیر پر راضی ہونا خالص زیاں کاری ہے۔ اور اس کی ذات کے ساتھ رضا میں خالص رضوانِ حق ہے۔ اس لیے کہ راضی برضا حق ہونا مملکت دنیا اور ہدایت عافیت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ لَمْ يَرْضَ بِاللّٰهِ وَبِقَضَائِهِ شَغَلَ قَلْبُهُ وَتَعِبَ بَدَنُهُ۔ جو خدا اور خدا کی قضا پر راضی نہیں۔ اس کا دل مشغول بہ اسباب نصیب ہے اور اس کا بدن اس کی طلب میں غمگین۔

فصل احادیث میں وارد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ دُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُ رَضِيْتَ عَنِّيْ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ يَا مُوْسٰى فَخَرَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ سَاجِدًا مُتَضَرِّعًا فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ يَا ابْنَ عِمْرَانَ إِنَّ رِضَائِيْ فِيْ رِضَاكَ لِقَضَائِيْ۔" الٰہی مجھے وہ عمل کرنے کی راہنمائی فرما جسے جب میں کروں تو تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر پڑے اور تضرع وزاری شروع کی۔ پھر جناب باری عزوجل نے آپ کو وحی فرمائی کہ اے ابن عمران میری رضا و خوشنودی اسی میں ہے کہ تو میری قضا

پر راضی رہے۔ یعنی جب بندہ قضا و قدرِ الٰہی کے ساتھ راضی ہو جاتا ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ زہد اعلیٰ درجہ ہے یا رضا۔ حضرت فضیل نے فرمایا۔ اَلرِّضَآءُ اَفْضَلُ مِنَ الزُّھْدِ لِاَنَّ الرَّاضِیَ لَا یَتَمَنّٰی فَوْقَ مَنْزِلَتِہٖ۔ رضا کا درجہ زہد سے بلند ہے۔ اس لیے کہ راضی برضا کی کوئی تمنا نہیں ہوتی اور زاہد میں تمنا ہوتی ہے۔

یعنی منزلِ زہد پر ایک اور منزل ہے جس کی تمنا زاہد کرتا ہے اور رضا پر کوئی منزل نہیں جس کی تمنا راضی برضا کرے۔ تو پیش گاہ اس سے افضل ہے جو ابھی پائیگاہ ہے۔ (یعنی حاضر دربار اس سے افضل ہے جو ابھی حاضر ہونے کی سعی میں ہے۔)

یہ حکایت اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول صحیح ہے کہ رضا از جملۂ احوال است۔ یعنی رضا منزل نہیں ہے بلکہ ایک حال ہے۔ اور یہ حال وہبی ہے جو مواہب الٰہیہ سے عطا ہوتا ہے نہ کسبی کہ مکاسب کے ذریعہ منازل پر پہنچا۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ راضی برضا کو کوئی تمنا نہیں ہوتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہے کہ حضور اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے۔ اَسْئَلُکَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَآءِ۔ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے راضی رکھ اس حال پر جو تیری قضا کے ذریعے مجھ پر آئے۔ یعنی مجھے ایسی صفت سے متصف کر کہ جب تیری طرف سے وہ قضا وارد ہو جو میرے لیے مقدر تھی تو تُو مجھے راضی پائے۔

اس حدیث سے یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ رضا قبل ورودِ قضا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ قبل ورودِ قضا جو رضا ہے وہ محض عزم ہے اور عزم رضا عین رضا نہیں ہے۔

حضرت ابو العباس بن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلرِّضَا نَظَرُ الْقَلْبِ اِلٰی قَدِیْمِ اِخْتِیَارِ اللہِ لِلْعَبْدِ۔" بندہ کیلئے رضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارِ قدیم کیساتھ اپنے دل کی نگہداشت کرے۔ یعنی جو کچھ اُسے پہنچے اس میں یقین رکھے کہ مختارِ کائنات رب مجید کے اختیارِ قدیم اور مقدر حکم کے ساتھ پہنچا ہے۔ اس سے نہ مضطرب ہو نہ غم زدہ ہو۔

حضرت حارث محاسبی رضی اللہ عنہ صاحب مذہب فرماتے ہیں۔ اَلرِّضَا سُکُوْنُ الْقَلْبِ تَحْتَ مَجَارِی الْاَحْکَامِ۔ رضا سکونِ قلب کا نام ہے۔ جو احکام کے راستوں کی طرف سے دل میں ہو۔ اس تعریف کے تحت بھی حارث محاسبی کا مذہب قوی ہے۔ اس لیے کہ سکون طمانیت قلب بندہ کے کسب سے نہیں بلکہ مواہب الٰہیہ کے ساتھ ہے۔ جب تک وہ سکون بجانب اللہ عطا نہ ہو۔ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ دلیل کرتے ہیں کہ رضا حالِ بندہ کا نام ہے نہ مقام کا۔

حضرت عتبہ الغلام ایک رات نہ سوتے اور صبح تک عرض کرتے رہے۔ اِنْ تُعَذِّبْنِیْ فَاَنَالَکَ عَبْدٌ مُحِبٌّ وَاِنْ تَرْحَمْنِیْ فَاَنَالَکَ مُحِبٌّ۔ "اگر تو مجھے عذاب دے تو بھی میں تیرا بندہ و محب و فرماں بردار ہوں۔ اور اگر رحم فرمائے تو بھی مطیع فرمان و محب ہوں۔"

؎ اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا　　سرِ تسلیم خم ہے جو رضاءِ یار میں آئے

یعنی الم عذاب و لذتِ نعمت تن پر ہے اور تعلق دوستی دل میں۔ تو یہ الم و لذت اسے نقصان نہیں دے سکتا۔ یہ بھی حضرت محاسبی کے دعویٰ کی تائید ہے۔ اس لیے کہ رضا نتیجۂ محبت ہے کہ محب اس کام سے ہر حال میں راضی رہے جو محبوب کرے۔ اگر عذاب میں رکھے تو محجوب محبت نہ ہو بلکہ خرم رہے اور اگر نعمت میں رکھے تو بھی دوستی سے محجوب نہ ہو۔ اور اپنے اختیار کو اختیارات حق کے مقابلہ میں علیحدہ کرے۔

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً مَا اَقَامَنِی اللّٰہُ فِیْ حَالٍ فَکَرِہْتُہٗ وَمَا نَقَلَنِیْ اِلٰی غَیْرِہٖ فَسَخِطْتُہٗ۔ یعنی چالیس سال سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جس حال میں رکھا میں نے اسے مکروہ نہ سمجھا اور جب اس حال سے کسی حال کی طرف مجھے منتقل کیا تو میں اس حال میں غصہ نہ ہوا۔ اس مضمون میں دوام رضا و کمال محبت کی طرف اشارہ ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ ایک درویش دریائے دجلہ میں پھنس گئے اور تیراکی نہیں جانتے تھے۔ ایک نے کنارے سے کہا۔ اگر آپ چاہیں تو میں کسی کو بلاؤں تاکہ تمہیں دریا سے نکالے۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ تو اس شخص نے کہا۔ تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو میرا رب چاہے

وہ ہوگا مجھے چاہنے سے کیا کام۔

غرضیکہ مسئلہ رضا میں مشائخ کرام کے بہت سے کلام ہیں۔ جو اختلاف عبارت کے ساتھ اس مفہوم کے مؤید ہیں۔ اور سب کے فرامین کے یہی دو مفہوم ہیں۔ جو ہم نے بیان کئے مگر ترک تطویل کر کے اس مختصر میں بیان کیا گیا۔ اب ہمیں ضروری ہے کہ حال و مقام کے فرق کی تشریح کریں۔ تاکہ اس کی حدود اور اس کے معنی کا ادراک آسانی سے ہو سکے۔ اور اچھی طرح سمجھ میں آجائے

مقام وحال

اچھی طرح یاد رکھو۔ یہ دو لفظ صوفیاء کے طبقہ میں مستعمل و جاری ہیں۔ اور ان کی عبارتوں میں بولے جاتے ہیں اور محققین صوفیاء ان دو لفظوں کے ساتھ ایک طویل عبارت کا مفہوم حاصل کرتے ہیں۔ لہذا فن تصوف کے حاصل کرنیوالوں کو ان کے سمجھے بغیر چارہ نہیں۔ اگرچہ یہ باب اس بحث کے بیان کا نہیں۔ لیکن اس جگہ ان دو لفظوں کو سمجھے بغیر چارہ نہیں۔ سب توفیق ہمت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے ہے۔

یاد رکھو (مقام) عام طور پر بہ فتح میم بندہ کی اقامت کو کہتے ہیں اور مقام بہ نصب میم ظرف یعنی اقامت کی جگہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ لیکن یہ تفصیل لفظ کے معنی میں جو کی گئی وہ سہو ہے بلکہ غلط۔ درحقیقت مقام میم کے پیش سے اقامت اور جائے اقامت کے معنی میں مستعمل ہے اور مقام میم کے زبر سے قیام اور قیام کی جگہ کے معنی دیتا ہے۔ اور بندہ کی اقامت کی جگہ خدا کی راہ میں ہوتی ہے۔ اور اس مقام میں حق الٰہی کی رعایت رکھنے اور اس کے ادا کرنے کا خیال کرنا لازمی ہے۔ تاکہ جس قدر ہو سکے وہ اس کی کمالات کا ادراک کرے۔ اور جب تک خداہی وہاں سے نہ گزارے اسے روا نہیں کہ اپنے مقام سے گزرے۔

پھر مقاموں کی ابتداء توبہ سے ہے۔ اس کے بعد انابت یعنی حق کی طرف لوٹنا۔ پھر زہد۔ اس کے بعد توکل اور مثل اس کے اور درجات بعد میں ملتے ہیں۔ لیکن بندہ کو ہرگز روا نہیں کہ بلا توبہ دعویٰ انابت کرے۔ اور بلا انابت دعویٰ زہد کرے اور بے زہد دعویٰ توکل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبان جبرئیل علیہ السلام سے خبر دی جیسا کہ جبرئیل نے حضور کے سامنے عرض کی وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ "ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کے لیے ایک

مقام معلوم نہ ہو۔

بہرحال اس کے معنی یہ ہیں کہ کیفیت کا حق کی طرف سے دل میں پیدا ہوتا۔ اُسے بندہ اپنے کسب کے ذریعہ رفع نہیں کر سکتا اور جب وہ کیفیت جاتی ہے تو بندہ اُسے اپنے کسب و تکلیف سے حاصل نہیں کر سکتا۔ تو مقام وہ راستہ ہے جس میں طالب کوشش کرے اور اپنی سعی و جہد کے ساتھ قدم رکھے۔ اور اس کے لیے حضرت حق جل مجدہٗ نے طالب کے لیے کسب کرنے اور مجاہدہ سے تقرب حاصل کرنے کی ایک مقدار کا درجہ رکھا ہے اور حال بلا تعلق مجاہدہ بندہ کے دل میں فضلِ الٰہی اور لطفِ محض کے ساتھ ایک کیفیت کا پیدا ہوتا ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ مقام اعمال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور حال تمام کا تمام افضالِ حق سے دلِ طلب میں آتا ہے۔ تو مقام۔ مکاسب جہد سے ہوا۔ اور حال۔ مواہب حق سے۔ تو صاحبِ مقام اپنے مجاہدہ و ریاضت کے ساتھ قائم ہوگا۔ اور صاحبِ حال از خود فانی ہو کر اس حال کے ساتھ قائم ہوگا۔ جو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے دل میں پیدا فرمائے۔ مشائخ کرام رحمہم اللہ اس جگہ مختلف ہیں۔ ایک جماعت تو وہ ہے جو حال کو دوام روا رکھتی ہے۔ ایک جماعت وہ ہے جو حال کو دوام نا روا مانتی ہے۔

فرقہ محاسبیہ

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اسی گروہ کے امام ہیں۔ جو حال کو دوام روا رکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں محبت و شوق قبض و بسط یہ تمام احوال ہیں۔ اگر ان کا دوام روا نہ ہو تو نہ محب محب ہوگا۔ نہ مشتاق مشتاق تو جب تک حال بندہ کی صفت نہ ہو جائے تو اسم محب اور مشتاق اس پر صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے آپ نے رضا کو حال فرمایا اور حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے۔ مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً مَا اَقَامَنِیَ اللّٰہُ عَلٰی حَالٍ فَکَرِھْتُہٗ یہ اسی طرف مُشْعِر و مؤید ہے۔

اور دوسرا گروہ جو حال کی بقا اور دوام روا نہیں مانتا۔ جیسا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اَلْاَحْوَالُ کَالْبُرُوْقِ فَاِنْ بَقِیَتْ فَحَدِیْثُ النَّفْسِ۔ احوال مثل بجلیوں کے ہے جو نظر آتا ہے اور ٹھہرتا نہیں اور جو باقی رہتا ہے۔ وہ حال نہیں ہے۔ بلکہ وہ حدیثِ نفس ہے

ہو محض ہوس ملتی ہے۔[1]

ہر ایک گروہ کہتا ہے۔ حال بایں معنی ہے۔ اَلْاَحْوَالُ کَاسْمِھَا یَعْنِیْ اِنَّمَا کَمَا تَحِلُّ بِالْقَلْبِ تَزُوْلُ۔ حال مثل اپنے نام کے ہے یعنی حال حلول کر کے ایک وقت دل میں ملتا ہے اور دوسرے وقت وہ حال زائل ہو جاتا ہے اور جو باقی رہتا ہے وہ صفت ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ قیام صفت موصوف پر ہے۔ اور یہ امر بھی لازم ہے کہ موصوف کامل تر از صفت ہو اور یہ سب محال ہے۔ محال ہے۔

یہ تمام فرق ہم اس لیے بیان کر رہے ہیں تاکہ صوفیاء کی عبارات اس کتاب میں جہاں نقل ہوں وہاں حال و مقام کا لفظ جب نظر آئے تو بہ آسانی سمجھ میں آ سکے۔ کہ یہاں حال و مقام سے کیا مراد ہے۔ فی الجملہ واضح طور پر سمجھ لینا چاہیئے کہ رضا نہایتِ مقامات کا نام ہے اور حال ابتدا مقام کو کہتے ہیں۔ اور یہ وہ محل ہے کہ اس کی ایک طرف کسب و سعی میں ہے اور ایک طرف محبتِ حق اور جوشش میں ہے۔ اس کے اوپر پھر کوئی مقام نہیں۔ اور انقطاع مجاہدہ اسی جگہ ہو جاتا ہے تو ابتدا کسب سے ہے اور انتہا بخشش سے ہے۔ اب ایک احتمال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس نے ابتداء میں اپنی رضا کو اپنے سے دیکھا اس نے کہا مقام ہے اور جس نے انتہاء رضا کو اپنے رب سے دیکھا تو کہا حال ہے۔

یہی مذہب محاسبی کا حکم اصولِ تصوف میں ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مگر اعمال میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ سوا اس کے کہ مریدوں کو ان عبارات و معاملات سے منع کیا گیا۔ جن میں ابہام غلط و شبہ ہو۔ ہر چند کہ وہ دراصل درست ہی کیوں نہ ہوں۔

چنانچہ ایک روز حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو مرید محاسبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ مستمعین میں سے تھے (مستمع اصطلاح صوفیاء میں صاحبِ وجد و حال کو کہتے ہیں) حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرغ پالا ہوا تھا۔ جو اکثر بانگ کہا کرتا تھا۔ اتفاقاً حضرت ابو حمزہ کی حاضری کے موقع پر اس نے بانگ دی۔ حضرت ابو حمزہ نے ایک نعرہ مارا۔ حضرت حارث چھری لے کر اٹھے اور حضرت ابو حمزہ سے فرمایا۔ "تو نے کفر کیا۔ اور حضرت حمزہ کے ذبح کرنے کا عزم فرمایا۔ حاضرین جلسہ جو خدام خاص

---

[1] بگفت احوال ما برق جہانست ۔۔۔ دمے پیدا و دیگر دم نہانست (سعدی)

تھے وہ حائل ہوتے اور آپ کے قدموں میں گر گئے اور عذر و معذرت کر کے حضرت حارث محاسبی
کو ان سے علیحدہ کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت حارث نے حضرت ابوحمزہ کو فرمایا۔ اَسْلِمْ يَا مَرْدُوْدُ:
اے مردود اسلام قبول کر۔ لوگوں نے عرض کی حضور ہم تمام لوگ انہیں خواص اولیا سے جانتے ہیں اور
خالص موحد سمجھتے ہیں۔ حضور نے انہیں مردود فرمادیا۔ تو ایسی کیا بات ان سے ظاہر ہوئی۔
آپ نے فرمایا مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں اور میں اس کے ظاہر باطن کو مستغرق توحید جانتا
ہوں لیکن اس نے ایک ایسی حرکت کی ہے جو حلولیوں کے افعال کے مشابہ تھی۔ یعنی مُرغ خود بولتا
ہے اور اس کی عادت میں بانگ دینا ہے اپنی مرضی و خواہش سے بانگ دیتا ہے۔ انہوں نے
اس کی آواز پر کیوں نعرہ مارا۔ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو متجزی سمجھا حالانکہ اس کی تجزی کا محال ہے
اور جو محو حق ہے اُسے سوائے محبوب کی آواز کے اور اس کی اطاعت کے سکون و آرام نہیں ملتا۔
اس نے اُس جلوہ کا حلول اس مرغ میں سمجھ کر نعرہ مارا یا آنکہ اس کی ذات کو حلول و نزول نہیں وہ
اپنی صفات میں قدیم ہے۔ حضرت ابوحمزہ نے شیخ کی طرف دیکھا اور عرض کی۔ حضور ہر چند کہ
میں دراصل صحیح تھا۔ لیکن چونکہ میرا فعل مشابہ کسی قوم کے ہو گیا میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ
کے لیے عہد کرتا ہوں۔ اس قسم کی بہت سی باتیں آپ کی مروی ہیں۔ مگر میں مختصر کرتا ہوں۔ خلاصہ یہ
کہ طریقہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ستودہ ہے۔ اور اس میں سلامتی ہے اور کامل
صحو پر دال ہے۔

حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے اور قیام
قیامت کو مانے اُسے تہمت کے مقام پر ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔"

اور میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ) چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا
ہی معاملہ عطا فرمائے جو آج کل کے رسمی مکار پیروں کے مشابہ نہ ہو۔ حالانکہ یہ اتنے سخت ہیں کہ
اگر ان کی معصیت شعاری کی موافقت نہ کی جائے تو یہ سخت مخالف ہو جاتے ہیں اور دشمن ہو
جاتے ہیں۔ فنعوذ باللہ من الجہل وباللہ التوفیق۔

فرقہ قصاریہ

[illegible] تعلق حضرت ابو صالح بن حمدون [illegible]

انصار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ آپ بڑے پایہ کے بزرگ علماء اور سادات طریقت مانے گئے ہیں۔
آپ کا طریقہ اظہار و نشر طامات تھا۔ فنون و معاملات میں آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ
فرماتے ہیں۔ باید تا علم حق تعالیٰ بیکو تر ازاں باشد کہ علم خلق۔ یعنی لازم ہے کہ تنہائی میں اپنے رب
کے ساتھ نیک معاملہ اس سے زیادہ رکھا جائے جتنا علانیہ لوگوں کے سامنے رکھا جاتا ہے کہ وہ حجاب اعظم ہے
حق تعالیٰ سے اور وہ مشغول ہے دل کے ساتھ مخلوق میں۔ اور باب معاملات میں ہم نے اس بحث کو
اول اس کتاب میں لکھ دیا ہے اسی وجہ سے یہاں اس بحث کو مختصر کر دیا ہے۔

ان کے عجیب و غریب واقعوں میں سے ایک یہ حکایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نیشاپور
کے بیچ شہر حیرہ پر جا رہا تھا کہ نوح نامی ایک بزرگ جو فتوت و زہد میں مشہور تھے اور تمام نیشاپور
کے جوانمرد ان کے تابع فرمان تھے میں نے انہیں راستہ میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔
نوح جوانمردی کیا چیز ہے۔ کہنے لگے میری جوانمردی بتاؤں یا آپ کی۔ میں نے کہا۔ دونوں فرمائیں۔
نوح نے فرمایا میری جوانمردی تو یہ ہے کہ میں قبا اتار کر مرقع پوش بنوں اور احکام و اعمال میں سعی
کرتا رہوں حتیٰ کہ صوفی بن جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی شرم سے اس فرقہ کے اندر ہر قسم کی معصیت سے
اجتناب کروں۔ اور آپ کی جوانمردی یہ ہے کہ مرقع اتار کر اتنی علیحدگی اختیار کرو کہ لوگ آپ سے اور
آپ لوگوں سے فتنہ میں نہ پڑیں۔ تو گویا میری جوانمردی ظاہر احکام شریعت کا اتباع ہے اور آپ کی
جوانمردی اسرار دین پر حقائق کا نگاہ میں رکھنا ہے۔ اور یہ بڑی قوی دلیل واصل ہے۔

فرقہ طیفوریہ

یہ فرقہ ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق و تولّی رکھتا ہے۔ یہ
بڑے سادات متصوفین سے تھے اور قوم کے اندر کبرائے قوم سے مانے جاتے تھے۔ ان کا مسلک غلبہ سکر و فرط
شوق الی اللہ ہے۔ اور ان کا یہ مسلک ہے کہ سکر و محبت کسب انسان کی جنس سے نہیں ہوتا اور جو
چیز دائرہ اکتساب سے خارج ہو اس پر دعویٰ کرنا باطل ہے اور اس کی تقلید محال۔ تو لامحالہ صاحی
با صفت سکر نہیں ہو سکتی اور انسان جلب سکر کی اپنے اندر کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ (کیف صحو اصطلاح
متصوفین میں ہوشیاری کو کہتے ہیں اور صاحی ہوش میں رہنے والا ہے)۔ اور اس کا سکر خود مغلوب ہوتا
ہے۔ اسے مخلوق کے ساتھ التفات نہیں ہوتا کہ وہ کسی صفت کے ساتھ اوصاف انسانی میں تھا۔

سکے اور مشائخ تصوف کی رائے اس طرف ہے کہ اقتدا صرف اسی شخص مستقیم کی درست ہے جو گردش احوال سے آزاد ہو چکا ہے۔ اور ایک گروہ مشائخ کا اس طرف ہے کہ اقتدا صاحی اور صاحب سکر دونوں کی روا ہے۔ تاکہ انسان بتکلف غلبہ اور سکر کی راہ پر چل سکے۔

اسی وجہ سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بَکُوْا فَاِنْ لَمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا تم رویا کرو اور اگر نہ رو سکو تو رونے والوں کی مانند رونے کی صورت بناؤ اور اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ اپنے آپ کو گریہ باکی کی سی صورت بنا کر دکھاتا ہو محض ریا ہے۔ اور صوفیاء کے یہاں ریا شرک صریح ہے اور دوسرے اس ارادہ پر روتی شکل بناتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اس درجہ پر پہنچا دے جس درجہ وہ ان کی سی صورت بنا رہا ہے۔ اگر یہ خیال ہے تو حدیث سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت ہو جائے گی۔ اور حضور نے دوسری جگہ فرمایا۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو جس قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ تو جو کچھ انواع مجاہدات سے ہم نے بیان کیا ان پر عمل کرنا چاہیئے اور درگاہ واہب المراد سے امید رکھے تاکہ مبدء فیاض سے اس کیلئے در معانی کشادہ ہوں۔

ایک مشائخ کرام میں سے فرماتے ہیں۔ اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِیْثُ الْمُجَاهَدَاتِ۔ یعنی مشاہدات مجاہدات کا ورثہ اور نتیجہ ہیں میں کہتا ہوں۔ مجاہدات ہر حال میں اچھے ہیں لیکن سکر اور غلبہ میں کسب انسانی کا کوئی ایسا دخل نہیں کہ اس جد و جہد کے ذریعہ کیفیت سکر و غلبہ کا جلب ہو سکے۔

اور مجاہدات کبھی علت حصول سکر نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ مجاہدہ بحالت صحو یعنی ہوش میں انسان کر سکتا ہے۔ اور صاحب صحو کو سکر کی طرف التفات نہیں ہو سکتا۔ (اسی وجہ میں صاحی کا سکر میں بذریعہ مجاہدہ آنا محال ہے)

اب ہم حقیقت سکر و صحو کو باختلاف بیان مشائخ بتاتے ہیں تاکہ اشکال سامع رفع ہو۔ انشاء اللہ۔

سکر اور صحو

یاد رکھو! اللہ تمہیں نیکی دے سکر و غلبہ یہ دو لفظ ارباب معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ غلبہ سے مراد غلبہ محبت جل شانہٗ ہوتی ہے۔ اور صحو ایک ایسا لفظ ہے کہ حصول مراد اہل معانی [illegible] مگر اہل معانی [illegible] سبب سے کلام نہیں۔ ایک جماعت تو صحو پر سکر

فضیلت دیتی ہے۔ اور وہ ابو یزید اور ان کی جماعت۔ وہ کہتے ہیں کہ صحو تمکین و اعتدال پر صفت آدمیت کی صورت پکڑ لیتا ہے۔ اور یہ حجاب اعظم ہے حق تعالیٰ شانہ سے اور سکر زوالِ آفات اور نقص صفات بشریت اور تدابیر و اختیار ذاتی کو دور کر دیتا ہے۔ اور صاحب سکر کے تمام تصرفات اختیار حق کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں اور تمام تدابیر و اختیارات کی قوتیں زائل ہو جاتی ہیں اور وہ معانی جو اس کے وجود میں بصورت قوتی اور خلاف جنس ہیں۔ وہ اقوی ابلغ اتم و اکمل اس کے حال میں ہوتے ہیں۔

جیسا کہ داؤد علیہ السلام جب بحالت صحو تھے۔ ان کے تمام افعال ان کی طرف سے وجود میں آتے تھے۔ اور اس وقت حکم ان کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ہی مضاف فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ۔ اور قتل کیا داؤد علیہ السلام نے جالوت کو اور ہمارے آقا و مولیٰ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ سکر میں تھے تو آپ کا ہر وہ فعل جو آپ کی طرف سے ظہور میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف فرمائی اور کہا۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اور وہ کنکریاں تم نے اے محبوب نہیں پھینکیں۔ جب تم نے پھینکیں وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔ فَشَتَّانَ مَا بَیْنَ عَبْدٍ وَ عَبْدٍ۔ تو جو بندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم تھا اور اپنی صفات میں ثابت۔ اسے فرمایا تو نے کیا منصب کرامت کے ساتھ اور جو بندۂ معظم اپنے رب کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ فانی تھا۔ اسے فرمایا۔ ہم نے کیا۔ جو کچھ تو نے کیا۔ تو اضافت فعل بندہ ذات مجمع الصفات کی طرف بہترین ہے۔ اس اضافت سے جو بندہ اپنی طرف قائم رکھے تو جب فعلِ حق مضاف ہو بندہ کی طرف تو بندہ بخود قائم ہوتا ہے۔ اور جب بندہ کا فعل حق طرف مضاف ہو تو بندہ بحق قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی نظر مبارک ال پڑی۔ جہاں پڑنی نہ چاہیے تھی۔ یعنی ایک عورت پر جو اوریا کی عورت تھی جسے دیکھا وہ ان پر حرام تھی۔ اور جب بندہ بحق قائم ہو گیا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ نظر تو آپ کی بھی پڑی اس طرح زید کی بیوی پر۔ مگر وہ بیوی زید پر حرام ہو گئی۔ اس لیے کہ وہ نظر جو داؤد علیہ السلام کی تھی۔ وہ صحو میں تھی اور یہ نظر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یہ محل سکر میں تھی۔

پھر جو لوگ صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں وہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین ہیں

وہ کہتے ہیں کہ سکر محلِ آفت ہے کیونکہ وہ احوال تشویش اور ذہاب صحت خود ہے اور اپنے صورت کا گم کر دینا ہے اور طالب کے ہر پہلو میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ فنا پھر یا برائے بقاء ہے۔ تو پھر یا برائے اثبات قائم ہو۔ جب وہ صحیح الحال ہے۔ نہیں رہا تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس لیے کہ دل اہلِ حق مجرد ہونا چاہیے۔ تمام موجودات سے۔ اور رہائی کی بنیاد قیدِ اشیاء میں کبھی راحت نہیں پاتی اور آفات سے رستگاری نہیں ملتی اور مخلوق کا ماسوائے اللہ میں مبتلا رہنا اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ وہ اشیاء کو جیسی کہ وہ نہیں دیکھ سکتے۔ اور اشیاء کا ملاحظہ جیسی کہ وہ ہیں دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دیکھنے والا ہر شے کو بچشمِ بقاء دیکھے۔ دوسرے یہ کہ اس شے کو بچشمِ فناء دیکھے۔ مگر وہ بچشمِ بقاء دیکھے گا۔ تو کل اشیاء اپنی بقاء میں ناقص نظر آئیں گی کیونکہ اشیاء باقی رہنے کے حال میں اپنے سے باقی نہیں پاتا۔ اور اگر بچشمِ فناء دیکھیگا تو کل اشیاء پہلے کے بقاء واجب تعالیٰ میں فانی نظر آئیں گی۔ تو یہ دونوں نظریں موجودات کے دیکھنے والے کو اعراض پر مجبور کر دیتی ہیں۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ دعا فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ "اے اللہ ہمیں اشیاء کو اس حال میں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔ اس لیے کہ جس نے حقیقتِ اشیاء کا ہی کو دیکھ لیا۔ وہ آسودہ ہو گیا اور یہی معنی فرمانِ الٰہی جل مجدہٗ کے ہیں۔ جو فرمایا۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ "تو عبرت حاصل کرو اے آنکھ والو"۔ اس لیے کہ جب تک حقیقتِ شے نہیں دیکھی جاتے۔ عبرت نہیں لی جاتی۔

تو یہ تمام کیفیت صحو میں آئے بغیر درست نہیں ہوتی۔ اور اہلِ سکر کو اس معنی میں کچھ اطلاع نہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام بحالتِ سکر تھے تو ایک تجلی کے ظہور کی تاب نہ لا سکے۔ اور بیہوش ہو گئے۔ وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ اس امر کا مظہر ہے۔

اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بحالِ صحو تھے۔ تو مکہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں گئے۔ اور ہر لحظہ ہوشیار و بیدار تر رہے۔ واللہ اعلم بالصواب [1]

---

[1] موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات — تو عین ذات می نگری در تبسمی

شَرِبْتُ الرَّاحَ كَاْسًا بَعْدَ كَاْسٍ — فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِيْتُ

ترجمہ۔ میں نے پے بہ پے شراب کے جام پیئے۔ تو شراب نے نہ مجھ میں نفوذ کیا اور نہ میں سیراب

اور میرے شیخ فرماتے ہیں جو مذہب جنیدی کے متبع تھے۔ کہ سکر بازیگاہ کودکاں ہے اور صحو فناگاہ مرداں۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رضی اللہ عنہ) کہ اپنے شیخ کی موافقت پر کمال صاحب سکر صحو ہے اور کمترین درجہ صحو کا یہ ہے کہ صاحب صحو صفات بشریہ کے دیکھنے سے ضد ہو جاتا ہے۔ تو وہ صحو جو آفت دکھاتا ہے اس سکر سے بہتر ہے جو عین آفات ہے۔

اور حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے کہ آپ نے ابتدا حال میں بیس سال عزلت نشینی فرمائی اور ایسے جنگلوں میں رہے۔ جہاں انسان کا حس بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ بوجہ مشقت ومجاہدہ آپ کا جسم گھل گیا۔ اور چشمہائے مبارک سوئی کے ناکہ کی رہ گئیں اور شبیہ انسانی بدل گئی۔ بیس سال کے بعد حکم آیا کہ اب انسانوں میں صحبت کرو۔

آپ نے اپنے دل میں کہا کہ ابتدا صحبت اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اس کے محبوں سے کرنی چاہیئے تاکہ برکت حاصل ہو۔ آپ نے مکہ معظمہ کا قصد کر لیا۔ مشائخ مکہ کو اپنے کشف سے آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہو گیا۔ استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے۔ آپ کو بالکل مُتبدّل پایا۔ سوائے اس کے کہ رمق جان نظر آتی تھی اور کچھ نہیں۔ سب نے کہا۔ ابو عثمان آپ بیس سال اس حالت میں رہے ہیں کہ آدم اور اس کی ذریت اس زندگی سے عاجز ہے۔ ہمیں بتاؤ کہ تم کیوں گئے وہاں کیا دیکھا اور اس مدت میں کیا حاصل کیا اور اب کس لیے واپس آئے۔

آپ نے جواب دیا کہ میں سکر میں گیا تھا اور آفات سکر دیکھ کر نا اُمید ہوا اور عاجز آ کر واپس آیا۔ مشائخ کرام نے کہا کہ ابو عثمان آپ کے بعد اب سب معبروں پر حرام ہے کہ وہ صحو وسکر کی عبارت پہ آئیں۔ اس لیے کہ آپ نے اس کا انصاف پورا کر دیا اور آفات سکر کو واضح طور پر دکھا دیا۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ سکر تمام کا تمام مقتضی فنا ہے عین بقا صفت ہیں اور یہ حجاب ہے۔ اور صحو تمام کا تمام فنا صفت میں دید بقا ہے اور یہ عین کشف ہے۔ اور اگر کسی کو خیال ہو کہ سکر بہ نسبت صحو نزدیک فنا ہے۔ تو محال ہے۔

اس لیے کہ سکر ایک ایسی صفت ہے جو صحو پر زیادہ ہے۔ اور جب تک بندہ کی صفتیں زیادتی کی طرف رجوع ہوتی ہیں۔ اس وقت تک وہ بے خبر رہتا ہے اور جب نقص کی طرف ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کی حالت اُمید افزا ہوتی ہے۔ اور صحو وسکر میں یہ حال کی انتہا و نہایت ہے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے۔ جب کہ مغلوب الحال ہو کر یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ کو خط لکھا۔ اس شخص کے حال میں کیا حکم ہے جس نے ایک قطرہ بحرِ محبت سے پیا اور مست ہو گیا۔ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا کہ اس شخص کے معاملہ میں آپ کیا فرماتے ہیں جس کیلئے تمام دریائے عالم شرابِ محبت بن گیا اور اس نے تمام کا تمام پی لیا اور ابھی تشنگی میں تڑپ رہا ہے۔ اس پر لوگوں کا خیال ہے کہ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے سکر سے عبارت کی اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے صحو سے۔ اور اس میں خلاف یہ ہے کہ صاحب صحو وہ ہوتا ہے کہ اسے ایک قطرہ کی تاب نہیں ہوتی۔ اور صاحب سکر وہ ہوتا ہے کہ مستی میں وہ سب کچھ پی سکتا ہے۔ اور پھر پیاسا رہتا ہے۔ اس لیے کہ شراب آلۂ سکر ہے اور جنس اپنی ہم جنس کے لیے بہتر ہوتی ہے۔ اور صحو اس کی ضد ہے کہ وہ پینے سے آرام ہی نہیں پاتا۔

لیکن سکر دو قسم کا ہے۔ ایک سکر شرابِ مودت، دوسرا سکر کاسِ محبت۔ سکر محبت بلا علت ہوتا ہے اور محض رویتِ منعم سے پیدا ہوتا ہے۔ جس نے نعمت دیکھی تو گویا اپنے کو خود دیکھا، اگرچہ وہ سکر میں ہو۔ تو اس اصول سے صحو بھی دو قسم پر ہے۔ ایک صحو بر غفلت، دوسرا صحو بر محبت و اقامت تو وہ صحو جس میں غفلت ہو وہ حجابِ عظیم ہے۔ اور صحو جس میں محبت کی طرف راہ ملے۔ وہ کشفِ مبین ہے۔

تو وہ شخص جو مقرونِ غفلت ہے اگرچہ صحو ہو سکر ہے۔ اور وہ جو محبت تک پہنچائے اگرچہ سکر ہو صحو ہے۔ غرضیکہ جب اصل مستحکم ہو تو صحو مثل سکر ہو جاتا ہے، اور سکر مثل صحو۔ اور جب اصل مستحکم نہ ہو۔ صحو اور سکر دونوں بے فائدہ ہیں۔

فی الجملہ صحو و سکر مردانِ الٰہی کے قدم رکھنے کی جگہ میں باختلافِ علت معلوم ہوتے ہیں اور جب سلطانِ حقیقت اپنا جمال بے حجاب فرماتا ہے تو صحو و سکر دونوں طفیلی رہ جاتے ہیں۔ اس لیے کہ صحو و سکر دونوں رُخِ معنی میں ایک دوسرے سے موصول ہیں۔ اور ہر ایک کی نہایت دوسرے کی ہدایت ہے۔ اور یہ ہدایت و نہایت بھی سوائے اختلافِ نظر کے اور کچھ نہیں ہے۔

اور جس کی نسبت تفرقہ کے ساتھ ہو۔ وہ حکم تساوی کا رکھتا ہے۔ اور ان کا جمع کرنا تفرقوں کا جمع کرنا ہے۔ اس مفہوم کو کسی شاعر نے خوب ادا کیا ہے ؎

إِذَا اطَّلَعَ الصَّبَاحُ لِنَجْمِ رَاحٍ تَسَاوَى فِيهِ سُكْرَانٌ وَصَاحٍ

یعنی جب صبح دل کے نوش کرنے والے ستاروں سے طلوع ہو تو اس میں بیہوش اور ہوش والے برابر ہو گئے ہیں۔ مقام سرخس میں دو پیر تھے۔ ایک لقمان دوسرے ابوالفضل حسن رضی اللہ عنہما ایک دن حضرت لقمان حضرت ابوالفضل کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک جز لیے ہوئے ہیں۔ لقمان نے پوچھا۔ حضرت ان جزوں میں کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضرت ابوالفضل نے جواب دیا۔ وہی جو تم ترک اوراق میں ڈھونڈ رہے ہو۔ عرض کی پھر یہ اختلاف کیوں؟ (یعنی میں ترک اوراق میں جو ڈھونڈ رہا ہوں۔ آپ اسے اوراق میں ڈھونڈ رہے ہیں۔) فرمایا لقمان تم خلاف دیکھتے ہو۔ جب ہی مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ لقمان مستی سے ہوشیار ہو جاؤ اور ہوشیاری سے بیدار ہو۔ تاکہ خلاف کا جھگڑا ہی اٹھ جائے۔ خبر بھی ہے میں اور تم کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔

تو طیفوری اور جنیدیوں میں صرف یہ اختلاف ہے جو ہم بیان کر چکے۔ اور اعمال میں ان کا مذہب بالکل ترک صحبت اور گوشہ نشینی اختیار کرنا ہے اور سب نے مریدوں میں یہی حکم جاری کیا ہے اور یہ طریق محمود سیرت اور ستودہ صفت ہے۔ اگر خدا توفیق دے۔

فرقہ جنیدیہ

اس فرقہ کا تعلق حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ وہ بلند ہستی ہے کہ انہیں ان کے ہم عصر اور ہم عصر طاؤس العلماء کہتے ہیں۔ اپنی جماعت کے سردار اور امام الائمہ تھے۔ آپ کا مسلک صحو تھا۔ اور طیفوری مسلک کے خلاف ہے۔ اور اس اختلاف کے دلائل ہم بیان کر چکے ہیں۔ اگرچہ اس کے علاوہ بہت سے اختلافات ہیں۔ مگر ہم نے بخوف طوالت اختصار کیا ہے۔ صوفیائے کرام میں معروف ترین مسلک جنیدی ہے۔ اور ہمارے تمام مشائخ کرام جنیدی مسلک ہی گزرے ہیں۔ اگر کوئی اس سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہے تو دوسری کتابوں میں دیکھے تاکہ اسے اس سے بہتر معلومات حاصل ہو سکیں۔ مگر میرا طریقہ اس کتاب میں اختصار ہے۔ اسی وجہ سے طوالت کو ترک کیا گیا

حکایتوں میں ملتا ہے کہ جب حضرت حسین بن منصور حلاج اپنے غلبہ حال میں عمرو بن عثمان سے بیزار ہو کر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا۔ کس لیے آئے ہو

عرض کی فیضِ صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے یہاں مجانین کے لیے صحبت نہیں ہے۔ صحبت کے لیے صحت چاہیئے۔ اگر تم آفتوں میں رہ کر ہماری صحبت میں رہو گے تو سہل بن عبداللہ تستری کی سی صحبت ہوگی جو انہوں نے حضرت حمزہ اکری سے حاصل کی تھی۔

حسین بن منصور بولے اَیُّهَا الشَّیْخُ الصَّحْوُ وَ السُّکْرُ صِفَتَانِ لِلْعَبْدِ وَمَا دَامَ الْعَبْدُ مَحْجُوْبًا عَنْ رَبِّهٖ حَتّٰی فَنٰی اَوْصَافُہٗ۔ حضور صحو و سکر بندہ کی دو صفتیں ہیں، جب تک بندہ میں یہ صفتیں باقی ہیں۔ وہ اپنے آپ سے محجوب ہے اور جب اوصاف عبد فنا ہوگئے (تو مشاہدہ و جمال حاصل ہوگیا) حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یَا ابْنَ مَنْصُوْرٍ اَخْطَاتَ فِی الصَّحْوِ وَالسُّکْرِ۔ اے ابن منصور تم غلطی پر ہو۔ صحو اور سکر میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ صحو سے مراد صحتِ حال ہے اپنے رب کے ساتھ اور سکر سے مراد فرطِ شوق اور غایت محبت ہے اپنے رب کے ساتھ۔ اور یہ دونوں کیفیتیں صفت کے ماتحت اور اکتسابِ خلق کے ساتھ صحیح نہیں ہوتیں۔ اور ابن منصور ہمیں تمہارے کلام میں فضول زیادہ نظر آتا ہے۔ اور تمہاری عبارات بے معنیٰ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فرقہ نوریہ

فرقہ نوریہ کا تعلق حضرت ابوالحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ زبردست عالم اور صدر علماء متصوفہ تھے۔ اور بوجہ مناقب روشن اور دلائل واضح کے آپ نورؒ کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔ آپ کا مسلک تصوف میں پسندیدہ ہے۔ اور آپ کے مسلک میں فقر پر تصوف کو فضیلت دینا ہے۔ اور باقی تمام معاملات موافق مذہب جنیدیہ کے ہیں۔ اور آپ کے طریقوں میں سے نادر و عجیب طریقہ یہ ہے کہ صحبت میں صاحبِ صحبت کے حق پر ایثار کیا جاتے اور اپنے حق کو قربان کرے اور اس کے بغیر صحبت اختیار کرے تو یہ حرام ہے اور فرماتے ہیں کہ صحبت درویشوں کے لیے فرض ہے اور عزلت نشینی بُری چیز ہے۔ اور ایثارِ حق صاحبِ صحبت پر کرنا ہی فرض ہے چنانچہ مروی ہے کہ فرمایا۔ اِیَّاکُمْ وَالْعُزْلَةَ فَاِنَّ الْعُزْلَةَ مُقَارِنَةُ الشَّیْطَانِ وَ عَلَیْکُمْ بِالصُّحْبَةِ فَاِنَّ فِی الصُّحْبَةِ رِضَاءُ الرَّحْمٰنِ۔ عزلت نشینی سے پرہیز کرو کہ اس میں شیطان کے ساتھ مقارنت ہوجاتی ہے اور صحبت صاحبِ صحبت سے لازم رکھو کہ ما جاہ بارگاہ کی صحبت میں اللہ کی رضا ہے

اب ہم حقیقتِ ایثار بیان کرتے ہیں۔ اور جب بابِ صحبت و عزلت میں پہنچیں گے تو وہاں اس کے رموز و شرح بیان کریں گے تاکہ عام طور پر فائدہ ہو۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

حقیقتِ ایثار

قال اللہ تعالیٰ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ اور ایثار کرتے ہیں اگرچہ اس چیز کے وہ حاجت مند ہوں۔ اس آیہ کریمہ کی شان نزول فقرا صحابہ کرام میں ہے۔ اور حقیقتِ ایثار یہ ہے کہ صحبتِ حق میں اپنے پیشوا اور مالک کا حق ملحوظ رکھے اور اپنے حصہ میں اس کا حصہ منظور رکھے خود تکلیف برداشت کرے مگر اپنے پیشوا اور صاحب کی راحت کا خیال رکھے۔

لِاَنَّ الْاِيْثَارَ اَلْقِيَامُ بِمُعَاوَنَةِ الْاَخْيَارِ مَعَ اِسْتِعْمَالِ مَا اَمَرَهُ الْجَبَّارُ لِرَسُوْلِهِ الْمُخْتَارِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔ اس لیے کہ ایثار نام ہے امداد و اعانتِ اخیار پر قائم رہنے کا مع اس حکم کے پیروی کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو دیا اور ارشاد فرمایا۔ درگزر فرمانا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم فرماؤ۔ اور جاہلوں سے اعراض کرو۔

اور یہ مسئلہ بابِ آدابِ صحبت میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔

یہاں مقصود بیانِ محض ایثار ہے۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک صحبت میں اس طرح جیسے کہ ذکر کیا گیا۔ دوسرے محبت میں اور ایثار حقِ صاحب میں ایک گونہ رنج و اندوہ بھی ہے۔ لیکن دوست کے حق میں ایثار کرنے سے تمام راحت ہی راحت ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ جب غلام الخلیل نے حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عداوت ظاہر کی اور ہر قسم کی خصومت اس سے ظاہر ہو گئی تو حضرت نوری اور رقام اور ابو حمزہ رحمہم اللہ علیہم کو حکومت نے گرفتار کر لیا اور دار الخلافت میں لے گئے غلام الخلیل کہنے لگا۔ یہ قوم زنادقہ سے ہیں۔ اگر امیر المومنین ان کے قتل کا حکم صادر فرمائیں۔ تو زندیقوں کی جڑ بود کا پتہ چل جاتے۔ اس لیے کہ یہ گروہ زنادقہ ہیں۔ اور جس کے ہاتھ سے یہ امر خیر ہو جائے۔ اس کی حکومت و عزت کا میں ضامن ہوں۔

خلیفہ نے اسی وقت ان مشائخ کے قتل کا حکم دے دیا۔ جلاد آ گیا اور ان مردانِ خدا کے ہاتھ

باندھے گئے۔ جلاد نے بموجب حکم حضرت رقام کے قتل کا ارادہ کیا کہ حضرت نوری اُٹھے۔ اور بڑے سرور سے رقام کی جگہ بیٹھ گئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ جلادوں نے کہا۔ اے جوانمرد! کیا تلوار بھی ایسی چیز ہے کہ اس سے اس قدر رغبت ہو۔ جس رغبت سے تم آئے ہو حالانکہ ابھی تمہاری باری نہیں آئی۔

آپ نے جواب دیا۔ ہاں ہمارے لیے تلوار ایسی ہی چیز ہے کہ میرے طریق ایثار کے ماتحت وہ مجھے مرغوب ہو۔ اس لیے کہ دنیا میں سب سے زیادہ عزیز چیز زندگی ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس ان بھائیوں کی خدمت میں ایثار کردوں۔ اس لیے کہ دنیا کا ایک سانس آخرت کے ہزار سال سے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ دنیا سارے خدمت ہے اور آخرت مقام قربت اور مقام قربت میں یہ خدمت نہیں کی جا سکتی۔ جلادنے یہ سب باتیں خلیفہ کو پہنچادیں۔ خلیفہ نے اتنے بلند حوصلہ اور دقت سخن پر سخت تعجب کا اظہار کیا۔ اور کسی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ان کے قتل کو سردست موقوف رکھو۔ اور ابوالعباس بن علی قاضی القضاۃ کو بلا کر تینوں کو اُن کے سپرد کر دیا۔

قاضی القضاۃ نے تینوں کی شکلیں کسی بھولی رکھیں اور اپنے یہاں بُلایا۔ پھر اُن سے احکام شریعت کے متعلق سوال کئے۔ جواب سُن کر اُن میں عرفانی شان کی حقیقت پائی اور وہ مذہبی اتباع میں مکمل نکلے۔ قاضی بہت متاثر ہوا اور ان کے حالات سے بے خبر رہنے پر شرمسار۔ حضرت نوری نے فرمایا۔ قاضی تونے جو کچھ دریافت کیا ہے۔ یہ کچھ نہیں ہے۔ جو پوچھنے کی بات تھی۔ وہ تونے نہیں پوچھی۔ فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَاکُلُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَشْرَبُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَجْلِسُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَقُوْلُوْنَ بِاللّٰہِ۔ اللہ کے بندوں کی ایسی جماعت بھی ہے کہ ان کا کھانا اللہ کے لیے اور پینا اللہ کے واسطے اور بولنا اللہ کے لیے ہے۔ وہ ایسے مردان خدا ہیں کہ ان کا قیام اللہ کے ساتھ اور قعود و نطق و حرکت و سکون سب اسی کے ساتھ ہے اور اُن کی زندگی اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ قائم بمشاہدہ ہیں۔ اگر ایک لحظہ مشاہدہ حق اُن سے حجاب میں آجائے تو اُن کی دنیائے جسم میں جوش و خروش پھیل جائے۔

یہ سُن کر قاضی متعجب ہوا۔ اور ان کے کلام کی باریکی اور صحت حال کو پاکر خلیفہ کو لکھا۔ کہ اگر یہ جماعت ملاحدہ ہے تو فَمَنِ الْمُوَحِّدُ فِی الْعَالَمِ۔ پھر کون دنیا میں موحد ہو سکتا ہے میں گواہی دیتا ہوں اور اپنے حکم سے فیصلہ کرتا ہوں کہ (ان کے مقابلہ کا) روئے زمین پر کوئی موحد نہیں ہو سکتا خلیفہ نے قاضی القضاۃ کا یہ خط پڑھ کر ان بزرگوں کو بلایا اور عرض کی کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور

میں دھوکہ میں آ گیا۔ اب آپ اپنی حاجت ظاہر کریں۔ حضرت نوری وغیرہ مشائخ جو گرفتار تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ خلیفہ ہماری حاجت تجھ سے بس اتنی ہے کہ تو ہمیں بھلا دے۔ اور ہم تیرے مقبول کرنے کو اپنی مردودیت سمجھتے ہیں اور اگر تو ہمیں اپنی بارگاہ سے مردود کر دیگا۔ تو ہم اُسے عین مقبولیت جانیں گے
خلیفہ حضرت نوری رحمتہ اللہ علیہ کے اس دردناک جواب کو سُن کر اس قدر متاثر ہوا کہ رو پڑا اور نہایت احترام کے ساتھ انہیں واپس کر دیا۔

ایک روایت نافع سے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک روز مچھلی کی خواہش ہوئی تمام شہر میں تلاش کی مگر نہ ملی۔ چند روز بعد وہ مجھے ملی (یعنی حضرت نافع کو) فرماتے ہیں میں لے وہ مچھلی بنوائی اور حضرت ابن عمر کی خدمت میں حاضر کی۔ میں نے دیکھا کہ اس مچھلی کے پیش کرنے سے آپ مسرور ہوئے۔ اتنے میں ایک سائل نے باہر سے کھڑا ہو کر صدا دی۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ مچھلی اس سائل کو دے دو۔ غلام نے عرض کی حضور اتنی دیر میں تو یہ مچھلی میسر آئی ہے۔ اب آپ سائل کو عطا فرما رہے ہیں۔ اس کی بجائے کچھ اور بخشش کر دی جائے۔ فرمایا۔ اے غلام یہ مچھلی کھانا مجھ پر حرام ہے۔ اس لیے کہ میں نے ایک حدیث کے موافق اس مچھلی کو اپنے دل کی خواہش سے باہر کر دیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔ جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔ اَیُّمَا امْرِءٍ یَشْتَہِیْ شَھْوَۃً فَرَدَّ شَھْوَتَہٗ وَ اٰثَرَ الْاٰخِرَۃَ عَلٰی نَفْسِہٖ غُفِرَ لَہٗ۔ جو انسان کسی چیز کی خواہش کرے۔ پھر اس چیز کی طرف سے دست بردار ہو کر آخرت کو نفس کی خواہش پر ترجیح دے تو لا محالہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے۔

ایک حکایت میں ہے کہ جنگل بیابان میں راہ بھول کر دس درویش ٹھہرے اور پیاس نے انہیں ستایا اور ان کے پاس ایک قدح پانی سے زاید نہ تھا۔ اور دس کے دس پیاسے تھے جب ایک کو وہ قدح آب لے جاتا وہ دوسرے کی طرف ایثار کر دیتا دوسرے کا خیال اپنے رفیق کی پیاس پر جاتا وہ اُسے دیدیتا غرضکہ اسی طرح پیالہ پانی کسی نے نہ پیا اور شدت تشنگی سے سب مر گئے۔ صرف ایک بچے تھے۔ جب انھوں نے اپنے نو رفیق مرے ہوئے دیکھے تو وہ قدح آب پی لیا اور راستہ طے کرنا شروع کر دیا۔ کسی کے پاس یہ قصہ اُنھوں نے کہا تو اس نے کہا اگر وہ پانی تم بھی نہ پیتا تو بہتر تھا۔
اُنھوں نے کہا عقلمند کیا حکم شرعی اتنا ہی جانتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ نو آدمیوں کے مرجانے

کے بعد بھی اگر میں وہ پانی نہ پیتا تو خودکشی کا مجرم بنتا اور عتابِ الٰہی میں ماخوذ ہو جاتا۔ تو وہ کہنے لگا۔ آپ کے خیال میں وہ نو آدمی بھی خودکشی کے مجرم ہوتے۔ انھوں نے کہا نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایثار کر رہے تھے۔ اپنی حاجت کے مقابلہ میں دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ عمل پر ایثار کرتے کرتے ہلاک ہو گئے۔ پھر جب کہ میں تنہا رہ گیا۔ تو اب موقع ایثار نہیں تھا۔ اس لیے ایسے موقع پر مجھے وہ پانی پینا واجب تھا۔

دیکھو جب امیرالمومنین مولا علی کرم اللہ وجہہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے اور ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور کی معیت میں گئے اور مکہ سے باہر آ کر غار میں ٹھہرے۔ اس شب کفار کا قصد حضور کے شہید کرنے کا تھا۔ تو جناب باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کو فرمایا کہ میں نے تمھارے مابین بھائی چارہ رکھا ہے۔ اور تمھاری زندگی بھی ایک دوسرے سے دراز کی ہے۔ بتاؤ تم میں سے کون ہے جو اپنے بھائی پر اپنی زندگی کا ایثار کرے۔ اور مرنے کو تیار ہو۔ دونوں اپنی اپنی زندگی بارگاہِ الٰہی سے طلب کرنے لگ گئے۔ جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے جبرائیل و میکائیل دیکھو علی کی بزرگی و شرافت کہ وہ تم سے بلند ہے۔ ہم نے علی کے اور اپنے حبیب کے مابین مواخاۃ کی تھی۔ تو علی اپنے قتل و مرگ کو قبول کر کے ہمارے حبیب کی خوابگاہ پر سو گیا۔ اور اپنی جان ہمارے حبیب پر فدا کر دی ہے۔

اب تم دونوں جاؤ اور اس کی محافظت دشمنوں سے کرو۔ چنانچہ جبرائیل و میکائیل حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں آئے۔ ایک سرہانے بیٹھ گیا اور ایک پائینتی کی طرف بیٹھ گیا۔ اور حضرت علی کی خدمت میں زبانِ حال سے کہنے لگے۔ بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُكَ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ إِنَّ اللّٰهَ يُبَاهِيْ بِكَ عَلٰى مَلَائِكَتِهٖ۔ زندہ باد اے علی تمھارے مثل اس ایثار میں کون ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کے اس ایثار کو ملائکہ میں پیش فرما کر اظہارِ خوشنودی فرما رہا ہے اور آپ اپنی خواب میں بے فکر سو رہے ہیں۔

اسی وقت آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں شان مولائے کائنات کرم اللہ وجہہٗ ظاہر ہے۔ ارشاد ہوا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

اور بعض اللہ کے بندے وہ ہیں جو اس کی رضا جوئی میں اپنی جان بیچتے اور قربان کرتے ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔ اور جب جنگ اُحد کے موقعہ حرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں پر ابتلا فرمایا۔ ایک صحابیہ انصار میں سے آئیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں ایک کٹورا پانی لے کر اس نیت سے چلی کہ مجروحین اُحد میں سے کسی کی بھی خدمت کروں۔ جب میں میدانِ رزم میں پہنچی۔ ایک صحابی کو دیکھا کہ مجروح پڑے ہوئے اپنے لحاتِ زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ مجھے انہوں نے اشارہ کیا کہ پانی پلاؤں میں اُن کی طرف پانی لے کر گئی تو ایک دوسرے زخمی صحابی نے آواز دی کہ مجھے پانی پلاؤ۔ یہ آواز سُنتے ہی وہ پہلے مجروح فرمانے لگے۔ جاؤ انہیں پلاؤ اور خود پانی نوش نہ فرمایا۔ جب میں وہ پانی ان کی طرف لے گئی۔ تو ایک اور مجروح پکارے کہ مجھے پانی دو تو انہوں نے پانی نہ پیا اور مجھے فرمایا۔ جاؤ انہیں پانی دو۔ غرضیکہ اسی طرح سات صحابی تک میں وہ پانی لے کر چلی اور سب نے دوسرے کی آواز پر خود نہ پیا اور دوسرے کی طرف مجھے بھیج دیا۔

جب کہ ساتویں صحابی کی خدمت میں پانی لے کر میں پہنچی۔ وہ شہید ہو گئے۔ واپس لوٹی اور چھٹے کے پاس آئی۔ تو وہ بھی جان بحق تسلیم فرما چکے تھے۔ غرضیکہ جب واپس آئی۔ تو چھ کے چھ شہید تھے۔ کہ آیہ کریمہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان شہداءِ اُحد کی شان میں نازل ہوئی جس میں ارشاد تھا۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ وہ محبوبانِ بارگاہ اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں۔ اگرچہ انہیں سخت تنگی ہو رہی ہو۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے چار سو برس عبادت کی تھی۔ ایک دن بارگاہِ رب العزت میں عرض کرنے لگا۔ الٰہی اگر تو ان پہاڑوں کو پیدا نہ فرماتا تو تیرے بندوں کو چلنے اور سفر کرنے میں آسانی رہتی۔ تو پیغمبرِ وقت صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی طرف فرمان آیا کہ اس عابد کو فرما دو کہ جناب باری کا ارشاد ہے کہ تو نے بندہ ہو کر ہماری ملک میں تصرف کیا۔ لہٰذا ہم نے تیرا نام دیوانِ سعداء سے نکال دیا اور فہرست اشقیاء میں تجھے داخل کر دیا ہے۔

اس عابد نے یہ سُنتے ہی اظہارِ مسرت کیا اور سجدہ شکر کے لیے بحضورِ الٰہی جھک گیا۔ پیغمبر وقت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عقلمند شقاوت کے درجہ میں پہنچنے پر سجدہ شکر کر رہا ہے۔ یہ کونسا قانون ہے۔ عابد نے عرض کی کہ حضور میں اپنی شقاوت پر سجدہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس امر پر سجدہ

شکر ادا کر رہا ہوں کہ خواہ کسی فہرست میں میرا نام ہو مگر ہے تو اُسی کے دفتر میں۔

اب میں ایک آرزو رکھتا ہوں۔ وہ حضور اپنے رب کے دربار میں عرض کر دیں۔ آپ نے فرمایا وہ کیا آرزو ہے۔ عابد نے عرض کی وہ یہ عرض ہے کہ جب مجھے جہنم میں ڈالا جائے تو مجھے اتنا عظیم الجثہ اور عریض وطویل کر کے ڈالا جائے کہ تمام موحدین کی جگہ مجھ سے بھر جائے تاکہ مجھ ایک کے جہنم جانے سے اتنا فائدہ تو ہو کہ باقی تمام موحدین بہشت میں جائیں۔

(اس ایثار اور خلوص پر دریائے رحمت جوش زن ہوا) ارشاد ہوا کہ اسے پیغمبر وقت ہمارے بندہ کو بشارت دو کہ یہ ابتلاء امتحان تیرے ذلیل کرنے کیلئے نہ تھا۔ بلکہ تیرے ایثار و اخلاص کے ظاہر فرمانے کیلئے تھا۔ اب تیرا یہ مرتبہ ہے کہ قیامت کے دن تو اور جس کی تو شفاعت کرے گا۔ وہ سب تیرے ساتھ بہشت میں ہوں گے۔

میں نے ایک بار حضرت احمد حماد سرخسی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی ابتداء توبہ کیونکر ہوئی تھی۔ فرمایا میں سرخس سے ایک بار چلا اور ایک جنگل میں پہنچا۔ وہاں ایک مدت تک رہا اور اپنے اونٹ چراتا رہا۔ میرے دل میں آیہ کریمہ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کے ماتحت اس چیز کی بہت تڑپ تھی کہ اپنی ضرورت کے مقابلہ میں دوسرے کی حاجت پوری کروں۔

اور میرا عقیدہ بھی صوفیائے کرام میں سے اسی جماعت کے طور پر تھا جو ایثار کو اولیٰ ترجانتی ہیں۔

ایک روز ایک بھوکا شیر نظر آیا اور اس نے میرا ایک اونٹ شکار کیا اور بلندی کی طرف چڑھ گیا اور ایک آواز ماری جس پر تمام درندے جنگل کے آگئے۔

شیر نے اونٹ کو چیر پھاڑ کر ڈال دیا اور خود کچھ نہ کھایا اور بالائے کوہ چلا گیا۔ اس شکار پر جس قدر درندے لومڑی، بھیڑیئے، بگھیرے تھے۔ سب نے دھاوا بول دیا اور خوب کھا پی کر چل دیئے۔ اسی وقت شیر اترا اور ارادہ کیا کہ ایک ٹکڑا اس میں سے خود بھی کھائے کہ اتنے میں ایک لومڑی لنگڑی لولی دور سے آتی نظر آئی۔ شیر پھر وہاں سے ہٹ گیا۔ اور بالائے کوہ چلا گیا تاکہ وہ لومڑی بھی شکم سیر ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ بھی کھا کر چلی گئی تو شیر نے آکر ایک ٹکڑا اس میں سے لے کر کھایا۔

میں دور سے بیٹھ کر یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ شیر نے واپس جاتے ہوئے بزبان فصیح مجھے کہا۔

یا آخذ ایثار بر فقر کار بزرگان بود و مردان خدا جان و زندگانی ایثار کنند" اے احمد حماد فقر کا ایثار بڑے لوگوں کا کام ہے اور مردان خدا جان اور زندگی کا ایثار کیا کرتے ہیں۔ بس یہ سنتے ہی مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت میں نے تمام اشغال دینار وغیرہ سے دستبرداری کی۔ یہ ہے میری توبہ کی ابتداء۔

حضرت ابو جعفر خلدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی خلوت خاص میں مشغول مناجات تھے۔ میں پوشیدہ طور پر گیا تاکہ ان کی فصیح و بلیغ مناجات سنوں آپ فرما رہے تھے۔" بار خدایا اہل دوزخ را عذاب کنی و جملہ آفریدگان تو اند بعلم و قدرت و ارادت قدیم و اگر ناچار دوزخ را از مردم پُر خواہی کرد قادری بدانکہ بمن آں دوزخ و طبقات آں پُر کنی۔ و مرا ایشاں را بہ بہشت فرستی۔ اے اللہ! تو اہل دوزخ کو عذاب دیگا۔ حالانکہ سب تیرے علم اور قدرت و ارادہ سے تیرے پیدا کردہ ہیں۔ اگر تو لازمی طور پر دوزخ کو آدمیوں سے بھرنا چاہتا ہے تو اس پر بھی قادر ہے کہ دوزخ اور اس کے تمام طبقات صرف مجھ سے بھر دے اور باقی سب کو جنت میں داخل فرما دے۔

حضرت جعفر فرماتے ہیں کہ میں ان کی اس دعا سے حیران ہو گیا۔ شب کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی آنے والا آیا اور کہتا ہے کہ جعفر جا اور ابو الحسن کو کہدے کہ ہم نے تجھے اس شفقت و محبت کی وجہ سے جو تجھے ہمارے بندوں سے اور ہم سے ہے بخش دیا۔ اور حضرت ابو الحسن کو نوری اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اگر کوئی تاریک گھر میں کچھ بات کرتا تو آپ نور باطن کی روشنی میں اس سے خبردار ہو جاتے تھے اور نور حق کی ضیا باری سے آپ اپنے مریدوں کے تمام راز جانتے تھے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا۔ اَبُو الْحَسَنِ جَاسُوْسُ الْقُلُوْبِ ابو الحسن جاسوس قلوب ہے۔ یہ ہے تخصیص ان کے مسلک کی۔ اور اہل بصیرت کی نظر میں یہ بہت قوی اصل ہے اور بڑا معظم معاملہ ہے۔ اور انسان پر بذل روح سے زیادہ سخت تر کوئی چیز نہیں۔

چنانچہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نیکیوں کی کنجی انفاق و ایثار بتایا گیا۔ اور صاف بتایا گیا کہ تمام نیکیوں کی کنجی محض بذل و انفاق ہے۔ چنانچہ فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ یعنی بھلائیاں تم ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک محبوب ترین شے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اور جب کوئی اپنی روح اور جان کو اس کی راہ میں مبذول کرنا گوارا کر لے تو اُسے مال و

حال و فرق و لعز کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اور اس طریقہ کا اصل اصول یہی ہے۔

چنانچہ ایک شخص حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ یَا بُنَیَّ لَیْسَ الْاَمْرُ غَیْرَ بَذْلِ الرُّوْحِ اِنْ قَدَرْتَ عَلٰی ذَالِكَ وَ اِلَّا فَلَا تَشْتَغِلْ بِتُرَّهَاتِ الصُّوْفِیَّۃِ۔ صاحب زادے یہ طریقہ تصوف بغیر بذل روح وجان کے نہیں ہے۔ اگر اس پر قدرت ہے تو (اس راستہ میں آ ورنہ) صوفیوں کی ان سخت باتوں میں نہ پڑ۔ اس لیے کہ صوفیاء کے یہاں اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب لغو و بیہودہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ ان لوگوں کی طرف سے کا دل میں بھی گمان نہ کرنا جو راہِ مولیٰ میں شہید ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں اور فرمایا۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ۔ جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مرا ہوا مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ حیات قرب سرمدی بذل الروح کے بعد ملتی ہے۔ اور اپنے حصہ کا ترک کر دینا امتثال امر الٰہی اور اتباع محبوبانِ بارگاہ ہی ہے۔

لیکن ایثار و اختیار رویت و معرفت میں اختلاف ہے۔ اور صوفیا کے یہاں حقیقت ایثار اپنے نصیب کا ترک کر دینا ہی اصل نصیب ہے۔ اس لیے کہ جب تک طالب کی روش متعلق بہ کسب رہتی ہے تمام کی تمام اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہے اور جب جذب حق اپنے تصرف و ولایت کو ظاہر کر دیتا ہے تو اس کے احوال و افعال تمام کے تمام اتنے منتشر ہو جاتے ہیں کہ اس کے لیے وہ عبارت ہی نہیں رہتی جس سے کچھ ظاہر کیا جا سکے اور نہ اس کے وقت و زمانہ کے لیے کوئی لفظ ملتا ہے جس سے اس کی کیفیت ظاہر کی جا سکے۔ یا کسی چیز سے اس کی مثال دی جائے۔ اس حقیقت کو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح کیا ہے ؎

غِبْتَ عَنِّیْ فَمَا اُحِسُّ بِنَفْسِیْ	وَتَلَاشَتْ بِہٖ صِفَاتِیَ الْمَوْصُوْفَۃُ
فَاَنَا الْیَوْمَ غَائِبٌ عَنْ جَمِیْعٍ	لَیْسَ اِلَّا الْعِبَارَۃُ الْمَلْهُوْفَۃُ

ترجمہ۔ تو مجھ سے غائب ہوا تو میں ایسا بیہوش ہوا کہ اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ اور میری صفات موصوفہ نے اس کی جستجو کی تو آج کے دن سب سے ایسا غائب ہوں کہ عبارات ملہوفہ کے سوا کچھ نہیں ہوں۔

فرقہ سہیلیہ

فرقہ سہیلیہ کا تعلق حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ محتشمان اہل تصوف سے ہیں اور کبرائے قوم میں مانے جاتے ہیں، ان کا ذکر پہلے ہو چکا غرضیکہ اپنے وقت کے سلطان اور ارباب دل و معتقد طریقت تھے۔ اور آپ کی براہین اس قدر زیادہ ہیں کہ ہر ادراک ان کے بیان سے عاجز ہے اور آپ کا طریقہ اجتہاد و مجاہدہ نفس و ریاضت ہے۔ اور آپ مریدوں کو مجاہدہ میں کمال درجہ پہنچا چکے ہیں۔

آپ کی ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک مرید کو حکم ملا کہ تمام دن اللہ اللہ کرے۔ اس کے بعد چند روز تک یہی ورد رکھے کہ خوگر ذکر ہو جائے پھر فرمایا اب جس طرح دن اللہ اللہ میں گزارا ہے، راتیں بھی اسی طرح گزار، مرید حسب الحکم کرتا رہا۔ غرضیکہ مرید کا یہ حال ہو گیا کہ اگر اپنے کو خواب میں دیکھتا تو یہی ذکر کرتا پاتا۔ یہاں تک کہ وہ ذکر مرید کی عادت سے بدل کر طبع ثانی بن گیا۔

اب حکم ہوا کہ ذکر لسان سے ہٹ کر ذکر قلبی میں جا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا حتی کہ وہ ذکر اتنا غالب آیا کہ ایک روز وہ اپنے گھر میں تھا کہ ہوا سے لکڑی گری اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ تو جو قطرات خون چکیدہ ہوتے۔ تو ان سے بھی اللہ اللہ ہی منقش نظر آیا۔

غرضیکہ تربیت مریدان مجاہدات و ریاضات سے کرنا خاص طریقۂ سہیلیہ ہے۔ اور خدمت درویشاں اور تعظیم حد درمیان اور مراقبہ طریقہ جنیدی کا وہ بھی ان کے یہاں لازمی ہے) اور ریاضت و مجاہدہ میں تمام کی تمام مخالفت نفس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نفس کو نہ پہچانے تو اس کے لیے مجاہدہ و ریاضت بے سود ہے۔

اب ہم نفس کی حقیقت اور اس کی تعریف بیان کریں تاکہ معلوم ہو کہ (یہ کیا بلا ہے۔) پھر مجاہدات اور مذاہب و مسلک صوفیہ ظاہر کریں گے تاکہ طالب علم پر ان کی تعریف روشن ہو جائے۔ انشاء اللہ باللہ التوفیق۔

حقیقت نفس و معنیٔ ہوا

یاد رکھو نفس کے لغوی معنی۔ وجود شے کے ہوتے ہیں۔ یا حقیقت و ذات کے معنی میں مروج ہے بحکم عادت عوام و عبارات مردماں میں اس کے بہت سے معنی لیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا معنوی استعمال

برخلاف یکدیگر ہی نہیں ہوتا بلکہ متضاد معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

پھر باعتبار عرف ایک گروہ بمعنی روح کہتا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک مروت کے معنیٰ میں نفس آتا ہے۔ ایک گروہ جسد و جسم کے معنی لیتا ہے۔ ایک گروہ خون کے معنی کرتا ہے۔ لیکن محققین صوفیاء کے نزدیک مذکورہ معنی سے کوئی معنی نفس کے صحیح نہیں بلکہ ان کی تحقیق نفس کے متعلق (مندرجہ ذیل ہے) اس امر پر تو سب متفق ہیں کہ نفس نام ہے منبع شر اور قائد سوء کا۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ نفس ایک ایسی عینی شے ہے جو دل میں رکھی گئی ہے اور وہ انسان میں مثل روح کے لازم ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نفس ایک ایسی صفت کا نام ہے جو قالبِ انسان میں مثل حیٰوۃ کے موجود رہے۔

لیکن تمام محققین صوفیاء اس امر پر متفق ہیں کہ نفس وہ ہے جس کے ذریعے اخلاق رذیلہ اور افعالِ خبیثہ کے ارادے پیدا ہوں اور یہ اُن افعالِ رذیلہ خبیثہ کا سبب ہے اور افعالِ رذیلہ خبیثہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک معاصی دوسرے اخلاقِ رذیلہ جیسے تکبر، حسد، بخل، خشم، حسد اور مثل اس کے تمام ایسے ناستودہ افعال جو شرع و عقل بُرے بتاتے۔

تو ریاضت و مجاہدہ سے صوفی ان اوصاف کو اپنے سے دفع کرتا ہے۔ جیسے توبہ کرنے سے معصیت سے اجتناب۔ تو فعلِ معصیت اوصافِ ظاہر سے ہے۔ اور اس معصیت شادی کے اوصافِ باطن سے ہے۔ اور ریاضت افعالِ ظاہر سے ہے اور توبہ اوصافِ باطن سے۔ تو جو بُرے وصف باطن سے ظاہر ہوں ظاہری روش و سلوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور جو ظاہر میں جلوہ گر ہوں باطنی اوصافِ پسندیدہ سے دُور ہو جاتے ہیں۔

اور نفس و رُوح دونوں لطیفہ ہیں۔ جو قالبِ انسان میں موجود ہیں۔ جیسے کہ دنیا میں شیاطین و ملائکہ اور بہشت و دوزخ۔ ان میں ایک محل خیر ہے اور ایک محل شر۔ جس طرح آنکھ محلِ نظر ہے اور کان محلِ سمع ہے اور زبان محلِ ذائقہ اور مثل اس کے تمام احیان (ان کے لیے بھی ایک مقام اور محل ہے)۔ اور بہت سے وصف ایسے ہیں جو قالبِ انسان میں ودیعت کئے گئے ہیں۔

چنانچہ نفس کی مخالفت میں تمام عبادات کا راز ہے اللہ کا ل مجاہدہ بھی اسی مخالفتِ نفس کے لیے ہے اور بندہ بجز مخالفتِ نفس واصل بحق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ نفس کی موافقت ہلاکتِ انسان

ہے اور مخالفت نفس میں بندہ کی نجات۔ چنانچہ حضرت رب العزت جل جلالہ نے اس کی مخالفت کا حکم فرمایا اور ان کی تعریف کی جو اس کی مخالفت کرنے والے ہیں اور اس کی مذمت کی جو موافقت نفس میں چل رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى یعنی جنہوں نے نفس کی خواہشات کو روکا تو ان کی آرام گاہ جنت ہے۔ اور فرمایا۔ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ کیا پس جب تمہارے پاس رسول تمہاری خواہشات نفسانی کے خلاف حکم لائے تو تم نے سرکشی اور تکبر کیا۔

اور حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی زبان سے ہمیں قرآن کریم میں خبر دی۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ۔ اور میں اپنی جان کو پاک نہیں کرتا بیشک نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے مگر جو اللہ کے رحم سے بچ سکے۔

اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا بَصَّرَهٗ بِعُيُوْبِ نَفْسِهٖ۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو چشم بصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ اس سے اپنے نفس کے عیوب دیکھتا ہے۔

اور احادیث میں وارد ہے کہ اللہ جل علا شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی اور حکم دیا۔ يَا دَاؤُدُ عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّ وُدِّيْ فِيْ عَدَاوَتِهَا۔ اے داؤد اپنے نفس سے دشمنی کر۔ اس لیے کہ میری دوستی اس کی عداوت میں ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا۔ یہ تمام اوصاف ہیں۔ اور لامحالہ حقیقت کے لیے موصوف لازمی ہے۔ تاکہ وہ صفت اس کے ساتھ قائم ہو۔ اس لیے کہ صفت قائم بالذات نہیں ہو سکتی اور معرفت صفت بغیر علم و شناخت قالب حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور طریق شناخت ابدان و اجسام یہی ہے کہ اوصاف انانیت کو سمجھے کہ یہ انسانیت کا جز ہے۔ اور یہی سر انسان ہے۔

اور حقیقت انسان کی تشریح میں بہت سے اقوال ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں بھی بہت سے قول ہیں کہ اسم انسان کیا چیز ہے اور انسان کہلانے کا کون سزاوار ہے۔ اور اس کا علم ہر طالب حقیقت پر فرض ہے۔ اس لیے کہ جو اپنے سے ہی جاہل ہے وہ غیر سے جاہل تر ہو گا۔ اور جب کہ بندہ معرفت حق اور معرفت خود کے لیے مکلف ہے۔ تاکہ اپنے حدوث اور ذات واجب تعالےٰ

شانہٗ کے قدم کو جانے اور اپنی فنا اور ذاتِ حق کی بقا کو سمجھے۔

اور قرآنِ کریم کی نص بھی اس امر پر ناطق ہے کہ رب جل مجدہٗ نے کفار کو اپنی طرف سے جاہل فرمایا اور ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ اور کون ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) کے دین سے منہ پھیرے سوا اس کے جس نے اپنے آپ کو نادانی اور جہالت کے حوالے کر دیا۔

اور ایک مشائخ کرام میں سے فرماتے ہیں۔ مَنْ جَهِلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ بِالْغَيْرِ اَجْهَلُ۔ جو اپنے نفس کے ساتھ جاہل ہے وہ غیر سے جاہل تر ہے۔ اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ اَيْ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْفَنَآءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْبَقَآءِ وَيُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالذُّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْعِزِّ۔ وَيُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُبُوْدِيَّةِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ۔

تو سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو اپنے کو نہ جانے وہ کل کی معرفت سے محجوب ہے۔

ترجمہ حدیث وشروح:۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ یقیناً اس نے اپنے رب کو بھی جان لیا۔ شراح فرماتے ہیں یعنی جس نے اپنے نفس کی فنا کو سمجھ لیا۔ اس نے یقیناً ذاتِ باقی کی بقا کو جان لیا۔ بعض نے کہا جس نے اپنے نفس کو ذلت کے ساتھ جان لیا۔ اس نے اپنے رب کی عزت مان لی۔

ان تمام تشریحات سے مراد معرفتِ انسانیت ہے اور اس حقیقت میں محققین کے اختلافات پر بہت سے اقوال ہیں:۔

۱۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان کی حقیقت سوائے رُوح کچھ نہیں ہے۔ یہ جسم تو محض اُس روح کے رہنے کا مکان ہیں۔ یا اس کی آرام گاہ تاکہ اس جسم میں رہ کر خلل طبائع سے محفوظ رہے۔ اور حس وعقل یہ صفاتِ رُوح ہیں۔ مگر یہ تعریف بالکل باطل ہے۔

اس لیے کہ اگر روح کا نام انسان ہے تو جب جسم سے رُوح نکل جائے تو اسے انسان نہ کہنا چاہیئے حالانکہ انسان کہتے ہیں۔ مردہ جسم سے نام انسان نہیں اُٹھتا۔ مذکورہ اصول کے ماتحت جب تک اس مکان میں روح ہے انسان کہنا چاہیئے۔ مگر جب وہ روح پرواز کر جائے تو انسان نہ کہنا چاہیئے

حالانکہ زندہ انسان جب تک بڑا ہوتا ہے۔ بیشک اس میں رُوح ہے اور جب روح نہ رہے تو مردہ انسان کہلاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ رُوح قالبِ ستور یعنی گھوڑے میں بھی ہوتی ہے۔ حالانکہ اُسے انسان نہیں کہا جاتا۔ اگر اسم انسان کی علت روح ہوتی تو یہ ضرور تھا کہ جہاں رُوح کا وجود ہوتا وہاں ہی اطلاق اسم انسان صحیح ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ مذکورہ قول بالکل باطل ہے۔

۲۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان روح و بدن پر یکجا واقع ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو پھر یہ نام ساقط ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک گھوڑے پر دو رنگ مجتمع ہوں۔ ایک سیاہ ایک سپید تو اُسے ابلق کہتے ہیں اور اگر فقط سپید رنگ ہو تو سپید کہتے ہیں۔ یہ بھی قرآن کریم کے حکم کے ماتحت باطل ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے۔ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا۔ کیا انسان پر وہ وقت آیا ہے کہ جب وہ کوئی شے مذکور نہ تھا۔ حالانکہ آدمی بے جان مٹی کو بھی انسان کہا گیا۔ باآنکہ ابھی تک اس کے قالب میں جان پیوستہ نہیں ہوئی۔

۳۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان ایک جزو لایتجزیٰ ہے اور اس کا مقام دل ہے اور یہی قاعدۂ اوصاف انسانی ہے۔ حالانکہ یہ بھی محال ہے۔ اس لیے کہ اگر انسان کو مار ڈالیں اور اس کے اندر سے دل نکال لیں تو اسم انسان اس سے نہیں جاتا اور رُوح سے قبل بالاتفاق محققین قالب انسان میں دل نہیں ہوتا۔

۴۔ ایک جماعت جو متصوفہ سے ہے اسے بھی حقیقت حق کی تحقیق میں غلطی واقع ہوئی ہے وہ کہتی ہے کہ انسان آکل و شارب اور محل تغیر نہیں ہے وہ درحقیقت اسرار الٰہی میں سے ایک سر ہے اور یہ جسم لباسِ انسانی ہے۔ اس میں امتزاج طبع اور اتحادِ جسد و رُوح ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ باتفاق جملہ عقلاء۔ اسم انسان کا اطلاق مجانین و کفار و فساق سب پر ہے اور ان کے اندر اسرار الٰہیہ کے معنی میں سے کچھ بھی نہیں۔ سب کے سب متغیر آکل و شارب ہیں اور اس کے قالب اور وجود میں ایسی شخصیت مخصوص کہیں نہیں جسے ان کی تعریف کے مطابق انسان کہا جائے

ف۔ زشم ستور ران مردان پس دشت زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

ستور کا ترجمہ بعض مترجمین نے بیل کیا ہے حالانکہ ستور نار میں گھوڑے کو کہتے ہیں جیسا کہ سکندر نامہ کے شعر سے واضح ہے اور اگر ڈر کر بیل معنی کئے تو بھی غلط۔ اس لیے کہ یہ میم سے ہے اور عربی میں ہ سے۔

بلکہ حضرت رب العزت جل مجدہٗ نے انسان اس مجموعہ کا نام رکھا جس سے کہ انسان مرکب ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو گندھی ہوئی صاف مٹی سے۔ پھر کیا ہم نے اس میں قطرۂ منی کو ایک خاص جگہ ٹھہرنے والا۔ پھر کیا ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون۔ پھر بنایا ہم نے جمے خون کو مضغہ گوشت۔ پھر بنائے ہم نے مضغہ سے ہڈیاں۔ پھر چڑھایا ہم نے ہڈیوں پر گوشت پھر نشوونما فرمائی ہم نے دوسری پیدائش میں تو بڑی برکت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور بہترین خالق ہے۔

تو حضرت رب العزت جل مجدہٗ نے جو اصدق الصادقین ہے۔ خاک سے اس صورت کو پیدا فرمایا اور جملہ تغیرات اس پر ہوئے۔ مگر ہر زمانہ میں اس کا نام انسان ہی رکھا۔

چنانچہ ایک جماعت اہل سنت و جماعت کی کہتی ہے کہ انسان حی ہے اور اس کی صفات محمودہ ایسی ہیں کہ موت اس اسم کو اس سے نہیں اٹھا سکتی۔ حتیٰ کہ صورت معہودہ اس نام کو کہ آلات موسوم ظاہر و باطن سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ اور مراد صورت سے تندرستی و بیماری ہے اور آلات سے مراد موسوم انسان سے انسان کا مجنون و عاقل ہونا ہے۔

غرضیکہ باتفاق عقلا انسان جس قدر صحت کی طرف ہوگا۔ کامل تر ہوتا چلا جائے گا۔ اور مخلوق میں یہ سب سے کامل ہے۔ اب یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ترکیب انسانی جو کامل تر ہوتی ہے وہ محققین کے نزدیک تین معنی سے ہوتی ہے۔ ایک روح دوسرے نفس تیسرے جسم اور اس کے ہر عین میں ایک صفت ہوتی ہے۔ جو اس عین کے ساتھ قائم ہے۔

چنانچہ روح کے لیے عقل اور نفس کے لیے ہوا اور بدن کے لیے حس۔ اور انسان نمونۂ عالم ہے۔ اور عالم دو جہان کا نام ہے۔ اور دونوں جہان کے نشانات کا مجموعہ انسان ہے۔ اس جہان کے نشان تو انسان میں پانی۔ خاک۔ ہوا۔ آگ ہے اور ان کی ترکیب بلغم، خون، صفرا، سودا سے ہے۔ اور اس جہان کے نشان بہشت، دوزخ اور عرصات محشر ہیں۔

تو جان بہشت کی بجائے اپنی لطافت سے بنتی ہے۔ اور دوزخ کی بجائے نفس اور آفات

دشت ہو جاتے ہیں اور جسم بجائے عرصاتِ محشر کے ہے۔ اور مرشدِ شریعت جو حائل یار ہو گا وہ بھی دو معنی میں ہے۔ قہر کے ساتھ یا موانست کے ساتھ۔ تو بہشت نتیجہ رضاء دوست ہے۔ اور دوزخ نتیجہ سخط و غضب یار ہے۔

اسی طرح روحِ مومن کو معرفت روح سے راحت ہے اور نفس کی وجہ میں حجاب و ضلالت حتی کہ مومن دوزخ سے اس وقت تک خلاصی نہ پائے گا۔ اور بہشت نہ پہنچ سکیگا۔ جب تک حقیقتِ رویت نہ پائے اور محبت کی صفائی کو حاصل نہ کرے۔ اسی طرح جب تک بندہ دنیا میں نفس سے نجات نہ پائے۔ تحقیقِ ارادہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے اس کی قائد روح ہے۔ اور جب تک تحقیقِ ارادہ حاصل نہ ہو۔ قربت و معرفتِ ذات کو نہیں پہنچ سکتا۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ جو دنیا میں اس ذات کو پہچان لے گا۔ غیروں سے اعراض کریگا اور صراطِ شریعت پر قائم ہو گا۔ تو قیامت کے دن دوزخ و پل صراط کو دیکھے گا۔

مختصر یہ کہ روحِ مومن وہ ہے جس کو بہشت پکارتا اور بلاتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں وہ نمونہ بہشت تھا۔ اور نفس وہ ہے کہ اس کو بلانے اور پکارنے والا دوزخ ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں وہ نمونۂ دوزخ تھا۔ تو مومن وہ ہے جو کامل مدبر عقل ہے اور دوسرا وہ ہے جس کی قائد حرص و ہوا ہے ناقص ہے۔ تو ایک کی تدبیر صواب ہے۔ دوسرے کی تدبیر ناقص اور محض خطا ہے۔ تو طالبِ درگاہِ احدیت پر واجب ہے کہ ہمیشہ مخالفتِ نفس کرے تاکہ اس کی مخالفت سے روح اور عقل کو مدد ملتی رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل جو کچھ مشائخ کرام نے نفس کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں اَشَدُّ الْحِجَابِ رُؤْيَةُ النَّفْسِ وَتَدْبِيْرُهَا۔ سخت ترین بندہ کا حجاب نفس کا دیکھنا ہے۔ اور ان کی تدبیر کا اتباع۔ اس لیے کہ مطابقتِ نفس مخالفتِ حق عزوجل ہے اور مخالفتِ حق تمام حجابوں کا سرچشمہ ہے۔

اور حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلنَّفْسُ صِفَةٌ لَا تَسْكُنُ اِلَّا بِالْبَاطِلِ۔ نفس ایک ایسی صفت ہے جسے سکون بغیر باطل پرستی کے نہیں۔ اور حق سے اس کی سیری ہرگز نہیں ہوتی۔

حضرت محمد بن علی ترمذی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ تُرِیْدُ اَنْ تَعْرِفَ الْحَقَّ مَعَ بَقَاءِ نَفْسِكَ فِیْكَ وَنَفْسُكَ لَا تَعْرِفُ نَفْسَهَا فَكَیْفَ تَعْرِفُ غَیْرَهَا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور نفس کو سلامت رکھے تو تجھ میں تیرا نفس اپنے کو باقی رکھنے کی صورت میں تجھ کو نہیں پہچاننے دیتا۔ تو پھر تو غیر یا ذاتِ باقی کو کیسے پہچان سکتا ہے۔ یعنی جب تک تیرا نفس باقی ہے تجھے خود بخود محجوب رکھیگا اور جب تو محجوب ہوگا۔ تو کس طرح کشفِ جمال حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَسَاسُ الْكُفْرِ قِیَامُكَ عَلٰی مُرَادِ نَفْسِكَ۔ کفر کی جڑ تیرا قیام ہے بمراد و مقصودِ نفس پر۔ اس لیے کہ نفس کو لطیفۂ اسلام سے مقارنت نہیں تو لامحالہ نفس ہمیشہ اعراضِ اسلام پر کوشاں رہے گا۔ اور معرض منکر ہوتا ہے اور جو منکر ہوتا ہے وہ بیگانہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلنَّفْسُ خَائِنَةٌ بِالْاَمَانَةِ مَانِعَةٌ مِنَ الرِّضَاءِ وَاَفْضَلُ الْاَعْمَالِ خِلَافُهَا۔ نفس خائن ہے۔ امانتِ ایمان میں اور مانع ہے اعمالِ صالحہ سے اور طلب رضا کا مخالف ہے۔ لہذا بہترین اعمال سے مخالفتِ نفس ہے۔
اس لیے کہ خیانتِ امانت میں مقتضیٔ بیگانگی ہے اور ترکِ رضا اپنا گم کرنا اور تباہ ہونا ہے علاوہ اس کے مشائخ کرام کے بہت سے ارشادات ہیں۔ جن کا احصاء وحصر اس مختصر میں مشکل ہے اب ہم اپنی مقصود کی طرف آتے ہیں اور مذہب سہل میں جو صحت مجاہدۂ نفس و ریاضت پر ثبوت ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

مجاہدۂ نفس

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وہ لوگ جنھوں نے ہمارے معاملہ میں مجاہدہ کیا البتہ ہم انہیں اپنی راہ دکھادیں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِی اللّٰهِ۔ مجاہدہ کرنے والا وہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں اپنے نفس کا مقابلہ اور اس کی مخالفت کی۔

اور فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ قَالَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ۔ لوٹے ہم چھوٹے جہاد یعنی غزوات سے بڑے جہاد کی طرف۔ صحابہ نے عرض کی حضور بڑا جہاد کیا ہے۔ فرمایا نفس کا مقابلہ۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات پر جہادِ نفس کی فضیلت ظاہر فرمائی اس لیے کہ نفس کے جہاد میں رنج زیادہ ہے اور وہ خواہش نفسانیہ کو دفع کرنا ہے اور جہادِ نفس یہ ہے کہ نفس کی خواہشات پر قہر کرنا۔

تو اب اچھی طرح یاد رکھو۔ خدا تمہیں عزت دین و دنیا عطا فرمائے۔ طریق مجاہدہ نفس ظاہر اور واضح ہے اور تمام ادیان و ملل میں اسے پسندیدہ کیا ہے اور صوفیوں کے طریقہ میں مجاہدہ نفس کا لحاظ رکھنا محترم ہے۔ اور صوفیاء عوام و خواص مجاہدہ نفس کو خاص طور پر لازم جانتے ہیں اور اس میں مشائخ کرام کے رموز اور ارشادات بہت زیادہ ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اس مجاہدۂ نفس کو اصلِ اصولِ تصوف قرار دیتے اور اس میں خاص مبالغہ فرماتے ہیں۔ اور دلائلِ مجاہدہ ان کے بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل نے اپنی یہ عادت کر رکھی تھی کہ پندرہ روز بعد ایک بار آپ کھانا تناول فرماتے۔ اور اس قدر تقلیل غذا کرنے کے باوجود آپ کی عمر مبارک بہت طویل تھی۔

چنانچہ حضرت سہل نے بھی مشاہدہ کے لیے مجاہدہ کو علت فرمایا۔ اور عرفانِ حق کی طلب کے لیے مجاہدہ کو خاص طور پر مؤثر قرار دیا ہے۔ حضرت سہل ایسی حیاتِ دنیا کو جو طلب مشاہدہ میں ہو اس حیاتِ اُخروی پر جو جزاءِ عمل کے لیے ہے بہتر و بزرگ فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ جزاء اس حیات کے اعمال کا ثمرہ ہے۔ تو جب حیاتِ دنیا میں عمل کرے گا۔ تو عاقبت میں ثمر قرب پائیگا بغیر خدمت و مجاہدہ قربت حاصل نہیں ہو سکتی تو انسان کو چاہیئے کہ واصل بحق ہونے کی جو علت ہے یعنی مجاہدہ اس میں اتنی سعی کرے جتنی اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے۔ اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهَدَاتِ۔ مشاہدات مجاہدوں کی میراث ہیں۔

ایک کہتے ہیں کہ مجاہدہ وصول الی اللہ کی علت ہے۔ اس لیے کہ یہ تقرب عطاءِ الٰہی سے

ہے اور عطاءِ الٰہی کو کسی عمل اور مجاہدہ سے سروکار نہیں[1]

تو مجاہدہ ضروری ہے تو صرف تہذیبِ نفس کی غرض سے نہ کہ حقیقتِ قرب حاصل کرنے کے لیے
اس لیے کہ مجاہدہ کی طرف رجوع ہونا بندہ کی طرف سے ہے اور مشاہدہ فضلِ الٰہی سے تو اندریں صورت
مجاہدہ کا سبب بننا مشاہدہ کے لیے محال ہے۔ یا مجاہدہ آلۂ مشاہدہ بنے یہ بھی ناممکن۔

حضرت سہل اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ آیہ کریمہ پیش کرتے ہیں۔

فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ جن لوگوں نے ہمارے لیے مجاہدہ کیا۔ یقیناً ہم انہیں اپنی
راہیں دکھا دیں گے۔

اور حقیقتِ واقعہ یہی ہے کہ جدوجہد مشاہدہ باری کرتا ہے وہ مشاہدہ حاصل کر لیتا ہے۔[2]

اور ورود جملہ انبیاء کرام علیہم السلام اور احقاقِ شریعت اور نزول کتب سماویہ اور بندوں کو مکلف باحکام
کرنا، یہ سب مجاہدہ ہے۔ اگر مجاہدہ علتِ مشاہدہ نہ ہو تو ان تمام امور کی حقانیت باطل ہو جاتی
ہے۔ اور یہ بھی حقیقتِ واقعہ ہے کہ دین اور احوالِ عاقبت اور اس کے تمام احکام کسی علت کے
ماتحت ہیں تو جو علل احکام کی نفی کرتا ہے۔ اس سے شرع اور رسم سب اٹھ جاتی ہے۔ تو اصل میں
مکلف باحکام ہونے کا ثبوت ہو گا نہ فرع میں۔

پھر ظاہر ہے کہ بھوک کے دفع کرنے کو کھانا اور کپڑا سردی گرمی کے دور کرنے کے لیے علت ہے
اور نفی علت تمام معانی میں معلول کے معطل کرنے کو لازم ہے۔ تو افعال میں اسباب دیکھنا توحید ہے
اور اس کا اٹھا دینا ترکِ افعال کرنا اور معطل ہو جانا ہے۔

چنانچہ مشاہدہ میں دلائل ہوتے ہیں تو دلائل کا انکار مشاہدہ کا انکار ہے۔ اور صاف طور پر
اسے مکابرہ کہا جا سکتا ہے۔ (مکابرہ کہتے ہیں۔ اس گفتگو کو جس میں احقاقِ حق ملحوظ نہ ہو۔ بلکہ اپنی
شخصیت اور بڑائی دکھانی مطلوب ہو)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ سرکش گھوڑے کو ریاضت کرا کر اس کی بہیمیت دور کر دی جاتی
ہے۔ ریاضت کے بعد وہی سرکش گھوڑا آدمی کی صفات حاصل کر لیتا ہے اور اس کی حیوانی اور

---

[1] ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ (از مترجم غفرلہ)

[2] عربی میں ضرب المثل بھی ہے۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ۔ جس نے کوشش کی، پایا) از مترجم۔

بیسی صفات انسانیت سے بدل جاتی ہیں۔

چنانچہ بعد ریاضت گھوڑا پاؤں اٹھا کر اپنے سوار کو دیتا ہے۔ پولو میں گیند اٹھا کر سوار کو دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر ایک بے عقل عجمی لڑکے کو ریاضت کرکے عربی زبان میں افصح الفصحاء بنا لیتے ہیں اور اس کی گنوار زبان جو طبعی تھی۔ ایسی بلیغ ہو جاتی ہے کہ یا مدد شاید۔

ایک وحشی جانور بعد ریاضت اتنا سدھایا جاتا ہے کہ جب اُسے چھوڑ دیا جائے اور جب بلاؤ فوراً آجائے۔ حتیٰ کہ اُسے وہ آزادی جو پہلے تھی۔ اب ریاضت کے بعد اس سے زیادہ قید پسند ہو جاتی ہے۔

گندے کتے کو دیکھو کہ ریاضت و مجاہدے کے بعد اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کا مارا ہوا حلال ہو جاتا ہے۔ اور بلا ریاضت و مجاہدہ کے اگر انسان بھی مارے۔ تو وہ شرعاً حرام ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ[1]

تو ثابت ہوا کہ شرع اور رسم کا مدار بھی مجاہدہ و ریاضت پر ہے۔

پھر حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود حصولِ قرب اور وصلِ مطلوب کے اور عاقبت کی طرف سے بے فکر کئے جانے کے اور عصمت و پاک دامنی محقق ہوتے ہوئے دن بھر کی عبادتیں اور راتوں کی شب بیداریاں اس قدر زیادہ کیں جو مجاہدہ سے بھی آگے بڑھ گئیں حتیٰ کہ قرآنِ کریم میں حکم باری تعالیٰ نازل ہوا۔ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى

اے محبوب! ہم نے تم پر قرآن کریم اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ کو اسقدر مشقت میں ڈال دیں۔

(نکتہ عجیبہ) طٰہٰ میں ط اور ہ جو ہے اس کے عدد باعتبار اعداد ابجد چودہ ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ط کے عدد ۹ ہوتے ہیں اور ہ کے عدد پانچ۔ دونوں کو جمع کرنے سے ۱۴ کا عدد حاصل ہوتا ہے اور چودھویں رات کا چاند چونکہ کامل ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کرم خاص سے فرمایا۔ اے ہمارے ماہِ کامل ہم نے یہ قرآن تجھ پر مشقت بڑھانے کے لیے نازل نہیں فرمایا) (از مترجم ابوالبرکات خطیب مسجد وزیر خاں غفرلہ)

---

[1] جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ الخ۔ فرما دیجئے کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور جو شکاری جانور تم نے سدھا لیے ہوں انہیں شکار پر دوڑاتے ہوئے جنہیں علم خدا نے دیا ہوا ہے۔ (از مترجم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تعمیرِ مسجد کے وقت پتھر اٹھا رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ اس میں حضور کو تکلیف ہو رہی ہے میں نے عرض کی حضور یہ خدمت میرے سپرد فرما دیجئے تاکہ حضور کی جگہ یہ کام میں کروں۔ حضور نے فرمایا۔ خُذْ غَیْرَهَا فَاِنَّهٗ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ۔ تم اور پتھر اٹھاؤ اس لیے کہ آرام دُنیا کا کچھ نہیں۔ آرام تو آخرت کا ہے۔ اور یہ مقام مشقت و ریاضت ہے۔

اور حبان بن خارجہ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضور غزوہ یعنی جہاد کے بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا اِبْدَاْ بِنَفْسِكَ فَجَاهِدْهَا وَابْدَاْ بِنَفْسِكَ فَاغْزُهَا فَاِنَّكَ اِنْ قُتِلْتَ فَارًّا بَعَثَكَ اللّٰهُ فَارًّا فَاِنْ قُتِلْتَ مُرَائِيًا بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا وَاِنْ قُتِلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا۔ اپنے نفس کے ساتھ جہاد شروع کر اور پھر اپنے نفس سے ہی غزا کر۔ اس لیے کہ اگر تو نے اُسے قتل کر دیا۔ بھاگتے ہوئے تو اللہ تجھے بروزِ قیامت اس کے بھگانے والوں میں اُٹھائیگا اور اگر تو نے اسے قتل کیا دیکھ کر تو قیامت کے دن اللہ تجھے نفس کی نگرانی کرنے والوں میں اٹھائیگا اور اگر تو نے اُسے قتل کیا صبر کر کے آخرت کے اجر کی اُمید پر تو اللہ تجھے قیامت کے روز صابر و محتسب اُٹھائیگا۔

غرضکہ جس قدر الفاظ و عبارات میں مجاہدہ کی تعریف کی گنجائش ہے۔ اسی قدر مجاہدات کا اثر اصولِ تصوف میں ہے جس طرح کہ یہاں عبارات اور تالیف بغیر تصریح کے مفید نہیں۔ ویسے ہی اصولِ تصوف میں مجاہدہ بغیر کسی قسم کا عمل درست نہیں۔ اور جو اس کے سوا دعویٰ کرے وہ خالی ہے۔ اس لیے کہ جہان اور اس کے حدوث کا ثبوت اس کے خالق کی معرفت پر دلیل ہے۔ اور معرفتِ نفس اور اس سے مجاہدہ معرفتِ خدا کے لیے اصل الاصول ہے۔

اور وہ دوسری جماعت جو مجاہدہ کو سبب تقرب و عرفان نہیں مانتی اس کی یہ دلیل ہے کہ یہ آیہ کریمہ باعتبار تفسیر مقدم مؤخر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا اس کی تفسیر یوں ہے۔ وَالَّذِیْنَ هَدَیْنَا لَهُمْ سُبُلَنَا جَاهَدُوْا فِیْنَا جنہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا ہم نے انہیں اپنی راہ دکھا دی۔ یعنی جنہیں

ہم نے راہ دکھائی۔ اُنھوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لَن یُّنجِیَ اَحَدَکُمْ بِعَمَلِہٖ۔ کوئی تم میں سے اپنے عملوں کے بدلے نجات نہیں پا سکتا۔ قِیْلَ
وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عرض کیا گیا اور حضور آپ بھی قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ
اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ فرمایا۔ ہاں اور میں بھی نجات نہیں پا سکتا مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانک لے[1]

تو معلوم ہوا کہ مجاہدہ و ریاضت بندہ کا فعل ہے اور یہ محال ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی
نجات کا سبب ہو۔ تو بندہ کی خلاصی اور نجات ارادت اللہ سے متعلق ہے۔ نہ کہ مجاہدہ سے
اسی لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ
وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا۔ جس کے ساتھ اللہ ارادہ فرمائے
ہدایت کا تو اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔ اسلام کے نور کی طرف اور جس کے ساتھ اللہ ارادہ فرمائے گمراہ
رکھنے کا اس کا سینہ تنگ فرما دیتا ہے اور شکوک کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ تُؤْتِی
الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ جس کو اللہ چاہے ملک ایمان عطا فرمائے
اور جس سے چاہے مملکتِ ایمانی سلب فرمائے۔ ان آیات میں اپنے ارادہ کے مقابلے میں مخلوق کے
ارادہ اور مجاہدہ کی نفی فرمائی ہے۔ تو اگر مجاہدہ ہی حصول اور قربِ ذات کی علت ہوتا تو شیطان
بڑا مردود نہ ہوتا۔ اور اگر مجاہدہ قربِ الٰہی سے رد ہونے کی علت ہوتا تو آدم علیہ السلام ہرگز مقبول و
مصطفیٰ نہ ہوتے۔

تو ہر معاملہ سابقت الٰہیہ پر موقوف ہے نہ کہ کثرتِ مجاہدہ پر۔ جو زیادہ زہد و ریاضت کرنے
والا ہے۔ وہ مامونِ غضبِ جبار نہیں بلکہ جو مستحقِ عنایاتِ الٰہی ہے۔ وہی نزدیک تر ہے ذاتِ
حق سے۔

ایک صومعہ میں مقرونِ اطاعت ہے مگر قربِ حق سے بعید و مردود ہے اور ایک رندِ خراباتی
مرتکبِ معاصی ہے مگر ذاتِ حق سے نزدیک ہے۔ تو اب سب سے بہترین پہلو یہ ہے کہ جس کا ایمان

---

[1] (یعنی کوئی نبی درجاتِ نبوت بغیر معصوم نہیں اور منصبِ نبوت اللہ تعالیٰ کا سایۂ رحمت
ہے اور یہ سایہ ہر نبی پر چھایا ہوا ہے۔ بالخصوص حضور کی ذاتِ اقدس پر ہر لمحہ اپنا سایۂ رحمت
ہے کہ ذاتِ اقدس مجسم رحمۃ للعالمین ہے) از مترجم

نری ہے وہی متقرب ہے اور بس۔ جو لڑکا مکلف باحکام نہیں اس پر حکم ایمان کا ہے۔ اور ایک شخص مجنون ہے لیکن مجنون ہونا اس کے ایمان کے خلاف نہیں اس پر بھی حکم ایمان کا ہوگا تو سب سے بڑی چیز عطاء الٰہی ہے اور مجاہدہ و ریاضت ہرگز علت نجات و تقرب نہیں۔

اور میں کہتا ہوں (حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان الجلابی رحمۃ اللہ علیہ) کہ یہ سب چیزیں جو مذکور ہوئیں عبارت میں تو ٹھیک ہیں لیکن حقیقت معنیٰ اس کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ایک کہتا ہے مَنْ طَلَبَ وَجَدَ۔ جو طلب کرتا ہے پا لیتا ہے۔ دوسرا کہتا ہے مَنْ وَجَدَ طَلَبَ۔ جو پا لیتا ہے وہ طالب ہو جاتا ہے تو کہیں پانا سبب طلب کا ہے۔ کہیں طلب کرنا سبب پانے کا کہا جاتا ہے۔ تو گویا ایک کے نزدیک مجاہدہ کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ ایک کے نزدیک مشاہدہ کے بعد مجاہدہ کیا جاتا ہے۔

اور ان سب باتوں کی حقیقت یہ ہے کہ مجاہدہ مشاہدہ میں بجائے توفیق اطاعت کے ہے۔ اور وہ محض عطاء الٰہی ہے۔ تو جب حصولِ اطاعت بے توفیقِ الٰہی محال ہے تو توفیق بھی بغیر اطاعت محال ہوگی۔ اور جب مشاہدہ بلا مجاہدہ موجود نہیں تو بے مجاہدہ مشاہدہ بھی محال ہوگا۔

تو ہر معاملہ میں لمعاتِ جمالِ جمیل کی ضرورت ہے تاکہ بندہ کو مجاہدہ کی راہنمائی ہو۔ تو جب علتِ وجودِ مجاہدہ اس لمحہ کی تابانی کو ظاہر کر دے تو ہدایتِ حق مسابقت کرے گی مجاہدہ پر۔

لیکن جو جماعت سہل یہ حجت پیش کر رہی ہے کہ جو مجاہدہ کو سببِ مشاہدہ نہیں مانتا وہ جملہ انبیاء کرام و کتب و احکامِ شرائع کا منکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تکلیف کا مدار مجاہدہ پر رکھتی ہے۔ بہتر یہ تھا کہ وہ تکلیف کا دار و مدار ہدایتِ حق تعالیٰ پر رکھتی۔ اس لیے کہ ثبوت حجت کے لیے ہے نہ حقیقتِ وصل کے واسطے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ۔ اگر ہم فرشتوں کو ان کی طرف نازل فرمائیں اور مردے ان سے کلام کر لیں اور قبروں سے نکل آئیں تو سب چیزیں ان پر ظاہر ہو جائیں تو جب تک ہم نہ چاہیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔ کیونکہ علتِ ایمان ہماری مشیت ہے نہ کہ رویتِ دلائل اور ان کی کوشش۔ اور پھر فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ

فَہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وہ لوگ جو کافر ہیں برابر ہے ان کے نزدیک اظہار حجت اور بیان دلائل ہوں قیامت اور ان سے اعراض اور ترک ہدایت ایمان دالوں کیسا تو وہ کبھی مومن نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں کو ہم نے مختوم بشقاوت کیا ہوا ہے۔

تو ورود انبیاء علیہم السلام اور نزول کتب اور ثبوت شرائع اسباب وصول الی اللہ ہیں۔ نہ کہ علت وصول۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکلف باحکام اسی قدر تھے جس قدر کہ ابوجہل۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انصاف کی روشنی میں فضیلت خلافت پر پہنچ گئے اور ابوجہل جہالت کی تاریکی میں اس فضیلت سے محروم رہ گیا۔

تو وصول کی علت عین وصول ہے نہ وصول کی طلب۔ کیونکہ اگر طالب و مطلوب دونوں ایک ہوتے تو طالب واجد ہوتا اور جب طالب واجد ہوتا تو طالب نہ رہتا۔ اس لیے کہ رسیدہ آسودہ ہوتا ہے اور طالب پر آسودگی وآرام درست نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ۔ جس کے دو روز مساوی گزریں وہ نقصان میں ہے۔

اس لیے کہ طالب کا ہر روز اول روز سے بہتر ہونا چاہیئے۔ اور یہ درجہ طالبان کا طغریٰ امتیاز ہے۔

پھر ارشاد فرمایا اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا۔ استقامت حاصل کرو مگر ایک حال پر نہ رہو۔ تو مجاہدات کو سبب تو فرمایا (مگر علت نہ بتایا) اور سبب کو تحقیق الیہ کی وصول سے الگ کیا۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہم گھوڑے کو ریاضت مجاہدہ سے دوسری صفت کی طرف پھیر لیتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ گھوڑے میں ایک پوشیدہ صفت اطاعت و فرمانبرداری کی ہوتی ہے۔ اس کے ظاہر کرنے کے لیے ریاضت، سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھوڑا بغیر پھرائے اور ریاضت کرائے اپنی صفت باطنی کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

لیکن گدھے میں یہ صفت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی ریاضت سے گھوڑا نہیں بن سکتا اور ریاضت سے گھوڑے کو گدھا نہیں بنا سکتے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہو جائے تو ذات کا بدلنا مجاہدہ سے لازم آتا ہے۔

تو جو چیز عین ذات کو بدلنے پر قادر نہیں وہ حضور حق تعالیٰ میں اپنا اثر نہیں دکھا سکتی۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ پر مجاہدہ اتنا وارد تھا کہ وہ اس سے آزاد تھے اور ان کی ذات سے

اس کا بیان منقطع تھا۔ یعنی وہ خالص مجاہد تھے نہ نشان یعنی زبانی خرچ کرنے والے۔

وہ اس گروہ کی طرح نہ تھے جس نے بغیر عمل اس عبارت کو مذہب بنا لیا۔ اور یہ امر بھی محال ہے کہ عمل و اعتقاد صرف بیان پر موقوف ہو جائیں۔

مختصر یہ ہے کہ اہل طریقت کے لیے بالاتفاق مجاہدہ اور ریاضت لازمی ہے۔ لیکن مجاہدہ میں رویت مجاہدہ آفت ہے تو جو مجاہدہ کی نفی کر رہا ہے اس سے عین مجاہدہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ رویت مجاہدہ مراد ہے تاکہ عُجب و نخوت نہ پیدا ہو۔ اپنے عمل سے محل قدس میں۔ کیونکہ مجاہدہ فعل عبد ہے۔ اور مشاہدہ کا وصول فعل معبود۔ تو جب تک خدا عزاسمہ کا وصل نہ ہو۔ فعل عبد کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ خدا کی قسم ایک دن تو خود انصاف سے کہے گا کہ با ایں آراستگی و شائستگی کے تو نے فضل حق نہ پایا اور اس پر تو فضول اس قدر اپنے عمل کی تعلی مار رہا ہے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ اعمال و افعال محبان افعال الٰہی ہوتے ہیں اور خود اس میں محض بے اختیار ہیں۔ صرف گزارش اور قہر بر نفس ان کا ہے اور گزارش تمام کی تمام نوازش ہے۔ اور غافلوں کا مجاہدہ غافلوں کا ہر فعل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال میں ہر دم ان کے اختیار سے تشویش و پریشانی اور پراگندہ دلی ہوتی ہے اور پراگندہ دلی کی آفت ان پر استیلا کرتی ہے۔

تو جہاں تک ہو سکے اپنے عمل کو اپنا فعل نہ بنا اور کسی حالت میں اتباع نفس و ہوا نہ کر۔ اس لیے کہ تیرا وجود تیرے لیے ایسا حجاب ہے کہ اگر ایک فعل سے محجوب ہو گا تو دوسری طرف تو عمل سے اٹھ جائیگا تو پھر جب تیرا تمام وجود ہی حجاب ہے۔ تو جب تک کلیۃً فنا بر شائستۂ بقا ہرگز نہیں ہو سکتا۔[۱] لِاَنَّ النَّفْسَ کَلْبٌ نَابِغٌ وَجِلْدُ الْکَلْبِ لَا یَطْهُرُ اِلَّا بِالدَّبَاغِ۔ اس لیے کہ نفس ایک سرکش کتا ہے اور کتے کی جلد بغیر دباغت اور رنگائی کے پاک نہیں ہوتی۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں محمد بن حسین علوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر جا کر اترے۔ اور حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں تشریف لائے۔ جب انھیں حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کی خبر پہنچی خدمت میں تشریف لائے۔

---

[۱] (جیسا کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (از مترجم غفرلہ)

حجاب چہرۂ جاں می شود غبار تنم	خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم

حضرت منصور نے فرمایا۔ ابراہیم آپ کو اس کوچہ طریقت میں رہتے ہوئے چالیس سال گزر گئے اس میں آپ نے کیا چیز ایسی پائی جسے بالخصوص تسلیم کیا جائے۔ عرض کی حضرت مجھے تو سب سے بڑی چیز توکل نظر آتی ہے۔

حضرت منصور نے فرمایا۔ اَفْنَیْتَ عُمْرَکَ فِیْ عِمْرَانِ بَاطِنِکَ فَاَیْنَ اَلْفَنَاءُ فِی التَّوْحِیْدِ۔ ابراہیم آپ نے اپنی عمر باطن کی طرف سے ضائع کی۔ پھر توحید میں فنا ہونا کب ہوگا۔ یعنی توکل ایک عمل ہے جو اپنی طرف سے اپنے رب کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں اللہ کے ساتھ پردۂ غیب سے ظہور میں آتے۔ اس پر بھروسہ رکھنا۔ تو جب تمام عمر معالجت باطنی میں گزار دی تو اب ایک دوسری عمر کی ضرورت ہے۔ جس میں علاج ظاہر کیا جائے۔ اس لیے کہ اس طرز عمل میں تو تقرب حق کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ ابو علی سیاہ مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو دیکھا اپنی صورت کے مماثل کہ کسی نے اس کے بال پکڑ رکھے ہیں جب میں نے اسے دیکھا تو اس شخص نے وہ بال میرے ہاتھ میں دے دیئے۔ میں نے اسے درخت سے باندھ کر مارنے کا عزم کیا۔ تو نفس مجھ سے بولا۔ اے ابو علی محنت نہ کرو۔ میں لشکر الٰہی سے ہوں۔ تم مجھے مٹا نہیں سکتے۔

حضرت محمد بن علیان نسوی سے مروی ہے۔ یہ حضرت جنید کے بڑے صاحبوں میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے ابتداء میں ہی آفات نفس پر آگاہی ہو چکی تھی اور میں نے اپنے کنج قلب میں اس کی کمین گاہ معلوم کرلی تھی۔ مجھے اس سے سخت دشمنی تھی۔ ایک دن بلی کی صورت میں کوئی چیز میرے حلق سے نکلی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی شناخت کرائی میں نے جانا کہ یہ نفس ہے۔ میں نے اسے زمین پر ڈال کر لاتوں سے روندنا شروع کر دیا۔ مگر جوں جوں میں اسے لاتیں مارتا تھا۔ توں توں وہ بڑھتا جاتا تھا۔ میں نے کہا۔ او خبیث ہر چیز مار پیٹ سے گھٹتی ہے۔ تو کس لیے بڑھ رہا ہے۔ نفس بولا۔ حضرت میری آفرینش مخلوق کے برعکس ہے۔ جو چیزیں آپ کے لیے رنجدہ ہیں۔ میرے لیے وہ موجب راحت ہیں۔ اور جو چیزیں آپ کے لیے سبب راحت ہیں میرے لیے موجب رنج ہیں۔

حضرت ابو الحسن شقانی رحمۃ اللہ علیہ امام وقت گزرے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ میں ایک ر

اپنے گھر گیا۔ ایک چھوٹا سا کتا زرد نظر پڑا کہ ایک جگہ سو رہا ہے۔ میں سمجھا کہ محلہ میں سے کسی طرح یہاں آکر سو گیا ہے۔ میں نے اُسے نکالنا چاہا تو وہ میرے دامن کے نیچے آیا اور غائب ہو گیا۔

حضرت ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ جو آج کے دن قطب مدار ہیں ابقا اللہ تعالیٰ۔ وہ اپنے ابتدائی حالات سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو سانپ کی شکل میں دیکھا۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے نفس کو چوہے کی صورت میں دیکھا۔ میں نے کہا۔ تو کون ہے؟ کہنے لگا میں غافلوں کی ہلاکت ہوں۔ اس لیے کہ برائی کی طرف بلانے والا اور شر و سرور کا داعی میں ہوں۔ اور محبوبانِ خدا کے حق میں نجات ہوں۔ اس لیے کہ میرا وجود آفت ہے اگر میں محبوبانِ خاص کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ اپنی پاک بازی پر مغرور ہو جاتے اور اپنے اعمال پر تکبر کرتے کیونکہ جب وہ دلوں کی پاکی اور اسرار کی صفائی اور ولایت کے انوار اور اطاعت پر استقامت دیکھتے ہیں تو عجب اور حرص ان میں پیدا ہو جاتی ہے اور جب مجھے دونوں پہلوؤں پر دیکھتے ہیں تو ان کے تمام عیوب فنا ہو جاتے ہیں اور وہ ہر عیب سے پاک ہو جاتے ہیں یہ تمام باتیں اس امر پر دلیل ہیں کہ نفس ایک عین ہے نہ کہ صفت۔ اور اس نفس کے لیے صفت علیحدہ ہے اور ہم صرف نفس کی صفتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَعْدَا عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے۔ جو تیرے پہلو میں ہے۔

تو جب معرفت نفس حاصل ہو گئی تو سمجھ لے کہ اب اسے ریاضت و مجاہدہ سے اپنے قبضہ میں لاسکے گا۔ لیکن نفس کا مایہ اور اس کی اصل نابود نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب نفس کی شناخت صحیح ہو جاتی ہے۔ تو طالبِ حق کو اس کے باقی رہنے سے خوف نہیں ہوتا۔ لِاَنَّ النَّفْسَ كَكَلْبٍ مُبَاحٌ وَ اِمْسَاكُ الْكَلْبِ بَعْدَ الرِّيَاضَةِ مُبَاحٌ اس لیے کہ نفس ایک بھونکنے والا کتا ہے اور ریاضت و اصلاح کے بعد کتے کا باندھ رکھنا جائز ہے۔ تو مجاہدات نفس فنائے اوصافِ نفس کے لیے ہیں نہ کہ اس کے عیب کو فنا کرنے کے لیے۔

اگرچہ مشائخ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بحث میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ لیکن بخوفِ طوالتِ کتاب اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اب ہم حقیقتِ ہوا اور ترکِ شہوات میں بیان شروع کرتے ہیں۔

حقیقت ہوا

تم کو اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ہویٰ ایک جماعت کے نزدیک اوصافِ نفس میں ایک صفت کا نام ہے۔ اور ایک گروہ کے نزدیک جو اس ارادہ کا نام ہے۔ جو نفس میں مدبر اور متصرف ہے جیسے عقل روح ہے۔ اور ہر وہ روح جس میں عقل سے کوئی قوۃ نہ ہو وہ ناقص ہے اور ہر وہ نفس کہ اس میں ہویٰ کا کوئی قوہ نہ ہو وہ بھی ناقص ہے۔

تو نقص روح نقص قربت ہے اور نقص نفس عین قربت۔ اور ہمیشہ ہر بندہ کے لیے عقل اور ہویٰ کی طرف سے دعوت رہتی ہے۔ لیکن جو عقل کی دعوت کا پیرو ہو ادہ ایمان حاصل کر لیتا ہے اور جو ہویٰ کی دعوت قبول کرے وہ گمراہی اور کفر پر ہو گیا۔ تو ہویٰ واصلین کے لیے حجاب ہے اور مختلوں، نامردوں کے حق میں ان کا ملجا و ماویٰ ہے۔

طالب اس جگہ سے ہمیشہ اعراض کرتے ہیں اور بندہ مخالفتِ نفس پر مامور ہے۔ اور خواہشاتِ نفس کا مرتکب مجرم ہے۔ لِاَنَّ مَنْ رَكِبَهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ اس لیے کہ جو نفس کی پیروی پر لگ گیا ہلاک ہو گیا اور جس نے اس کے خلاف کیا وہ ملکی صفات کو پہنچ گیا۔ جیسا کہ حضرت رب العزت جل مجدہٗ نے فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ جو اپنے رب سے خائف رہا اور نفس کو اس کی خواہش و ہویٰ سے منع کرتا رہا۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى۔ اس کے لیے جنت آرام گاہ ہے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِىْ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ میری اُمت پر سب سے زیادہ خوفناک امر اتباع ہویٰ و حرص اور امید طویل ہے۔

اور حضرت سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اَلْهَوٰى اِلٰهٌ مَعْبُوْدٌ یعنی کیا تو نے دیکھا اس کو جس نے اپنی خواہش نفسانی اور ہویٰ و حرص کو معبود بنا لیا۔ یعنی وہ شخص جس کا خدا اور معبود ہویٰ ہے اور شب و روز اس کی ہمتیں اپنی ہوا کے پورا کرنے میں صرف ہو رہی ہیں ان پر افسوس ہے۔ اور ہوا کی دو قسم ہیں۔ ایک ہوائے لذت و شہوت، دوسری ہوائے جاہ خلق و ریاست۔

وہ شخص جو متبع ہوائے لذات و شہوات ہے وہ شغل خرابات کے لیے شراب خوری اور قمار خانہ میں ہے۔ اس سے مخلوق ہر قسم کے فتنہ کی طرف سے مامون ہے اور وہ جو متبع جاہ و ریاست ہے وہ صوامع اور دیر میں خلوت نشینی کرتا ہے اس کا فتنہ خلق میں لازمی ہے کہ اپنے کو راہ ہدایت سے گرا کر مخلوق کو گمراہ راستہ پر چلا رہا ہے۔ فنعوذ باللہ من متابعۃ الہوی تو جس کی

تمام حرکات میں حرص و ہوا اور اتباع ہوئی اس کی عین رضا۔ وہ خواہ آسمان پر ہی کیوں نہ پرواز کرے تقرب حق سے بعید محروم ہی رہے گا۔

اور وہ جس کو ہوئی و حرص سے برات ہو اور اس کی اتباع سے اعراض۔ وہ اگرچہ بت خانہ میں کیوں نہ ہو مقرب بحق تعالیٰ ہوگا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ روم میں ایک راہب ستر سال سے رہبانیت میں گرجا کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔

میں نے کہا تعجب ہے کہ رہبانیت کی انتہائی مدت چالیس سال ہے۔ یہ کس لیے ستر سال سے اس گرجا میں پڑا ہوا ہے۔ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا۔ جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے دریچہ کھول کر مجھ سے کہا۔ ابراہیم مجھے معلوم ہے جس کام کے لیے تم میرے پاس آتے ہو۔ میں ستر سال سے اس جگہ رہبانیت کے لیے نہیں بیٹھا ہوں۔ بلکہ میرے پاس ایک کتا ہے جو حرص و ہوا سے شوریدہ ہے۔ میں اس جگہ اس لیے بیٹھا ہوں کہ اس کتے کی نگہبانی کروں اور اس کے شر سے لوگوں کو دور رکھوں۔ ورنہ میں وہ نہیں جو تمہارا اتنا بڑا اعتراض اپنے اوپر آنے دیتا۔ جب میں نے اس سے یہ بات سنی تو میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ بار الٰہا تو قادر علی الاطلاق ہے کہ اس راہب کو اس کی عین ضلالت میں طریق صواب و راہ راست عطا فرماتے۔

راہب مجھ سے کہنے لگا۔ ابراہیم کب تک لوگوں کو ڈھونڈے گا۔ جا اپنے آپ کو تلاش کر جب اپنے کو پالے گا تو اسی کی نگہبانی کر۔ کیونکہ ہر روز یہ ہوئی کا کتا تین سو ساٹھ (۳۶۰) لباس الوہیت

۱؎ بقول شخصے ہم کو دیتے ہیں صنم ہم کو دیکھنے کو دیتے [illegible]
۲؎ رہبانیت مذہب عیسوی میں [illegible] کہتے ہیں [illegible] ترک دنیا [illegible] کہ اس کی ممانعت حضور [illegible] نے ہر مسلمان کو فرمائی اور حکم دیا لا رہبانیۃ فی الاسلام۔ اسلام میں عیسائیوں کی سی ترک دنیا نہیں۔

چن کر بندہ کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔

اور یہ حقیقت واقعہ ہے کہ جب تک بندہ کے باطن قلب میں معصیت کی جرأت نہ ہو، ہوا تے معصیت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور جب ہوائے عصیاں ظاہر ہو جاتی ہے تو شیطان اُسے اپنے جال میں لے کر انواع و اقسام کی ورغلا دینے معصیت کی طرف لاتا ہے اور اس کے دل میں اپنی ظلمت کی تجلی کرتا ہے اور اسی کو وسواس کہتے ہیں۔

تو ابتداءِ معصیت ہوئی سے ہوتی ہے وَالْبَادِیْ اَظْلَمُ۔ اور ابتدار کرنے والا بڑا ظالم ہے اور اسی حقیقت کو فرمانِ الٰہی میں ظاہر کیا۔ جب کہ ابلیس نے جنابِ باری میں عرض کی کہ اب میں تیرے بندوں کو اغوا کروں گا تو ارشاد ہوا۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ تجھے میرے خاص بندوں پر کچھ غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو ثابت ہوا کہ شیطان درحقیقت نفس اور بندہ کی ہوا ہے اس لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَامِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ غَلَبَهُ الشَّیْطَانُ اِلَّا عُمَرُ فَاِنَّهٗ غَلَبَ شَیْطَانَهٗ۔ تم میں سے کوئی نہیں مگر یقیناً شیطان اس پر غالب ہے مگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہ وہ شیطان پر یعنی اپنی ہوا پر غالب ہیں۔

تو یہ امر واضح ہے کہ ہوا و حرص اور شہوات ابنِ آدم کی طینت و سرشت میں داخل ہیں اور اس کی راحتِ جان ہو چکی ہیں۔ چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ اَلْهَوٰی وَالشَّهْوَةُ مَعْجُوْنَتَیْنِ بِطِیْنَةِ ابْنِ اٰدَمَ۔ حرص و ہوا اور شہوت ابنِ آدم کی طینت میں گوندی گئی ہے۔

تو ہمیشہ یاد رکھو ترکِ ہوا بندہ کو امیر کرتی ہے اور اس کا اتباع اسیر بناتا ہے۔ جیسا کہ حضرت زلیخا نے اول ہوا کے اتباع کا ارتکاب کیا امیر تھی اسیر ہو گئی۔ یوسف علی نبینا وعلیہ السلام نے ترکِ ہوا فرمایا۔ اسیر تھے مگر امیر ہو گئے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ مَا الْوَصْلُ قَالَ تَرْكُ ارْتِكَابِ الْهَوٰی وصل کیا ہے۔ کہا ہوا کے اختیار کرنے کی ترک۔ جو یہ چاہتا ہے کہ وصلِ جمیل کے ساتھ اپنے کو معظم و اکرام بنائے وہ کیا کرے۔ فرمایا اس سے کہہ دو کہ ہوائے تن کی مخالفت کرے۔ اس لیے کہ پہاڑ کا ناخون سے کھود ڈالنا اس سے آسان ہے کہ مخالفتِ ہوا کرے۔

ایک حکایت میں ہے جو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک شخص دیکھا کہ ہوا پر اُڑ رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ یہ درجہ کس عمل کے بدلے میں پایا۔ بولا میں نے حرص وہوا کے راستے پر قدم نہ رکھا تو ہوا میں اُڑ رہا ہوں۔ حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فرمایا مجھے اس شخص پر تعجب ہے کہ متبع ہوائی ہو کر جمال جمیل حاصل کر رہا ہو۔ (اگر وہ طالب جمال جمیل حقیقی ہے تو ہوا پر اپنا قدم کیوں نہیں رکھتا کہ مقصود تک پہنچے اور دیدار یار حاصل کرے اور نفس کی زیادہ ظاہر صفت ہے وہ شہوت ہے اور شہوت ان کی ایسی قوت کا نام ہے جو اجزائے جسم میں پراگندہ ہے اور تمام حواس اس کے ساتھ ہیں اور بندہ ان کی نگہبانی پر مکلف ہے اور انسان ہر حس کے فعل کے ساتھ مسئول ہے۔

آنکھ کی شہوت دیکھنا ہے اور کان کی شہوت سننا اور جسم کی شہوت چھونا اور دل کی شہوت سوچنا تو طالب کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی شہوات پر نگہبان اور حاکم ہو اور رات دن اسی نگہبانی میں گزارے تاکہ وہ ابھی ہوئی جو حواس میں پیدا ہوتے ہیں از خود منقطع ہو جائیں اور اپنے رب حقیقی سے دست بدعا رہے کہ وہ تجھے ایسی صفت پر قائم کردے کہ ایسے ارادے اور وساوس تیرے باطن قلب سے مدفوع ہو جائیں۔

اس لیے کہ جو شخص اس شہوت وہوا کی دلدل میں پھنس گیا۔ وہ تمام وصال وجمال سے محجوب ہو گیا۔ تو اگر بندہ اس کو بتکلف اپنے سے دفع کرتا ہے تو اس کا رنج ومحنت دراز ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اجناس ہوائے وشہوت کا ورود دوجود متواتر ہے۔ لیکن اس ارادہ اور اس طرح دفع کرنے کا جو طریقہ ہے وہ مسلم ومقبول ہے اور بعد کامیابی ضرور مراد حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابو علی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے۔ فرماتے ہیں میں حمام میں گیا ہوا تھا اور سنت کے مطابق استرہ لے رہا تھا کہ دل میں خیال آیا کہ یہ عضو منبع شہوت ہے اور یہی تجھے آفتوں میں مبتلا رکھتا ہے۔ اسے اپنے سے جدا کردے تاکہ شہوات سے آزاد ہو جائے کہ غیبی ندا آئی کہ اے ابو علی ہماری ملکیت میں تصرف تو کرتے ہو۔ یکسں ہماری موزوں کی ہوئی دنیا جسم میں کسی عضو سے دوسرا عضو اولیٰ تر نہیں ہے۔ ہماری عزت وجلال کی قسم اگر تم نے یہ عضو اپنے سے جدا کردیا تو تمہارے ہر بن مو میں اس موجودہ شہوت

سو عجب شہرت اور ہوا نے نفسانی رکھ دیں گے ۔ اسی مضمون کی تائید میں کسی نے خوب کہا ہے ؎

اَلْاِحْسَانُ دَعْ بِاخْتِیَارِكَ　　　　اُتْرُكْ بِخُشُوْعِ اللّٰهِ بِاَذْنِجَانِكَ

ترجمہ :۔ اے حسان چھوڑ اپنا احسان اور ترک کر اللہ تعالیٰ کی قوت باطن کے ساتھ اپنے بازنجان جسم کے تصرف کو ۔

غرضیکہ بندہ کو جسم کے خراب کرنے کی ولایت حاصل نہیں اور کسی قسم کے تصرف کا اُسے حق نہیں پہنچتا لیکن تبدیل صفت میں بتوفیق الٰہی اُسے اختیار ہے ۔ اور احکام کی تسلیم اور اپنی قوت و ارادہ سے بہتری حاصل کر سکتا ہے کہ یہ صفتیں کیسی ہیں ۔

اور درحقیقت جب تسلیم آمر کی توفیق ہو گئی عصمت حاصل ہو گئی ۔ اور عصمتِ الٰہی بندہ کو حفظ اور فنا کے نزدیک تر کر دیتی ہے کہ یہ کہا ہوا ہے لِاَنَّ نَفْیَ الذُّبَابِ بِالْمِكْنَسَةِ اَیْسَرُ مِنْ نَفْیِهَا بِالْمِذَبَّةِ یعنی مکھی کو جھاڑو سے دور کر دینا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے اشارے سے دور کریں جو مکھی بیٹھنے کے وقت اشارہ کرتا ہے ۔ تو محافظت حق تمام آفات کو زائل کرنے والی اور تمام علتوں کو دفع کر دینے والی ہے اور بندہ کو اس کے ساتھ کسی صفت میں مشارکت نہیں ۔ سوائے اس کے کہ بندہ کو جتنا اختیار و تصرف عطا فرمایا ہے وہ ظاہر ہے مگر اس کی ملکیت میں تصرف نہیں ۔ جب تک اس کی تقدیر میں عصمتِ حق نہ ہو بندہ اپنی کوشش سے ہرگز کسی مقدر سے نہیں بچ سکتا ۔ اس لیے کہ کوشش بعطاء توہ الٰہی کوشش ہے یعنی جب بحکم منجانب اللہ بندہ کو کوہ عطا نہ ہو کوئی کوشش اُسے سُود مند نہیں اور قوت طاعت کوشش سے حاصل ہونے کی بجائے ساقط ہو جاتی ہے ۔ اور ہر قسم کی کوشش و قوت دو جگہ کوئی حیثیت رکھتی ہیں ۔ یا تو اتنی کوشش و جہد کرے کہ تقدیر الٰہی اس کے لیے بدل جائے یا خود تقدیر الٰہی کے خلاف کسی قوت کو حاصل کرے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ناممکن ہیں ۔ یعنی کوشش سے تغییر تقدیر ہرگز نہیں ہو سکتا اور کوئی کام بغیر تقدیر کے وجود میں نہیں آ سکتا ۔

اسی کی تائید میں ایک واقعہ ہے کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے ۔ آپ کی خدمت میں طبیب حاضر ہوا ۔ عرض کرنے لگا ۔ حضور پرہیز کریں ۔ آپ نے فرمایا کس چیز سے پرہیز کروں اس سے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے روزی میں مقدر فرمایا ہے ۔ یا اس سے جو میرے لیے مقسوم

ہی نہیں ہے۔ تو اگر اس سے پرہیز کرنا چاہتا ہے جو میری قسمت میں مقدر ہے تو اس کی
قوت مجھ میں نہیں۔ اور اگر اس سے پرہیز کرنا چاہتا ہے جو میرے لیے روزی میں مقسوم نہیں
تو وہ مجھے پہلے ہی نہیں مل سکتی اِنَّ الْمُشَاهِدَ لَا يُجَاهِدُ۔ جس کو خدا نے مشاہدہ عطا
فرمایا ہے وہ مجاہدہ نہیں کرتا۔ اب اس مسئلہ کو باحتیاط تمام انشاء اللہ دوسری جگہ بیان کیا
جائے گا۔

فرقہ حکیمیہ

فرقہ حکیمیہ کا تعلق حضرت ابو عبد اللہ بن علی الحکیم ترمذی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ یہ اپنے
وقت کے یکتا امام گزرے ہیں اور تمام علوم ظاہری و باطنی میں فرد تھے۔ آپ کی بہت سی تصنیفات
ہیں۔ آپ کا کلام اور طریق عمل ولایت و تصوف کے رنگ میں تھا۔ اور اولیاء کاملا صوفیاء کے مراتب
کی خاص رعایت رکھتے تھے۔ اور آپ کے مضامین میں بڑے بڑے عجیب مضمون مذکور ہیں۔ آپ کے
اصول میں کشف ابتدائی درجہ میں ہے۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے دوست بھی دنیا میں
ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے برگزیدہ فرمایا ہے اور ان کی ارادت و خواہشات سب
ان سے قطع کر کے اپنے قبضہ میں کر لیے ہیں اور ان کے دعاوی نفس اور ہوائے دل سب اپنے
قبضہ میں لیے ہوئے ہے۔ اور ان میں ہر ایک کو ایک درجہ پر متمکن کیا ہے۔ اور ان پر دروازۂ
معانی کھول دیا ہے۔ غرضیکہ یہ بحث بہت طویل ہے۔ اس کی تشریح کے لیے بہت اصول اول بیان
کرنے ضروری ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ کون ہستیاں ہیں۔

اب ہم بر سبیل اختصار اس امر کی تحقیق بیان کرتے ہیں اور اس میں ان کے اوصاف اور
مردان خدا کے بیانات بھی نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اثبات ولایت

اچھی طرح جان لو کہ طریقہ تصوف اور اصول معرفت کی بنیاد تمام ولایت اور اس کے ثبوت
پر موقوف ہے اور تمام مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس امر پر متفق ہیں۔ لیکن ہر ایک کا
طرز بیان علیحدہ علیحدہ ہے۔

محمد بن علی رضی اللہ عنہ اس کی حقیقت بیان فرمانے میں مخصوص طرز اختیار فرماتے ہیں۔
(چنانچہ ان کا ارشاد ہے) کہ ولایت (واؤ کے زیر سے) لغت میں تصرف و ملکیت حق کے معنی دیتا
ہے اور ولایت (واؤ کے زبر سے) [illegible]

اس صورت میں یہ دونوں قسمت ایسے ہیں جیسے دلالت اور ضلالت۔ اور ولایت بمعنی ربوبیت بھی مستعمل ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ (یعنی اس وقت تمام قبضہ و تصرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہی ہے) یعنی بروز قیامت کفار بھی اللہ کی ذات کے ساتھ ہی تولی کر کے اپنے دنیاوی معبودوں سے تبری ظاہر کریں گے۔ اور ولایت بمعنی محبت بھی مستعمل ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ ولی بروزن فعیل ہو کر بمعنی مفعول ہو۔ جیسے قرآن کریم میں فرمایا۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (یعنی وہی ذات اپنے نیک بندوں کی حمایت کرنے والی ہے) گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اس کے افعال و اوصاف پر نہیں چھوڑا اور اپنے سایۂ حمایت میں رکھنے کی خوشخبری دی۔ اور ہو سکتا ہے کہ فعیل کے وزن پر بمعنی مبالغہ استعمال ہو اور فاعل کے معنیٰ دے کہ بندہ تولی بطاعت حق کرے اور اس کے حقوق مدنظر رکھ کر اس کے اتباع میں مداومت رکھے۔ اور اس کے غیر سے اعراض کرتا رہے تو پہلا جو بمعنی مفعول ہے وہ مرید ہوگا۔ اور دوسرا جو بمعنی فاعل بطریق مبالغہ ہے وہ مراد ہوگا۔ اور یہ تمام پہلو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کی طرف یا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف روا ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی ناصر و مددگار محبوبانِ خاص ہوتا ہے۔ اور اس کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کو ارشاد ہوا اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ خبردار رہو اللہ کی نصرت قریب ہے۔ اور کافروں کو فرمایا کہ اَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ اَیْ لَا نَاصِرَ لَهُمْ اور بیشک کافروں کا کوئی مولا نہیں یعنی ان کا مددگار نہیں۔ تو جب کفار کا وہ ناصر نہیں تو لامحالہ مومنین کا ناصر ہوا۔ تو کہیں عاقلوں کی مدد فرماتا ہے کہ وہ بنصرۃ الٰہی استدلالی آیات و بیان معانی اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہیں اور ان پر کشف براہین و اسرار ہوتا ہے۔ اور کبھی نصرت فرماتا ہے، مخالفتِ نفس اور شیطان پر اور نصرت فرماتا ہے موافقتِ امورِ خیر میں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے بندگانِ خاص کو اپنی محبت اور دوستی کے لیے مخصوص فرما کر محلِ عداوت سے محفوظ رکھے جیسا کہ فرمایا يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ انہیں اللہ محبوب رکھتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے اللہ کو محبوب رکھتے ہیں اور مخلوقات کے تکلف کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی۔ جب ہی وہ ولی حق ہوتے ہیں۔ اور یہی اولیائے الٰہی کہلاتے ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقامت بر اطاعت حاصل کرنے کے لیے ایک کو منصب ولایت عطا ہو اور وہ اس منصب پر پہنچ کر اقامت حاصل کرے اور ہر قسم کی مخالفت حق سے پرہیز رکھے اور شیطان اس کے حس سے بھاگے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک کو ولایت عطا ہوتا کہ اس کا حل (کشائش) مملکت الٰہی میں ہو اور اس کا عقد (بندش) حقہ ہو (گویا ہر قسم کے سیاہ و سپید کا وہی مختار کر دیا جائے) اور اس کی دعا مستجاب ہو اور اس کے انفاس و اقوال مقبول بارگاہ۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رب اشعث اغبر ذی طمرین لایعبأ بہ لواقسم علی اللہ لابرہ اکثر ایسے لوگ ہیں کہ ژولیدہ اور غبار آلودہ بال والے پھٹے ہوئے کپڑوں میں کہ لوگ اس کو نظر میں بھی نہیں لاتے ہیں۔ مگر ان کا یہ مرتبہ ہے کہ اگر وہ خدا کی قسم کسی معاملہ میں کھائے تو اللہ اسے پوری فرما دیتا ہے۔

روایت ہے کہ عہد فاروقی میں دریائے نیل اپنی پرانی رسم کے مطابق خشک ہو گیا۔ اس لیے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ ہر سال ایک آراستہ خوبصورت لونڈی اس میں بھینٹ چڑھایا کرتے تھے تو دریا جاری ہوتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ دیا کہ اے پانی اگر تو خود رکتا ہے اور خشک ہوتا ہے تو ہرگز جاری نہ ہو اور اگر خدا کے حکم سے ٹھہرا ہے تو حکم کرتا ہے کہ رواں ہو جا۔ چنانچہ جب رقعہ دریا میں ڈالا گیا۔ فوراً پانی جاری ہو گیا اور درحقیقت حکومت حقیقی یہ ہی حکومت ہے۔

تو میری مراد ولایت اور اس کے ثبوت سے یہی ہے کہ انسان سمجھ بوجھ لے کہ ولایت کس کا حق ہے اور ولی کس کو کہا جاتا ہے اور کس کے لیے یہ نام موزوں ہے۔ مذکورہ صفات جب تک انسان میں موجود نہ ہوں وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا جو ان کی تحریر سے ظہور میں آیا نہ کہ قال۔

اس سے قبل مشائخ کرام نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں (اور وہ میرے پاس تھیں) مگر میرے ایک عزیز کے ہاتھ وہ گم ہو گئیں۔ اب میں مذہب حکیمیہ کے پیشوا حضرت ابو عبداللہ حکیم ترمذی کے مذہب کو روشنی میں لاتا ہوں۔ کیونکہ میرا عقیدہ اس بزرگ کے ساتھ بہت ہے رضی اللہ عنہ تاکہ پڑھنے والے کو اس سے جو اس کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل کرنے کا طالب ہے اس

طریقے میں فائدہ پہنچے انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل یہاں طرح سمجھ اللہ تجھے توفیق عطا فرمائے کہ لفظ ولی (ولی) مخلوقات میں متداول ہے اور کتاب و سنت میں اس لفظ کے ساتھ تعلق ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ عزاسمہ ہے۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ خبردار رہو بیشک اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف اور غم نہیں اور فرمایا۔ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔ ہم تمہارے مددگار ہیں حیات دنیا و آخرت میں اور فرمایا۔ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اللہ ان کا مددگار ہے جو ایمان لائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَعِبَادًا یَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَالشُّهَدَاءُ قِیْلَ مَنْ هُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا لَعَلَّنَا نُحِبُّهُمْ قَالَ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ مِنْ غَیْرِ اَمْوَالٍ وَّلَا اکْتِسَابٍ وُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ تَلَا اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ اللہ کے بندوں میں ایسے بندے بھی ہیں جن پر انبیاء و شہداء غبطہ کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ وہ کون ہیں۔ ان کی صفات بیان فرمائیں۔ شاید ہم ان سے محبت کریں۔ فرمایا وہ ایک قوم ہے جو خوش رہتی ہے اپنے رب کی خوشنودگی میں بغیر مال و منال کے حاصل کئے۔ ان کے چہرے منور ہیں اور نوری منبروں پر بیٹھے ہیں۔ وہ خائف نہیں ہوتے۔ جب کہ انہیں لوگ ڈرائیں اور نہیں گھبراتے اور غمگین نہیں ہوتے جب کہ لوگ انہیں غمگین کرتے ہوں اور عوام گھبرا رہے ہوں۔ پھر آیہ کریمہ تلاوت فرمائی اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب فرماتا ہے۔ مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِیْ جس نے میرے کسی ولی کو ایذا دی اس نے اپنے لیے میری جنگ جائز کر لی۔ اس سے مراد واضح ہے کہ اولیاء اللہ کا اللہ تعالیٰ ناصر و مددگار ہے۔ اور اس نے اپنی ان پاک ہستیوں کو اپنی دوستی اور ولایت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اور وہ اللہ کی ملک کے والی بنائے گئے ہیں اور ان کو اپنے افعال و قدرت کا مظہر بنایا ہے۔ اور انواع و اقسام کی کرامتیں ان کی ذات کے ساتھ مخصوص کر دی ہیں اور آفات طبع و بھولنے سے ان کو پاک کر دیا ہے اور نفس کی پیروی سے انہیں آزاد کر دیا ہے۔ ان کی ہمت و ارادے

سوائے معیت قربتِ الٰہی کے ظہور میں نہیں آتے اور ان کے انس و محبت کا رابطہ سوائے اس ذوالجلال کے کسی کے ساتھ نہیں۔ یہ لوگ ہم سے قبل موجود تھے۔ زمانہ گزشتہ میں تھے اور وہ فرامینِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ ایسے مجبور ہیں کہ متابعتِ نفس کی راہ ان پر مسدود ہے۔ حتیٰ کہ بارانِ رحمت جو آسمان سے نازل ہو رہی ہے۔ وہ ان کے قدم قدم کے صدقہ سے ہے۔ اور زمین سے جو سبزہ اُگ رہا ہے وہ ان کی صفائے حال کی برکت سے اُگ رہا ہے اور کافر پر مومن کو غلبہ انہیں کی ہمت سے حاصل ہے۔

اور اس قسم کے اولیاء کرام چار ہزار کی تعداد میں لوگوں سے مکتوم و مخفی ہیں اور ایسے مخفی ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور وہ خود اپنے جمالِ حال سے بے خبر ہیں۔ اور اپنے تمام احوال میں اپنے سے اور مخلوق سے مستور ہیں۔ اور اس دعوے کے ثبوت میں احادیث وارد بھی موجود ہیں اور اب سے قیامت تک رہیں گے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امتِ مرحومہ کو یہ شرف عطا فرمایا ہے اور اس امت کا شرف کرامت پر فائز کر کے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں شریعت طاہرہ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نگرانی رکھوں گا۔[۱]

تو جب براہینِ حدیث و حجج عقلی آج تک موجود ہیں اور علماء میں وہ عام طور پر شائع ہیں تو یہ بھی ضروری ہے کہ براہینِ عینی بھی موجود ہوں جو اولیاء کرام میں اور خاصانِ بارگاہ میں مخصوص ہوتے ہیں

اس بحث میں ہمارے خلاف دو گروہ ہیں۔

اس بحث میں ہمارے مخالف دو گروہ ہیں ایک معتزلہ اور دوسرے عام حشویہ معتزلہ اولیاء میں اولیاء پر ایک دوسرے کی تخصیص کے منکر ہیں اور دوسرے (عام حشویان) کہتے ہیں کہ ایسے لوگ تھے اور اولیاء میں باہم تخصیص (فضیلت) کی نفی گویا باہم فضیلت انبیاء کی نفی ہے جو کفر ہے اور عام حشویان (حشویہ) تخصیص (فضیلت باہمی) جائز رکھتے ہیں البتہ یہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ ہوئے ہیں لیکن آج کل نہیں ہیں اور ان کا انکار ماضی و مستقبل دراصل ایک جیسا ہے اور اس لئے کہ مستقبل کی نفی بھی کی نفی سے زیادہ بُری ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل شانہ نے برہان نبوی کو آج تک باقی رکھا ہوا ہے اور اولیاء اللہ کے ذریعہ اس برہان کا اظہار ہوتا رہتا ہے تاکہ حجت و صداقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق و بیم نسب کا روشن اظہار ہوتا رہے اور ان اولیاء کو عالم (جہان) والی کا حکم فرمایا ہے، تاکہ وہ اتباعِ سنت میں مشغول رہیں اور اسی راہ پر چل کر نفس کی پیروی کے راستے

---

[۱] جیسا کہ ارشاد ہے نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ یعنی ہم نے اس ذکر شریعت کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

بتے بچیں ——— اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔
اور حقیقت یہ ہے کہ نفی تخصیص ولی تخصیص نبی کو مستلزم ہے۔ اور یہ صریح کفر ہے۔

اور عام حشویہ تخصیص کو تو روا رکھتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ اولیاء تھے اب نہیں رہے (اور اس خیال کا بھی یہی نتیجہ ہے کہ) انکار ماضی و مستقبل دونوں انکار ہیں۔ اس لیے کہ ایک طرف کا انکار دوسری طرف سے بدتر نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے برہانِ نبوت کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیاء کرام کو اس برہان کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ مسلسل آیات و حجت صداقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پیوستہ طریق پر ظاہر و باہر ہیں۔ اور ان ہی کو خصوصیت سے والیانِ عالم بنایا ہے۔
ہیں اور اولیاء کرام کے اقوال اس کی تائید میں ناطق ہیں۔ اور مجھے خود بھی اس بحث میں بحمداللہ تعالیٰ بہت احادیث واضح طور پر پہنچی ہیں۔

لیکن ان چار ہزار اولیاء کرام میں جو ارباب حل و عقد ہیں۔ جنہیں سرہنگان درگاہ حق تعالیٰ کہا جاتا ہے وہ تین سو نفوس قدسی ہیں جنہیں اصطلاح تصوف میں اخیار کہتے ہیں اور چالیس وہ ہستیاں ہیں جنہیں ابدال کہتے ہیں اور سات وہ ہیں جنہیں ابرار کہتے ہیں۔ چار وہ ہیں جنہیں اوتاد کہتے ہیں۔ تین وہ ہیں جنہیں نقیب کہتے ہیں۔ ایک وہ ہے جو قطب کہلاتا ہے اور اسے غوث بھی کہتے ہیں۔ اور یہ تمام ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور نظام معاملات و امور تصرف میں ایک دوسرے کے اذن و اجازت کا محتاج ہے۔ اور اس پر احادیث ناطق ہیں اور اربابِ حقیقت اس کی صحت پر متفق ہیں۔ اس کی مزید شرح و بسط کے لیے یہ جگہ موزوں نہیں۔ اس لیے کہ یہاں مقصود بیان یہ نہیں ہے۔ اس جگہ عام طور پر عوام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیا کہا گیا کہ وہ خاصانِ بارگاہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور وہ ہر ایک ولی ہوتا ہے۔

لازم تو یہ ہے کہ ہر ایک ولی اپنی عاقبت کی طرف سے امن میں ہو اور یہ محال ہے کہ معرفت ولایت امن کی مقتضی ہو۔ اس لیے کہ جب یہ ممکن ہے کہ مومن اپنے ایمان سے عارف ہو مگر یہ ضروری نہیں کہ عرفانِ ایمان کے ساتھ مامون بھی ہو تو پھر یہ بھی ضرور ممکن ہے کہ ولی اپنی ولایت سے عارف ہو کر مامون نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بوجہ کرامت حق تعالیٰ ولی کو اس کی صحتِ حال اور مخالفتِ نفس کی وجہ سے نگاہ میں رکھے اور انہیں امن عاقبت کا بھی عارف فرمائے۔ اس میں

مشائخ کرام کا اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی علت میں نے پیدا کی ہے۔ یعنی جو چار ہزار اولیاءً مکتوم ہیں۔ وہ اپنی ولایت کی معرفت بھی اپنے لیے روا نہیں رکھتے۔ اور جو ان چار ہزار کے علاوہ اور ہیں وہ اپنے لیے معرفتِ ولایت روا رکھتے ہیں۔

فقہاء کرام میں سے بہت وہ ہیں جو پہلے گروہ کے موافق ہیں اور بہت سے وہ ہیں جو دوسرے گروہ کے موافق ہیں اور متکلمین کا بھی یہی حال ہے۔

چنانچہ ابو اسحٰق اسفرائنی اور ایک جماعتِ متقدمین اسی پر ہے کہ ولی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی ہے۔ تو ہم نے اُن سے پوچھا کہ اس معرفت میں ولی کے لیے کیا نقصان و آفت ہے تو ان کا یہ جواب ہے کہ ولی اگر اپنے کو ولی جاننے لگتا ہے تو معجب و متکبر ہو جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ میں ولی ہوں۔ اس کا جواب میں دیتا ہوں کہ شرطِ ولایت میں یہ چیز بھی ہے کہ اس کی نگہداشت اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو تو پھر آفاتِ عجب و تکبر سے محفوظ ہونا لازمی ہے اور ایسی صورت میں اس کا متکبر ہونا جائز نہیں ہو سکتا۔

لہذا یہ کہنا محض جاہلانہ اور جہل پر مبنی ہے کہ ایک شخص ولی ہو اور اس سے خوارقِ عادات کرامتیں سرزد ہوں اور وہ یہ نہ جان سکے کہ میں ولی ہوں یا اُسے اس امر کا علم نہ ہو کہ یہ خرقِ عادت جو امر ظہور میں آیا وہ کرامت ہے۔

ان تخیلات پر عوام میں سے ایک گروہ پہلے جماعت کا مقلد ہے اور ایک گروہ دوسری جماعت کا پیرو ہے لیکن ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب رہے معتزلہ کہ یہ تخصیصِ ولایت و کرامت دونوں کے منکر ہیں۔ اور درحقیقت ولایت میں تخصیص و کرامت ہی مخصوص ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ تمام مسلمان اللہ کے دوست ہیں جو مطیعِ الٰہی ہے وہی ولی الٰہی ہے اور جو احکام اور ایمان پر قائم ہے اور صفات و رویتِ الٰہی کا منکر ہو اور مومن کے خلود جہنم کو روا رکھے اور اس امر کا مقر ہو کہ انبیاء و رسل اور نزولِ کتب نہ بھی ہوں تو عقلاء و مکلف با طاعت ہے پس وہ ولی ہے۔ اور مسلمان اُسے ولی مانتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ایسے عقیدہ والا شیطان ہے ولی نہیں) اور اگر کہتے ہیں کہ اگر ولایت و کرامت ولی کے لیے واجب ہے تو سب مسلمانوں میں کرامت ضروری تھی۔ اس لیے کہ سب مسلمان ایمان میں مشترک ہیں۔ اور چونکہ سب اصل اصول میں مشترک

ہیں تو لازم آتا ہے کہ فرشتے بھی مشترک ہوں۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مومن و کافر دونوں میں کرامت ہونا جائز ہے۔ اور وہ اس بھوکے کی طرح ہے جو سفر میں ہے اور میزبان کا متلاشی ہے۔ یا اس مسافر کی طرح ہے جو تھک کر چاہتا ہے کہ مجھے کوئی سواری پر بٹھا لے وغیرہ وغیرہ اور بہت سی ایسی ہی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی جو کہتے ہیں کہ اگر لمبی دراز مسافت کو کوئی ایک رات میں طے کر لیتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ روا ہوتا۔ مگر جب انہوں نے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ۔ اور اٹھائے جاتے ہیں تمہارے بوجھ اس شہر تک جہاں تم نہیں پہنچ سکتے تھے مگر جسمانی تکلیف سے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان کا یہ قول باطل و عاطل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى۔ الآیہ پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو تھوڑی سی رات میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ زحمتِ حمل اثقال اور سفر مکہ میں اجماع صحابہ ہے کہ مکہ سے مسجدِ اقصیٰ جانا یہ کرامتِ خاص تھی نہ کہ عام اور مکہ سے ہجرت میں جانا۔ اگر یہاں بھی وہی کرامت ہوتی تو کرامتیں عام ہو جاتیں اور ایمان بالغیب کے تمام احکام اٹھ جاتے۔ اس لیے کہ ایمان اپنے مقام پر عموم کے درجہ پر ہے مطیع و عاصی کے لیے اور ولایت مختص ہے مطیع کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا وہ حکم عموم میں حمل اثقال فرمایا۔ وہ محمل عموم میں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمومی درجہ کے ساتھ مخاطب کیا۔[1] اور جہاں تخصیص ذاتِ مصطفیٰ کے ساتھ حکم فرمایا۔ وہاں بتا دیا کہ تھوڑی سی شب میں اپنے محبوب کو مکہ سے بیت المقدس پہنچا دیا اور وہاں سے قاب قوسین اور ورا دکھایا عالم کا مشاہدہ کرا دیا اور اس قدر سرعت سے یہ سب کچھ ہوا کہ جب واپس تشریف لائے تو شب کا بہت سا حصہ باقی تھا۔

غرضیکہ خلاصہ یہ ہے کہ حکم ایمان عوام کے لیے عام ہے۔ اور حکم کرامت خاص ہے خواص کے لیے۔ اور نفی تخصیص کرنا مکابرۂ عیان ہے۔ جیسے کہ نوکر کا حکم بادشاہ کے دربار میں۔ دربان، حاجب اور ان کے افسر اور وزراء سلطنت سب کے لیے یکساں ہے۔ لیکن اگرچہ نوکر سب ہیں۔

---

[1] جیسا کہ معمول ہے کہ روایت خاص ہوتی ہے مگر حکم عام ہوتا ہے۔ مترجم

مگر ہر ایک کا منصب و مرتبہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ اسی طرح اگرچہ بارگاہِ الٰہی میں ایمان لانے کی حیثیت میں سب یکساں ہیں۔ لیکن ایک مومن عاصی ہے ایک مومن مطیع، ایک مومن عالم ہے۔ ایک مومن عابد ایک مومن جاہل ہے ایک مومن متورع۔ تو ثابت ہوا کہ انکار تخصیص مناصب و مراتب کرنا انکار کل معانی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل لفظ ولایت کی تحقیق میں مشائخ کرام نے بہت سے رموز بیان فرمائے ہیں۔ ہم اس مقام پر حتی الامکان ان کے مختار اقوال نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تاکہ مطالعہ کرنے والوں کو فائدہ مند ثابت ہوں۔

حضرت ابو علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْوَلِیُّ ھُوَ الْفَانِیْ فِیْ حَالِہٖ وَالْبَاقِیْ فِیْ مُشَاھَدَۃِ الْحَقِّ لَمْ یَکُنْ لَہٗ عَنْ نَفْسِہٖ اِخْبَارٌ وَلَا مَعَ غَیْرِ اللّٰہِ قَرَارٌ ولی وہ ہے کہ اپنے حال سے فانی اور مشاہدہ حق کے ساتھ باقی ہو۔ اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اپنے حال کسی کو کچھ خبر دے سکے۔ اور سوائے ذات حق کے غیر سے آرام پائے۔ اس لیے کہ خبر بندہ کے اپنے حال سے ہوتی ہے اور جب حال فانی ہو گیا تو پھر اسے اپنے حال کی خبر دینا درست نہیں اور غیر حق سے آرام نہ پانا بھی صحیح ہے۔ اس لیے کہ اپنے حال کی غیر کو خبر دینا راز محبوب کو غیر کے سامنے منکشف کرنا ہے اور کشف راز حبیب بغیر حبیب پر محب کے لیے محال ہے اور یہ بھی ہے کہ جب رویت غیر ای مشاہدہ جمال یار میں محال ہے تو رویت غیر نہ ہونے کی شکل میں خلق کے ساتھ قرار کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلْوَلِیُّ اَنْ لَا یَکُوْنَ لَہٗ خَوْفٌ لِاَنَّ الْخَوْفَ تَرَقُّبُ مَکْرُوْہٍ یُحِلُّ فِی الْمُسْتَقْبَلِ وَانْتِظَارُ مَحْبُوْبٍ یَفُوْتُ فِی الْمُسْتَانِفِ وَالْوَلِیُّ اِبْنُ الْوَقْتِ لَیْسَ لَہٗ وَقْتٌ مُسْتَقْبَلٌ فَیَخَافُ شَیْئًا وَکَمَا لَا خَوْفَ لَہٗ لَا رَجَاءَ لَہٗ لِاَنَّ الرَّجَاءَ اِنْتِظَارُ مَحْبُوْبٍ یَحْصُلُ اَوْ مَکْرُوْہٍ یُکْشَفُ وَذَالِکَ فِی الثَّانِیْ مِنَ الْوَقْتِ وَکَذَالِکَ لَا حُزْنَ لِاَنَّ الْحُزْنَ مِنْ حُزُوْنَۃِ الْوَقْتِ وَمَنْ کَانَ فِیْ ضِیَاءِ الرِّضَاءِ وَرَوْضَۃِ فَانِ الْمُوَافِقَۃَ یَکُوْنُ لَہٗ حُزْنٌ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ مراد اس

قول سے یہ ہے جو فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو خوف نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خوف اس چیز سے ہوتا ہے جس کے آنے سے دل کراہت کرتا ہے کہ آیندہ زمانہ پر وارد ہو یا خائف ہے کہ زمانہ آیندہ میں وہ محبوب جو اس وقت موجود ہے چلا جائے گا۔ ولی ابن الوقت یعنی صاحب الوقت ہوتا ہے۔ اس کو آیندہ ایسا وقت نہیں جس سے وہ ڈرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خبردار رہو بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ خوف ہے نہ غم اور جس طرح ولی کو خوف نہیں ہوتا۔ امید بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ رجاء وہ امید ہے جس میں آیندہ محبوب کے ملنے کی امید ہو یا اس امر کی امید کہ جو سختی آپہنچی ہے وہ اس سے ٹل جائے اور ولی کا وہ وقت ہوتا ہے کہ اس میں اسے غم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ غم کدورت سے ہوتا ہے تو جو رضا کی روشنی میں آگیا اور موافقت کے باغ میں متمکن ہو گیا۔ اسے کب غم ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

ہاں عوام کو اس بحث میں یہ وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ جب ولی کو خوف ورجا نہیں رہتا اور نہ اندوہ وغم تو لامحالہ انہیں امن ہو گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ امن سے بھی گھبرا ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ امن غیب کے نہ دیکھنے اور وقت سے اعراض کرنے میں ہوتا ہے۔ اور یہ صفت اس میں ہوتی ہے جسے نہ رویت بشریت ہو نہ صفت پر آرام نہ خوف ورجا۔

اور امن وحزن نفس کے نقیب ہیں۔ جب نفس فانی ہو گیا۔ تو بندہ کی صفت رضا ہو جاتی ہے اور جب رضا حاصل ہو گئی تو وہ اپنے حال میں مستقیم ہو گیا۔ اور رویت محبوب میں محول اور باقی تمام احوال سے اعراض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت ولایت کا دل پر کشف ہوتا ہے۔ اور اس کے معنی کے تمام اسرار اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْوَلِیُّ قَدْ یَکُوْنُ مَشْهُوْرًا وَلَا یَکُوْنُ مَفْتُوْنًا ولی مخلوق میں مشہور ہوتا ہے لیکن مخلوق کے ساتھ مبتلا نہیں ہوتا۔ ایک اور فرماتے ہیں۔ اَلْوَلِیُّ قَدْ یَکُوْنُ مَسْتُوْرًا وَلَا یَکُوْنُ مَشْهُوْرًا ولی مستور ہوتا ہے اور مشہور نہیں ہوتا۔ اور یہ احتراز شہرت اس وجہ سے ہے کہ اس کی شہرت میں فتنہ ہوتا ہے۔

اور حضرت ابو عثمان نے جو فرمایا کہ ولی کا شہرہ ممکن ہے مگر اس شہرت میں فتنہ اور ابتلا نہیں اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فتنہ کذب میں ہوتا ہے اور جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہے اور ایسا

ولی کاذب پر واقع نہیں ہو سکتا اور اظہار کرامت بھی کاذب کے ہاتھ سے محال ہے تو لازم آتا ہے کہ ہر قسم کا فتنہ اس کے میل و رفتار سے ساقط ہو جائے۔ اور یہ دونوں قول اس اختلاف مشہور کی طرف جاتے ہیں کہ ولی اپنے کو نہیں پہچانتا کہ ولی ہے۔ اور اگر پہچانتا ہے تو لازمی طور پر شاد ہوگا اور اگر نہ پہچانے گا تو مفتون ہوگا۔ اور اس کی شرح طوالت کی مقتضی ہے اور یہاں طوالت مقصود نہیں۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ اللہ کے ولیوں میں سے ولی ہو عرض کی ہاں میں چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا لا ترغب فِي شَيْءٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَافْرُغْ نَفْسَكَ لِلّٰهِ وَاَقْبِلْ بِوَجْهِكَ عَلَيْهِ۔ دنیا اور عقبیٰ کی کسی شے سے رغبت نہ کر اس لیے کہ دنیا سے رغبت کرنا اپنے رب سے اعراض کرکے فانی کی طرف راغب ہونا ہے۔ اور عقبیٰ کی طرف رغبت کرنا اپنے رب سے اعراض کرکے شے باقی کی طرف جانا ہے۔

تو جب اعراض شے فانی سے ہوگا تو فانی فنا ہو جائے گا اور اعراض نیست ہو جائے گا اور جب اعراض شے باقی سے ہوگا۔ تو بقا پر فنا روا نہیں ہوتی تو اس سے اعراض ہی درست رہے گا۔ تو حاصل اس مضمون کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طلب دنیا و عقبیٰ اس کے ساتھ نہ رکھ اور فرماتا کہ اپنے دل کو اللہ کی محبت کے لیے دنیا و عقبیٰ سے خالی کرکے دل کو اپنے رب کی طرف رجوع کر تو حاصل سب یہ ہے کہ جب یہ اوصاف تیرے اندر موجود ہو جائیں گے ولی ہو جائے گا۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ولی کون ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا اَلْوَلِيُّ هُوَ الصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ ولی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی پر صبر کرے۔ اس لیے کہ جس کے دل میں اللہ کی دوستی جتنی ہوگی۔ اس کے حکم کی عظمت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اور اس کی نہی سے اس کا جسم اتنا ہی بعید ہوگا۔

حضرت بایزید بسطامی سے ایک حکایت ہے۔ فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا کہ فلاں شہر میں اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی ہے۔ میں اٹھا اور ان کی زیارت کا قصد کرکے چلا۔ جب ان کی مسجد میں پہنچا وہ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں آکر قبلہ کی طرف رخ کرکے مسجد میں کلی کردی میں مسجد سے

بغیر سلام کئے وہاں سے پلٹ آیا۔ اور ان سے کہا کہ ولی کو چاہیئے کہ احکام شریعت پر پابند ہوتا کہ
اس پر حق تعالیٰ نظرِ رحمت فرمائے۔ اگر یہ شخص ولی ہوتا مسجد میں قبلہ رُو ہو کر کبھی کلی نہ کرتا۔ یا اللہ
تعالیٰ اس کی حرمت ولایت پر نگاہ رکھتا۔ (فرماتے ہیں اس شب میں نے حضور سید یوم النشور صلی اللہ
علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے شرف حاصل کیا دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں۔ ابو یزید تم نے وہ کیا
کام کیا جس کی برکت سے تم اس درجہ پر پہنچے دوسرے لفظ میں اس درجہ پر پہنچ گیا جو تم دیکھ رہے ہو
ایک روایت سنی ہے کہ ایک شخص شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور
مسجد میں بایاں قدم رکھ کر داخل ہوا۔ آپ نے فرمایا واپس ہو اور (دایاں قدم رکھ کر مسجد میں آ)۔
اس لیے کہ جو دوست کے گھر میں آنے کے قاعدہ کو نہیں جانتا وہ ہمارے کام کا آدمی نہیں۔

ایک جماعت ملحدین لعنہم اللہ کی ہے جو صوفیا کے طریقہ پر تعلق رکھا کرتی ہے کہ اتنی خدمت
حق کرے کہ ولی ہو جائے گا اور جب ولی ہو جائے گا تو پھر اس پر سے تکلیف خدمت کا بار اٹھ جاتا
ہے۔ حالانکہ یہ صریح گمراہی ہے اور صوفیا کے یہاں ایسا کوئی مقام نہیں کہ جب پر صوفی کے آجانے
کے بعد کوئی کام خدمت کا اٹھ جائے۔ اس کی مفصل شرح مکمل انشاء اللہ اپنے مقام
پر کی جائے گی۔

اثباتِ کرامت

اچھی طرح یاد رکھو کہ ظہورِ کرامت ولی کی طرف سے اس کی صحت حال اور مجاہدہ میں قطعی
ممکن و روا ہے۔ اور صوفیائے کرام اہلسنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے اور عقل بھی اسے ممکن
مانتی ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک قسم ہے جو قدرت الٰہی کی مظہر ہے اور اس کا اظہار کرا اصل شرع د
لیل سے منافی نہیں اور عقل و اوہام بھی اس کے خلاف نہیں۔

کرامت درحقیقت صداقت ولایت پر دلیل ہے اور کاذب سے اس کا صدور ناممکن
ہاں کاذب سے علامات کذب و عمل ظہور پذیر ہوں گے۔ اور کرامت نام ہے ایک ایسے فعل کا جو
عقل و اوہام کا ناقض ہوتا ہے اور صوفی پر تمام تکلفات شرع باقی ہوتے ہیں۔ اور اگر تعریفِ حق پر
جو استدلالِ کذب کے مقابلہ میں صدق جان لے تو وہ بھی ولی ہے۔

اور ایک جماعتِ اہلسنت وجماعت کہتی ہے کہ کرامت صحیح ہے مگر حدِ معجزہ تک نہیں بلکہ وہ ایسے ہے جیسے قبولِ دعا یا تصرفِ ولی سے کسی کی مراد حاصل ہونا اور وہ نقضِ عادات کی حد تک نہ ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ تمہیں ظہور فعل ناقض عادات سے جو ولی صادق کے ہاتھ سے زمانۂ تکلیف میں ہو کیا صورتِ فساد نظر آئی۔ اگر وہ جواب میں کہیں کہ (معاذ اللہ) اتنی قوت عطا فرمانے کی خدا میں قدرت وقوت نہیں تو یہ خود ایک ضلالت وگمراہی ہے اور اگر کہیں کہ یہ ایک قسم کی قوتِ الٰہی ہے اور اللہ قادر تو ہے تو ولی کو ایسی قوت عطا فرما دے مگر ولی کے ہاتھ سے اس کا ظہور ابطالِ نبوت کو مستلزم ہے۔ تو نفی تخصیص انبیاء یہ بھی محال ہے۔

اس لیے کہ ولی مختص بکرامت ہے اور نبی مختص بمعجزہ وَالْمُعْجِزَةُ لَمْ تَكُنْ مُعْجِزَةً بِعَيْنِهَا إِنَّمَا كَانَتْ مُعْجِزَةً لِحُصُوْلِهَا وَمِنْ شَرْطِهَا اِقْتِرَانُ دَعْوَةِ النُّبُوَّةِ بِهَا وَالْمُعْجِزَاتُ تَخْتَصُّ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ تَكُوْنُ لِلْاَوْلِيَاءِ

معجزہ ہرگز معجزہ بعینہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ معجزہ اسی وجہ سے معجزہ ہوتا ہے کہ اس کی شرط میں دعویٰ نبوت لازمی ہے اور معجزہ انبیاء کرام کے لیے مخصوص ہے اور کرامات اولیاء کرام کے لیے

تو جب ولی ولی ہے اور نبی نبی۔ ان دونوں میں کسی قسم کی ایسی مشابہت نہیں کہ ان کے التباس سے احتراز کیا جائے۔ نبی کے شرف ومرتبت پیغمبری علیہ السلام علوی مرتبت وصفائے عصمت سے ہے نہ کہ فقط معجزہ یا کرامت سے یا خارقِ عادات امور کے ظاہر کرنے پر۔ اور باتفاق تمام انبیاء کرام کو وہ معجزے عطا ہوئے ہیں جو خارقِ عادات ہیں۔ اور اصل میں تمام معجزات ساری ہی میں یکساں درجات کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر بزرگی عطا ہوتی ہے۔

تو جب فضیلت درجات میں ایک ایک پر شرف وفضیلت رکھتا ہے تو یہ کیوں نہ ممکن ہو کہ خارقِ عادات امور وافعال میں بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت ہو اور پھر کیوں روا نہ ہو کیا انبیاء کے بعد اولیاء کرام کو بھی ایک درجہ خارقِ عادات امور کا عطا ہو اور اس کا نام کرامت رکھا جائے۔ اس پر لازمی طور پر یہ امر علم ہوگا کہ انبیاء کرام ان سے فاضل تر کہ بلکہ اشرف ترین خلائق ہیں۔ تو جب افعال ناقض عادات علت تفضیل وتخصیص انبیاء نہیں تو یقیناً خارقِ عادات امور مخصوص

تفضیلِ ولی بھی نہیں ہو سکتے۔ اور نبی و ولی یکساں بھی نہیں ہو سکتے اور ہر عاقل جو اس دلیل کو سمجھ لے گا وہ نبی و ولی کے مابین اس شبہ کو اپنے سے اٹھا دے گا۔

اور اگر کسی کو یہ وہم پیدا ہو کہ ولی کو بذریعہ کرامت خارقِ عادات امور عطا ہوتے تو وہ نبوت کا دعوےٰ کیوں نہیں کرتا۔ یہ محال ہے۔ اس لیے کہ خرطِ ولایت میں تصدیق قول ہے اور معنی کے خلاف دعویٰ کرنا کذبِ صریح ہے اور کذاب ولی نہیں ہو سکتا۔ تو اگر ولی نبوت کا دعویٰ کرے تو یہ معجزہ کا توڑنا ہے اور وہ کفر صریح ہے۔ اور کرامت مومن مطیع کے سوا کسی کو نہیں ملتی اور کذب معصیت شعاری ہے نہ کہ اطاعت تو جب یہ امر واضح ہو گیا کہ ولی کی کرامت حجتِ نبی کے ثبوت کے لیے ہے تو پھر کرامت اور معجزہ میں اشتباہ و تساوی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ پیغمبر علیہ السلام معجزہ سے اپنی نبوت کا ثبوت دیتے ہیں اور ولی کرامت کے ذریعہ بھی انبیاء کرام کی نبوت کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنی ولایت کے ذریعہ بھی ثبوتِ نبوت دیتے ہیں۔ اور ولی کی کرامت معجزۂ انبیاء کا عین ہوتی ہے اور مومن کے لیے ولی کی کرامت کا مشاہدہ انبیاء کرام کی تصدیق میں زیادہ مرتق درجہ پیدا کر کے یقین پیدا کرتی ہے۔

اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ مشابہت نہیں۔ اس لیے کہ ان کا دعویٰ آپس میں مخالفت نہیں ہوتا جو ایک دوسرے کی نفی کرے بلکہ ولی کا دعویٰ نبی کے دعویٰ کا عین ہوتا ہے جیسا کہ شریعت مطہرہ میں جب ایک گروہ ورثہ کا مستحق ہو تو جب ایک وارث کی دلیل ثابت ہو گئی تو یہی دلیل تمام ورثاء کے لیے ثبوت دعویٰ کی ادلیل ہو جائے گی۔ اور جب دعویٰ ایک دوسرے کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں ایک دلیل دوسرے کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی۔ تو جب نبی معجزہ کے دلائل سے مدعی نبوت ہوتا ہے۔ اور ولی نبی کے دعویٰ پر تصدیق کے لیے کرامت سے خصم کو تسلیم کراتا ہے تو پھر اس میں شبہ غلبہ کا شبہ ناممکن ہے۔

معجزہ اور کرامت

یہ بات تو واضح و لائح ہو چکی ہے کہ معجزہ اور کرامت جھوٹے کے ہاتھ سے ناممکن ہے۔ مگر اس سے زیادہ واضح فرق ظاہر ہونا ضروری ہے۔ تاکہ جو ماہیہ تھوڑا یا اقل قلیل بھی باقی ہے۔ وہ بھی رفع

ہو جائے۔ لہٰذا اب سنو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ معجزات میں اظہار کرنا شرطِ معجزہ ہے اور کرامت میں ولی کی طرف سے کتمانِ کرامت غرض ہے۔

اس لیے کہ معجزہ کا فائدہ اور ثمر غیر کی (ہدایت و اصلاح) کیلئے ہے اور کرامت خاص صاحبِ کرامت کے لیے ہے۔

پھر معجزہ کو صاحبِ معجزہ قطع بھی کر سکتا ہے اور یہ اس کا عین اعجاز ہے [۱]
اور ولی بذریعہ کرامت جو چیز بصورتِ عذاب نازل کرا دے تو پھر اُسے رفع نہیں کر سکتا کیونکہ وہ کرامت ہے یا استدراج۔ پھر صاحبِ معجزہ شرح شریف میں تصرف کر سکتا ہے اور اس کی ترتیب اوامر و نواہی میں کرنے کا مجاز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اس امر کا مجاز بنایا ہے۔
برخلافِ صاحبِ کرامت کے کہ اسے بجز تسلیم و قبول کے چارہ نہیں۔ حتیٰ کہ ولی کسی وجہ اور کسی شکل میں حکمِ شریعت اور احکامِ اسلامیہ اور شرحِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ کے منافی کچھ کرنے کا مجاز ہی نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ جب معجزہ خارقِ عادات ہے اور دلیل صدقِ نبی۔ تو جب اس کی جنس غیر غیر نبی کے لیے جائز رکھی تو یہ معتاد ہو جائے گی اور عین حجت اثباتِ معجزہ تمہارے لیے اثباتِ کرامت کو باطل کرتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ کہنا خلافِ واقعہ ہے۔ اس لیے کہ معجزہ ناقضِ عاداتِ خلق ہے اور کرامتِ ولی غیر معجزۂ انبیاء ہے۔ اور وہ اس امر پر دلیل ہے کہ معجزۂ نبی کی یہ شان ہے تو پھر معجزہ معجزہ کا ناقض کیسے ہو سکتا ہے۔ تو نے دیکھا نہیں جب حضرت خبیب کو کافرانِ مکہ نے سولی پر چڑھا دیا تو حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے اور مسجدِ نبوی میں جلوہ افروز مگر مدینہ سے مکہ کا یہ تمام ماجرا ملاحظہ فرما رہے تھے اور صحابہ کرام کو یہ سب کچھ بتا رہے تھے جو حضرت خبیب کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب کی آنکھوں سے بھی حجاب اٹھا دیئے

---

[۱] یعنی نبی بذریعہ معجزہ اگر کسی پر اس کے پاداشِ جرم میں دعا کر کے عذاب نازل کرا دے تو پھر [illegible] علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر عذاب نازل کئے جیسا کہ ارشاد ہے فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ (از مترجم غفرلہ)

انھوں نے بر سر بازار اپنے ولی نعمت مجسمۂ رحمت جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آراد دیکھا اور نہایت مسرت وانبساط سے آدابِ درباری بجالاتے ہوئے مؤدبانہ سلام عرض کیا۔ حضور نے ان کا سلام سُنا۔ حضور نے جواب سلام دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ نے گوشِ خبیب تک پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روبہ قبلہ ہوکر ان کے لیے دعا فرمائی۔

تو یہ معاملہ کہ حضور خبیب کو مدینہ سے ملاحظہ کریں اور خبیب مکہ سے مدینہ میں حضور کو دیکھیں۔ ایک ایسا فعل ہے جو خارقِ عادت ہے اور معجزہ ہے حضور کے لیے اور وہ جو حضرت خبیب مکہ سے مدینہ میں حضور کے جمالِ جہاں آراد کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ وہ کرامت تھی اور خارقِ عادت تھی۔

اس لیے بالاتفاق غائب کی رویت عادت کے خلاف ہے اور پھر زمانہ ومکان کی غیوبت میں کچھ فرق نہیں۔ چنانچہ خبیب رضی اللہ عنہ کی کرامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مکان کی غیوبت میں متقدمین کی کرامت کی طرح ایک کرامت تھی۔

یہ ایک فرقِ بین ہے اور برہانِ واضح جو ثابت کر رہا ہے کہ کرامت ومعجزہ دونوں علیحدہ نہیں اس لیے کہ کرامت بغیر تصدیق صاحبِ معجزہ نہیں ہوتی اور ایسے مومن کے سوا جو مصدق ومطیع ہو ظہور میں نہیں آتی۔ اور وہ امتی سے ظہور پذیر ہوتی ہے اور جو کرامت امتی سے سرزد ہوتی ہے وہ درحقیقت معجزہ انبیاء کرام ہے۔ اس لیے کہ ان کی شریعت باقی ہے۔ اور ان کی حجت و برہان بھی باقی ہیں۔ تو اولیاء کرام صدق رسالت رسل پر گواہ ہیں۔ اور سوا ان کے کسی غیر امتی سے ظہور کرامت روا نہیں۔ اس کی تائید میں ایک حکایت مروی ہے۔ جو حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار اپنی عادت کے مطابق جنگل میں اپنی تجرید وتوحید کے ساتھ تھا کہ بعد چندے ایک گوشہ سے ایک شخص اُٹھا اور میرے ساتھ ہم نشین ہونے کی خواہش ظاہر کرنے لگا۔ میں نے اس کے باطن پر نگاہ ڈالی تو مجھے اس سے نفرت پیدا ہوئی۔ میں نے سوچا کہ یہ کون ہے جو اس سے نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ تو وہ کہنے لگا۔ ابراہیم فکر نہ کریں۔ میں نصاریٰ میں سے صابی ہوں اور اقصائے بلاد روم سے صرف آپ کی ہم نشینی کی نیت سے آیا ہوں۔ جواب سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ نفرت یوں ہوئی تھی کہ یہ بیگانہ ہے۔ میں نے اسے اپنی ہم نشینی کی اجازت دیدی اور کہا کہ اے راہب (نصاریٰ میں جو زاہد اور تارک الدنیا ہوتے تھے انہیں کہتے ہیں

ہمارے پاس اکل و شرب کا انتظام نہیں ہے ۔ ہمیں اس امر کا خطرہ ہے کہ کہیں تمہیں اس جنگل میں ہماری معیت سے تکلیف نہ ہو۔

راہب کہنے لگا حضرت آپ کی اتنی زبردست شہرت عالم میں ہے مگر ابھی تک آپ طعام و شراب کے غم میں ہیں ۔ مجھے اس کا یہ جواب پسند آیا ۔ میں نے امتحاناً اسے ہمراہ لیا کہ دیکھیں اپنے دعوے میں کہاں تک سچا ہے ۔ سات شبانہ روز بادیہ پیمائی کرتے رہے ۔ ساتویں روز اُسے بھوک پیاس نے اتنا تنگ کیا کہ کہنے لگا ابراہیم آپ کی کرامات و عرفان کا ڈھول دنیا میں لوگ بجاتے ہیں لیکن اب میں مجبور ہوں کہ آپ کی ولایت کا انکار کر دوں ۔ اس لیے کہ اب پیاس بھوک نے میری تمام طاقت سلب کر لی ہے ۔ میں نے سرِ عجز بارگاہ بے نیاز میں جھکایا ۔ اور عرض کی الٰہی مجھے اس کافر کے سامنے رسوا نہ کر ۔ اب تک اس کا خیال باوجود بیگانہ ہونے کے میرے ساتھ اچھا ہے ۔ تیرے کرم سے بعید نہیں کہ ایک کافر کے حسنِ ظن کو جو میرے ساتھ حسنِ اعتقاد تک پہنچا دے ۔ فرماتے ہیں جب میں نے سر اٹھایا تو ایک طبق دیکھا جس میں دو روٹیاں اور دو پیالے پانی کے رکھے تھے ۔ ہم دونوں نے وہ کھا پی کر تازگی حاصل کی اور چل دیئے ۔

جب سات روز گزر گئے تو میں نے اپنے دل سے کہا کہ آج میں اس راہب کا بھی تجربہ کروں ۔ قبل اس کے کہ یہ میرا امتحان کرے اور کچھ مجھ سے مانگے میں نے کہا اے راہب کچھ لا کہ آج تیری باری ہے ۔ اپنے مجاہدہ کا پھل دکھلا ۔ اس نے بھی سر زمین پر رکھا اور کچھ کہا کہ ایک طبق ظاہر ہوا جس میں چار روٹی اور چار پیالے پانی کے موجود تھے ۔ مجھے اس پر سخت تعجب ہوا اور اپنے گزشتہ ایام کی یاد میں رنجیدہ ہو کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے یہ کھانا نہیں ہے ۔ اس لیے کہ کافر کے لیے آیا ہے ۔ اگر میں اس سے کھاؤں تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ میں کافر سے مدد لوں ۔

راہب کہنے لگا ۔ ابراہیم کھاؤ ۔ میں نے کہا نہیں ۔ کہنے لگا کیوں ۔ میں نے کہا اس لیے کہ تو اس امر کا اہل نہیں اور اسے میں کرامت نہیں مانتا ۔ اس لیے کہ کرامت تیرے حال سے بعید ہے مگر مجھے تعجب ضرور ہے اور میں فکر میں ہوں کہ اس کو میں کیا کہوں ۔ اگر کرامت کہتا ہوں تو کافر سے کرامت محال ہے اور اگر معونت کہوں جو کافر کے ساتھ ہو سکتی ہے ۔ تو بھی مدعی کو شبہ ضرور ہوتا ہے ۔

راہب کہنے لگا۔ ابراہیم آپ کرش فرمائیں میں آپ کو دو بشارتیں دیتا ہوں ۔ پہلے یہ کہ میں مسلمان ہوں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ۔ دوسرے یہ کہ آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت بلند ہے ۔ میں نے کہا۔ وہ کیسے کہنے لگا حضرت میرے پاس اس قسم کی کوئی قوت نہ تھی۔ جو آپ سے دیکھی۔ مگر میں نے آپ کے وسیلے سے سر زمین پر رکھا اور عرض کی۔ الٰہی اگر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہے اور تیرا پسندیدہ ہے تو مجھے بھی دو قرص اور دو پیالہ پانی کے عطا فرما۔ اور اگر ابراہیم خواص تیرا ولی ہے تو اس کی ولایت کے صدقہ میں دو روٹی اور دو پیالہ پانی عطا فرما۔ جب سر اٹھایا تو یہ طبق میرے سامنے رکھا تھا۔

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ نے یہ سب قصہ سن کر اس طبق سے تناول فرمایا اور وہ راہب اس کے بعد اسلامی مشائخ کرام میں شمار ہوا۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عین معجزہ ہے۔ جو کرامت ولی کے پردہ میں چھپا ہوا ہے۔ اور بالخصوص یہ بہت نادر امر ہے کہ نبی کی غیبت میں غیر پر بیان دکھائے اور وہ بھی ایک ولی کی موجودگی میں غیر کے ذریعے کرامت ظاہر ہوئی۔
اور یہ بھی حقیقت واقعہ ہے کہ منتہی ولایت کو بجز ولایت کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اور یہ راہب کے لیے ولایت ابراہیم خواص نہایت پوشیدہ چیز تھی اور (علم اللہ میں اسے ولی ہونا تھا) تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مرتبہ ابراہیم خواص اور دین حق کی حقانیت اس صورت میں ظاہر فرمادی جیسے جادوگران فرعون پر کہ انھوں نے اسلام لانے سے قبل موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ جان لیا تھا۔ تو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی سچائی کا ثبوت دیا۔ اور اس نے صداقت ولایت وحقانیت اسلام کا۔ اور معجزہ اور کرامت کے مابین فرق بیّن ہے۔
اس بحث میں بہت زیادہ مضامین ہیں لیکن یہ کتاب ان سب کے بیان کی متحمل نہیں۔ اتنا یاد رکھو کہ کرامت اولیاء کرام میں یہ اور کرامت ہے کہ وہ اسے مخفی رکھیں کہ رفقاء کرامت میں شرط خلافت ہے۔

چنانچہ کوئی ولی اپنی کرامت بلا ارادہ و تکلیف ظاہر نہیں فرماتا۔ اور نہ انھیں ایسا کرنا زیبا ہے میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر ولی اپنی ولایت ظاہر کردے اور اس سے

اپنی صحتِ حال کا دعویٰ قائم رکھے تو نقصان نہیں لیکن اگر مظاہرہ ولایت کے لیے بالارادہ بتکلف اگر ظاہر کرے تو اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے اور یہ مُضر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مدعیِ الوہیت سے ظہورِ معجزہ

مشائخ صوفیہ اور تمام اہلسنت وجماعت اس امر پر متفق ہیں کہ کافر کے ہاتھ سے بھی کوئی ایسا فعل ظاہر ہو سکتا ہے۔ جو خارقِ عادت ہو۔ اور مثلِ معجزہ یا کرامت کے ظاہر ہو۔ اور تمام اسباب وشبہ اس کے ظہور سے منقطع ہو جائیں اور کسی کو اس کے کذاب ہونے میں شک نہ ہو۔ اور اس فعل کا ظہور اس کے کاذب ہونے کے منافی نہ ہو۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ فرعون لعین (کہ اس کا نام رقیون تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں تھا۔) اس نے چار سو برس کی عمر پائی۔ اور اس مدت العمر میں اسے کوئی بیماری اور مرض نہ ہوا۔ اور پانی اس کے پیچھے پیچھے چلتا جب یہ کھڑا ہو جاتا۔ پانی بھی کھڑا ہو جاتا۔ لیکن باوجود اس کے عقلاء کی نظر میں یہ جھوٹا تھا۔ اور اس کی خدائی دعویٰ کی تصدیق سمجھ داروں نے نہیں کی۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ الجسم ومرکب نہیں۔ علاوہ ازیں اگر اور بھی ایسے خارق عادات افعال اس سے ظہور میں آتے تو عقلاء اس کے کذب دعویٰ میں کبھی شک نہ کرتے۔

اور ایسے ہی شداد صاحب ارم (یعنی جس نے دنیا میں ارم کے نام سے بہشت بنایا تھا) اس کا حال ہے اور ایسے ہی نمرود کے بہت سے واقعات ہیں۔ اور اس پر قیاس کرو۔ اور اسی قسم کے واقعات سے ہمارے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور بتایا کہ آخر زمانہ میں دجال خارج ہوگا۔ اور خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کی چپ وراست میں دو پہاڑ ہوں گے۔ داہنی طرف والا پہاڑ نمونہ بہشت ہوگا۔ اور بائیں طرف والا نمونہ جہنم۔ مخلوق کو اپنی الوہیت تسلیم کرانے پر دعوت دے گا۔ جو اس پر ایمان نہ لائے گا۔ اس پر عذاب کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے لوگوں کو موت وحیات کا مشاہدہ کرائے گا۔ وہ اپنی گمراہی وضلالت میں جسے چاہے گا۔ مار دے گا۔ جسے چاہے گا زندہ کر دے گا۔ دنیا میں دجال کا حکم معلق ہوگا۔ لیکن اس کے علاوہ

اگر اس سے سرگنہ افعال اور بھی دعوکھائے تو عقلا اس کے کاذب ہونے میں شک نہ کریں گے۔ عاقل یقینی طور پر بھولے گا کہ اللہ تعالیٰ گمدے سوا نہیں ہے اور وہ ذات ہے کہ کبھی متغیر و متلون نہیں ہو سکتی۔ وہ ما نعما نہیں۔ غرضکہ ایسے امور پر اس قسم کے آدمی سے صادر ہوں۔ اسے استدراج کہتے ہیں۔ (اس کا نام کرامت یا معجزہ رکھنا ہی غلط ہے)۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدعی نبوت کاذب سے بھی ایسے افعال ظاہر ہو جائیں۔ مگر یہ اس کے کذب کی دلیل ہوتے ہیں۔ اگرچہ ویسے ہی امور خارق عادت ایک سچے نبی کے ہاتھ سے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر وہ اس کے صدق کی دلیل ہوتے ہیں۔

لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں کہ جھوٹے سے کوئی ایسا فعل بھی ظاہر ہو سکے۔ جس میں دیکھنے والوں کو نبوت صادقہ کا شبہ ہو جائے اور اگر ایسا بھی ہونا ممکن ہوتا تو پھر سچے کو جھوٹے سے پہچاننا محال تھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسی صورت میں طالب حق کسے سچا سمجھتا اور کسے جھوٹا۔ ایسی حالت میں حکم نبوت صادقہ ہی باطل تھا[1]

ہاں یہ روا ہے کہ مدعی ولایت سے کرامت کی شکل کوئی ایسی بات ظاہر ہو جائے جو دین میں درست ہو اگرچہ اس کا عمل اچھا نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ رسول کی رسالت کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اور اپنے رب کا فضل ظاہر کرتا ہے نہ یہ کہ وہ اس فعل کو اپنی قوت کی طرف نسبت کرے اور اصلیت ایمان میں بلا دلیل راست گو ہو۔ وہ تمام حالات میں اعتقاد کے ساتھ ولایت میں راست گو ہوتا ہے کیونکہ جب اس کا اعتقاد تمام حالات میں ولی کے اعتقاد کی صفت سے ہوتا ہے تو اگرچہ اس کے عمل اس کے اعتقاد کے موافق نہ ہوں۔ مگر ترک عمل کی وجہ میں دعویٰ ولایت اس سے ضبط نہیں

ہوتا۔ جیسے دعویٰ ایمان (کہ وہ بلا عمل بھی درست ہے)
اور در حقیقت منصب ولایت و کرامت کسبی نہیں

تو خلاصہ یہ ہے کہ کسب و عمل انسان ہدایت کے لیے علت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل ہی ہم بتا چکے ہیں کہ اولیاء کرام معصوم نہیں ہوتے اس لیے کہ عصمت شرط نبوت ہے۔

---

[1] مثلاً وحی کا نزول فرشتہ کا اور دعویٰ وغیرہ وغیرہ (از مترجم)

[2] یعنی انسان اپنے مجاہدہ و ریاضت سے حاصل کر سکے بقول سعدی علیہ الرحمۃ ؎
این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ
یعنی جب مجاہدہ ریاضت سے ایمان دولت و کرامت ہو بلکہ موہبت حق سے اس کا تعلق ہے تو ولی دلی ہو سکتا ہے۔

نہ کہ شرطِ ولایت مگر اولیاء اللہ ہر قسم کا آفاتِ معصیت سے محفوظ ضرور ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ وجود معصیت نفی ولایت کی مقتضی ہے اور نفی ولایت نفی ایمان کی مقتضی نہیں۔ اس لیے کہ نفی ایمان ردت ہے نہ کہ معصیت۔ یہ حضرت حکیم ترمذی محمد بن علی رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔

اور اسی پر حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابوالحسن نوری اور حضرت حارث محاسبی اور دیگر اہلِ حقائق رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے۔ لیکن جو ارباب عمل ہیں جیسے حضرت سہل بن عبداللہ تستری اور حضرت ابو سلیمان دارانی اور حضرت ابو حمدون قصار وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان کا یہ مسلک ہے کہ شرطِ ولایت مداومتِ اطاعت ہے۔ حتیٰ کہ اگر ولی کے دل پر کسی کبیرہ کا خطرہ بھی گزرتا ہے تو وہ ولایت کے منصب سے معزول ہو جاتا ہے۔

مگر ہم اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اس امر پر اجماع امت ہے کہ بندہ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی خارج از ایمان نہیں ہوتا اور کوئی ولایت ولایت سے افضل نہیں ہے تو جب درجۂ معرفت جو اصل جمیع کرامات ہے۔ معصیت سے زائل نہیں ہوتا تو (بعض ولایت کیونکر زائل ہو سکتی ہے) بلکہ محال ہے کہ جو چیز معرفت سے درجہ میں کمتر ہے وہ معصیت سے زائل ہو اور یہ اختلاف مشائخ کرام میں بہت لمبا ہے۔ اس مقام پر میرا مقصود اس بحث میں کسی کے دعویٰ کا ثبوت دینا نہیں ہے۔ بلکہ میرا مقصد اس مقام پر اس اہم حقیقت کا سمجھانا ہے کہ ولی پر کرامت کس حال میں ظاہر ہوتی ہے۔ صحو میں یا سکر میں غلبہ میں یا تمکین میں۔

صحو اور سکر کی شرح تو ہم حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بیان میں مفصل کر چکے ہیں۔ مگر حضرت بایزید اور ذوالنون مصری اور محمد بن خفیف اور حسین بن منصور اور یحییٰ بن معاذ رحمہم اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ ولی پر اظہارِ کرامت کا بحث سکر ہوتا ہے۔ اس کے سوا نہیں اور جو بحالتِ صحو ظاہر ہو وہ کرامت نہیں بلکہ ولی کے پردہ میں نبی کا معجزہ ہے۔ ان کے مذہب کے مطابق معجزہ اور کرامت میں بھی فرق یہی ہے کہ کرامتوں کا اظہار ولی کی حالتِ سکر میں ہوتا ہے۔ جب کہ وہ مغلوب الحال ہو۔ اور اس کے لیے دعوت نہیں ہوتی اور نبی پر اظہارِ معجزہ بحالت صحو ہوتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں پر اپنی تصدیقِ نبوت میں ظاہر کرے اور قوم کو طلبِ معاوضہ کے لیے بلائے۔ اور صاحب معجزہ حکم کی دونوں طرف پر مختار ہوتا ہے۔

نہ کہ شرطِ ولایت مگر اولیاء الٰہی ہر قسم کا آفاتِ معصیت سے محفوظ ضرور ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ وجودِ معصیت نفی ولایت کی مقتضی ہے اور نفی ولایت نفی ایمان کی مقتضی نہیں۔ اس لیے کہ نفی ایمان ردّت ہے نہ کہ معصیت۔ یہ حضرت حکیم ترمذی محمد بن علی رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے۔

اور اسی پر حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابوالحسن نوری اور حضرت حارث محاسبی اور دیگر اہلِ حقائق رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے۔ لیکن جو ارباب عمل ہیں جیسے حضرت سہل بن عبداللہ تستری اور حضرت ابوسلیمان دارانی اور حضرت ابو حمدون قصار وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان کا یہ مسلک ہے کہ شرطِ ولایت مداومتِ اطاعت ہے۔ حتیٰ کہ اگر ولی کے دل پر کسی کبیرہ کا خطرہ بھی گزرتا ہے تو وہ ولایت کے منصب سے معزول ہو جاتا ہے۔

مگر ہم اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اس امر پر اجماعِ اُمّت ہے کہ بندہ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی خارج از ایمان نہیں ہوتا اور کوئی ولایت ولایت سے افضل نہیں ہے تو جب درجۂ معرفت جو اصل جمیع کرامات ہے۔ معصیت سے زائل نہیں ہوتا تو (محض ولایت کیونکر زائل ہو سکتی ہے) بلکہ محال ہے کہ جو چیز معرفت سے درجہ میں کمتر ہے وہ معصیت سے زائل ہو اور یہ اختلاف مشائخ کرام میں بہت لمبا ہے۔ اس مقام پر میرا مقصود اس بحث میں کسی کے دعویٰ کا ثبوت دینا نہیں ہے۔ بلکہ میرا مقصد اس مقام پر اس اہم حقیقت کا سمجھانا ہے کہ ولی پر کرامت کس حال میں ظاہر ہوتی ہے۔ صحو میں یا سکر میں غلبہ میں یا تمکین میں۔

صحو اور سکر کی شرح تو ہم حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بیان میں مفصل کر چکے ہیں۔ مگر حضرت بایزید اور ذوالنون مصری اور محمد بن خفیف اور حسین بن منصور اور یحییٰ بن معاذ رحمہم اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ ولی پر اظہارِ کرامت کا بحالت سکر ہوتا ہے۔ اس کے سوا نہیں اور جو بحالتِ صحو ظاہر ہو وہ کرامت نہیں بلکہ ولی کے پردہ میں نبی کا معجزہ ہے۔ ان کے مذہب کے مطابق معجزہ اور کرامت میں یہی فرق بیّن ہے کہ کرامتوں کا اظہار ولی کی حالتِ سکر میں ہوتا ہے۔ جب کہ وہ مغلوب الحال ہو۔ اور اس کے لیے دعوت نہیں ہوتی اور نبی پر اظہارِ معجزہ بحالت صحو ہوتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں پر اپنی تصدیقِ نبوت میں ظاہر کرے اور قوم کو طلبِ معاوضہ کے لیے بلائے۔ اور صاحبِ معجزہ حکم کی دونوں طرف پر مختار رہتا ہے۔

چنانچہ ایک اس کے ظاہر کرنے پر رضا مند رہتا ہے۔ دوسرا اس کے پوشیدہ کرنے پر۔ پھر ولیوں کے لیے یہ بات نہیں بلکہ وہ کبھی کرامت دکھانا چاہیں بھی تو ممکن ہے نہ دکھا سکیں اور کبھی وہ نہ دکھانا چاہیں اور ظاہر ہو جائے۔ اس لیے کہ ولی دعوت کرنے والا نہیں ہوتا۔ کہ اس کا حال بقاء اوصاف سے منسوب ہو بلکہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کا حال صفت کی فنا سے موصوف ہوتا ہے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ ایک صاحب شریعت ہے دوسرا صاحب سِر۔ تو چاہیئے کہ کرامت کا اظہار حال غیبت و دہشت کے سوا کسی حال میں ظاہر نہ ہو اور اس کے تمام تصرفات تصرف حق کے ساتھ ہوں اور اس کے اس قسم کے حال میں تمام بول چال تالیف حق سے ہو۔ اس لیے کہ صفتِ بشریت کا تحقق یا لاہی[1] کو ہوتا ہے یا ساہی[2] کو یا عام بندگان الٰہی کو اور انبیاء کرام لاہی و ساہی نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انبیاء کرام کے سوا مطلق عبد الٰہی نہیں ہوتے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اولیاء کرام کے سوا دیگر عوام کی طرف خاص صورت کے سوا الحق بھی نہیں ہوتا) تو اس جگہ اولیاء رہی رہے کہ جب تک ان پر آثار حال بشریت ہو وہ باخود ہوتے ہیں اور جب ان پر تجلیات الٰہی کا انکشاف ہوتا ہے) تو وہ مکاشف ہو کر بحالت بیخودی متحیر ہو جاتے ہیں اور الطاف حق کے حقیقت و منتہیٰ کو نہ پاتے ہوئے دریائے تحیر میں مستغرق رہتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس کے اندر اظہار کرامت ہوتا ہے اس کے سوا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہی درجہ تقرب ہے۔ اور یہی وہ مقام اور وقت ہے کہ عارف کی نظر میں حجر و ذہب سب یکساں ہو۔

علاوہ اس کے کسی حال میں انبیاء کرام کے سوا کسی انسان کو یہ حقیقت نہیں ملتی۔ مگر اسے جس میں عارضیہ یہ کیفیت آجائے۔ اور یہ کیفیت عارضیہ سوائے سکر کے نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت حارث بن زید رضی اللہ عنہ ایک روز دنیا سے علیحدہ ہو گئے۔ اور دنیا و عاقبت کے مکاشف ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ عَزَفْتُ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا فَاسْتَوٰی عِنْدِیْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا۔ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے معرض کر دیا تو میرے نزدیک دنیا کا پتھر اور سونا چاندی اور کنکر سب یکساں ہو گئے۔ دوسرے روز آپ کو دیکھا کہ فرما

---

[1] غافل اور کھیل کود میں رہنے والا۔ [2] سا ہی یا د خدا میں غفلت کرنے والا۔

کا کام کر رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا۔ حارث کیا کر رہے ہو۔ فرمایا مدعی تلاش کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ وہ ساعت وہ تھی یہ ساعت یہ ہے۔

تو مقامِ صحو میں اولیاء کرام کو درجہ عوام ملتا ہے۔ اور مقامِ سکر میں ان کو درجہ انبیاء سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ جب اس مقام پر نازکر یا خود ہوتے ہیں تو اپنے کو عوام کی حیثیت میں جانتے ہیں اور جب بیخود ہو کر اپنے سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ تو حق راجع ہوتے ہیں۔

اور ان کا یہ سکر اتنا مہذب ہوتا ہے کہ اپنے کو سوائے ذاتِ حق کے کسی سے وابستہ نہیں رکھتے اور تمام عالم کو اپنے حق میں مثل سونے کے سمجھتے ہیں۔ شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

ذَهَبٌ اَيْنَمَا ذَهَبْنَا وَدُرٌّ   حَيْثُ دُرْنَا وَفِضَّةٌ فِی الْفَضَاءِ

جہاں ہم گئے سونا ہی تھا اور جہاں ہم نے دورہ کیا موتی ہی ملے اور میدانوں میں چاندی ہی چاندی تھی۔" میں نے حضرت استاذ ابوالقاسم قشیری سے سُنا فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار طائرانی سے پوچھا کہ آپ اپنا ابتدائی حال سنائیں۔ فرمایا ایک وقت مجھ پر وہ تھا کہ مجھے ایک پتھر کی ضرورت پڑی۔ رود خانۂ سرخس میں جو پتھر میں نے اُٹھایا وہی جوہر بن گیا میں نے اُسے پھینک دیا۔ یہ اس لیے نہیں کہ ان کی نظر میں جوہر اور پتھر یکساں تھے۔ بلکہ اس لیے کہ انہیں پتھر کی ضرورت تھی۔ جوہر درکار نہ تھا۔

حضرت خواجہ امام خزری رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سُنا ہے۔ فرماتے تھے کہ میں سرخس میں لڑکوں کی عمر کا تھا اور قرمز کیلئے شہتوت کے درخت کے پتے جھاڑنے کو ایک محلہ میں گیا اور پتے جھاڑ رہا تھا کہ شیخ ابوالفضل بن حسین رحمۃ اللہ علیہ اس کوچے سے گزرے۔ میں درخت پر تھا۔ آپ نے مجھے نہ دیکھا۔ میں نے ان کی طرف سے کوئی شک نہ کیا۔ بلکہ میں نے اس امر پر یقین کیا کہ وہ از خود غائب اور بدل بارگاہِ حق میں حاضر ہیں اور اس حال میں خوش ہیں۔ کہ یکایک آپ نے سرِ مبارک اٹھایا اور فرمایا۔ الٰہی ایک سال سے زائد ہو گیا کہ تو نے مجھے ایک دانگ بھی نہ دیا کہ سر کے بال تو درست کرالیتا۔ کیا اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ امام خزری فرماتے ہیں کہ اسی وقت شہتوت کے تمام پتے اور ڈالیاں، تنہ اور جڑ سب زریں ہو گئے۔

آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ تعجب ہے آپ کی بارگاہ میں کنایہ کرنا بھی موجب اعتراض ہے مقصد تو میرا یہ تھا کہ کشائش قلب کے لیے کوئی نعمت ملے لہٰذا ظاہر یہ فرمایا۔ بے شک آپ کے حضور زبان ہلانا بھی جرم ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے چار ہزار دینار دجلہ میں پھینک دیئے۔ لوگوں نے کہا شبلی کیا کر رہے ہو۔ فرمایا پتھروں کا پانی میں رہنا ہی بہتر ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت بجائے اس کے کہ دریا میں پھینکے لوگوں کو کیوں نہ دیدیتے۔ فرمایا تم لوگ بھی خوب ہو۔ میں اپنے رب سے یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل سے حجاب اٹھ جائے اور اس حجاب کو اپنے بھائی مسلمانوں پر ڈال دوں۔ یہ شرط دیانت نہیں کہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند کروں جو اپنے لیے بدتر جان رہا ہوں۔ اور یہ تمام کیفیت بحالتِ سکر ہوتی ہے۔ اس کی شرح ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہاں تو اس کے بیان سے مقصد صرف اثبات کرامت ہے۔

پھر حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابوالعباس سیاری اور حضرت ابوبکر واسطی اور حضرت محمد بن علی ترمذی رضی اللہ عنہم اجمعین اس امر پر متفق ہیں کہ کرامت بحالتِ صحو و تمکین ظاہر ہوتی ہے۔ نہ کہ حالتِ سکر میں۔ اور یہ تمام کے تمام اصحابِ مذہب ہیں۔

اس لیے کہ اولیاء اللہ مدیران ملک اور احوال عالم کے خبردار اور تمام عالم کے والی ہوتے ہیں اور نظامِ عالم ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہر قسم کے حل و عقد ان سے وابستہ ہوتے ہیں اور احکامِ عالم میں ان کا تصرف ہوتا ہے۔ بنا بریں یہ ضروری ہے کہ ان کی رائے تمام اہل الرائے پر فائق ہو۔ اور تمام قلوب کے مقابلے میں مخلوق کے ساتھ ان کا دل شفیق تر ہو۔ کیونکہ یہ لوگ خدا رسیدہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی ابتداء حال میں تلوین و سکر ہوتا ہے۔

اور جب ان کے حال کا بلوغ ہوتا ہے تو وہی تلوین تمکین کے ساتھ تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر وہ ولی حقیقتہً ولی ہوتا ہے۔ اور اس کی کرامتیں صحیح ہوتی ہیں۔

اہل طریقت میں مشہور ہے کہ اوتاد ہر شب میں تمام جہان کی سیر کرتے ہیں اور اس سیر میں جو جگہ ان کی سیر سے رہ جاتی ہے وہاں لازمی طور پر خلل واقع ہوتا ہے۔ تو وہ اسی وقت

۔ بقول سے ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں چہ پسند

قطب مدار کو حکم کرتے ہیں تا کہ وہ اپنی توجہ اور ہمت اس طرف مبذول کرے اور وہ خلل و نقصان ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ زائل فرما دے۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ عرفاء کے نزدیک سونا اور پتھر یکساں ہیں یہ درحقیقت کیفیت سکر ہے اور دیدار یار میں نقصان اور کمی کے اندر رہتا ہے اور یہ کوئی بڑا کمال نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ عارف کی نظر میں سونا سونا ہو اور پتھر پتھر مگر ان کی آفات پر ان کی نظر ہو۔ اور وہ صاف کہہ سکیں یَا صَفْرَاءُ یَا بَیْضَاءُ غُرِّیْ غَیْرِیْ لَاؔ فِیْ لَا صُنِّفَ معکا اے زرد اے چاندی میرے سوا کسی اور کو مغرور بنا میں تیرے ساتھ مغرور نہیں ہو سکتا۔ (جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں مال کی فراوانی ملاحظہ فرما کر کہا تھا) تو جس پر سیم و زر کی آفت منکشف ہے اس کے لیے سیم و زر محلِ آفت نہیں اور اس سے ان پر حجاب نہیں آتا بلکہ حقیقتاً وہ اسے ترک کرتے ہیں اور اس کا ثواب پاتے ہیں۔

اور وہ جس کی نظر میں زر و کلوخ یکساں ہیں انہیں ترک کرنے سے کیا فائدہ اور ان کی طرف سے حکم ترک بھی بیکار ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت حارث جب تک صاحب سکر رہے فرماتے تھے کہ میرے نزدیک زر و سنگ، کلوخ و نقرہ سب یکساں ہیں۔ اور حضرت صدیق اکبر صاحب صحو تھے اور آفاتِ نفیسِ دنیا دیکھ چکے تھے اور اس کے ترک میں جو ثواب تھا وہ آپ پر روزِ روشن کی طرح عیاں تھا۔ جب دنیا اور مالِ دنیا سے ہاتھ اُٹھایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدیق بیوی بچوں کیلئے کیا چھوڑ کر آئے۔ عرض کی اللہ اور اس کے رسول کو۔

حضرت ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا۔ کہ اے ابوبکر وراق ہم تجھے آج ایک جگہ لے جائیں گے میں نے عرض کی کہ حضور کا جہاں حکم ہو میں وہاں چلوں گا۔ چنانچہ حضرت محمد بن علی کے ساتھ چلا اور تھوڑی دیر چلا تھا کہ ایک جنگل نظر آیا جو بکٹ اور دشوار گزار تھا۔ اور اس کے اندر ایک زریں تخت بچھا ہوا دیکھا۔ اور ایک سبز درخت کے نیچے ایک چشمہ جاری نظر آیا اور ایک بزرگ دیکھے جو اس تخت پر نہایت شاندار لباس میں تشریف فرما تھے۔

جب حضرت محمد بن علی اُن کے نزدیک پہنچے تو وہ بزرگ اُٹھے اور آپ کو اس تخت

بٹھایا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہر طرف سے لوگ آنے لگے حتیٰ کہ چالیس آدمی اس جگہ جمع ہو گئے پھر انہوں نے جو تختِ تدیں پر جلوہ افروز تھے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ یکایک کچھ کھانے کی چیز آ گئی۔ ہم سب نے اسے کھایا۔ پھر حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کوئی سوال کیا۔ انہوں نے بہت تفصیل سے اس کا جواب دیا مگر میں ان کی گفتگو کو بالکل نہ سمجھ سکا۔ اس کے بعد سب نے اجازت لی اور رخصت ہونے۔ مجھے بھی حکم ہوا کہ تو بھی جا اب تو نیک اور سعید ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب ہم ترمذ سے واپس ناکے تو میں نے حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور وہ کونسا مقام تھا اور وہ تخت پر جو تشریف فرما تھے کون تھے۔ فرمایا وہ مقام تیہ بنی اسرائیل تھا اور وہ بزرگ قطب مدار تھے۔

میں نے عرض کی حضور اتنی سی مدت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں ہم کیونکر پہنچ گئے۔ فرمایا ابوبکر تجھے پہنچنے سے کام تھا پوچھنے سے غرض نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ علامت صحتِ حال کی ہے نہ کہ سکر کی۔

اب ہم اس بحث کو مختصر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہم اس کی تفصیل کی طرف مشغول ہو گئے تو کتاب طویل ہو جائے گی۔ اور مقصود رہ جائے گا۔

اب ہم بعض دلائل اور کرامات و حکایات بیان کریں گے تا کہ پڑھنے والا متنبہ ہو جائے اور علماء کے لیے ان کے بیان میں قوت دے اور محقق لوگوں کے لیے بہترین تذکرہ بنے اور عوام کو یقین حاصل کرنے میں مدد ملے اور ان کے شبہات رفع ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کراماتِ اولیاء

یاد رکھو جب کرامتوں کا ثبوت دلیلِ عقلی سے ثابت ہو گیا تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دلیلِ نقلی سے بھی اس کا ثبوت واضح ہو جائے۔ اور جو صحیح احادیث میں آیا ہے اور کتاب و سنت سے اس کی صحت ثابت ہے تو اس کا انکار کرنا نص کا انکار کرنا ہے۔ اس لیے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى یعنی تم پر ہم نے بادلوں کا سایہ کیا اور تمہارے لیے تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا۔ منکروں میں سے اگر کوئی کہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ہم معجزہ کے قائل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ

کراماتِ اولیاء درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اگر منکرین کہیں کہ یہ کلا تشبہ غیبت میں ہیں۔ ہم پر واجب نہیں کہ ہم اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تسلیم کریں۔ ان کا معجزہ وہی تھا جو ان کے وقت میں تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے غائب ہوئے اور کوہ طور پر تشریف لے گئے تو ان کی غیبت میں جو کچھ ظاہر ہوا۔ وہ سب ان کی ہی طرف منسوب ہے۔ تو زمانہ اور مکان کی غیبت ساوی ہے۔ تو جب غیبتِ مکان میں یعنی موسیٰ علیہ السلام کے غائب ہونے کے بعد ان کا معجزہ رہا ہے تو اس مقام پر صرف غیبوبت زمانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اولیائے کرام کا موجود ہونا ان کے زمانہ کی دلیل ہے۔ تو ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ظہور بپردۂ اولیاء میں کیوں نہ روا ہو۔

دوسرے حضرت آصف بن برخیا کی جو کرامت ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں ہے چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ تختِ بلقیس اس کے آنے سے پہلے آئے اور فرمایا۔ تم میں کون ہے۔ جو اس تخت کو بلقیس کے آنے سے پہلے ہمارے سامنے پیش کرے تو قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ۔ ایک جن نے عرض کی۔ میں اس تخت کو آپ کے دربار سے اٹھنے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ اس سے بھی پہلے وہ پیش کیا جائے تو حضرت آصف بن برخیا نے عرض کی أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ۔ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے وہ تخت حاضر کئے دیتا ہوں۔ تو جب سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس دیکھا تو فرمایا۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي۔ یہ میرے رب کا فضل ہے اور اس دعوے سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے انکار نہ فرمایا بلکہ وہ کرامت آصف دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي۔ اور یہ حقیقت واقعہ ہے کہ تخت کا ملکِ سبا سے طرفۃ العین میں حاضر کر دینا کسی صورت سے معجزہ نہ تھا بلکہ یہ کرامت تھی۔ اس لیے کہ آصف بن برخیا ہرگز پیغمبر نہ تھے۔ اور معجزہ پیغمبر کے سوا جائز نہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ معجزہ نہ تھا بلکہ کرامت تھی۔ اگر معجزہ ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دست حق پرست سے

اس کا مظاہرہ ہوتا۔

دوسرے ہمیں قرآن کریم نے قصہ مریم علیہا السلام میں خبر دی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پاس تشریف لاتے تو ان کے پاس تیز گرمی کے موسم میں سردی کے موسم کے میوے دیکھے اور تیز سردی میں گرمی کے حتیٰ کہ آپ نے ان سے دریافت فرمایا۔ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا اے مریم یہ میوے تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں۔ حضرت مریم نے جواب میں عرض کی قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ یہ سب میرے رب کی طرف سے آتے ہیں۔ حالانکہ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حضرت مریم پیغمبر نہ تھیں۔ اور حضرت جلت مجدہٗ عز اسمہٗ نے ہم کو غیر مبہم الفاظ میں دوسری جگہ خبر دی اور ان کے حالات سے مطلع فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے وَھُزِّیْٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَۃِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا۔ یعنی اے مریم اپنی طرف اس کھجور کے درخت کی ڈال ہلاؤ۔ یہ تمہیں تازہ کھجور گرائے گا۔

علاوہ ازیں قصہ اصحاب کہف میں کتے کا اصحاب کہف کے ساتھ مکالمہ کرنا اور ان کا اس غار میں ایک مدت مدید تک سونا۔ پھر بحالت خواب ان کا کروٹیں بدلنا اور دائیں بائیں پلٹنا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ وَنُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَکَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ۔ اور ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ پر بدلتے ہیں۔ اور ان کا کتا اپنے بازو پھیلائے غار کے دہانے پر ہے۔ یہ تمام باتیں خارق عادات امور میں سے ہیں۔

اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ یہ معجزہ نہیں تو لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ یہ کرامت ہے۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کرامت یعنی استجابتِ دعوات ہو کرشمہ مریم دعا دم اس کے ذریعہ حاصل ہوتی اور ایسی شان سے کہ بُعد مسافت سے ساعتوں میں تخت آگیا اور کیا کیا تھا۔ غیر متوقع مقام پر اچانک کسی چیز کا آجانا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو انسان کے وہم و گمان سے بالاتر ہیں اور اسی کے موافق مضامین احادیث صحیحہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہیں۔ چنانچہ حدیث الغار کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ ایک دن صحابہ کرام بارگاہ رسالت میں عرض پیرا ہوئے کہ حضور ہمیں عجائبات امم ما فیہ ما کچھ فرمائیں۔

چنانچہ حضور نے فرمایا تم سے قبل تین آدمی کہیں جا رہے تھے۔ جب شام ہو گئی تو شب باشی

کی غرض سے کسی غار کی تلاش کی۔ اور رات وہاں سو گئے۔ کچھ رات گزری تھی کہ اچانک ایک بھاری پتھر اس غار کے منہ پر لڑھک آیا اور اس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ یہ تینوں سخت پریشان ہوتے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے اب یہاں سے ہمیں کوئی چیز ایسی نہیں جو نجات دلا سکے۔ سوا اس کے اپنی عمر کے کسی نیک کام کو اللہ تعالیٰ کو پیش کر کے اسے نجات کا ذریعہ بنایا جائے۔

ایک ان میں سے بولا۔ میرے ماں باپ تھے اور میں مال و منال دنیاوی سے کچھ نہیں رکھتا تھا بجز ایک بکری کے۔ تو میں ہمیشہ اس بکری کا دودھ انہیں پلا دیتا تھا اور لکڑیوں کا گٹھہ جو جنگل سے لاتا اُسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے سب کی پرورش کرتا۔ ایک روز مجھے دیر ہو گئی۔ جب میں آیا تو میں نے دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں۔ میں نے بکری کا دودھ نکال کر اس میں روٹی بھگوئی اور ان کے سونے کی جگہ آکر ان کے پیروں کی طرف وہ پیالہ لیے کھڑا رہا۔ اور خود بھی کچھ نہ کھایا کہ جب تک انہیں نہ کھلاؤں میں کیسے کھاؤں۔ ان کے بیدار ہونیکا انتظار کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ جب وہ بیدار ہوئے اور کھانا کھالیا تو میں بیٹھا۔ تو میں عرض کرتا ہوں الٰہی اگر میں اس خدمت میں سچا ہوں تو مجھ پر کشادگی اور میری فریاد رسی کر۔ حضور نے فرمایا۔ کہ وہ پتھر اس توسل کی برکت سے ہلا اور کچھ کشادگی ہو گئی۔

دوسرا کہنے لگا میرے چچا کی لڑکی حسینہ جمیلہ تھی۔ جس پر میں فریفتہ تھا۔ میں اسے اپنی طرف بلاتا تو وہ رجوع نہ ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ میں نے اسے ایک سو بیس دینار بھیجے کہ وہ ایک شب میرے ساتھ خلوت کرے۔ جب وہ میرے پاس آگئی تو میرے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوا۔ اور میں نے اس سے پرہیز رکھا اور وہ سنہری دینار بھی اُسے دے دیئے۔ یہ کہہ کر اس نے بارگاہِ متعالی میں عرض کی۔ الٰہی اگر میں اس بات میں سچا ہوں تو مجھ پر اس پتھر سے فراخی عطا کر۔ حضور فرماتے ہیں کہ وہ پتھر یک لخت ہلا اور غار پہلے سے کچھ زیادہ فراخ ہو گیا۔ مگر ابھی اتنا فراخ نہیں ہوا تھا کہ آسانی سے باہر نکل سکیں۔

تیسرا بولا کہ میرے پاس مزدور کام کرتے تھے۔ دن گزرنے پر سب اپنی اپنی مزدوریاں لے جاتے تھے۔ ایک دن ایک مزدور غائب ہو گیا۔ اور اس کی مزدوری میرے پاس رہ گئی میں نے اس سے گوسپند خرید لیا۔ دوسرے سال وہ دو گوسپند ہو گئے۔ پھر وہ تیسرے سال چار

ہو گئے تاسی طرح ہر سال بڑھتے رہے۔
جب چند سال گزر گئے تو یہ ایک مال عظیم ہو گیا کہ وہ مزدور بھی آ گیا اور اس نے مجھ سے کہا میں نے آپ کی مزدوری کی تھی۔ شاید آپ کو کچھ یاد ہو۔ اب مجھے اس کی ضرورت ہے۔ مجھے دیدو۔ میں نے کہا۔ جاؤ وہ تمام گوسفند اور مال ملک تیرا ہی ہے۔ تُو سے لے۔ تو مزدور کہنے لگا: کیا آپ کو ٹھٹھا کر رہا میں نے کہا نہیں درحقیقت وہ سب مال تیرا ہے میں سچ کہہ رہا ہوں چنانچہ وہ سب مال میں نے اُسے دیدیا۔ الٰہی اگر یہ میرا بیان صحیح ہے تو مجھے اس بلا سے نجات دے۔ حضور نے فرمایا وہ پتھر در غار سے ہٹا اور نیچے گر گیا اور یہ تینوں آدمی وہاں سے باہر آ گئے۔
یہ حال بھی ناقض عادت تھا۔ (اور اسے بھی کرامت ہی کہا جائے گا۔)
۲۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث جریج راہب کی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ طفولیت کے ایام رضاعت میں اپنے گہوارہ میں کسی نے بات نہیں کی مگر تین آدمیوں نے۔
ایک عیسیٰ علیہ السلام نے جس کا تمہیں علم ہے۔ (کما قال تعالیٰ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا)
دوسرا بنی اسرائیل کا ایک راہب جس کا نام جریج مجتہد تھا۔ اس کی والدہ ایک گہوارہ رکھتی تھی۔ ایک دن اپنے بیٹے کو دیکھنے آئی۔ جریج اپنے صومعہ میں مصروفِ نماز تھے۔ دروازہ نہ کھولا۔ دوسرے روز پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسرے روز آئیں۔ اس دن بھی صومعہ نہ کھولا۔ چوتھے روز بھی اسی طرح آئیں اور درِ صومعہ نہ کھولا۔ تو ان کی والدہ نے تنگ آ کر کہا۔ الٰہی اسے رُسوا کر میرا بیٹا ہو کر میرے حق مادریت کی پرواہ نہیں کرتا یعنی میرے حق کے معاملے میں اس کی گرفت کر۔ اس زمانہ میں ایک بدچلن عورت تھی۔ اس نے کسی گروہ سے وعدہ کیا کہ میں جریج کو گمراہ کروں گی۔ چنانچہ وہ صومعہ یعنی عبادت خانہ جریج میں داخل ہو گئی۔ مگر جریج نے اس کی طرف اصلاً التفات نہ کیا۔
اس نے کسی چرواہے کے ساتھ حرام کرایا اور حاملہ ہو گئی۔ جب بیٹا ہوا تو اس نے کہہ دیا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔ لوگوں نے جریج کی طرف انبوہ کثیر کے ساتھ دھاوا بول دیا حتیٰ کہ انہیں گرفتار کر کے عدالتِ سلطانی میں پیش کر دیا۔ جب پیشی ہوئی تو جریج نے اس کے گود کے بچے سے فرمایا اے بچے

تیرا باپ کون ہے۔ وہ شیر خوار مہد مادر میں گویا ہوا۔ اسے جریج میری والدہ تجھ پر جھوٹا اتہام لگا رہی ہے میرا باپ ایک چرواہا ہے۔

تیسرا مہدِ مادر میں بولنے والا ایک عورت کا شیر خوار بچہ ہے جس کا یہ واقعہ ہے کہ) ایک عورت اپنی گود میں بچہ لیے اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی کہ ایک سوار حسین و جمیل جوان اور خوش پوشاک ادھر سے گزرا۔ عورت کہنے لگی۔ الٰہی میرے اس بچے کو اس سوار جیسا کر دے تو بچہ ماں کی گود سے کہنے لگا۔ الٰہی مجھے اس سوار جیسا نہ کر۔ جب ایک مدت گزر گئی تو ایک عورت بدنام ادھر سے گزری۔ عورت کہنے لگی۔ الٰہی میرے بچے کو اس عورت جیسا بدنام نہ کرنا تو بچہ کہنے لگا۔ الٰہی مجھے مثل اس عورت کے کر دے۔

بچہ کی ماں متعجب ہوئی اور کہنے لگی اس بچے نے ایسی دعائیں کی بچہ کہنے لگا۔ یہ دعائیں میں نے اس لیے کی کہ وہ سوار ظالم و جابر لوگوں میں سے تھا اور یہ عورت نہایت نیک خصلت ہے مگر اسے لوگ برا کہتے ہیں۔ اور اسے عوام جانتے نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ظالم و جابر بنوں۔

۳۔ ایک حدیث زائدہ کنیزک امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ ایک روز حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے زائدہ میرے پاس دیر دیر سے کیوں آتی ہے۔ میں تجھے محبت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ زائدہ نے عرض کیا۔ حضور آج میں ایک عجیب و غریب بات لے کر حاضر ہوتی ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ وہ کیا ہے عرض کیا۔ حضور میں نے ایک لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر ایک پتھر پر رکھا کہ اسے اٹھاؤں کہ ایک سوار دیکھا جو آسمان سے زمین پر آیا اور مجھے سلام کہہ کر کہنے لگا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ رضوان خازن بہشت نے عرض کیا ہے کہ حضور کو بشارت ہو کہ بہشت بریں آپ کی امت کے لیے تین طرح تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک تو اس گروہ کے لیے جو بلا حساب و کتاب داخل جنت ہوگا۔ دوسرا حصہ اس گروہ کا ہے جو آسان حساب و کتاب

چوتھا بچہ جس کا واقعہ کشف المحجوب میں نقل نہیں فرمایا۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زلیخا کے مقدمہ میں بولنے والا بچہ ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ۔ (مترجم)

سے جنت میں داخل ہوگا۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو حضور کی شفاعت سے داخل جنت ہوگا۔ یہ کہا اور آسمان کی طرف چلا گیا۔

جب سے یہ گفتگو اس نے میان زمین و آسمان معلق رہ کر کی۔ پھر مجھے اس نے اسی حال میں پایا کہ میں وہ گٹھہ پتھر سے نہ اٹھا سکی تو اس سوار نے آواز دی۔ زائدہ گٹھہ کو پتھر پر چھوڑ دے اور پتھر کو کہا۔ اے پتھر یہ گٹھہ حضرت عمر تک لےجا۔ پتھر نے وہ گٹھہ لیا اور میرے ساتھ آکر درِ خانۂ عمر تک پہنچا گیا۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صحابہ کے ہمراہ خانۂ عمر رضی اللہ عنہ پر تشریف لائے اور اس پتھر کے آنے کا اثر راہ میں ملاحظہ فرمایا اور اس پتھر کو بھی دیکھا اور فرمایا الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا سے باہر نہ فرمایا (اگر ایسا ہوتا اور دنیا سے الگ ہوتے تو رضوان میری امت کو بشارت نہ دیتا) اور اللہ تعالیٰ میری امت سے کسی کو درجۂ مریم تک نہ پہنچاتا (مگر چونکہ ہم بھی تمہاری دنیا میں ہیں اور امت بھی اس لئے یہ عجائب و غرائب مشاہدہ میں آرہے ہیں) گویا حضرت زائدہ کنیزک فاروق کو مثل مریم علیہا السلام یہ مشاہدہ ہوگیا۔

۴۔ مشہور ہے کہ حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علاء بن الحضرمی کو کسی غزوہ میں بھیجا۔ راستے میں دریا کا کچھ حصہ پڑتا تھا۔ آپ جب وہاں پہنچے تو سطح آب پر قدم رکھ کر پار ہوگئے اور آپ کا پائے مبارک بھی تر نہ ہوا۔

۵۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ تشریف لے جارہے تھے کہ جنگل میں آپ نے دیکھا کہ ایک گروہ رکا کھڑا ہے اور شیر نے ان کا راستہ روک رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر فرمایا۔ او کتے اگر تو بحکم الٰہی راستہ روکے کھڑا ہے تو کھڑا رہ، ورنہ ہٹ جا اور ہمیں راستہ دے تاکہ ہم گذر سکیں۔ وہ شیر دم ہلانے لگا اور راہ سے ہٹ گیا۔

۶۔ حضرت قطب الانبیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ایک روایت مشہور ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو ہوا پہ بیٹھا دیکھا۔ فرمایا۔ اے خدا کے بندے یہ درجہ تو نے کیسے پایا۔ اس نے عرض کیا۔ تھوڑی بات سے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کیا بات تھی۔ عرض کیا۔ حضور دنیا سے تنفر اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا اتباع۔ پھر مجھ سے کہا۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میں بھی ہوا میں ٹھہرنے لگوں تاکہ

میرا دل جہان سے آزاد ہو جائے۔

۷۔ جب ایک جوان مرد مدینہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، تو بتایا گیا کہ آپ اس خراب خانہ سے اپنی جان کو بے خبر کئے ہوئے ہیں۔ وہ چلا اور حضرت امیرالمومنین سے ملا۔ دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں زمین پر اور اپنا درہ سر کے نیچے رکھے ہوئے ہیں تو اس نے اپنے دل سے بات کی اور کہا کہ اے عجمی یہ تمام فتنہ اس جہان میں اس شخص سے ہی ہے۔ اب اس کا قتل میرے نزدیک آسان ہے۔ یہ سوچ کر اس نے تلوار سونتی کہ اچانک دو شیر ظاہر ہوئے جو اس جوان کی طرف جھپٹ رہے تھے۔ جوان یہ دیکھ کر پکارا اور فریاد کرنے لگا کہ حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔ آپ نے اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے سب سرگذشت سنائی اور شرفِ اسلام سے مشرف ہو گیا۔

۸۔ روایت ہے کہ عہدِ خلافتِ صدیق میں جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سواد عراق میں تھے تو بادشاہ کی طرف سے ایک پہلوان جو تحفے لے کر آیا اس میں ایک شیشی تھی جس میں سخت زہر تھا۔ اور کہا کہ اس سے زیادہ قیمتی چیز اس بادشاہ کے خزانے میں نہیں۔ حضرت خالد نے وہ شیشہ کھولا اور کفِ دست پر اس میں سے ڈالا اور بسم اللہ پڑھ کر منہ میں ڈال لیا۔ آپ کو اس سے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا۔ لوگ متحیر ہو گئے اور اکثر راہِ راست پر آ گئے۔

۹۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبادانِ خاص میں سے ایک سیاہ فام جنگل میں رہتے تھے۔ ایک دن آپ نے ان کے لئے کچھ بازار سے خریدا اور ان کے پاس لے گئے۔ انھوں نے فرمایا یہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت کچھ کھانا ہے آپ کے لئے لایا ہوں کہ شاید آپ کو ضرورت ہو۔ تو وہ میری طرف اشارہ کر کے ہنسے۔ میں نے دیکھا کہ جنگل کے پتھر روڑے سب سونے کے تھے۔ میں شرمندہ ہوا اور جو کچھ لے گیا تھا سب وہیں چھوڑ کر ان کی ہیبت سے بھاگا۔

۱۰۔ حضرت ابراہیم ادھم فرماتے ہیں کہ میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا۔ میں نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ یہاں تو دودھ ہے اور پانی کہاں سے چاہتا ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے پانی چاہئے تو وہ چرواہا اٹھا اپنی لکڑی ایک پتھر پر ماری تو پانی کا چشمہ بہ نکلا۔ میں

یہ دیکھ کر متحیر ہو گیا تو مجھ سے وہ کہنے لگا۔ تعجب نہ کر جب بندہ اپنے رب کا مطیع فرمان ہوجاتا ہے تو عالم اس کا مطیع ہو جاتا ہے۔[1]

۱۱۔ حضرت ابو درداء اور سلیمان پارسی رضی اللہ عنہما آپس میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ پیالہ سے تسبیح کی آواز آنے لگی۔

۱۲۔ حضرت ابو سعید خزار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ تین روز میں ایک وقت میں کھانا کھاتا تھا۔ ایک دن میں جنگل میں جا رہا تھا مجھے ضعف محسوس ہوا۔ اور کھانا نہ ملا۔ طبیعت نے حسب عادت کھانا مانگا۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ غیب سے آواز آئی کہ اے ابو سعید نفس کو آرام دینے کو کھانا چاہتا ہے یا کھانے سے اپنی جسمانی سستی دور کرنا چاہتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ الٰہی میں چلنے پھرنے کی قوت چاہتا ہوں۔ فوراً مجھ میں ایسی قوت آئی کہ بارہ منزل تک میں چلا گیا۔ حالانکہ میں نے کھایا کچھ بھی نہ تھا۔ اور نہ کچھ پیا تھا۔

۱۳۔ مشہور ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے گھر کو تستر میں بیت السباع کہتے تھے۔ اس لئے کہ اہالیانِ تستر متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ کے پاس درندے شیر وغیرہ آتے تھے اور آپ انہیں کھلاتے اور رکھوالی فرماتے تھے۔ باآنکہ تستر میں کافی آبادی تھی۔

۱۴۔ حضرت ابو القاسم مروزی فرماتے ہیں کہ میں ابو سعید خزار کے ساتھ جا رہا تھا۔ کنارۂ دریا پہ ایک جوان دیکھا کہ گدڑی پہنے ہوئے ایک حجرہ پہاڑ میں بنا کر رہتا تھا۔ حضرت ابو سعید نے فرمایا۔ اس جوان کی پیشانی عیاش معلوم ہوتی ہے اور اس کا عجیب حال ہے کہ جب اسے دیکھتا ہوں تو کبھی سمجھتا ہوں کہ شاید یہ رسیدگانِ کمال سے ہے اور کبھی دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ یہ طالب حق ہے۔ آؤ اس سے باتیں کریں۔

چنانچہ خزار رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا۔ خدا تک پہنچنے کا کون سا راستہ ہے۔ اس جوان نے جواب دیا۔ دو راستے ہیں ایک راہِ عوام ہے ایک راہِ خواص۔ اور تم کو راہِ خواص کی کچھ

---

[1] تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ۔ نہ پیچد ز حکم تو از خلق ہیچ ۔ مَنْ کَانَ لَہُ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ ۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ ۔ جو اللہ کا ہو جائے تو اس کا سب کچھ ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے تو اللہ اس کے لئے ہو جاتا ہے۔ (مترجم)

خبر نہیں - البتہ راہِ عوام یہ ہے کہ جس پر تو چل رہا ہے اور اسے واصل بحق ہونے کی علت جانتا ہے اور حجرہ کو آڑ حجاب سمجھتا ہے۔

۱۵ - حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر مصر سے جدہ روانہ ہوا۔ ہمارے ساتھ ایک جوان خرقہ پوش بھی سوار ہوا۔ میرے دل میں اس کے پاس بیٹھنے کی خواہش ہوئی مگر اس کی ہیبت سے ہمت نہ پڑتی تھی - اس وجہ سے میں اس سے کلام بھی نہ کر سکا - اس لئے کہ وہ بڑا بزرگ تھا - اس کی ایک ساعت بھی یادِ الٰہی سے غفلت میں نہ تھی - ایک روز کشتی میں لوگوں میں سے کسی کی تھیلی سے ایک جوہر گم ہو گیا۔ تھیلی والے نے اس جوہر کا الزام اس جوان خرقہ پوش کے سر لگایا اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر آمادہ ہوئے۔ میں نے لوگوں کو روکا اور اس بہانے سے میں ان کے قریب ہو گیا اور گفتگو شروع کی - جب میں نے لوگوں کی بدگمانی ان پر ظاہر کی اور بتایا کہ ان کا گمان یہ ہے کہ وہ جوہر تھیلی سے آپ نے لیا ہے۔ اب فرمائیں کیا کرنا چاہیئے - یہ سن کر اس جوانِ باخدا نے آسمان کی طرف منہ کر کے کچھ فرمایا کہ میں نے دیکھا - سمندر کی تمام مچھلیاں سطح سمندر پر آ گئیں اور ایک ایک جوہر منہ میں لئے ہوئے تھیں۔ آپ نے ایک جوہر لے کر اس کو دے دیا جس کی تھیلی کا جوہر گم ہوا تھا۔ کشتی کے سب لوگوں نے یہ کمال دیکھ کر آپ کی طرف عقیدتمندی کا مظاہرہ شروع کرنا چاہا - انھوں نے اسی کشتی سے پاؤں دریا میں ڈال دیا اور سطح آب پر چلنے لگا - یہ جوہر چرانے والا ملاحوں میں سے ایک تھا۔ اس نے گھبرا کر وہ جوہر دے دیا اور اہالیانِ کشتی شرمندہ ہوئے۔

۱۶ - حضرت ابراہیم دقی سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدائی عمر میں حضرت مسلم مغربی کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جب میں ان کی مسجد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ امامت کر رہے ہیں اور الحمد غلط پڑھ رہے ہیں - مجھے اس سفر پہ ملال ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ یہ محنت ضائع ہو گئی۔ رات تو میں رہا - صبح بغرض غسل میں فرات کے کنارے پر گیا - وہاں دیکھا کہ راہ میں ایک شیر سو رہا ہے۔ میں اسے دیکھ کر واپس ہوا تو شیر نے میرا تعاقب کیا - میں گھبرا گیا اور پکارنے لگا کہ میں عاجز ہو گیا تھا - کہ مسلم مغربی اپنے حجرے سے نکلے تو شیر انھیں دیکھ کر دم ہلانے لگا۔ آپ نے اس کا کان پکڑا اور فرمایا۔ اے خدا کے کتے - میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم

میرے مہمانوں کو نہ چھیڑا کرو۔ پھر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے ابو اسحٰق (یہ ابراہیم رقی کی کنیت ہے) تم لوگوں کا ظاہر درست کرنے میں مشغول ہو۔ اس لئے مخلوقات الٰہی سے خوف زدہ ہو اور ہم باطن حال مخلوق کی اصلاح کرتے ہیں۔ اس لئے خلقت الٰہی ہم سے ڈرتی ہے۔

۱۷۔ ایک روز میرے شیخ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت داتا گنج رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد) بیت الجن دمشق کا قصد فرما رہے تھے کہ بارش کی وجہ سے اتنی کیچڑ تھی کہ مشکل سے چلا جاتا تھا۔ اور میں چلنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ میں نے اپنے شیخ قدس سرہٗ کو دیکھا کہ ان کے کپڑے اور نعلین مبارک بالکل خشک اور صاف تھے۔ فرمایا ہاں جیسے ہم نے اپنی ہمت توکل کی راہ سے اٹھالی ہے اور دل کو وحشت و حرص سے صاف کر لیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے ہر قسم کے ضل وحش اور کیچڑ سے محفوظ کر لیا ہے۔

۱۸۔ میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ) ایک وقت جبکہ مجھے مشکل پڑی اور اس کا حل مجھ سے بہ پر دشوار تھا تو میں نے زیارت شیخ ابو القاسم گرگانی کا ارادہ کر کے طوس جانے کا قصد کیا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنے گھر کی مسجد میں تنہا تشریف فرما ہیں اور میرے اس حال کا تذکرہ مسجد کے ستون سے فرما رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے میں حاضر ہوا تھا اور میں اپنے معاملے کا اسی گفتگو میں جواب پا رہا تھا۔ میں نے عرض کیا حضور یہ گفتگو کس سے فرمائے جا رہے ہیں۔ فرمایا بیٹا۔ اس ستون کو اللہ تعالیٰ نے اس گھڑی ناطق کر دیا ہے تاکہ یہ مجھ سے سوال کرے اور فرغانہ سے سلاتک پہنچا دے۔ فرغانہ سے سلاتک وہ سرزمین ہے جس پر ایک ضعیف العمر منصب اولاد الارض پر فائز رہتے ہیں۔ انھیں باب عمر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس ملک میں باب درویش اور باخدا کو کہا جاتا ہے۔

اور ان کی ایک مجذوبہ بڑھیا ہیں جن کا نام فاطمہ ہے۔ میں نے آذرکند سے اس کی زیارت کا قصد کیا۔ جب میں ان کے پاس گیا تو مجھ سے پوچھا۔ کیوں آیا ہے۔ میں نے عرض کی شیخ کی زیارت کو تاکہ ان کی شفقت سے میں بھی فیض یاب ہو سکوں۔ تو انھوں نے فرمایا۔ بیٹے میں خود فلاں روز سے تجھے دیکھ رہا ہوں۔ تاکہ مجھ سے غائب نہ ہو جائے۔ اور میں تجھے چاہتا ہوں کہ

دیکھتا رہوں۔ جب میں نے اس دن سے حساب لگایا تو وہ ابتدائی دن میری توبہ کا تھا۔ فرمایا بیٹا۔ سفر کرنا اور طے مراحل میں پڑنا بچوں کا کام ہے۔ اس زیارت کے بعد ارادہ کرکے جسم کے رو برو ہونے میں کچھ تعلق نہیں بڑھتا۔ پھر فرمایا۔ فاطمہ جو موجود ہے لاؤ تاکہ یہ درویش کھائے۔
ایک طبق تازہ انگور کا لایا گیا۔ حالانکہ وہ موسم انگوروں کا نہ تھا اور کچھ چھوارے بھی لائے گئے حالانکہ زمانہ میں تازہ چھوارے ملنا ممکن نہ تھا۔

۱۸۔ ایک بار میں تربت شیخ ابوسعید رضی اللہ عنہ پر تنہا حاضر تھا کہ ایک کبوتر سفید دیکھا کہ آیا زیر غلاف جا کر غائب ہو گیا۔ میں نے غلاف ہٹا کر دیکھا مگر وہ کبوتر غائب تھا۔ دوسرے روز بھی ایسا ہی دیکھا۔ میں متعجب تھا کہ یہ راز کیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شب خواب میں بھی دیکھا تو میں نے حضرت سے استفسار کیا۔ فرمایا وہ کبوتر ہمارے صفاء معاملت ہے۔ ہر روز ہمارا قبر میں آتا ہے۔

اگر اس کے علاوہ اور حکایتوں کو پیش کروں تو ابھی سیری نہ ہو اور کتاب پُر ہو جائے گا اثبات اصول طریقت فروع میں اور معاملات ومقالات میں ناقلان طریقت نے خود کئی کتابیں تصنیف کیں اور جمع کی ہیں اور مبلغین منبروں پہ جو نشر کرتے ہیں سب میں ایک ہی کتاب میں لاتا ہوں تاکہ طالب معنی کو اور جگہ تلاش کی ضرورت نہ رہے۔

علاوہ اس کے مترجم کشف المحجوب میں ایک روایت مذا مذیلی ہے جسے شمس بالمتدم ترجم کشف المحجوب نے نقل کیا ہے۔ وہ بھی ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ روایت سمرقندی کشف المحجوب میں بھی ہے۔

حضرت ابوبکر وراق روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز محمد بن علی حکیم ترمذی نے اپنی تصانیف سے چند جز مجھے دیئے اور فرمایا یہ دریائے جیحوں میں ڈال دے۔ جب میں باہر آیا تو میں نے دیکھا وہ جز نہایت عجیب علمی جواہر پارے تھے۔ میرا دل نہ چاہا کہ میں بہ تعمیل حکم دریا برد کروں میں نے بجائے دریا برد کرنے کے وہ جز اپنے پاس محفوظ کر لئے اور واپس آ کر عرض کیا کہ حسب حکم وہ اجزاء دریا برد کر آیا ہوں۔ مجھ سے سوال ہوا کہ جب تم نے وہ جز دریا میں ڈالے تو کیا دیکھا۔ میں نے جواب دیا۔ کچھ نہیں۔ فرمایا۔ پھر تو نے وہ جز دریا برد نہیں کئے۔ میں حیران ہوا کہ

دریا میں ڈالنے کے بعد کیا نظر آتا تھا جس کی وجہ سے مجھ پر حکم لگا دیا کہ تو نے وہ اجزاء دریا برد نہیں کئے۔ آخرش باول ناخواستہ میں وہ اجزا لے کر گیوں پہنچا اور وہ جزیں دریا میں ڈال دیں۔ اُن اجزاء کا دریا میں ڈالنا تھا کہ دریا پھٹا اور اس سے ایک صندوق برآمد ہوا اور اس کا ڈھکنا کھلا اس میں جزو داخل ہو گئے پھر صندوق کا منہ بند ہوا اور وہ دریا میں گیا اور پانی کی سطح ہموار ہو گئی۔

میں حاضر ہوا اور اطلاع دی کہ وہ اجزا اب ڈال کر آیا ہوں۔ اس کے بعد میں نے جو دیکھا تھا وہ سب سُنا دیا۔ فرمایا ہاں اب تو نے یقیناً وہ اجزاء دریا بُرد کر دیئے۔

میں نے عرض کی حضور اس راز سے مجھے بھی مطلع فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہم نے علم طریقت میں ایک کتاب لکھی تھی جو عقولِ انسانی کے فہم سے بالا تھی۔ تو میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے مجھے فرمایا۔ وہ کتاب ہمیں دے دو۔ چنانچہ انہیں کے حکم سے وہ صندوق آیا تھا اور بحکم الٰہی وہ اسی واسطے سے حضرت خضر تک پہنچ گیا۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم واتم۔

انبیا کی اولیاء پر فضیلت

اچھی طرح یاد رکھو کہ ہر وقت ہر حال میں باتفاق جمیع مشائخ طریقت اولیاء متابعت انبیاء میں ہیں۔ اور ان کی دعوت کے مصداق۔ اور یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انبیاء کا رتبہ اولیاء سے فاضل و افضل ہے۔ اس لئے کہ نہایت ولایت ابتداءِ منصب نبوت ہے۔ اسی بنا پر ہر نبی کا ولی ہونا لازمی ہے لیکن کوئی ولی نبی نہیں ہو سکتا۔

انبیاء کرام علیہم السلام نفی صفاتِ بشری کے اندر متمکن ہوتے ہیں اور اولیاء کرام کا یہ حال عارضی ہوتا ہے[1] اولیاء کا جو مقام اعلیٰ ہے وہ انبیاء کرام کا ایک مقامِ حجاب ہے۔ اس تفصیل سے تمام محققینِ طریقت متفق ہیں۔ کسی نے اس کے خلاف نہیں کہا۔ سوائے گروہِ حشویہ کے جو خراسانی ہے ان کا کلام متکلمین کے کلام سے متناقض ہے۔ اصولِ توحید میں کہ انھوں نے اصلِ اصولِ توحید کو نہیں سمجھا اور بر خود غلط وہ اپنے کو ولی کہلاتے ہیں۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ وہ ولی ہیں مگر ولیِ شیطان۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اولیاء معاذ اللہ انبیاء سے فاضل تر ہیں۔ اور یہ دعویٰ ان کے لئے

---

[1] گہے بر تارم اعلیٰ نشینند۔ گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینند۔ مترجم

خالص گمراہ کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ ایک جاہل کو فاضل تر جناب مصطفےٰ علیہ التحیہ والثناء سے ماننا فضولیات ہے۔

دوسرا ایک گروہ مشبہ سے ہے۔ وہ بھی ایسے ہی گمراہ راستہ پر ہے۔ وہ حلول و نزولِ حق یعنی انتقال روا رکھتا ہے اور ذات واحد تعالیٰ شانہٗ کی تجزی روا مانتا ہے۔ اور یہ دونوں گروہ مذہب میں مذموم ہیں۔

ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کتاب میں ان کا مفصل حال بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ یہ دونوں گروہ مدعی اسلام بھی ہیں اور نفی تخصیص انبیاء کرام بھی کرتے ہیں۔ اور جو نفی تخصیص انبیاء کرام کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم داعی الی اللہ ہیں اور اولیاء عظام تمام کے تمام ان کے متبع ہیں۔ اور یہ محال ہے کہ ماموم امام سے فاضل تر ہو۔ تمام صفات میں سے کسی صفت میں۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر احوال و انفاس جملہ اولیاء کو انبیاء کے ایک قدم صدق کے مقابلہ میں لایا جائے تو وہ تمام احوال و انفاس اس مقام کے متلاشی نظر آئیں گے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمام اولیائے کرام گروہ انبیاء کے آستانہ کے طالب ہیں اور یہ راہ متعین پر چل رہے ہیں اور وہ پہنچ چکے ہیں اور اپنا مقصود پا چکے ہیں۔

اب ان کا ہم میں اور اولیاء میں تشریف لانا بحکم دعوت ہے کہ قوم کو ہانکیں اور منزل کی طرف چلائیں۔ اور اگر کوئی ملحد ملاحدہ لعنہم اللہ سے کہے کہ یہ عادت قدیم ہے کہ جو رسول کسی طرف آتا ہے وہ ملک ہی ہوتا ہے تاکہ مبعوث الیہ اس سے فاضل تر ہو۔ جیسے کہ پیغمبران اولوالعزم صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین جبرئیل علیہ السلام سے افضل ہیں۔ یہ تمام صورتیں مبنی بر خطا ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی کو پیامبر کر کے بھیجے کسی کی طرف تو اس اصول کے تحت لازم ہوگا کہ مرسل الیہ اس قاصد سے افضل ہو جیسے کہ جبرئیل علیہ السلام کسی رسول کی طرف آئیں تو ہر رسول کو جبرئیل سے افضل ہونا لازمی ہے۔ لیکن جب خود رسول من جانب اللہ کسی قوم یا جماعت کی طرف مبعوث ہو تو لامحالہ اس قوم سے وہ رسول افضل ترین ہوگا جس طرح کہ پیغمبران اولوالعزم ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں۔ اور اس حقیقت میں کسی عقلمند کو بموجب احادیث صحیحہ کوئی اشکال واقع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بنفس نفیس انبیاء کرام کا تمام عالم سے افضل ہونا مسلم ہے۔

اولیاء اگرچہ جبروت و ملکوت میں نہایت عرفان کو پہنچے ہوئے ہیں اور اپنے مشاہدات سے
خبر دیتے ہیں اور حجابِ بشریت سے خلاصی پا چکے ہیں۔ لیکن باوجود ان تمام فضائل کے وہ عین بشر ہوتے
ہیں۔ اور پیغمبر رسول کو جو اول قدم صدق پر مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ وہ بہ بدایت رسول ولی کا درجۂ نہایت
ہوتا ہے۔ اسے پہلے تفکریات پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ طالبانِ حق از اولیاء اس امر پر متفق ہیں کہ تمام جمیع تعاریف کمالِ ولایت
سے ہے اور اس کی صورت اس طرح ہے کہ جب بندہ کسی ایک درجہ کو پہنچتا ہے تو غلبۂ دوستی کی وجہ
میں اس کی عقل تفکر کرنے سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ اور شوق فاعل حقیقی سے حیرت میں آکر کہہ دیتا ہے
کہ تمام عالم وہی ہے اور وہ اپنی نظرِ باطن سے دیکھتا بھی ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ ابو علی رودباری
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَوْ زَالَتْ عَنَّا رُؤْیَتُہٗ مَا عَبَدْنَا۔ اگر جلال جمیل دیدہ سے زائل ہو جائے
اور اسم عبودیت مجھ سے ساقط ہو جائے اور شرفِ عبادت بغیر دیدارِ یار میسر نہیں اور یہی معنی انبیاء کرام
کے بدایتِ حال کے ہیں کہ ان کے لیل و نہار تفرقہ صورت نہیں بخشتے اس لئے کہ ان کی نفی و اثبات
اور مسلک و منقطع و اقبال و اعراض و بدایت و نہایت تمام عین جمع میں ہیں جیسے کہ حضرت ابراہیم
علیہ السلام نے جب آفتاب کو دیکھا۔ فرمایا۔ ھٰذَا رَبِّی۔ اور چاند ستارے کو دیکھا تو فرمایا ھٰذَا رَبِّی
اس کی وجہ صرف غلبہ تھا۔ جو ان کے دل پر اور ان کی باطن کے اندر عین جمع تھا۔ تو وہ اپنی نظر میں
کسی کو غیر نہیں دیکھتے تھے۔

جب سب کا ملاحظہ فرمالیا تو اپنے عین دیدار میں سب سے تبری فرماکر کہہ دیا۔ لَآ اُحِبُّ
الْاٰفِلِیْنَ۔ تو ان کی ابتدا جمع کے ساتھ تھی اور انتہا بھی جمع کے ساتھ۔ اس لئے کہ ولایت کے لئے
بدایت و نہایت ہے اور نبوت کے لئے نہیں۔ جب علم اللہ میں تھے نبی تھے جب ظاہر ہوئے تو نبی ہوئے

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حال کس طرح ہیں۔
آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ ہمیں ان کے حال میں کوئی تصرف حاصل نہیں۔ جس کی تصویر ہم تمہیں دکھا
سکیں جو ہم ہیں وہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نفی و اثبات ایک ایسے درجے میں رکھی ہے
کہ چشم مخلوق وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ تو جس طرح مراتب اولیاء ادراکِ خلق سے پنہاں ہیں۔ مراتب
انبیاء تصرف و ادراکِ اولیاء سے نہاں ہیں۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ با آنکہ صحب رینگار ہیں، فرماتے ہیں - اَوَّلُ مَا صِرْتُ اِلَی الْوَحْدَانِیَّةِ فَصِرْتُ طَیْرًا جِسْمُهٗ مِنَ الْاَحَدِیَّةِ وَجَنَاحُهٗ مِنَ الدَّیْمُوْمِیَّةِ فَلَمْ اَزَلْ اَطِیْرُ فِیْ هَوَاءِ التَّنْزِیْهِ ثُمَّ اَشْرَفْتُ عَلٰی مَیْدَانِ الْاَزَلِیَّةِ وَرَاَیْتُ شَجَرَةَ الْاَحَدِیَّةِ فَنَظَرْتُ فَعَلِمْتُ اَنَّ هٰذَا کُلَّهٗ لَیْسَ غَیْرِیْ میں نے دیکھا کہ میرا سر آسمان پر لے گئے اور کسی چیز پر نگاہ نہ کی اور بہشت و دوزخ اُسے دکھائے تو اس نے اس کی بھی کسی چیز پر التفات نہ کیا تو مکتوبات و حجابات سے اُسے عبور کرا کر دیکھا تو میں ایک پرند مرغ ہو گیا۔ جس کا جسم احدیت تھا اور پر و بال دیمومیت سے تھی۔ وہ اڑتا رہا۔ حتیٰ کہ ہوا، ہویت سے گزر کرتا ہوا میدان ازلیت میں پہنچ کر مشرف ہوا۔ وہاں میں نے درخت احدیت کو دیکھا۔ تو جب میں نے اس پر نظر کی تو سب کچھ میں ہی نظر آیا۔

تو میں نے عرض کی الٰہی تو میرے ساتھ ہے مگر مجھے تجھ تک پہنچنے میں کوئی راہ نہیں ملتی۔ اور مجھے اپنی خودی سے گزرنا ممکن نہیں تو مجھے کیا کرنا چاہئے۔ فرمان الٰہی آیا کہ اے بایزید تیری خلاصی تجھی سے ہے۔ تو میرے دوست کی متابعت میں رہ اور اس کی خاک قدم کا سرمہ آنکھوں میں ڈال اور اس کی اطاعت پر مداومت کر۔

یہ حکایت بہت طویل ہے۔ اسے اہل طریقت معراج بایزید کہتے ہیں۔ اور معراج سے قرب خاص مراد لیتے ہیں۔ تو معراج نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بطور ظہور من شخصیت و جسم تھی۔ اور معراج اولیاء کرام از روئے صرف ہمت اور اسرار تھی۔ انبیاء صفا و پاکیزگی سے مقرب بہ بارگاہ تھے مثل دل اولیاء اور یہ ان کا سر خاص تھا اور فضل ظاہر۔

اسے یوں سمجھو کہ ان کے دل کو حال میں مغلوب کر دیا گیا تا کہ مست ہو جائیں اور درجات سر میں اتنے غائب ہوں کہ قرب حق میں پہنچ کر آرام کریں اور جب حالت صحو میں ہوں تو وہ تمام براہین ان کے دل پر صورت بن کر سامنے ہوں اور وہ علم انہیں حاصل ہو۔ تو ثابت ہوا کہ فرق بہت ہے اس شخص میں جسے وہاں لے جایا جائے کہ اس میں دوسرے کا ذکر ساتھ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

انبیاء و اولیاء کی فرشتوں پر فضیلت

اہلسنت و جماعت اور جمہور مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام اور جو

ء معصوم ہیں۔ وہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ بخلاف معتزلہ کہ یہ ملائکہ کو انبیا پر فضیلت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
ملائکہ بلحاظ رتبہ رفیع تر ہیں اور من حیث التخلیق لطیف تر ہیں اور اطاعت الٰہی میں ایسے مطیع کہ
لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ ان کی تعریف قرآن کریم میں ہے [1]

میں کہتا ہوں (یعنی حضرت داتا صاحب گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ) کہ حقیقتاً یہ دعویٰ خلافِ حقیقت
ہے اس لئے کہ ترتِ مطیع اور مرتبہ رفیع اور تخلیقِ لطیف یہ سب فضیلت میں حق تعالیٰ شانہٗ کی علت نہیں
ہو سکتے۔ درحقیقت فضیلت اس سے ہے کہ حق تعالیٰ اس میں رکھے اور اگر انہی علل و اسباب کو ملحوظ رکھ کر فضیلت
تسلیم کی جائے تو شیطانِ لعین کو بھی افضل ماننا پڑے گا۔ حالانکہ وہ باتفاق ملعون و معزول ہو چکا ہے۔

تو فضیلت اس کے لئے مختص مانی جائے گی جسے حق تعالیٰ شانہٗ افضل فرمائے اور مخلوق میں سے
برگزیدہ کرے۔ اور ملائکہ پر افضلیتِ انبیاء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ
کریں [2]۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حالِ مسجود لہ عالی ہونا چاہیے حالِ ساجد سے۔ اور اگر کہیں کہ خانۂ کعبہ
پتھر اور بے جان مصالحہ کا ہے اور مومن اس سے فاضل تر ہوتا ہے۔ تو اسے سجدہ نہیں کرنا چاہیے مگر
انسان اسے سجدہ کرتا ہے۔ تو اسی طرح روا ہو سکتا ہے کہ ملائکہ افضل بھی ہوں اور سجدہ بھی کریں۔

میں کہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی یہ نہیں کہے گا کہ میں خانۂ کعبہ کو یا محراب یا دیوار کو سجدہ کرتا ہوں
مگر یہ ضرور کہیں گے کہ سجدہ ہمارا اللہ تعالیٰ کو ہے (اور سمت کعبتہ اللہ ہے)۔ تو اسی طرح سب یہی کہتے ہیں کہ
ملائکہ نے سجدہ آدم کو جو کیا وہ بہ امتثالِ امرِ الٰہی کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
یعنی ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو مگر ذکرِ مومنین کیا تو فرمایا۔ وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ
وَافْعَلُوا الْخَیْرَ یعنی سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کو اور اسی کی بندگی کرو۔ تو خانۂ کعبہ مثلِ آدم تھا تو اکثر ایسا ہوتا ہے
کہ مسافر گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی پرستش کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس کا منہ کعبتہ اللہ کی طرف نہ ہو۔
تو وہ معذور ہو گا۔ اور اگر دلائلِ سمتِ قبلہ جنگل بیابان میں گم ہو جائیں تو جدھر منہ کرکے عبادت کرے
کر سکتا ہے اور ملائکہ کو سجدہ کرنے میں آدم علیہ السلام کی طرف کوئی عذر نہ تھا۔ اور وہ ابلیس جب
اپنی طرف سے عذر رکھ کر سجدہ سے منحرف ہو گیا تو ملعون و رذیل ہو گیا۔ یہ دلائل واضح ہیں کہ انھیں

---

[1] قرآن کو سب سے افضل ہونا ضروری ہے۔ (مترجم)
[2] حیث قال وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ (مترجم)

جن کو بصیرت حق اور انھیں جو ملک مقرب تھے۔ دونوں کس طرح حق معرفت میں برابر ہو سکتے ہیں۔
اس لیے کہ انھیں عام مخلوق کی سی شہوت نہیں تھی اور وہ اپنے دل میں حرص و آفت نہیں رکھتے
تھے۔ ان کی غذا اطاعتِ حق تعالیٰ ان کا مشرب امتثالِ امرِ الٰہی اور ہر آدم کے خمیر میں من حیث الانسان
شہوت کا مرکب ہونا ضروری اور اس سے ارتکاب گناہ ممکن اور خواہش دنیا و حرص اس کی طبیعت کا جزو۔
پھر شیطان کو اس کے وجود میں اس قدر تصرف حاصل ہے کہ اس کے تمام دنیائے جسم میں خون کے ساتھ
جاری و ساری ہے[1]۔ اس کے ساتھ وہ نفسِ امارہ جو تمام شرارتوں کا داعی ہے اس کے وجود میں مخمر
تو گمان کرو۔ جس کے وجود میں یہ صفتیں موجود ہوں۔ اور وہ باوجود احکام غلبہ شہوت ہر
فسق و فجور سے اجتناب کرے اور باوجود حرص دنیا کے دنیا سے انحراف کرے اور باوجود کہ اس
کے دل میں وساوس شیطانی ہر آن پیدا ہو گناہ سے بچے اور آفت نفسانی سے اعراض رکھے اور دین
پر قائم اور اطاعت پر دائم رہ کر مجاہدۂ نفس کرے اور شیطان سے جدال میں مشغول ہو۔ وہ بہرحال افضل ہوگا
اس سے جس کے وجود میں نہ شہوانیات ہوں۔ جس کی طبیعت میں نہ لذات و شہواتِ غذا ہوں جو عورت
اور اولاد سے بے تعلق ہو۔ آلہ اور سبب کا محتاج نہ ہو۔ نہ حرص و آفاتِ نفس میں مبتلا ہو مجھے اپنی
جان کی قسم کہ مجھے تعجب ہے اُن پر جو فضیلت افعال میں دیکھتا ہے یا جلال و مال میں عزت و بزرگی
جانتا ہے۔ اسے چاہیے کہ مالک اعیان کے فضل و افضال کو دیکھے۔ پھر اسے ظاہر و باہر ہو جائے گا
اور وہ سمجھ لے گا کہ رضائے حق میں عزت ہے اور معرفت و ایمان میں بندگی ہے۔ پھر اس پر رحمتِ
الٰہی دوام رہے گی اور دونوں جہان میں اس کا دل خوش رہے گا اور سمجھ لے گا کہ وہ جبریل علیہ السلام
جو کئی ہزار سال سے استغفارِ خلعت میں عبادت کر رہا تھا۔ وہ صرف غاشیہ برداری جناب مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم چاہتا تھا تاکہ لیلۃ المعراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے براق کی باگ تھامے۔ وہ کس طرح افضل
ہو سکتا ہے اس سے جو دنیا میں نفس کو ریاضت سے مغلوب کر چکا ہو۔ شب و روز مجاہدہ کر کے فضلِ الٰہی
کے ساتھ دیدارِ حق سے مشرف ہوا ہو۔ اور تمام خطرات سے سلامت رہا ہو۔ اگرچہ ملائکہ نے جب اپنی
ذات میں صفاء و نور دیکھا تو اُنھوں نے اپنی فضیلت کی دلیل اسی کو بنایا اور مخلوق انسان پر نکتہ چینی[2]

---

[1] کما قال علیہ السلام الشیطٰن یجری فی الانسان مجری الدم (مترجم)، [2] اور کہا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ
فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ تو اللہ نے جواب دیا اِنِّیْ اَعْلَمُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (مترجم)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا حال ظاہر فرمانے کو انھیں حکم دیا۔ تم میں سے تین فرشتے جو سب سے زیادہ
تمھاری نظر میں بزرگ ہوں انھیں پیش کرو تاکہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے خلیفہ بنیں۔ ہماری مخلوق
کی اصلاح کریں۔ اور ان میں اپنے عدل و انصاف کا سکہ بٹھائیں۔ غرضکہ تین منتخب ہوئے۔ ایک تو
زمین پر اُترنے سے پہلے ہی نفس کا شکار ہو گیا - اسے تو واپس کیا گیا۔ دو جو رہے وہ زمین پر
آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقتِ ملکی بدل کر انھیں جبلت انسانی دی۔ جس سے وہ خور و نوش کی
جانب مائل ہوئے۔ رگِ شہوانی نے بھی انھیں خراب کیا۔[1]

مختصر یہ کہ جو ہونا تھا وہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں شہوانیات کے بدلے سزا دی۔ اس سے ملائکہ
پر انسانی فضیلت کا مظاہرہ فرمایا۔ غرض کہ خاص مومن خاص فرشتوں پر فضیلت رکھتا ہے اور عام مومن بھی
عام ملائکہ سے افضل ہے۔ تو جو انسان معصیت شعاری سے اجتناب کرے اور ارتکاب شبہات سے بچا
رہے وہ جبریل و میکائیل سے افضل ہے۔ اور جو معصوم تو نہیں مگر گناہ سے بچنے میں کوشاں رہے وہ
کراماً کاتبین اور حفظہ سے افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ غرض کہ اس بحث میں بہت سے کلام ہیں۔
ہر ایک شیخ محقق نے علیحدہ علیحدہ بیان کئے ہیں۔ بہرحال جسے اللہ تعالیٰ چاہے فضیلت دے
وباللہ التوفیق۔

یہ ایک مذہب حکماء نے تصوف سے متعلق جو کہا ہے اور صوفیوں نے اس سے جو اختلاف کیا
وہ مختصراً بیان کر دیا گیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ ولایت اسرار الٰہی سے ایک سر ہے۔ اس پر چلنے کے
بغیر کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور ولی کو ولی ہی شناسد اسی لئے کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ اسرار اولیاء کا اظہار
عقلِ انسانی پر ہوتا تو دوست اور دشمن، واصل و غافل میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتی۔ بنا بریں مشیت الٰہی
متقاضی یہ ہے کہ اس کوچہ میں آنے والا دوستی کے جوہر جان کر جا کے دریا میں غوطہ زنی کرے اور
طلب حق میں اپنی عزیز جان بھی دینے سے خائف نہ ہو۔[2]

اس جاں ستاں بحرِ عشق میں غوطہ لگا کر اس کی تہ میں پہنچ کر عروج و نزول کے نشیب و فراز
کا مصاحب واپس ہو تو بامراد واپس ہو یا جان سپرد جاناں کر کے جان سے گزر جائے -

---

[1] یہ وہی دو فرشتے ہیں جنھیں ہاروت، ماروت کہا جاتا ہے جن کا تذکرہ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ آیۂ کریمہ ہے (مترجم)

[2] بقول اقبال ؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ٭ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی - کے مطابق اس
جاں ستاں بحرِ عشق سے گزر جانے تک

میں چاہتا ہوں کہ اس بحث کو طول نہ دوں۔ اس لئے کہ مجھے اس کتاب کے پڑھنے والے کی ملالتِ طبع اور سیری کے بعد عدم توجہی کا خطرہ ہے۔ یوں میرا قلم رُک گیا ہے۔ اور یہی بات ہے کہ مریدِ صادق کے لئے طریقت میں اتنا ہی کافی ہے۔

اور خرازیوں کے طبقہ کو حضرت ابو سعید خراز کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ ان کی اس طریقت میں تصانیف ہیں۔ وہ مجرد ہونے اور خلقت سے علیحدہ رہنے میں بہت دسترس رکھتے ہیں۔ انہوں نے فنا و بقا کے تمام طریقہ کو صرف دو عبارتوں میں مخفی کیا ہے۔ لہٰذا اب ہم ان عبارتوں کے صحیح معنی اور اس گروہ کی غلطیاں اب اس باب میں لاتے ہیں تاکہ سائل سمجھ سکے کہ ان کا مذہب کیا ہے اور ان عبارات متداولہ سے اس گروہ کا کیا مقصود ہے۔

فنا و بقا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ کم ہوتا جائے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور دوسری جگہ فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے اور تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو صاحب جلال و اکرام ہے۔

اب یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ از روئے علم فنا و بقا کسے کہتے ہیں اور ارباب حال کی زبان میں اس کے کیا معنی ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ ارباب ظواہر اس لغت کی کسی عبارت سے اتنے حیران نہیں جتنے اس گروہ کے لوگ تحیر میں ہیں۔ بقا از روئے لغت تین قسم پر ہے۔ ایک وہ کہ ایک طرف بقا ہو تو اس کے دوسری طرف فنا ہو اور اس کی پہلی طرف بھی درحقیقت فنا ہو۔ جیسے یہ جہان کہ اس کی ابتدا کیتم عدم میں تھی اور انتہا بھی منصۂ شہود پر آنے کے بعد عدم ہی ہے مگر اس کے اس وقت باقی ہے۔

دوسری قسم یہ کہ بقا درحقیقت اول نہ ہو اور جو ہو وہ فانی نہ ہو جیسے جنت و دوزخ اور عقبیٰ اور یہ جہان۔ تیسری قسم وہ بقا ہے جو حق ہے۔ جیسے بقائے حق تعالیٰ اور اس کی صفات جو ازلی ابدی ہیں کہ وہ سب اس کی ذات کے ساتھ قدیم ہیں۔ اور اس بقا سے مراد دوام اور ابدیت وجود ہے ...

میں کسی کو اس کے ساتھ مشارکت نہیں تو وہ علم فنا ہے جیسے تو دنیا میں دیکھ رہا ہے کہ وہ فانی ہے اور علم بقا وہ ہے جو حقیقی میں ہے کہ وہ باقی ہے جیسے ذات حق تعالیٰ شانہٗ اور وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔

اس جگہ ابقی بصیغۂ مبالغہ فرمایا اس لئے کہ اس جہان کی وہ بقا ہے جسے فنا نہیں ہے۔

لیکن فنا و بقاء کا یہ حال ہے کہ جب جہل فانی ہو جائے تو علم لامحالہ باقی ہوتا ہے اور جب معصیت فانی ہو جائے اطاعت باقی رہتی ہے اور جب بندہ علم طاعت اپنے میں حاصل کر لیتا ہے غفلت فنا ہو جاتی ہے تو بقا کا ذکر یہ ہے کہ جب بندہ بھی عالم ہوتا ہے تو اس کا علم باقی ہو جاتا ہے اور جہل اس سے فانی ہو جاتا ہے۔ اور جب غفلت فانی ہو جاتی ہے تو وہ ذکر کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور یہ اسقاط اوصاف مذموم ہے قیام اوصاف محمود کے ساتھ۔

لیکن اس قصہ میں خاص لوگوں کو اس عبارت سے وہ مراد نہیں جو ہم نے بیان کی اور اس اصل میں ان کا اشارہ علم اور حال سے نہیں ہے۔ یہ طائفہ جو اہل ولایت سے ہے بقاء و فناء کو ولایت کا درجۂ کمال جان کر اسے اس مقام کے سوا استعمال نہیں کرتا۔ اور جو لوگ مشقت و مجاہدہ سے نکل چکے ہیں اور مقامات کی تغیرِ حال کے قید سے رہائی پا چکے ہیں اور طلب کے بعد فنا کو پہنچ چکے ہیں وہ ہر دیکھنے کی چیز کو اور کانوں سے سننے والی آواز کو بھی دل سے سننے کے بعد سب سے منہ موڑ کر قصدِ مراد میں فنا ہو کر انجام اور دعویٰ سے بیزار اور سعی سے علیحدہ ہو کر کراستوں کو بھی حجاب جانتے ہیں اور دیکھے ہوئے تمام مقامات کو لباسِ آفت میں ملبوس پا کر چھوڑ دیتے ہیں اور عین مراد پر پہنچ کر مراد سے بھی بے مراد ہو کر تمام مشرب ساقط کر کے اَلْعِنَت و اُنس سے بھی آگے نکل جاتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے لِیَھْلِكَ مَنْ ھَلَكَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ یعنی تاکہ ہلاک ہو دلائل میں اور زندہ ہو جو زندہ ہو مکاشفہ سے اور اس معنی کی تفسیر ہم اس رباعی میں ظاہر کرتے ہیں ؎

فَنِیْتُ فَنَائِیْ یَفْقِدُ ھَوَاكَ — فَصَارَ ھَوَایَ فِی الْاُمُوْرِ ھَوَاكَ

فَاِذَا اَفْنَی الْعَبْدُ عَنْ اَوْصَافِهٖ — اَدْرَكَ الْبَقَآءَ بِتَمَامِهٖ

یعنی میں نے فنا کو اپنی خواہش کے کم کرنے سے فنا کیا تو اب ہو گئی میری خواہش تمام امور میں تیری خواہش تو جب بندہ فنا کرے اپنے اوصاف اور فنا کرنے سے بھی فنا ہو جائے تو پا لیتا ہے

بقاءِ تام کو۔

یعنی جب بندہ اپنے اوصاف کی کیفیت سے اوصاف کی آفت سے فنا ہو جاتا ہے تو فناءِ مراد میں بقاءِ مراد کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے تاکہ اُسے قرب و بُعد اور اُنس و مروّت اور صحو و سکر، فراق و وصل، طمس و اصطلاح اور علم و ارقام کچھ نہ ہو اور سب سے بے خبر ہو۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے مشائخ رحمہم اللہ کی یہ رباعی خوب ہے ؎

وَطَاحَ مَقَامِی وَالرُّسُوْمُ کِلَاھُمَا فَلَسْتُ اَرَی فِی الْوَقْتِ قُرْباً وَّلَا بُعْداً
اَفْنَیْتُ بِرَعْیِ فَبِاَذْنِی الْھُدٰی فَھٰذَا اَظْھَرُ الْحَقِّ عِنْدَ الْفَنَاءِ قَصْداً

(یعنی میرا مقام اور رسوم دونوں فنا ہو گئے تو میں کسی وقت قرب و بُعد نہیں دیکھتا میں اپنے آپ سے اس میں فنا ہوا تو مجھے ہدایت ملی تو یہ ظہورِ حق ہی ہے) جب فنا کا قصد کر لیا اور تمام فنائی چیز سے رویت کی آفت اور اس کی نفی ارادت ہو درست نہیں ہوتی جو کوئی نسبۃً صورت ہے اور اس کا یہ خیال ہے کسی چیز سے فنا ہونا بدون اس کے کہ اب چیز سے حجاب ہوتا ہے وہ غلطی پر ہے ایسا نہیں کہ جب آدمی کسی چیز کو دوست رکھے اور کہے کہ میں کا ہے باقی ہوں اور کسی چیز کو دل میں رکھے اور کہے کہ میں اس سے فانی ہوں کیونکہ یہ دونوں صفتیں طالب کی ہیں اور فنا میں محبت اور عداوت نہیں اور بقاء میں جمع اور تفریق کو دیکھا نہیں جاتا۔

ایک گروہ ان معنی میں غلطی پر ہے جو خیال کرتا ہے کہ فنا ذات کا گم ہونا اور شخص کا نیست ہونا ہے اور بقاء وہ ہے کہ بقاء حق سے بندہ کو ملے کیونکہ دو امر محال ہیں۔

میں نے ہندوستان میں ایک مرد کو دیکھا کہ وہ تفسیر اور وعظ اور علم کا دعوی کرتا تھا۔ اس نے اس بارہ میں مجھ سے بحث کی۔ جب میں نے دیکھا اور اس پر نظر کی تو وہ فنا و بقا کو جانتا ہی نہ تھا۔ ایسے بہت سے جاہل ہیں کہ فناءِ کلی کو روا رکھتے ہیں اور یہ خالص مکابرہ عیاں ہے کیونکہ فنا کے واسطے اجزاءِ طینت اور ان کا جُدا ہونا کبھی جائز نہیں ہوتا۔

میں ان غلط کار جاہلوں کو کہتا ہوں اس فنا سے تمہاری کیا غرض ہے۔ اگر وہ کہیں کہ فناءِ عین مراد ہے تو یہ محال ہے اور اگر کہیں کہ فنا میں وصف تو تم ہم روا رکھتے ہیں اس لئے کہ فنا ایک ایسی صفت ہے جس سے دوسری صفت بقا پائے اور یہ دونوں صفتیں بندہ کے حوالے ہوتی ہیں۔

اور رومی اور نصاریٰ نسطوریوں کا یہ مذہب ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام بہ برکت مجاہدہ تمام اوصاف ماسوی اللہ سے فانی ہو چکی ہیں اور بقاء لاہوتی سے مل گئی ہیں اور اوصاف ناسوتی فنا کر چکی ہیں۔ اسی وجہ میں انہوں نے وہ بقاپائی جو بقاء الٰہی ہے اور اسی کے ساتھ وہ باقی ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کا ان سے ظاہر ہونا اس کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو مایۂ انسانی نہیں بلکہ ان کی بقا بقاءِ الٰہی سے ہے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ اور خدائے تعالیٰ یہ تینوں ایک صفتِ بقاء پر ہیں۔ معاذ اللہ۔ گویا اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم تینوں قدیم ہیں اور ان کی صفات صفاتِ الٰہی کے مماثل ہیں اور یہی عقیدہ جماعتِ حشویہ کا ہے۔ بلکہ وہ مجسمہ و مشبہ بھی ذاتِ واجب تعالیٰ شانہ مان کر حلول بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ صاحبِ صفاتِ قدیمہ کو صفتِ محدث میں تسلیم کرنا قدیم کو حادث کہنا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تمام محدث کیا محل قدیم میں ہوں اور قدیم کیا محل محدث میں اور کیا قدیم کا وصف محدث ہو اور کیا محدث کا وصف قدیم۔ اس مذہب دہریہ کا جواز دلیلِ حدوث عالم کو باطل کرتا ہے اور اس سے صفتِ مصنوع صانع کو لازم آتا ہے کہ قدیم کہا جائے اور مخلوق کو نامخلوق سے ملانا اور نامخلوق کا مخلوق میں حلول ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ اُن کی جہالت کا خسارہ ہے۔

اس لئے کہ جب قدیم کو حادث کہیں یا حادث کو قدیم تو صنعت اور صانع کو قدیم کہنا چاہئے پھر اس اصول کے مطابق صنع محدث ہوگی اور جب صنع محدث ہوئی تو صانع بھی محدث ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ایک چیز کا محل عین چیز کے مثل ہوتا ہے۔ جب محل محدث ہو تو چاہئے کہ حال بھی محدث ہو۔ تو اس سبب سے لازم آتا ہے کہ محدث کو قدیم کہیں یا قدیم کو محدث اور یہ دونوں باتیں خالص گمراہی ہیں۔

مختصر یہ کہ جو چیز کسی کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو وہ دونوں چیزیں ایک ہی ہوں گی۔ تو ہماری بقاء جب ہماری صفت ہے تو ہماری فنا بھی ہماری صفت ہے اور ہمارے اوصاف کی تخصیص میں ہماری فنا ہماری بقا کے مثل ہے اور ہماری بقا ہماری فنا کی مثل ہے۔ تو فنا ایک صفت ہے دوسری صفت کی بقاسے۔ پھر اگر کوئی فنا سے وہ مراد لے کہ بقا کو اس سے تعلق نہ ہو تو جائز ہے اور وہ بقاء سے یہ مراد لے کہ فنا کو اس سے تعلق نہ ہو۔ تو بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اس فنا سے ذکرِ غیر کی فنا مراد ہوتی ہے۔ اور بقاسے بقاءِ ذکرِ حق مَنْ فَنِيَ عَنِ الْمُرَادِ بَقِيَ بِالْمُرَادِ جو اپنی مراد سے فانی ہو جائے۔ وہ مرادِ حق کے ساتھ باقی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مراد فانی ہے۔

اور مراد بحق باقی تو جو اپنی مراد پر قائم ہو جائے تو اس کی مراد فانی ہو جاتی ہے اور اس فنا کے ساتھ وہ قائم ہو جاتا ہے۔

اس کی مثل ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ کی آتش غضب و قہر ظہور میں آئے تو یہ اس کی صفت ہو جاتی ہے۔ تو جب وہ بادشاہ اپنے وصف غضب و آتش قہر کو بدلنا چاہے تو بدل لیتا ہے۔ ایسے ہی حق تعالیٰ اس سلطان آتش و قہر سے اولیٰ تر ہے۔ لیکن یہ تصرف آتش قہر اپنے وصف میں لوہا ہے مگر وہ سلطان وہی ہے جو تھا۔ لوہا اور آگ ہرگز نہیں ہو جاتا۔ واللہ اعلم بالصواب ؎

فصل حضرت ابو سعید خزار رحمۃ اللہ علیہ جو صاحب مذہب ہیں۔ فرماتے ہیں اَلْفَنَاءُ فَنَاءُ الْعَبْدِ عَنْ رُؤْیَۃِ الْعُبُوْدِیَّۃِ وَالْبَقَاءُ الْعَبْدُ بِمُشَاھِدِ الْاِلٰھِیَّۃِ یعنی فنا عبد کا فانی ہونا ہے اپنی رویت عبودیت سے اور بقا بندے کا باقی رہنا ہے مشاہدہ الٰہیہ کے ساتھ۔ یعنی اپنے کام میں بندگی کا دیکھنا ہے۔ بندے کے لئے آفت ہے اور بندہ بندگی کی حقیقت تک جب ہی پہنچتا ہے جب اپنے فعل کی طرف نگاہ نہ کرے اور اپنے عمل و عبادت کے دیکھنے سے فنا ہو جائے۔ اور فعل ذات سبحانہ کے مشاہدہ میں باقی رہے تاکہ اس کے تمام اعمال و عبادات منسوب بفاعل حق نہ کرے وہ اس کے ارادہ اور طاقت کی طرف۔ اس لئے کہ بندہ کا فعل ناقص ہوتا ہے اور جو فعل فاعل حقیقی کی طرف سے بندہ کو بہ توفیق و فضل الٰہی پہنچے وہ کامل ہوتا ہے۔ چنانچہ جب بندہ تعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تو جمال الوہیت کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صِحَّۃُ الْعُبُوْدِیَّۃِ فِی الْفَنَاءِ وَالْبَقَاءِ۔ عبودیت و بندگی کی صحت فنا و بقا میں ہے۔ اس لئے کہ جب تک بندہ اپنے ہر حصہ نصیب سے تبری و بیزاری نہ کر لے اس وقت تک مرد سے خدمت و عبادت با اخلاص

؎ جو بحث فنا و بقا آپ کے سامنے پیش ہوا یہ اتنا مغلق اور ادق ہے کہ اس کے سمجھنے کے لئے اہل بصیرت ہی اہل ہیں۔ عامۃ الناس اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا عوام کے لئے "کشف المحجوب شریف" کا وہی حصہ مفید اور دلچسپ ہے جس میں حالات اولیا کرام و مشائخ عظام ہیں۔ یا کرامات خاصان حق کا تذکرہ ہے یہ مضمون اخص الخواص کے لئے ہے اور یہ بحث ابھی آئندہ فصل میں بھی آرہی ہے۔ اور مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس معنی میں لطیف رموز ظاہر فرمائے ہیں (وہ اب یہاں بیان کئے گئے ہیں) مترجم

کی اہلیت ہی نہیں ہوتی۔ تو پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ہر قسم کے نصیب و حصّے سے بیزاری کرے۔ تاکہ وہ خدمت و عبادت با اخلاص کے قابل ہو سکے۔ تو انسان کا اپنے ہر قسم کے نصیب و حصّے بیزار ہونا فنا ہے۔ اور جب اس طرح فنا ہو جائے تو بندگی میں با اخلاص ہو سکتا ہے جو حقیقۃً بقا ہے۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عِلْمُ الْفَنَآءِ وَالْبَقَآءِ یَدُوْرُ عَلٰی الْاِخْلَاصِ وَالْوَحْدَانِیَّۃِ وَصِحَّتِ الْعُبُوْدِیَّۃِ وَمَا کَانَ غَیْرُہٗ ھٰذَا ھُوَ الْمَغَالِیْطُ وَالزَّنْدَقَۃُ یعنی علم فنا و بقار کا قاعدہ اخلاص اور وحدانیت ہے اور یہی صحیح عبودیت ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ غلوط اور زندقہ ہے۔

یعنی جب بندہ وحدانیت حق کا مقر ہوتا ہے اور اپنے کو مقہور بحکم حق سمجھ لیتا ہے اور ہر پہلو اپنے کو مغلوب و عاجز جان لیتا ہے۔ تو یہی فنا ہے اور جب اس کا فنا ہونا اس پر صادق آجاتا ہے تو اس کا اقرار عجز و انکسار کے سوا چارہ ہی نہیں ہوتا۔ پھر وہ حلقۂ بارگاہ متعال پر پنجہ مار کر حقیقی بندہ ہو جاتا ہے۔ اور جو فنار و بقار سے اور مراد لیتا ہے یعنی فنا کو فنار عین سمجھتا ہے اور بقار کو بقار حق قرار دیتا ہے وہ زندیق اور مذہب نصاریٰ کا پیرو ہوتا ہے۔ ایسے اغلیطے اور زندقہ ان کے اندر ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اور میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی) سمجھتا ہوں کہ یہ سب قول باعتبار معنی ایک دوسرے کے نزدیک ہیں۔ اگرچہ بقار کو عبادت میں مخالفت کہے مگر اصل اس کی یہی ہے کہ بندہ جلالت حق دیکھنے سے فنا ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے دل پر کشف عظمت حق ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ غلبۂ جلالت میں وہ دنیا و عقبیٰ کو اپنے دل سے محو کر دیتا ہے اور حالات و مقامات اس کی نظر ہمت حقیر اور ہیچ ہو جاتے ہیں اور کرامات کی اہمیت اس کے حال میں پراگندہ ہو جاتی ہے تو عقل اور نفس سے فارغ ہو کر فنا سے بھی فنا ہو جاتا ہے۔

پھر اس فنار کی فنار میں اس کی زبان حق کے ساتھ ناطق ہوتی ہے اور دل و تن محض عاجز و فروتن ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدا میں ذریت آدم پشت آدم سے نکلنے کے وقت عہد عبودیت کی آفات سے مرکب نہ تھی۔ عربی کے کسی بزرگ نے خوب فرمایا ہے ؎

لَکُنْتُ اِذَا کُنْتُ اَدْرِیْ ۔۔۔ کَیْفَ السَّبِیْلُ اِلَیْکَا

اَفْنَیْتَنِیْ عَنْ جَمِیْعِیْ ۔۔۔ فَصِرْتُ اَبْکِیْ عَلَیْکَا

اگر میں جانتا کہ تیرا راستہ کونسا ہے تو میں اپنی تمام ہستی سے فنا ہو جاتا اور تیری یاد میں معتاد ہوتا۔
ایک اور شیخ فرماتے ہیں:

فَنِی فَنَائِیْ فَنَاءُ فَنَائِیْ وَفِیْ فَنَائِیْ وَجَدْتُکَ اِنْتَا
مَحَوْتُ اِسْمِیْ وَاِسْمُ جِسْمِیْ سَأَلْتَ عَنِّیْ فَقُلْتُ اِنْتَا

میرے فنا ہونے میں میری فنا کا فنا ہوتا ہے۔ اور میں نے اپنی فنا میں تجھے پایا۔ میں نے اپنا نام اور اپنے جسم کا نام مٹایا تو تو نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا میں ہی ہیں۔

فقر اور تصوف کے باب میں فنا و بقا کے یہ حکم ہیں۔ جو ہم نے کچھ بیان کئے اور اس کتاب میں جہاں بھی فنا و بقا کا ذکر ہوگا۔ وہاں یہی مراد ہوگی۔ یہ خرازیوں کا اصل مذہب ہے اور تمام گروہ اس نیک اصل کے پیرو ہیں۔ جو تفریق وصل کی دلیل ہو وہ بے اصل نہیں۔ اس گروہ میں یہ عبارت گروہ صوفیہ میں زبان زد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فرقہ خفیفیہ

خفیفیوں کا واسطہ حضرت ابو عبد اللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ ابو عبد اللہ اس طائفہ کے کبریٰ سادات اور اپنے وقت کے عالم علوم ظاہر و باطن گذرے ہیں۔ آپ کی تصانیف علم طریقت میں بہت مشہور ہیں۔ مردانِ خدا میں محبوب اور عفیف النفس تھے اور شہوات نفسانیہ سے معرض و محترز تھے۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ ایک زمانہ آپ کا ایسا بھی گذرا کہ آپ نے چار نکاح کئے۔ چونکہ آپ شہزادگانِ ملوک سے تھے۔ جب آپ تائب ہوئے تو اہلِ شیراز جتنے آپ سے متنفر تھے توبۃ النصوح کے بعد اتنی تعظیم اور محبت کرنے لگے۔ شیرازی شہزادیاں اور رئیسوں کی لڑکیاں یہ آرزو کرنے لگیں کہ ابو عبد اللہ ہمیں اپنے عقد میں لے لیں تاکہ ہم شرف بانتساب زوجیت ہو جائیں۔

چنانچہ آپ نے ان کی آرزو اس طرح پوری فرمائی کہ عقد تو کیا اور ایجاب و قبول کے بعد قبل از خلوتِ صحیحہ انہیں طلاق دے دی۔ مگر چالیس خواتین مختلف وقت کے ساتھ آپ کی عمر میں دو دو تین تین۔ ایک وقت آپ کے حبالۂ عقد میں رہ کر خادمِ فراش رہیں۔

ایک وزیر زادی پورے چالیس سال آپ کی صحبت میں رہی۔ شیخ ابو الحسن علی بن بکران شیرازی اپنے عہد حکومت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار ان خواتین کو جمع کر کے پوچھا گیا کہ ابو عبد اللہ

محمد بن خفیف کا کچھ حال سُناؤ۔ سب نے متفقہ بیان کیا کہ حضرت ابوعبداللہ میں ہم نے شہوانی نشان قطعی نہیں دیکھی اور سب متعجب تھیں۔ اور یہ بھی بیان کرتی تھیں کہ برتاؤ شیخ ابوعبداللہ کا ہر ایک کے ساتھ ایسا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک یہ سمجھتی تھی کہ شیخ ہمارے ساتھ زیادہ ملتفت ہیں۔ ان میں وہ خاتون جو دختر وزیر تھیں۔ انھوں نے چالیس سال آپ کی خدمت کی تھی۔ ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ تو کافی شیخ عبداللہ کی صحبت رہی ہے۔ تم ان کے اندرونی راز سے ہمیں مطلع کرو۔ تو وزیر زادی کا یہ بیان تھا کہ میں جب شیخ کی زوجیت میں آئی۔ ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ آج شیخ میرے یہاں رونق افروز ہوں گے۔ میں نے کھانے اعلیٰ اعلیٰ تیار کئے۔ خود زیب و زینت کی۔ شیخ جب تشریف لائے تو میں نے کھانا سامنے رکھا۔ شیخ نے کھانوں کی طرف نگاہ ڈالی اور تھوڑی دیر میری طرف نگاہ ڈالی۔ پھر میرا ہاتھ تھاما اور اپنے گریبان میں ڈالا۔

میں نے دیکھا کہ سینے سے ناف تک شکم مبارک میں پندرہ گانٹھیں پڑی تھیں۔ فرمایا اے وزیر زادی تو نے گرہ تو دیکھ لیں اور یہ نہ پوچھا کہ یہ کیسی گرہ ہیں۔ میں نے عرض کی فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ تمام گرہ سوزشِ صبر اور مجاہدۂ نفس سے ہیں۔ ان کے ذریعے میں طعام و شہوات سے محفوظ ہوں۔ یہ فرمایا اور کھڑے ہو گئے۔ اس سے زائد میرا اُن کا معاملہ جو ہوا وہ یہ کہ میں نے انھیں مشاہدۂ عین میں پایا اور حضوریِ حضور کی جو شان تھی اس کے بیان کے لئے میرے پاس لفظ نہیں۔ لہٰذا میں (یعنی حضور داتا صاحب) بحدِ مقدور اسے بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

غیبت و حضور

غیبت و حضور ایسی عبادت ہے کہ جب اس کا عکس کیا جائے تو عین معنی میں باعتبارِ مقصود مفہوم متضاد نظر آتی ہیں۔ اور اہلِ زبان و اہلِ معنی میں یہ مستعمل و متداول ہے تو فنِ تصوف میں حضور سے مراد حضورِ دل ہے بہ دلالتِ یقین۔ یعنی جب تک حکمِ عین کو غائب نہ کر دے حضور ممکن نہیں اور غیب سے مراد غیبوبیتِ دل ہے جو ماسوا اللہ سے اس حد تک غائب ہو کر صفتِ غیبوبیت سے بھی اپنے کو غائب کر لے تاکہ اپنی غیبت میں خود نظارہ اپنا کرے اور اس کی علامت یہ ہے کہ حکمِ رسوم سے روگردان ہو جائے جیسے جملہ انبیاء کرام حرام و جملہ معاصی سے معصوم ہوتے ہیں۔ تو طالب اسی

طرح اپنے سے غائب ہو کر حضورِ حق میں حاضر ہے اور ظاہر ہے کہ حضورِ حق میں حاضر ہوگا وہ خود سے لازمی غائب ہوگا۔ اس کے دل کا مالک بمعنی حقیقی حق تعالیٰ شانہٗ ہے۔ تو جب جذبہ حق جل علا کی کشش طالب کو مقہور کرلے تو اس کے نزدیک غیبت دل حضور کی طرح ہوتی ہے اور پھر شرکت و تقسیم اٹھ جاتی ہے۔ پھر کسی حرکت و فعل کا اپنی طرف منسوب کرنا قطع ہو جاتا ہے اور یہی فرمان حق تعالیٰ کا مفہوم واضح ہے۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی تم ہمارے حضور فرد ہی آؤ گے جیسے ہم نے تمہیں فرد و تنہا پہلی بار پیدا فرمایا تھا۔

چنانچہ حضرت حارث محاسبی، جنید، سہل بن عبداللہ، ابوحفص حداد، ابوحمدون قصار، ابومحمد حریری، حصری اور صاحب مذہب محمد بن خفیف رضی اللہ عنہم اور دوسری جماعتوں نے متفقہ طور پر یہ فرمایا۔ حضور کو مقدم از غیب کہتے ہیں۔ اس لئے کہ تمام جمال جمیل حضوری میں ہے اور غیبت خود بخود خود سے جاتی رہتی ہے اور جب حضور حق تعالیٰ کی پیش گاہ تک پہنچ جائے جو آفت کی راہ ہوتی ہے۔ تو جو از خود غائب ہوگا وہ لا محالہ دربار حق میں حاضر ہوگا۔ اور غیبت کے فنا کا فائدہ حضور ہے اور غیبت بے حضور میں کیا نور ہو سکتا ہے تو ہر طالب کو چاہئے کہ تارک غفلت ہو تاکہ مقصود غیبت حضور حاصل ہو جائے اور جب مقصد موجود ہوا تو علت ساقط ہو جائے گی ؎

لَیْسَ الْغَائِبُ مَنْ غَابَ مِنَ الْبِلَادِ ۔۔۔ اِنَّمَا الْغَائِبُ مَنْ غَابَ عَنِ الْمُرَادِ

وَلَیْسَ الْحَاضِرُ مَنْ لَیْسَ لَہٗ مُرَادٌ ۔۔۔ اِنَّمَا الْحَاضِرُ مَنْ لَیْسَ لَہٗ فُؤَادٌ

حَتّٰی اسْتَقَرَّ بِنِیَّۃِ الْمُرَادُ

وہ غائب نہیں ہے جو شہر و ولایت سے غائب ہو۔ غائب وہی ہے جو کہ مراد سے غائب ہو جائے۔ وہ حاضر نہیں جس کی کوئی مراد نہ ہو۔ حاضر وہی ہے جس کے دل ہی نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ تیری فکر میں دنیا و عقبیٰ سے بے تعلق ہو جائے اور اس کا مستقر وہ ہے جہاں اس کی مراد ہو۔

ایک خادم مریدانِ ذوالنون مصری حضرت بایزید کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ جب وہ بایزید کے در پر دستک دینے لگے تو حضرت بایزید نے فرمایا۔ کون ہے اور کسے چاہتا ہے۔ مرید نے عرض کیا۔ بایزید کو۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کون ہے اور کہاں ہے اور وہ کیا ہے۔ مجھے مدت ہوگئی

کو بایزید کو ڈھونڈھ رہا ہوں میں نے اسے اب تک نہیں پایا۔

جب وہ واپس ہو کر خدمت ذوالنون میں آیا اور بایزید کا حال سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ "اَخِیْ ذَھَبَ فِی الذَّاھِبِیْنَ فِی اللّٰہِ" بھائی بایزید جانے والوں کے ساتھ چلا گیا حق تعالیٰ کی حضوری میں"

ایک شخص حضرت جنید کی خدمت میں حاضر آیا۔ فرمایا کچھ مدت میرے ساتھ رہ تاکہ چند باتیں تجھ سے کروں۔ پھر فرمایا۔ اے جوان مرد تو مجھ سے کچھ مانگ رہا ہے۔ مجھے دیر ہو گئی کہ وہی چیز میں طلب کر رہا ہوں۔ بلکہ مجھے سالہا سال گزر گئے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک نفس بخود حاضر ہو سکوں مگر نہ ہو سکا۔ اب اس گھڑی تیرے ساتھ حاضر ہو سکا ہوں۔ تو جیب غیبت میں وحشت و حجاب ہے (تو محجوب کسی کو کیا دے)۔ اس معنی میں شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے

تَقَشَّعَ غَیْمُ الْھَجْرِ عَنْ قَمَرِ الْحُبِّ وَاَسْفَرَ نُوْرُ الصُّبْحِ عَنْ ظُلْمَۃِ الْغَیْبِ

محبت کے چاند سے جدائی کا بادل پھٹ گیا۔ اور غیب کے اندھیرے سے صبح کا نور روشن ہو گیا اور ان معنی میں مشائخ کرام کے بہت سے لطائف حامی ہیں اور از روئے ظہور سب فانی ہیں اور یہ عبارتیں آپس میں نزدیک معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی حاضر بحق ہونا اور از خود غائب رہنا کیونکہ خود کے غائب ہونے سے حضور حاصل ہوتا ہے اور جو آپ سے غائب نہیں۔ وہ حاضر بحق نہیں ہو سکتا اور جو حق میں حاضر ہے وہ غائب اور یقیناً غائب ہے۔

جیسا کہ حضرت ایوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بلا میں بے قرار ہوئے۔ اس حال میں بھی آپ یقیناً از خود غائب تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے جزع کو صبر سے جدا نہ فرمایا۔ اور جب آپ نے بارگاہ حق میں اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ عرض کیا تو فرمایا اِنَّہٗ کَانَ صَابِرًا فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ۔ بے شک وہ صابر تھا تو ہم نے اُسے قبول کیا اور جو اُسے رنج و تکلیف تھی دور کر دی۔ اور یہ حکم بعینہ اس قصہ میں عیاں ہے۔ اسے بنور دیکھو۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں ایک وقت ہم پر ایسا ہوتا ہے کہ زمین و آسمان والے میری حیرت پر روتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں ان کی آرزوئے عنایت پر روتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں ان سے باخبر ہوتا ہوں نہ اپنے سے اور یہ درجہ

کمال کی طرف اشارہ ہے اور یہی حضوری خاص ہے۔ یہاں تک معنی غیبت وحضور کو مختصر بیان کیا گیا۔ بہر حال اس بیان سے مسلک خفیفیان تیری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اس جماعت کی مراد غیبت نہ حضور سے کیا ہے اور اس کی شرح وبسط چونکہ کتاب کو طویل کر دے گی۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور جو میرا مذہب ہے وہ اس کتاب میں مختصر ہے۔ وباللہ التوفیق ۔

فرقہ سیاریہ

اب سیاریہ کا مذہب بھی سمجھنا چاہئے۔ جماعت سیاریان حضرت ابو العباس سیاری سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ مرو کے امام تھے اور تمام علوم میں عالم کامل۔ اور ابو بکر واسطی کے ہم صحبت تھے۔ نسا اور مرو میں ان کے اصحاب اور مرید کافی ہیں۔ اگرچہ مذہب تصوف میں کوئی بھی بحال نہیں رہا۔ مگر ان کا مذہب قائم ہے۔ اس لئے مرو اور نسا کے لوگ ان کی پیروی سے منحرف نہیں ہیں اور جو لوگ ان کے مذہب پر قائم ہیں وہ مرو اور نسا میں ہی ہیں بلکہ اہالیان مرو کے بعض اصحاب نے تو نہایت مبحث پر رسالے لکھے ہیں۔ اور بذریعہ خط وکتابت مسائل طے کرتے رہے ہیں اور بعض خطوط میں نے خود بھی مرو میں دیکھے ہیں۔ جو نہایت تفسیر مضمون سے مملو تھے۔ ان میں جمع وتفریق پر بحث تھی اور یہ لفظ اہل علم میں مشترک ہے اور ہر گروہ اس لفظ کو اپنے کام میں لاتا ہے تاکہ ان کی عبارتیں سمجھی جائیں۔ مگر اس سے ہر گروہ کی مراد علیحدہ ہوتی ہے۔

اہل حساب جمع وتفریق کا لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ مگر اس سے ان کی مراد کسی چیز کے اعداد کا جمع کرنا یا فرق کرنا ہوتی ہے۔ ارباب نحو اتفاق اسامی لغوی اور افتراق معانی مراد لیتے ہیں۔ ارباب فقہ جمع قیاس اور تفرقہ صفات یا جمع معنی اور تفرقہ قیاس اس سے مراد لیتے ہیں ارباب اصول جمع صفات ذات اور تفرقہ صفات فعل مراد لیتے ہیں۔ لیکن اس طائفہ صوفیا میں اس سے جو مراد ہے، اس میں اختلاف مشائخ کی تفصیل بیان کرتا ہوں تاکہ ان کی مراد کی جو حقیقت ہے وہ تم پر منکشف ہو اور جمع اور تفرقہ سے مشائخ جو مراد لیتے ہیں وہ معلوم ہو۔ انشاء اللہ۔

جمع تفرقہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی دعوت میں خلقت کو جمع فرما کر ارشاد کیا۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ

یعنی اللہ تعالیٰ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف (یعنی جنت کی طرف) پھر ہدایت کے ساتھ تفریق کی
اور فرمایا وَیَهْدِی مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف لے
جاتا ہے۔

گویا تمام مخلوق کو از روئے دعوت دار السلام کی طرف بلا کر اپنی مشیت ظاہر کرنے کے لئے ایک گروہ
کو دور کر دیا ایک گروہ کو دار السلام کی طرف جمع فرمایا۔ یعنی ایک گروہ کو عصمت عطا کی اور ایک گروہ کو آفت
کی طرف مائل کر دیا۔ تو اس معنی میں جمع کا راز مراد حق تعالیٰ معلوم ہوئی اور تفریق میں اظہار امر و نہی واضح
فرمایا جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ سر اسماعیل کاٹ اور چاہا کہ سر نہ کٹے اور آدم علیہ السلام کو حکم
ہوا کہ گندم نہ کھانا اور مشیت یہ ہوئی کہ وہ کھائیں اور مثل اس کی بہت سی مثالیں ہیں اَلْجَمْعُ مَا جَمَعَ
بِاَوْصَافِهٖ وَالتَّفْرِقَةُ مَا فَرَّقَ بِاَفْعَالِهٖ اور یہ سب کچھ انقطاع اور وہ خودی اور ترک تصرف خلق
ہے۔ اثبات ارادۂ حق میں اور اس حد تک جمع و تفریق میں اجماع ہے اہل سنت کا۔ سوا معتزلہ کے
گروہ مشائخ طریقت سے مختلف ہیں۔

اس کے علاوہ اس عبارت جمع و تفریق کے استعمال میں مختلف جماعتیں ہیں۔ ایک گروہ اسے توحید
کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک گروہ اوصاف حق کی طرف۔ ایک گروہ اوصاف عبد کی طرف ایسے کہ جو اوصاف
بندہ میں ہوں وہ اوصاف حق ہوں اور یہ سر توحید ہے کہ کسب بندہ بندہ سے منقطع ہو جائے اور جو
اوصاف بندہ میں ہوں وہ توحید سے ہوں۔ اس کے صدق عقیدہ اور صحت عزلیت سے اور یہ قول
حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اور ایک گروہ اور ہے جو کہتا ہے کہ اوصاف بندہ میں ہوں وہ تمام صفت حق تعالیٰ سے ہوں
اور اس میں فرق یہ ہو کہ کسب بندہ کا اس سے منقطع ہو اور جو مشیت الٰہی میں ہو اس سے وہ متنازع نہ
نہ ہو تو جمیع ذات و صفات اس کے اندر ہو۔ اس طرح کہ اَلْجَمْعُ تَسْوِیَةٌ فِی الْاَصْلِ اور سوا اس کی
ذات و صفات سے کوئی اس کا مساوی نہ ہو اور اس کے فرق کرنے میں عبارت اور تفصیل خلقت کے جمع
نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور وہی اس سے خاص ہے اور صفات کا قیام
اس سے ہے اور اس کے وجود کی خصوصیت اسی سے ہے اور وہ اور اس کی صفات دو نہیں۔ اس لئے کہ
وحدانیت میں فرق و عدد روا نہیں اور اس صورت میں سوا اس معنی کے حکم جمع روا نہیں (ولکن تفرق فی الحکم)

یہ افعال حق تعالیٰ ہیں کہ تمام حکم میں متفرق ہیں۔ ایک کو حکم وجود کا ہے دوسرے کو حکم عدم کا لیکن
عدم ممکن الوجود ہوتا ہے۔ تو ایک کو حکم فنا کا اور ایک کو حکم بقا کا۔ پھر ایک گروہ اور ہے کہ اسے علم پر
لے جا کر کہتا ہے۔ اَلْجَمْعُ عِلْمُ التَّوْحِیْدِ وَالتَّفْرِقَۃُ عِلْمُ الْاَحْکَامِ جمع علم توحید کا نام ہے اور تفرقہ
علم احکام کو کہتے ہیں تو علم اصول جمع ہے اور علم فروع تفرقہ اور اس کے معنی بھی وہی ہوئے کہ حق تعالیٰ
کی صفات قدیم ہیں اور وہ بھی قدیم جو اس ذات کے ساتھ مخصوص۔ چنانچہ مشائخ رحمۃ اللہ سے ایک
فرماتے ہیں اَلْجَمْعُ مَا اجْتَمَعَ عَلَیْہِ اَھْلُ الْعِلْمِ وَالتَّفْرِقُ مَا اخْتَلَفَ فِیْہِ یعنی جمع وہ ہے
جس پر اہلِ علم اجماع کر لیں اور تفرقہ وہ ہے جس پر اہلِ علم نے اختلاف کیا۔ پھر سب محققین تصوف
نَضَّرَ اللّٰہُ وُجُوْھَھُمْ کی عبارتیں اسی طرف ہیں کہ مکاسب تفرقہ ہے اور مواہب جمع ہے یعنی
مجاہدہ و مشاہدہ۔ تو جب تک بندہ مجاہدہ سے راہ بنا رہا ہے تفرقہ میں ہے۔ اور جب بندہ پر
عنایت و ہدایتِ حق ہونے لگے۔ وہ مقام جمع ہے اور بندہ کی وہ عزت ہے کہ اس میں بندہ اپنے
افعال اور احکام میں مجاہدہ بہ جمالِ حق میں ہر آفت سے اپنے فعل سے بچا ہوتا ہے اور اپنے کو حق
تعالیٰ شانہٗ کے فضل میں مستغرق جانتا ہے اور مشاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی سمجھتا ہے تو اس کا قیام
حق سے ہوتا ہے۔ پھر وہ اس ذاتِ حق کے ساتھ ایسا محو ہوتا ہے کہ اس کی ذات حق یعنی وکیل حقیقی
ہوتی ہے اور اس کا ہر فعل ذاتِ حق کی طرف منسوب ہو جاتا ہے اور بندہ اپنے کسب کی نسبت سے نکل
جاتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر آخر الزماں علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں جبریل نے آ کر کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے
لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا
وَّیَدًا وَّفُؤَادًا وَّلِسَانًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ جب میرا بندہ
یہ مجاہدہ میرے ساتھ تقرب کرتا ہے تو میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اور اس کی ہستی کو اس میں فنا کر دیتا
ہوں اور اس کی نسبت افعال سے اٹھا لیتا ہوں یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ سنتا ہے اور مجھ سے ہی
وہ بات کرتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے میری قوت سے کہتا ہے۔ جو دیکھتا ہے میری قوت سے دیکھتا ہے اور
جو پکڑتا ہے میری قوت سے پکڑتا ہے۔ یعنی میری یاد میں اتنا مغلوب ہو جاتا ہے کہ میری ہی یاد باقی
رہتی ہے اور اس کا ہر فعل میرے ذکر میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور میری یاد اس کی سلطانِ ذکر ہو جاتی ہے اور
اس کی نسبت آدمیت میرے ذکر سے منقطع ہو جاتی ہے اور اس کا ذکر میرا ذکر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ غلبۂ حال

یہاں اس صفت تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسے ابو یزید نے کہا۔ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ۔ میں پاک ہوں۔ میرا مقام بڑا درجہ ہے اور یہ کہنا اُن کی گفتار کا نشانہ ہے اور درحقیقت یہ کہنے والا حق تعالیٰ ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ۔ حق زبان عمر پر کلام کرتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قدرت حق انسان پر اپنی سلطانیت ظاہر کرتی ہے اور اسے اس کی ہستی سے اپنی طرف لے لیتا ہے تاکہ اس کا بولنا اس کے رب کا بولنا ہو۔ اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ اپنی شان اس میں محو کرتا ہے۔ اس سے یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دوسرے میں حلول مانا جائے یا صانع اپنی مصنوع میں ایک ہو جائے یا وہ معاذ اللہ کسی میں حلول کرے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عَمَّا یَصِفُہٗ الْمُلْحِدُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

تو یہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ کی دوستی بندہ کے دل پر غالب ہو جائے اور اس کے غلبہ محبت اور افراطِ حال سے عقل اور طبیعت اس کی برداشت سے عاجز ہو جائے۔ پھر ہر امر اس کے کسب اور فعل سے ساقط ہو۔ اس وقت کے اس درجہ کا نام جمع ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستغرق اور مغلوب تھے۔ ان سے جو فعل ظہور میں آتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اٹھا کر اپنی طرف منسوب فرمایا اور فرما دیا کہ جو تیرا فعل ہے اے محبوب وہ میرا فعل ہے۔ جیسے فرمایا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی اے محبوب وہ مٹی یا کنکریاں تو نے نہیں پھینکیں جو تو نے پھینکیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔ جیسا اس قسم کا فعل حضرت داؤد علیہ السلام سے ظاہر ہوا۔ اسے فرمایا۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ۔ یعنی داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ یہ حال بحال تفریق تھا۔ اور ظاہر ہے جو فعل بندے کی طرف سے منتسب ہو وہ محل آفت اور حوادثات کے پہنچنے کا موجب ہے اور فعل جو اللہ تعالیٰ کی طرف منتسب ہو وہ قدیم اور آفت سے مبرا ہوتا ہے تو اگر ایسا فعل آدمی سے سرزد ہو جو جنس افعال انسانی سے نہ ہو تو ضرور اس کا فاعل حق تعالیٰ شانہٗ ہوتا ہے اور معجزات و کرامات سب اسی جنس سے ہیں۔ اور جو فعل مطابق عادت ہو وہ تفریق ہے اور جو خلاف عادت ہو وہ جمع ہے۔ اسی درجہ میں بحال جمع ایک رات کے ادنیٰ حصہ میں قاب قوسین ہو جانا۔ اگرچہ عادت نہیں مگر اس کا فاعل حق تعالیٰ شانہٗ ہوتا ہے جس میں عقل انسان کی رسائی نہیں۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور اولیاء کو عنایت فرماتا ہے اور اپنا فعل ان کی طرف منسوب کرتا ہے اور ان کے افعال کو اپنی طرف منتسب کرتا ہے۔

اور بات بھی یہ ہے کہ اس کے دوستوں کے افعال اسی کے ہونے چاہئیں۔ یہی وجہ ہے خاصۂ حق کی بیعت
اس کی بیعت ہوتی ہے اور محبوب خاص کی اطاعت اس کی اطاعت جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ
یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ بیشک جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں
اور اطاعت پر حکم لگایا۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ جو ہمارے رسول کا متبع ہوا
وہ یقیناً اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے اولیاء اسرار سے جمع
اظہار میں تفریق کے ساتھ جدا تاکہ اسرار مودت کے جمع ہونے میں مضبوط ہوں اور فرقِ صحت
اقامتِ عبودیت کے ظاہر کرنے میں صحیح ہے۔

چنانچہ مشائخ رضی اللہ عنہم سے ایک بڑے شیخ فرماتے ہیں:

قَدْ تَحَقَّقْتُ بِسِرِّیْ فَنَاجَاکَ لِسَانِیْ
فَاجْتَمَعْنَا لِمَعَانٍ وَافْتَرَقْنَا لِمَعَانِیْ
فَلَئِنْ غَیَّبَکَ التَّعْظِیْمُ لَحْظَۃَ عِیَانِیْ
فَلَقَدْ صَیَّرَکَ الْوَجْدُ مِنَ الْاَحْشَاءِ دَانِیْ

ترجمہ: تو میرے باطن میں متحقق ہو گیا تو میری زبان نے تجھ سے سرگوشیاں کیں۔ پس کتنے ہی
امور میں ہم جمع ہوئے اور کتنے ہی امور میں ہم میں تفریق ہوئی۔ اب اگر تیری عظمت نے تجھے میری آنکھوں سے
غائب کر دیا ہے تو میرا شوق اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ یہ غیبت بھی میرے لئے حضوری کی جلوہ گاہ ہے
خلاصہ یہ کہ اجتماع اسرار کو جمع کہتے ہیں اور مناجاتِ لسانی کو تفریق اور جب جمع اور تفریق
ایک جگہ جمع ہو کر دل میں مرکوز ہو جائیں تو پھر اس کیفیت کا اس حال والا خود ہی قاعدہ ہو جاتا ہے
نہایت لطیف بات ہے۔ و باللہ التوفیق

فصل اب رہا وہ خلاف گروہ جو کہتا ہے کہ اظہار جمع تفرقہ ہے۔ اس لئے یہ متضاد ہے
کیونکہ جب سلطان ہدایت مستولی ہوتا ہے تو ولایت کسب و مجاہدہ ساقط
ہو جاتا ہے اور محض تعطل ہے۔ اس لئے کہ جب تک امکانِ عمل اور طاقت کسب و مجاہدہ کا
ہرگز وہ بندہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ اس وجہ میں کہ تفرقہ سے جدا نہیں ہے جیسے نور آفتاب سے
اور عرض جوہر سے اور صفت موصوف سے تو مجاہدہ ہدایت سے اور شریعت حقیقت سے اور طلب

حاصل ہونے سے اسا جدا نہیں لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ مجاہدہ مقدم ہو یا موخر لیکن یہ بہتر ہے کہ مجاہدہ مقدم ہو۔ اس پر مشقت زیادہ ہو اور اس پر کہ مجاہدہ موخر ہو اسے رنج و کلفت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ حضوری حضور میں ہوتا ہے اور اسے کوئی مشقت اعمال ہو تو نفی عین عمل نظر آتی ہے اور وہ عظیم غلطی میں ہے اور جائز نہیں کہ بندہ ایسے درجہ میں پہنچے کہ کل اپنے اوصاف کو معیوب اور معلول جانے۔ جب اوصاف محمود کو اپنی نظر سے عیب دار نہیں کر سکتا تو ناقص بھی دیکھنا چاہیے تاکہ اوصاف مذموم معیوب تر نظر آئیں۔

یہ اس معنی میں میں لا رہا ہوں کہ ایک قوم جہال سے اس معنی میں غلطی پر پڑ گئی ہے اور وہ بیگانگی کے قریب ہو گئی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ پانا کسی مجاہدہ سے وابستہ نہیں اور ہمارے اعمال و طاعات معیوب ہیں اور ناقص مجاہدات نہ کرنے ہی بہتر ہیں ایسے کرنے سے۔

میں انہیں کہتا ہوں کہ ہمارے کردار کو بالاتفاق مقرر کرتے ہو اور فعلوں کو محل مشقت اور شر اور آفت کا منبع کہتے ہو تو ضرور نہ کرنے کو بھی ایک فعل کہنا پڑ گیا تو جب کرنا اور نہ کرنا دونوں فعل ہوئے اور فعل محل علت ہے تو کیوں نہ کرنے کو کرنے سے اولیٰ تر جانتے ہو۔ یہ تو خسران ظاہر اور غبن واضح ہے۔

تو یہ کفر اور ایمان میں اچھا فرق۔ اس لئے کہ مومن اور کافر میں اتفاق ہے کہ ان کے فعل محل علت ہیں تو مومن حکم سے کچھ کرنے کو نہ کرنے سے اچھا ہوا اور کافر بیکاری کے حکم سے نہ کرنے کو کرنے سے اچھا جانتا ہے۔ تو جمع اسے کہتے ہیں کہ آفت دیکھنے میں تفریق کا حکم اس سے ساقط ہو جائے اور فرق یہ ہے کہ جمع میں حجاب ہو تو تفریق کو ہی جمع جانے۔ زین کبیر کہتے ہیں اَلْجَمْعُ الْخُصُوْصِيَّةُ وَالتَّفْرِقَةُ الْعُبُوْدِيَّةُ مَوْصُوْلٌ اَحَدُهُمَا بِالْاٰخِرِ غَيْرُ مَفْصُوْلٍ عَنْهُ یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کی خصوصیت کے لیے جمع ہوتی ہے اور بندہ کی عبودیت اس کے لیے تفرقہ ہوتا ہے یہ اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ نشان خصوصیت حفظ عبودیت ہے۔ جب مدعی معاملہ اپنے عمل پر قائم نہ رہے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے تو جائز ہے کہ بار مجاہدہ و رنج و کلفت میں وقت گزارنا حق مجاہدہ و تکلیف اس کے بندہ سے اٹھ جاتی ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ عین مجاہدہ و تکلیف میں اٹھیں عین جمع میں سوا کسی عذر کے۔ واضح رہے کہ یہ حکم اس کے لئے

ہے جو احکام شرع میں عالم ہو اور اب میں اس کے معنی بیان کرتا ہوں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے۔
سمجھ لو کہ جمع دو قسم کی ہے۔ ایک جمع سلامت اور ایک جمع تکسیر۔ جمع سالم وہ ہے کہ حق تعالیٰ
کی طرف سے غلبہ حال اور قوت عمل اور وجد و قلق میں شوق ظاہر ہو اور حق تعالیٰ ہی اپنے بندے
کا محافظ ہو اور اپنے حکم اس کے ظاہر پر جاری فرمائے اور بندہ کی اس تعمیل میں نگاہ رکھنے والا
وہی ہو اور اسے مجاہدہ میں نہ ڈالے جیسا کہ سہل بن عبداللہ اور ابو حفص حداد اور ابوالعباس سیاری
مروزی امام مرو صاحب مذہب اور ابو یزید بسطامی اور ابو بکر شبلی اور ابوالحسن حصری اور ایک
جماعت کبار مشائخ قدس اللہ ارواحہم اس سے وابستہ اور مغلوب الحال تھے۔ جب نماز کا وقت
آتا تو اپنے حال میں آکر نماز ادا کرتے۔ جب فارغ ہو جاتے پھر مغلوب ہو جاتے۔
اس لئے کہ جب تو محل تفرقہ میں ہوگا تو تُو تُو ہی ہوگا اور تعمیل احکام کرے گا اور جب اس کی
طرف تجھے جذب کیا جائے گا۔ تو حکم سے جو اولیٰ تر ہے وہ تجھ پر نگاہ رکھے گا۔ باعتبار جہت
معنی کے لئے ایک یہ کہ نشانِ بندگی تجھ سے نہ اٹھیں۔ دوسرے یہ کہ حکم وعدہ پر قیام کرے کہ
میں ہرگز شریعت محمدی علیہ السلام منسوخ کرنا نہیں چاہتا۔
اور جمع تکسیر یہ ہے کہ بندہ حکم اور اس کے متعلقات سے مدہوش ہو۔ اس کا حکم مثل مجنون
کے ہوگا۔ تو ایک ان میں معذور ہوتا ہے اور ایک مشکور۔ مشکور کا حال معذور سے قوی تر ہوتا ہے اور
تمام ان حالوں میں جمع کا کوئی مقام مخصوص نہیں ہوتا۔ حال مفرد نہ کہ جمع جمع ہمت اس معنی میں اپنے
مطلوب ایک گروہ کا کشف معنی مقامات میں ہوتا ہے اور ایک گروہ کشف اندر احوال چاہتا ہے
اور یہ دونوں وقت صاحب مراد کے لئے جمع سنی کے حاصل ہوتے ہیں کَانَ التَّفْرِقَۃَ فَصْلٌ وَالْجَمْعَ
وَصْلٌ۔ اس لئے کہ تفرقہ مفصل ہے اور جمع وصل اور یہ ہر صورت درست ہے جیسے ہمت یعقوب
علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی طرف جمع ہوئی۔ اس لئے کہ ان کے لئے سوائے ارادہ یوسف علیہ کوئی
ارادہ باقی نہ رہا تھا۔ اور مجنون کی ہمت لیلیٰ میں اتنی جمع ہوئی کہ مجنون کو سوا لیلیٰ کے کچھ نظر نہ آتا تھا
تمام عالم اس کی نظر میں لیلیٰ ہی تھا اور اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ جیسا کہ ابو یزید رضی اللہ
عنہ ایک روز اپنے عبادت خانے میں تھے کہ کوئی شخص آیا اور پکارا اَھَلْ اَبُوْ یَزِیْدَ فِی الْبَیْتِ
فَقَالَ [illegible] مَافِی الْبَیْتِ اِلَّا اللّٰہ۔ کیا بایزید گھر میں ہیں تو حضرت بایزید نے جواب دیا

گھر میں سوا خدا کے کوئی نہیں۔

ایک مشائخ رضی اللہ عنہ میں سے کہتے ہیں کہ ایک درویش کہ معظمہ آئے اور اپنی قیام گاہ میں مشاہدہ خانہ میں ایک سال رہے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ نہ سوئے نہ غسل کیا۔ اپنی اجماع ہمت کہ جو حق رویت خانہ میں اسے اپنی طرف مضاف کرتے رہے اور یہی ہمت ان کی غذائے تن اور مشرب جان رہی۔

ان تمام (متعلق) باتوں کی اصل یہ ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کو اپنا مایۂ محبت بنا لیا جائے تو ایک جوہر سے ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس سے تجزیٰ و متقسم کر لیتا ہے اور ہر ایک محباں خاص بقدر گرفتاری اس جز سے اجزا رکل کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے۔ اس وقت جوش انسانیت اور لباس طبیعت اور غاشیۂ مزاج اور حجاب روح اس سے فروگذاشت ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اجزا اپنی قوت سے اس جز میں مل کر اپنی صفت میں متصف کر لیتے ہیں۔ تاکہ کل محب محبت ہی ہو اور تمام حرکات و لحظات اس کی شرط ہو جائیں اور اس حال کو تمام ارباب معانی اور اہل لسان جمع کہتے ہیں اور اس معنی میں حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ یَا سَیِّدِیْ وَمَوْلَائِیْ — لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ یَا مَقْصَدِیْ وَمَعْنَائِیْ
یَا عَیْنَ عَیْنِ وُجُوْدِیْ یَا مُنْتَهٰی هِمَّتِیْ — یَا مَنْطِقِیْ وَاِشَارَاتِیْ وَاِیْمَائِیْ
وَیَا کُلَّ کُلِّیْ وَیَا سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ — وَیَا جُمْلَتِیْ وَیَا عُنْصُرِیْ وَاَجْزَائِیْ

میں حاضر ہوں، حاضر ہوں اے مرے سردار میرے مولا۔ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں اے میرے مقصد اے میرے معنی۔ اے میری عین عین وجود کے اے مری ہمت کی انتہا۔ اے میرے کلام اے میرے اشارہ اے ایما۔ اے میرے کل کے کل اے مری سماعت و بصارت۔ اے میرے کل اے مرے عنصر اے میرے اشارۂ دل۔

تو وہ جو اپنے اوصاف میں مستعار ہوتا ہے وہ اس کی اثبات ہستی مستعار ہوتا ہے اور اس کا التفات کونین کے ساتھ اسے زنار ہے اور موجودات اس کی ہمت میں خوار ہوتی ہے

پھر ایک گروہ ارباب لسان سے اپنے دقیق کلام میں نفیس و پسندیدہ عبارت کہتا ہے کہ جمع الجمع یہ کلمہ بطریق عبارت اچھا ہے۔ لیکن معنی بہتر یہ ہے کہ جمع کو جمع نہ کہا جاتا۔ اس لئے کہ

تفریق لازمی ہے تاکہ جمع اس پر درست کرے اور کس طرح جمع جمع ہو سکتی ہے جب کہ خود جمع تفرق ہے اور جمع ایک حال سے نہیں ہوتی اور یہ عبارت محل تہمت ہے۔ اس لئے کہ مجتمع کو فرق و تحت سے باہر دیکھنا نہیں ہو سکتا۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ کونین اور تمام عالم شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمائے اور کسی چیز کی طرف کچھ التفات نہ فرمایا اس لئے کہ وہ جمع کے ساتھ جمع تھے اور مجتمع کا تفرقہ آپ نے مشاہدہ نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔

اور میں نے اس موضوع پر بحالت بدایت کتاب لکھی ہے اور اس کا نام کتاب البیان لاہل العیان اور بحر القلوب میں جہاں باب جمع ہے کافی فصول بیان ہو چکی ہیں۔ اب ہم بخیال اختصار اسی کو کافی سمجھتے ہیں اور یہ طریقہ مذہب سیاریان کا ہے جو متصوفہ ہیں۔ اور طبقہ صوفیا میں مقبول محقق ہیں۔

اب اس گروہ ملاحدہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو صوفیا سے متعلق بنتے ہیں اور ان کے مضامین اظہار الحاد کا آلہ ہیں اور ان کی گمراہی اور ذلت پر پردۂ اعزاز ڈالتے ہیں تاکہ ان کی گمراہی ظاہر نہ ہو سکے اور مریدان کی باتوں سے پرہیز کریں اور اپنے کو ایسے لوگوں سے بچائیں انشاء اللہ عز وجل والامر کلہ بیدہ۔

بیان فرقہ حلولیہ لعنہم اللہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ تو کیا ہے حق کے بعد مگر گمراہی تو کیا بھٹکتے پھرتے ہو۔ ان دو مردود گروہ سے جو اس جماعت سے اتباع کرتے ہیں اور گمراہی میں انہیں اپنا یار جانتے ہیں۔ ایک تو گروہ ابی حلمان دمشقی سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی روایتیں لاتا ہے۔ جس کے خلاف کتب مشائخ میں اس سے مسطور ہے اور یہ روایات کرنے والے اس قصہ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ ملاحدہ اس ابی سلمان دمشقی کا حلول و امتزاج و نسخ ارواح کے عقیدہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور میں نے بھی ایک کتاب مقدسی کی دیکھا کہ اس میں طعن کی ہے اور عالمان اصول کو بھی اس کا خیال ہے۔ حقیقت حال کو اللہ ہی

جانتا ہے۔ ایک جماعت اپنے کو فارس سے منسوب کرتی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب حسین بن منصور کا ہے۔ اس جماعت کے سوا اور حسین منصور کی جماعت والے یہ مذہب نہیں رکھتے۔

میں نے ابو جعفر صیدلانی کو دیکھا ہے ان کے مرید چار ہزار کے قریب عراق میں تھے اور وہ سب حلاجی تھے اور سب فارس کے اس کلام پر لعنت کرتے تھے۔ اور ابی حلمان دمشقی کی کتابوں میں جو ان کی تصنیف ہیں تحقیق کے سوا (حشو و زوائد) نہیں۔

اور میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ فارس اور ابو حلمان کون ہے اور انھوں نے کیا کہا ہے لیکن جو شخص ایسا کلام کرے جو توحید و تحقیق کے خلاف ہو اسے دین سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس لئے کہ جب دین کی اصل ہی محکم نہ ہو تو تصوف جو فرع اور نتیجہ ہے بدرجہ اولیٰ خلل پذیر ہوگا۔ اس لئے کہ کرامات اور کشف اہل دین کے نشان کے سوا صورت پذیر نہیں اور اس امر کے قائلوں کو حقیقتِ روح میں غلطی واقع ہوئی ہے۔

اب میں سنت کے طور پر سب کلام اور احکام روح کے بیان کرتا ہوں اور ملحدوں کی گفتگو اور غلطیاں اور شبہات بیان کرتا ہوں تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ قوتِ فہم بخشے کیونکہ اس مبحث میں بہت مفاسد ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

رُوح کی بحث

اچھی طرح سمجھ لو کہ ہستیٔ روح کا علم ضروری ہے اور اس کی کیفیت سے عقل عاجز ہے اور عالموں حکیموں نے اگرچہ اپنے قیاس کے مطابق اس کے بارے میں سب نے کچھ نہ کچھ کہا ہے اور کافروں کے طبقات نے بھی اس میں کلام کیا ہے۔ جب یہودیوں کی تعلیم سے کفار قریش نے نضر بن حارث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو اس کے عین ثابت کرنے کو فرمایا۔ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ یعنی اے محبوب آپ سے روح کی ماہیت پوچھ رہے ہیں تو اس وقت روح کی قدامت کی نفی فرمانے کو حکم دیا قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ فرما دیجئے روح امر رب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ۔ یعنی

ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں جو ان میں آپس میں آشنا ہیں۔ وہ محبت و مراد سے ملے ہوں لیکن اور جو ناواقف ہیں وہ مختلف ہیں۔

اور اس کی مانند بہت سے دلائل ہیں مگر اس کی کیفیت پر کسی کا تصرف نہیں ہوا۔ ایک گروہ کہتا ہے اَلرُّوْحُ ھُوَالْحَیٰوۃُ الَّتِیْ یُحْیِیْ بِہٖ الْجَسَدُ۔ روح وہ ایک زندگی ہے کہ جسم اس سے زندہ ہوتا ہے۔

ایک گروہ متکلمین کا بھی یہی کہتا ہے اور اس معنی سے روح عرض ہوئی کہ حیوان اس سے بفرمانِ الٰہی زندہ ہوتا ہے اور اس سے تالیف و حرکت اور اجتماع ہے اور اس طرح اعراض سے ہے کہ اس سے ہر جاندار ایک حال سے دوسرے حال میں جاتا ہے۔

دوسری جماعت والے کہتے ہیں کہ ھُوَ غَیْرُ الْحَیٰوۃِ وَلَا یُوْجَدُ الْحَیٰوۃُ اِلَّا مَعَھَا کَمَا لَا یُوْجَدُ الرُّوْحُ اِلَّا مَعَ الْجَسَدِ وَاَنْ لَا یُوْجَدُ اَحَدُھُمَا دُوْنَ الْاٰخَرِ کَالَا لَمْ وَالْعِلْمِ بِھَا لِاَنَّھُمَا شَیْئَانِ لَا یَفْتَرِقَانِ۔ یعنی روح ایک جوہر ہے بلا حیوٰۃ جس کے سوا زندگی کا وجود روا نہیں ہوتا جیسے روح بلا جسم معتدل نہیں ہوتا۔ اور ایک دوسرے کے بغیر نہیں۔ وجود نہیں ہوتا اور احساس بھی معدوم ہوتا ہے۔ جیسے درد اور درد کا علم تو جسم و روح دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ اور اس معنی میں بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ روح! بر حیوٰۃ کے اپنے وجود میں غیر محسوس ہے۔ جیسے بغیر شخصیت معتدلہ روح علیحدہ محسوس نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ درد اور اس کا احساس۔ تو اس کے معنی بھی عرض ہی ہوئے جیسے حیات۔ پھر جمہور مشائخ اور اکثر اہلسنت و جماعت اس طرف گئے ہیں کہ روح عینی جوہر ہے نہ کہ وصفی کہ قالب سے موصول ہو۔ اجرائے عادت اللہ کے موافق حیوٰۃ کو پیدا کرتی ہے اور حیوٰۃ انسان صفت ہے اور اسی کے ذریعہ اُسے زندہ جانا جاتا ہے۔ لیکن روح من جانب اللہ جسد انسانی میں ودیعت ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ روح انسان سے جدا ہو جائے اور وہ حیات کے ساتھ رہے جس طرح سوتے ہوئے انسان سے روح نکل جاتی ہے اور حیات باقی ہے۔ مگر یہ جائز نہیں کہ روح کے چلے جانے کے بعد علم و عقل باقی رہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح شہدا جنت میں رہتی ہیں اسی بنا پر لا محالہ ماننا پڑے گا کہ

عین جوہر ہو اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ روحیں جمع کیے ہوئے لشکر ہیں اور یہ عرض پر باقی نہیں رہ سکتے۔ اور عرض خود بخود قائم نہیں ہوتا تو روح ایک جسم لطیف ہے کہ فرمانِ الٰہی سے آتا ہے اور اسی فرمان سے جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے ایک ہی رات میں معراج والی شب آدم صفی اللہ یوسف صدیق اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، ہارون کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو آسمانوں پر دیکھا تو لامحالہ اُن کی روحیں تھیں اور اگر روح عرض ہوتی بخود قائم ہوتی۔ حتیٰ کہ بحالت اُسے دیکھ نہیں سکتا۔ اگر عرض ہوتا تو اس کے وجود کے لئے کوئی محل ہوتا جہاں وہ عارضی ہوتی اور اس کا محل جوہر ہوتا اور جوہر مؤلف اور کثیف ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ اگر روح لطیف جوہر اور جسیم ہے تو اس کا دیکھنا جائز بھی ہونا چاہیے۔ لیکن دل کی آنکھ سے دیکھ لی جاتی ہے اور بستہ پروں میں وہ جنت میں ہوتی ہے اور اسے اپنی قبر اور قنادیلِ عرش میں آنے جانے کی راہ ہے جیسا کہ اس کے ثبوت میں اخبار و احادیث ناطق ہیں اور ان کا آنا جانا بحکمِ الٰہی ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اے محبوب فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ایک امر ہے۔

یہاں ملاحدہ کا اختلاف ہے۔ اس لئے کہ روح کو قدیم کہتے ہیں اور اسے پوجتے ہیں۔ اسے فاعلِ اشیاء اور مدبر بھی اس حد تک مانتے ہیں کہ اُسے بغیر تدبیر امور نہیں ہو سکتی۔ اسے ارواح آلراو لم یزل کہتے ہیں۔ اس عقیدہ پر نصاریٰ بھی ہیں اور تبت اور چین، چین کے تمام ہندو یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور ادھر سے شیعہ اور قرامطہ اور فرقہ باطنیہ بھی اس عقیدہ پر ہیں۔ ہر گروہ کے متعلق ہم ذکر کریں گے۔ اس میں سوال طلب جو چیز ہے وہ یہ کہ روح قدیم کس معنی میں مانتے ہیں۔

محدث متقدم مانتے ہیں جو وجود میں ہے۔ یا ایسا قدیم مانتے ہیں کہ ہمیشہ باقی رہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہماری مراد محدث متقدم ہے وجود سے تو ایسی صورت میں اصل کے اندر خلاف پیدا ہوگا اس لئے کہ ہم بھی روح کو محل ضرور کہتے ہیں۔ اس لئے کہ تقدم وجود روح کو وجود شخصی پر تسلیم کیا گیا ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِمِائَتَیْ اَلْفَ عَامٍ۔ بیشک اللہ نے ارواح کو اجسام سے دو لاکھ سال قبل پیدا فرمایا تو جب اُسے محدث مانا جائے تو لامحالہ محدث کو محدث کے ساتھ محدث ماننا پڑے گا اور یہ ایک قسم ہوگی مخلوق حق سے جسے

دوسری جنس کے ساتھ ملا یا گیا ہو اور اس ملانے سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حیٰوۃ سے حاصل نہیں یا اپنی تقدیر سے۔ یعنی ارواح ایک ایسی جنس ہیں کہ خلق کے اندر ہیں اور اجساد دوسری ایک جنس ہے تو جب تقدیر حیٰوۃ حیٰوۃ پیدا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا صرف یہ حکم رہ جاتا ہے کہ وہ حیات روح جسد انسانی میں پیوستہ ہو تاکہ اس میں زندگی حاصل ہو اور وہ جو کہ ایک شخص سے کسی شخص میں اس اصول کو روا نہیں رکھتے جیسے کہ ایک شخص کو دو حیٰوۃ روا نہیں ہوتی اور ایک روح دو شخصوں میں روا نہیں ہوتی۔

اگر اخبار میں یہ تصریح نہ ہوتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صادق خبروں میں اس کی خبر نہ دیتے تب بھی از روئے عقل یہی روح بدون حیات کے نہ ہوتی اور نہ وہ صفت ہو نہ کہ عین۔ اگر کہیں کہ اس قول سے ہماری مراد ہمیشہ قدیم ہے تو میں کہتا ہوں کہ وہ خود بخود قائم ہے یا غیر سے۔ ہم اگر کہیں کہ قدیم اور بنفسہٖ قائم ہے تو میں کہتا ہوں کہ خداوند عالم وہ ہے یا نہیں۔ اگر کہیں کہ خداوند عالم وہ نہیں تو دوسرا قدیم ثابت ہوگا۔ اور یہ معقول نہیں کیونکہ قدیم معدوم نہیں ہوتا اور ایک ذات کا وجود دوسری کی ضد ہوتا ہے اور یہ محال ہے۔

اور اگر کہیں کہ خداوند عالم ہے تو میں کہتا ہوں کہ وہ قدیم ہے اور حادث کو قدیم سے ملا دینا یا ایک کر دینا یا ایک ہو جانا یا حلول کرنا حادث کا مکان قدیم میں ہونا یا قدیم کا اُسے حاصل ہونا محال ہوتا ہے۔ کیونکہ جو چیز کسی سے ملتی ہے وہ اس کی مثل ہوتی ہے اور وصل یا فصل کے سوا حادث روا نہیں ہوتا۔ تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔

اور اگر کہیں کہ بنفس خود قدیم اور دوسرے سے قائم ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا صفت ہوگا یا عرض۔ اگر عرض کہیں تو ضرور اس کے لئے محل ہوگا یا لا محل ہوگا۔ اگر محل میں کہیں تو محل اس کے مثل ہوگا۔ تو اسم قدیم باطل ہو جائے گا اور اگر لا محل کہیں تو اس کا وجود عقل نہیں مانتی اور اگر کہیں کہ صفت قدیم ہے جیسا کہ حلولی اور تناسخی کہتے ہیں اور اس صفت کو صفت حق بتاتے ہیں تو یہی محل ہے کہ حق کی صفت قدیم مخلوق کی صفت ہو جائے گی۔

اور اگر جائز رکھیں کہ حیات صفت خلق ہو تو بس روا نہیں اس لئے کہ پھر قادر کی صفت مخلوق و مقدور کی صفت ہو جائے گی۔ اور یہ پھر صفت موصوف سے قائم ہوگی تو پھر قدیم کی صفت کے لئے حادث کی صفت کی طرح جائز ہوگی۔ اور یہ قابل انکار حقیقت ہے کہ حادث کو قدیم سے کچھ تعلق نہیں۔

اور قول محمد و اس صورت میں باطل ہیں اور روح چونکہ امر حق سے ہے اس کے سوا جو کچھ وہ علانیہ مکابرہ ہے اور حادث و قدیم سے جہل ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ولی اپنی ولایت کی صحت میں اوصاف حق سے جاہل ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم کو خطرہ سے محفوظ رکھا ہے اور عقل دی ہے جس سے ہم دلیل دے سکتے ہیں اور ایمان دیا ہے کہ اس کی روشنی میں اُسے پہچانتے ہیں اور وہ حد جس کا انجام و حدنہ ہو کرتے ہیں۔ اس لئے کہ محدود حد بے حد ہستوں کے مقابل مقبول نہیں۔ جب ظاہر داروں نے یہ بات اہل اصول کی سُنی تو اُنھوں نے خیال کیا کہ سب صوفیوں کا یہی عقیدہ ہے تو وہ خسران و نقصان میں پڑکر محجوب ہو گئے اور ولایت حق کا لطیفہ اور چمک اور تجلی ربانی اُن سے پوشیدہ ہوگئی۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ عامۃ خلق کی تردید اُن کے قبول کے برابر ہوتی ہے اور ان کا قبول رَد کے برابر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل ایک حضرت مشائخ کرام سے فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ اَلرُّوْحُ فِی الْجَسَدِ کَالنَّارِ فِی الْفَحْمِ فَالنَّارُ مَخْلُوْقَۃٌ وَالْفَحْمُ مَصْنُوْعَۃٌ جان جسم میں مثل اس آگ کے ہے جو کوئلوں میں ہے تو آگ مخلوق ہے اور کوئلہ مصنوع اور عقیدہ قدامت سوائے ذات و صفات حق تعالیٰ روا نہیں۔

اور حضرت ابوبکر واسطی نے روح میں بہت کچھ فرمایا ہے اور اُن سے جو روایتیں آئی ہیں وہ یہ ہیں کہ اَلْاَرْوَاحُ عَلٰی عَشَرَۃِ مَقَامَاتٍ۔ روح دس مقامات پر قائم ہے۔ اوّل لازمی طور پر خطا کاروں کی روحیں جو مقید ہیں ظلمت کدۂ عذاب میں۔ وہ نہیں جانتیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ دوسرے روح پارسا و زاہد جو آسمانوں میں اپنے اپنے عمل کے بدلے میں خوش و خرم رہ رہے ہیں اور بطاعت الٰہی مسرور ہیں اور اسی قوت سے وہ جا رہے ہیں۔ تیسرے ارواح مریدان کہ آسمانِ چہارم میں لذت صدق اعمال کے ساتھ سایہ اعمال میں ملائکہ کے ساتھ ہیں۔ چوتھے اُن کی روحیں جو اہلِ منّن سے ہیں وہ قنادیلِ عرش میں رہتی ہیں ان کی غذا رحمت اور ان کا پینا لطف و قربت ہے۔ پانچویں وہ ارواح اہلِ وفا ہیں جو حجاب صفا و مقام اصطفا میں باعیش و طرب ہیں۔ چھٹے ارواح شہدا ہیں جو مرغانِ بہشت کے اجسام میں ریاض خلد میں ہیں وہ جہاں چاہیں سیر کریں اُن کے لئے وقت و بے وقت کی قید نہیں۔

ساتویں ارواح مشتاقان ہیں کہ وہ پردہ ہائے انوار صفات میں بساط ادب پر مقیم ہیں

آٹھویں ارواح عارفاں ہیں کہ وہ کوشکِ قدس میں دات دن کلام الٰہی سُننے میں مست ہیں اور وہ اپنے اماکن و مقام بہشت اور دنیا دونوں دیکھتے ہیں۔ نویں ارواحِ دوستانِ خاص ہیں کہ وہ مشاہدۂ جمال و مقامِ کشف میں مستغرق ہیں اور وہ سوائے جمالِ جمیل کے کسی کو نہیں جانتے[1] یہ محبوب کے جلوے کے سوا کسی سے نیاز مندی نہیں رکھتے۔

دسویں ارواحِ درویشاں ہیں کہ وہ مقامِ فنا میں مقرب ہیں ان کے اوصاف متبدل اور ان کے حال متغیر ہوتے ہیں۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ انھیں ہم نے دیکھا کہ ہر ایک اپنی علیحدہ صورت میں ہے اور یہ جائز نہیں جو ہم نے کہا کہ ان کا وجود ہے اور جسم لطیف ہے۔ یہ حقیقت بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتی[2] البتہ جب اللہ تعالیٰ دکھانا چاہے تو بندہ دیکھ سکتا ہے۔ اور میں (علی بن عثمان جلابی) کہتا ہوں کہ جملہ زندگی کا خلاصہ صرف اور صرف اللہ تعالے کے لئے ہے۔ اور ہماری بقا و فنا اور حیات و ممات اسی کی قوت سے قائم ہے۔ ہمیں زندہ رکھنا اس کا ایک فعل ہے اور ہماری زندگی اس کی تخلیق کے ماتحت ہے نہ کہ اس کی ذات و صفات کی بقا کے ساتھ اور طبقۂ ردمیاں کا وہ قول باطل ہے اور سخت گمراہی جو کہتا ہے کہ روح قدیم ہے اگرچہ اُنھوں نے عبارتیں بہت کچھ بدلی ہیں۔

ایک گروہ اُسے نفس اور ہیولیٰ کہتا ہے۔ ایک گروہ نور اور ظلمت اور اس طرح وہ طریقت کے مشائخ کے اصول باطل کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی فنا و بقا کہتا ہے یا جمع اور تفرقہ۔ ایسی بیہودہ عبارتیں اُنھوں نے بنا رکھی ہیں اور ان کے ذریعے اپنے کفر کو سراہتے ہیں اور صوفی لوگ ان کی ان باتوں سے بیزار ہیں اس لئے کہ مقامِ ولایت کا ثابت کرنا بغیر محبتِ الٰہی اور اس کی معرفت کے ظاہر ہو ہی نہیں سکتا اور جو قدیم و حادث کا فرق نہیں سمجھتا وہ جاہل ہے۔ اور اہلِ بصیرت و عقل ایسے جاہلوں کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ یہاں تک اس گروہ باطل کا مقصد جو کچھ تھا بیان ہو چکا۔ اب اس سے زیادہ وضاحت مطلوب ہو تو ہماری دوسری کتابوں میں دیکھئے۔[3]

---

[1] بقولِ شاعر ؎ پکارا دیکھ کر میں حور کی شکل ٭ خداوندا یہ وہ صورت نہیں ہے۔ (مترجم)

[2] صفتِ بادۂ عشقش زمن مست مپرس ٭ ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی (مترجم)

[3] حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو فرما گئے کہ ہماری دوسری کتابوں میں دیکھئے لیکن آج نو سو سال کے اندر حضرت کی دوسری کتب کی زیارت ہمارے لئے عنقا ہو چکی ہے۔ (مترجم)

اب میں کشفِ حجاب اور معاملات کے حالات اور اہلِ تصوف کی حقیقتیں بہ دلائل ثابت کرتا ہوں تاکہ سمجھنے میں تجھے زیادہ آسانی رہے۔ اور منکروں میں سے جسے بصارت حاصل ہو وہ گمراہی سے راستے پر آجائے اور مجھے اس کا اجر ملے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ[1]

کشفِ حجابِ اوّل معرفتِ الٰہی کے شرائط میں

یعنی معرفتِ الٰہی کے جو شرائط ہیں اور اس کے جو منافی ہیں ان پر مفصل بیان۔

اللہ تعالےٰ جل وعلا فرماتا ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ تم نے نہ جانا اللہ تعالےٰ کو حق جاننے کا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَوْ عَرَفْتُمُ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ لَمَشَيْتُمْ عَلَى الْبُحُوْرِ وَلَزَالَتْ بِدُعَائِكُمُ الْجِبَالُ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرو حق عرفان تک تو یقیناً تم دریا پر چلنے لگو اور تمہاری دعا سے پہاڑ متزلزل ہو جائیں۔ اب معرفتِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک علمی ایک حالی۔

تمام نیکیوں کی جڑ ہے جو دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے اور بندہ کے لئے عرفان میں اہم ترین چیز یہ ہے کہ وہ اوقات و احوال میں حق تعالیٰ شانہٗ کو دنیا و آخرت کے اندر پہچانے اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اَيْ لِيَعْرِفُوْنَ ہم نے آدمی اور جن پیدا نہیں کئے مگر اس لئے کہ اسے پہچان کر پوجیں۔

تو اکثر مخلوق میں سے بہت سے وہ ہیں کہ عرفانِ حق میں قاصر ہیں سوائے اس کے کہ اتنا سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے انسان و جن مخلوق کو اپنے لئے برگزیدہ کر رکھا ہے اور ظلمتِ دنیا سے آزاد رکھا ہے اور اس کے دل کو زندہ کر دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ہمیں خبر دی اور فرمایا وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ یعنی اور کیا ہم نے اس کے

---

[1] اقول وباللہ التوفیق۔ حضرت وحید العصر فرید الدہر حضور داتا صاحب کا بیان بحث تفضیل انبیاء و اولیاء سے لے کر یہاں تک تمام دقیق مضمون ہے وہ عوام کے فہم سے بہت بالا ہے بلکہ میرا خیال تو یہ تھا کہ وہاں سے یہاں تک تمام مضمون اصل فارسی میں ہی رکھوں لیکن چونکہ ترجمہ کر رہا تھا اس بنا پر ترجمہ ہی کیا اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ اتنا ترجمہ ہو جانے کے باوجود عوام کے لئے یہ مفید نہیں۔ اب کشف الحجاب شروع ہے۔ خدا کرے کہ اس میں وہ ادق اور مغلق مضامین کے پڑھنے بھی کھل جائیں اور عوام استفادہ کر سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔ (ابوالحسنات قادری)

لئے نور جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْہَا کیا اس شخص کی مثل ہے جو اندھیروں میں ہے اس سے نہیں نکل سکتا یعنی ابوجہل لعین۔ تو معرفت حیاتِ دل کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ہے اور ماسوا اللہ سے اعراض رکھنا اور یہ درجہ معرفتِ حق سے ہوتا ہے اور جسے معرفتِ حق نہ ہو وہ ذلیل و بے قدر ہے۔

تو آدمیوں میں سے علماء، فقہاء وغیرہ جو علم کی صحت کو اپنے رب کی معرفت پہ سمجھتے ہیں وہ علماء ہیں اور ایسے ہی مشائخ اس طائفہ کی اپنی صحتِ حال کو عرفانِ حق پر موقوف رکھتے ہیں اور اسی وجہ میں عرفانِ حق کو محض علم پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ صحتِ حال بغیر صحتِ علم نہیں اور صحتِ علم بغیر صحتِ حال نہیں۔ یعنی وہ عارف عارف نہیں جو اپنے رب کا عالم نہ ہو۔ اور وہ عالم جو عارف نہیں اگرچہ عالم ہوگا مگر بغیر عرفان ہوگا۔ اور وہ لوگ جو اس معنی سے جاہل ہیں اُن سے وہ اس مقام پہ بے فائدہ مناظرہ کرتے پھرتے ہیں اور جانبین میں ایک دوسرے کو اس مسئلہ سے انکار کرتا پاؤ گے۔

اب میں اس مسئلہ کا راز ظاہر کرتا ہوں تاکہ دونوں گروہ پر فائدہ حاصل ہو سکے انشاء اللہ۔ اللہ تمہیں سعادت دارین عطا فرمائے۔

فصل

لوگوں میں معرفتِ الٰہی اور صحتِ علم پہ بہت اختلاف ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفتِ حق تعالیٰ عقل سے ہے اور سوا عقل کے معرفتِ حق روا نہیں اور یہ قول محض باطل ہے اس لئے کہ وہ دیوانے جو اول دارالسلام میں تھے۔ ان پہ حکم معرفت کا لگایا جاتا ہے۔ دوسرے وہ بچے جو عاقل نہیں ہوتے ان پہ حکم ایمان لگایا جاتا ہے تو اگر معرفتِ حق عقل پہ ہوتی تو انھیں عقل نہیں ہوتی تو ان پہ ایمان و عرفان کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا اور کافروں پر کہ ان میں عقل ہے حکم کفر کا نہیں چاہئے۔ اور اگر عقل معرفتِ حق کی علت ہے تو چاہئے کہ جس میں عقل ہو وہ عارف ہو اور جتنے بے عقل ہوں سب کو جاہل کہا جائے اور یہ علانیہ مکابرہ ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفتِ حق کی علت استدلال ہے اور بلا استدلال معرفت نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی دعویٰ باطل ہے اس لئے کہ شیطان وہ ہے جس نے بہت سے دلائل دیکھے مثل بہشت و دوزخ، عرش و کرسی وغیرہ۔ تو یہ دیکھنا اس کے لئے دلیل ہے اور دلیل علتِ معرفت ہے

تو اسے عارف کہنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ اگر ہم فرشتوں کو نازل کرتے ان کافروں کی طرف تا کہ وہ ان سے گفتگو کرتے اور مردے اُن سے کلام کر لیتے تو وہ ایمان لانے والے نہ ہوتے مگر جسے اللہ چاہے تو اگر آیت و استدلال عرفان کی علت ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان باتوں کو علت گردانتا نہ الا ان یشاء فرما کر اپنی مشیت کو اہل سنت وجماعت صحت عقل و دیدِ آیت کو بھی معرفت کہتے ہیں نہ علت معرفت اس لئے کہ اس کی علت عنایتِ مشیتِ حق کے سوا کچھ نہیں بغیر عنایتِ الٰہی عقل نابینا ہے۔ اس لئے کہ عقل خود جاہل ہے اور کسی کی عقل حق تعالیٰ شانہٗ کی حقیقت نہیں جان سکتی۔ جب عقل خود جاہل ہے تو اپنے غیر کو وہ کس طرح عارف بنا سکتی ہے اور بلا عنایت حق جل جلالہٗ استدلال اور آیتِ الٰہیہ میں فکر کرنے سے خطا ممکن ہے۔ اہل ہوا اور جماعت ملحدین اکثر دلائل رکھتے ہیں مگر بہت سے عارف نہیں ہوتے۔ اور وہ جو عنایتِ حق کے اہل ہو گئے ان کی تمام حرکات معرفت ہوتی ہیں اور ان کا استدلال طلب و ترک استدلال میں مسلم ہوتا ہے اور وہ صحتِ معرفت میں تسلیم کو طلب سے اولیٰ تر نہیں سمجھتے اس لئے کہ طلب وہ چیز ہے اس کے ترک کی کوئی راہ نہیں اور تسلیم وہ ہے کہ اس کی اصل میں اضطراب کو کوئی راہ نہیں اور وجود کے لئے عقل و دلائل کو موجب ہدایت نہیں کہہ سکتے اور کوئی دلیل اس سے واضح تر نہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ یعنی اگر کافر لوٹا ئے جائیں قیامت کے بعد دُنیا میں تو اس اپنے کفر پر واپس لوٹیں جیسے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے معرفت کے متعلق سوال ہوا فرمایا عَرَفْتُ اللّٰهَ بِاللّٰهِ وَعَرَفْتُ مَا دُوْنَ اللّٰهِ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کو میں نے اس سے پہچانا اور ماسوا اللہ کو نورِ الٰہی سے جانا۔

تو اللہ تعالیٰ نے جسموں کو پیدا فرمایا اور زندگی کو روح عطا کی اور دل کو پیدا فرمایا اور زندگی کا تمام اختیار اپنے قبضہ میں رکھا تو جب عقل و آلات و آیاتِ قدرت کو زندگی بغیر تن میں نہیں رکھا تو محال ہے کہ دل کو زندہ کرے جیسا کہ فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ یعنی جو مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا۔ یہاں قدرتِ حیات اپنی طرف کی پھر فرمایا وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ

بِہٖ فِی النَّاسِ۔ اور ہم نے اس کے لئے نور رکھا کہ چلتا ہے اس نور سے لوگوں میں تو آفریدگار نور اللہ تعالیٰ ہے جس میں بندہ چلتا ہے اور فرمایا۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔ کیا جس کا سینہ اللہ نے کھولا اسلام کے لئے تو وہ ایک نور پر ہے اس آیہ کریمہ میں بھی شرح صدر کا فعل اپنی طرف منسوب کیا اور اس کا باندھنا بھی اپنی طرف منسوب فرمایا اور فرمایا خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ پھر فرمایا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا۔ اس کا اتباع نہ کرو جس کے دل کو ہم نے غفلت میں ڈال دیا ہے اپنے ذکر سے۔

تو جب قبض و بسط اور شرح و ختم دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے تو محال ہے کہ علم بغیر حق تعالیٰ ہو سکے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا امور ہیں وہ سب سبب علت ہو سکتے ہیں اور علت و سبب بلا عنایت مسبب راہ نہیں پا سکتے۔ بلکہ تمام حجاب راہبر ہوں گے خدا پر اور اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ میں فرمایا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ لیکن اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا تمہاری طرف ایمان اور اس میں تمہارے دلوں کو مزین کیا تو تزئین و تحبیب کو اپنی طرف مضاف کیا اور لزوم تقویٰ جو عین معرفت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا اور لزوم تقویٰ جو عین معرفت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور عارف کو اپنے الزام میں دفع و جلب کا اختیار اس حال میں نہیں ہوتا۔

تو ثابت ہوا کہ بغیر عرفان حق مخلوق میں نصیب معرفت بغیر معجزہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لَا دَلِیْلَ عَلَی اللّٰہِ سِوَاہُ اِنَّمَا الْعِلْمُ یَطْلُبُ لِاٰدَابِ الْخِدْمَۃِ کوئی دلیل سوائے حق تعالیٰ کے اس کے عرفان میں دل کے لئے نہیں اور علم محض آداب خدمت کو طلب کرتا ہے نہ کہ صحت معرفت کو۔ اور مخلوقات میں سے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ وہ خدا تک پہنچا سکے۔

دلائل لانے والوں میں ابوطالب سے زیادہ کوئی عقلمند نہ تھا اور حقانیت کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بزرگ تر کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر جب کہ جریان حکم شقاوت ابوطالب پر

ا پہنچا تھا محال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بھی اُسے فائدہ نہ پہنچا سکی تو خصوصیت
نا پڑے گا کہ در حجۂ استدلال بعض اعراض ہے جل علا شانہٗ سے۔ اس لئے کہ استدلال نام ہے
یں تامل کرنے کا اور معرفت کی حقیقت غیر سے اعراض کرنا ہے اور ماوتا تمام مطلوبات کا وجود
سے ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی معرفت عادت کے برخلاف ہے۔

تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ معرفت عقل کی جہوت دوامی کے سوا نہیں اور اس کا ملنا بندہ
سب سے نہیں تو اس کی وجہ کیا ہے کہ خلقت کے کسب کا اس میں راستہ نہیں اور بدون حق
لیٰ بندہ کا کوئی راہنما نہیں ۔ وہ دلوں کی کشائش اور غیبی خزانوں سے ہے۔ اس لئے کہ جو اس
کے سوا ہے سب حادث ہے اور یہ جائز ہے کہ حادث کو حادث پہنچے اور کسی طرح روا
کہ آفریدگار عالم جو قدیم ازلی سرمدی کو بھی پہنچے۔ باآنکہ حق تعالیٰ اس کا کسب کنندہ ہو اور جو
کنندہ کے کسب کے ماتحت ہو تو سب کا کسب غالب ہوتا ہے اور حاصل شدہ مغلوب و مقہور۔

اسی وجہ میں کرامت وہ نہیں کہلاتی جو عقل کی دلیل سے فاعل کو ثابت کرے بلکہ کرامت
ہوتی ہے کہ ولی الٰہی نورِ حق تعالیٰ شانہٗ سے اپنی ہستی کی نفی کرلے تو معرفت قوی ہو جائے
دوسرے معرفتِ حال۔ اور جس چیز کو ایک گروہ معرفت کی علت سمجھتا ہے وہ عقل ہے۔ اسے
اچاہئے کہ دل میں عین معرفت سے کیا چیز ثابت ہوتی ہے اور جو کچھ عقل ثابت کرتی ہے اس
معرفت نفی کرتی ہے۔ یعنی جو کچھ دل میں بدلالتِ عقل صورت آتی ہے۔ وہ اسے خدا کہتا ہے اور
شاوہ اس کے خلاف ہے۔ اگر اس کے خلاف کوئی اور صورت آتی ہے تو وہ برخلافِ حقیقت
کیا عقل کی مجال نہیں کہ استدلال سے معرفت حاصل ہو۔ اس لئے کہ عقل و وہم دونوں
جنس ہیں اور جب کہ جنس ثابت ہو معرفت کی نفی ہو جائے گی۔ تو اثبات باستدلال عقل
شبیہ میں آئے گا۔ اور نفی استدلال سے عقل میں تعطیل ہو گی اور اس کی گنجائش ان دو اصل
باہر نہیں اور یہ دونوں معرفت میں ذلیل ہیں۔ اس لئے کہ مشبہ اور معطلہ ایک نہیں ہوتے
ل جب اپنے مقدور کے موافق چلتی ہے اور اس سے جو ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ سب عقل
ا ہوتا ہے۔

اور دل ہائے دوستاں کو طلب بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ وہ درگاہِ عجز میں بے آلہ آرام کرتے

ہیں اور اس آرام میں جب اپنے کو بے آرام دیکھتے ہیں تو اپنے ہاتھ زاری کے ساتھ اٹھاتے
اور اپنے دل کے لئے مرہم ڈھونڈتے ہیں اور یہ انواع طلب و قدرت سے اس تک
پہنچتے ہیں۔ پھر قدرت حق اس جگہ اُن کی قدرت میں آتی ہے۔ یعنی اس ذات کو دوام
سے پاتے ہیں اور رنج غیبت سے آسودہ ہو کر روضۂ انس میں جگہ لیتے ہیں اور وہاں
کرتے ہیں اور روح سرور میں قرار پاتے ہیں۔

جب عقل دلوں کو مراد تک پہنچا دیکھتی ہے تو اپنے تصرف سے اس حاصل خدمت
سے رکتی ہے۔ جب اس کا تصرف نہیں چلتا تو بعالم تحیر معزول ہو جاتی ہے جب
ہو جاتی ہے تو اس وقت حق تعالیٰ لباس خدمت اُسے پہنا دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جب
تو اپنی خودی میں تھا تو اپنے آلات و تصرف سے محجوب تھا اور جب کہ آلات فانی ہو گئے
رہ گیا وہاں جہاں پہنچا تو دل کو منصب قرب مل جاتا ہے اور عقل کو خدمت اور اس کی معرفت
تام۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اپنی تعریف و تصرف سے آشنا کر دیتا ہے تاکہ وہ پہچان لے
بھی جس کا نہ پہچاننا سو صول آلہ سے تھا بلکہ وہ پہچان جو بندہ میں عاریتاً تھی تک پھر وہ تمام
عارف کو انانیت و خیالات سے محفوظ کر کے اُسے بے نسیان کر دے اور اس کے لیل و نہار بے
ہو جائیں اور اس کی معرفت حالی ہو جائے نہ کہ قالی۔ ایک گروہ نے یہ بھی کہا کہ ایسے درجہ
کی معرفت معرفت الہی ہے اور یہ بھی محال ہے۔ اس لئے کہ معرفت کو برہان باطل و حق
ہیں اور اہل الہام خطرے میں رہتے ہیں۔ ان کا یہ الہام برہان نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اگر کوئی
کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مکان میں ہے اور ایک کہے کہ میرا الہام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے لئے مکان نہیں۔ لامحالہ دونوں اپنے دعوے میں متضاد ہیں اور ان میں ایک معترض بہ حق
اور دونوں دعوے کر رہے ہیں تو لامحالہ اس کے لئے دلیل چاہیے تاکہ اس کے ذریعے فرق کیا
صدق و کذب میں دونوں مدعیوں کے اور اس وقت دلیل سے جانا جائے گا اور حکم بالہام باطل
ہو جائے گا اور برہمنوں اور الہامیوں کو جس نے اپنے زمانہ میں دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک
بہت غلو کرتی ہے اور وہ اپنے زمانہ کا انھیں پارسا سمجھتی ہے اور تمام کے تمام حقیقت میں گمراہ
ان کا قول تمام عقل والوں کے بھی خلاف ہے۔ عقلائے اہل کفر اور اہل اسلام دونوں ہی کا

یں۔ اور اس قسم کے مدعیوں میں مدعیانِ الہام کے دس قول متناقض ہیں جن کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اور ہر
سف اپنے اپنے دعوے میں باطل ہے اور کوئی حق پر نہیں۔ اور اگر کہیں کہ کہنے والا اگر خلاف شرع کہے تو
یا الہام نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ اصل میں وہی خطا پر ہے جو قیامِ شریعت کو الہام پر موقوف کرے۔ اور اگر کوئی
ہے کہ الہام کا ثبوت معرفتِ شریعت پر ہونا چاہیے اور اس کا ثبوت صحیح ہونے پر اسے الہام کہا جا سکتا ہے
ں۔ الغرض ذکر حکم الہام مقامِ معرفت میں بہمہ وجوہ باطل ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفتِ حق ضروری
ہے اور یہ بھی محال ہے اس لئے کہ جو چیز بندہ کے علم میں ضروری ہے وہ لازمی طور پر عقل کی شرکت
ں سے ہوگی اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ عاقلوں کی ایک جماعت اس سے انکاری ہے اور تشبیہ و تعطیل روا
رکھتی ہے تو بھی کہنا صحیح ہوگا کہ عرفان از جانب خود ضروری نہیں اور اگر ضروری ہوتا تو اس پر تکلف نہ آتا
س لئے کہ کسی چیز کے جاننے، نہ جاننے میں تکلف محال ہے۔ جیسے کہ اپنا جاننا آسمان و زمین روز
شب کا آلام و لذات اور مثل اس کے جو چیزیں ہیں ان کے جاننے میں عقل وجودِ انسان کو
شک میں ایسے نہیں ڈال سکتی کہ اس کے دیکھنے کے لئے مضطر ہو اور اگر چاہے کہ نہ پہچانے تو
ہو سکتا ہے قصداً نہ جانے۔

لیکن ایک جماعت متصوفین کی وہ ہے کہ اپنے یقین کی صحت پر نگاہ کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے
کہ ہم اسے بہ ضرورت جاننے پر مجبور نہیں اور ایسے جانتے ہیں کہ دل میں بھی کوئی شک نہیں پاتے
اور اس یقین کا نام ضرورت رکھتے ہیں اور وہ اس معنی میں مصیب ہیں۔ لیکن اس عبارت کے اندر
غلطی یہ ہے کہ علم ضروری میں صحت کی تخصیص روا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ تمام عقلا یکساں عقلا ہیں۔
اور اس میں یہی کہ علم ضروری علم ہوتا ہے کہ دوستوں کے دل میں سبب اور دلیل پیدا کرتا ہے اور
عداوت یا اور اس کی معرفت کو حاصل کرنا سبب ہے۔

لیکن استاذ ابو علی دقاق اور شیخ ابو سہل صعلوکی اور ان کے والد ماجد ابو سہل نیشاپور میں امام
ہم ہیں اس پر ہیں کہ معرفت کی ابتدا استدلال سے ہے اور انتہا علم ضروری سے ہے جیسے صنعت کا
جاننا ابتدا میں کسب ہوتا ہے اور انتہا میں ضروری۔ اہلسنت و جماعت کے ایک قول سے بھی
ثابت ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو جاننا ضروری ہے اور مسلم

ضروری روا ہوا تو ضرورت جائز ہوگئی۔

اس دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کلام الٰہی سُنتے تھے اور یہ سُننا بے واسطہ بھی تھا
وہ پہچانے اور بواسطہ بھی جیسے کسی فرشتہ کے ذریعے یا بطریق وحی۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں
بہشت میں اللہ تعالیٰ کو بضرورت پہچانیں گے اور اس لئے کہ بہشت دار تکلیف نہیں
اولوالعزم مامون العاقبت ہوتے ہیں۔ اور انقطاع سے امین تو وہ بضرورت پہچانتے
وجہ میں وہ قطعیت کے خوف سے مامون ہوتے ہیں اور جس نے اُسے بالضرورت پہچانا
خوف نہیں۔ اس لئے وہ ذاتِ حق سے منقطع نہیں۔ اسی وجہ میں ایمان اور معرفت اس
فضیلت ہے کہ غیب سے جب عین ہو گیا تو ایمان اس سے غیر ہوگا اور اس کے عین ہونے
ہوگا اور اصول شرع بیقرار ہوں گی اور حکم ردیت باطل ہوگا اور بلعم باعور اور ابلیس
برصیصا کو کافر کہنا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ بالاتفاق یہ عارف گزرے ہیں جیسا کہ
نے ہمیں خبر دی کہ مردود ابلیس کیا گیا اور برصیصا سنگسار ہوا۔ اس کی بھی اطلاع نبی اکرم
علیہ وسلم سے مل چکی ہے۔ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ۔ تیری عزت کی قسم
ان سب کو گمراہ کروں گا اور حقیقت میں کہنا اور جواب سُننا مقتضاء معرفت ہے اور
تک عارف ہے بے غم ہے اور جب جدائی اور انقطاع ہوتا ہے تو معرفت میں زوال
اور ضرورت یعنی امر بدیہی کے علم میں زوال نہیں ہو سکتا اور یہ مسئلہ خلقت کے اندر آفت
اسی بنا پر عارف کے عرفان کی یہ شرط رکھی گئی کہ اس کا عرفان آفت سے محفوظ ہو
کو جب صحیح عرفان حاصل ہو جائے گا تو وہ ہدایت ازلی کا محو کبھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ
کہ درجۂ عرفان کبھی زیادہ ہو کبھی کم اور اس عرفان میں تقلید نہ ہو بلکہ عرفان کا کامل منصوں سے
اس کا عرفان حاصل ہو اور یہ درجہ منجانب اللہ محض عنایت حق سے حاصل ہوتا ہے اور
سب حق تعالیٰ شانہ کے تصرف و اختیار میں ہیں اگر چاہے تو دنیا کے کسی فعل کو ہی سبب
کو اس سے راہ دکھادے اور اگر چاہے تو اس فعل کو اس کے لئے حجاب بنا دے تو وہ اس فعل کے
سبب محروم رہ جائے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قوم کے حق میں موجب ہدایت ہوئے
دوسری قوم کے لئے حجاب۔ ایک گروہ جسے آپ کی ذات سے ہدایت ہوئی تو وہ کہنے لگے

اور عبد الٰہی میں ۔ اور جس گروہ کے حق میں آپ حجاب ہوئے اس نے اپنے کو ابن اللہ کہہ ڈالا۔ ایسے ہی بت اور آفتاب و قمر نے ایک گروہ کو راہِ حق بتائی اور دوسرا گروہ رہ گیا۔ تو ثابت ہوا کہ اگر دلیل علت معرفت ہوتی تو لازم تھا کہ اتنی دلیل لانے والا بھی عارف ہوتا اور ظاہر اس کا برعکس ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ جسے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے اس کے لئے تمام اشیاء اس کی راہبر بنا دیتا ہے اور وہ مقام معرفت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جان لیتا ہے تو یہاں دلیل بندہ کے حق میں سبب ہوئی نہ کہ علت اور سبب دوسرے سبب کا اچھا نہیں ہوتا۔ مسبب کے لئے سبب کے حق میں وارد ہے لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ اے محمد تیری حیاتی کی قسم ہے کہ تحقیق تیری قوم کے کافر لوگ اپنی گمراہی میں حیران و سرگرداں ہیں۔

تیری قسم یہ ہے کہ عارف کو معرفت میں سبب کا ثابت کرنا ایک زنار ہے اور غیر معرفت کی طرف متوجہ ہونا شرک۔ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔ جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ جب لوح محفوظ میں بلکہ علم و ارادہ حق میں شقاوت کسی کے نصیب میں ہو تو دلیل کسی طرح اس کی ہادی نہیں ہو سکتی۔ مَنِ الْتَفَتَ اِلَى الْاَغْيَارِ فَمَعْرِفَتُهٗ زُنَّارٌ یعنی جو غیروں کی طرف توجہ کرے تو اس کی معرفت زنار ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کے غیر میں پراگندہ اور غرق ہو تو وہ سوا اللہ تعالیٰ کی اعانت کے کس طرح غیر پر قابو کر سکتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام غار سے تشریف لائے تو دن کو کچھ نہ دیکھا حالانکہ دن میں دلائل وجود زیادہ تھے۔ جب رات ہوئی تو رَاٰی كَوْكَبًا یعنی ستارا دیکھا اور اس کے مظاہر سے توحید الٰہی کی طرف چلے، تو اگر معرفت ذات کی علت دلیل ہوتی تو دن میں دلائل کا ظہور زیادہ تھا اور اس [illegible] ہم کے عجائبات روشن تر تھے۔

تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے بندہ کو اپنی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے اور اس پر در معرفت کشادہ کر دیتا ہے اور اس قدر تقرب بخشتا ہے کہ عین معرفت بھی اسے غیر معلوم ہوتی ہے اور اس کے لئے وہ معرفت آفت ہوتی ہے اور معرفت سے جملہ معروضات محجوب ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کی معرفت اس درجہ تک پہنچتی ہے کہ معرفت پر اس کا دعویٰ ہو جاتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِيَّاكَ اَنْ تَكُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ مُدَّعِيًا۔ شعر

يدعى العارفون معرفة اقر بالجهل ذاك معرفتى

تجھے چاہیے کہ دعویٰ معرفت نہ کرے کہ اس سے ہلاک ہو جائے گا۔ تو اپنا تعلق اس کے معنی سے رکھ تاکہ نجات پائے۔

جو کشف جلال ذات کے ساتھ اکرام حاصل کر لیتا ہے اس کی ہستی وبال ہو جاتی ہے اور جمیع صفات آفت ہو جاتی ہیں اور جو حق سے وابستہ ہو جائے تو حق اس کی طرف ہو جاتا ہے۔ پھر اُسے دنیا و مافیہا سے بے خبری ہو جاتی ہے۔ جیسے یہ نسبت مل جائے تو حق کا یہ مقام ہے کہ وہ سوا ذات حق سب سے خبردار ہو جاتا ہے اور ہر حرکت و سکون کو ملکِ الٰہی سمجھتا ہے تو جب بندہ سب ملک ملک خدا سمجھ لے اُسے خلق سے کوئی واسطہ نہیں رہتا اور وہ تمام موجودات کو ملک حق سے سمجھنے لگتا ہے تو وہ مخلوق سے محجوب ہو جاتا ہے اور وہ حجاب جو توجہ حبل تھا وہ فنا ہو جاتا ہے اور اس کی دُنیا بھی بمنزلہ عقبیٰ ہو جاتی ہے۔

فصل

اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کو اس بحث میں بہت سی رموز ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال میں یہاں بیان کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں المعرفۃ ان لا تتعجب من شیٔ معرفت یہ ہے کہ کوئی شے تجھے حیرت میں نہ ڈالے۔ اس لئے کہ تعجب اور حیرت اس فعل سے ہوتی ہے جو اپنے مقدور سے زیادہ ہو۔ اور جب وہ قادر اپنے کمال قدرت میں کامل ہو تو عارف کو اس میں تحیر و تعجب محال ہوتا ہے اگر تعجب ہی کرتا تو جب کرتا کہ اس نے ایک مشت خاک کو کیا کیا درجہ عطا فرمایا۔ اور ایک قطرہ خون کس بلند مقام پر پہنچایا کہ اس کی دوستی اور معرفت اور طلب رویت ذات کرنے لگا اور قصد قربت و وصل کی آرزو کرتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حقیقت المعرفۃ اطلاع الحق علی الاسرار بمواصلۃ لطائف الانوار یعنی معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اسرار حق پر مطلع ہو اور لطائف انوار اس پر کھل جائیں۔ یعنی جب تک اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے بندہ کے دل کو انوار عقل سے آراستہ نہ کرے اور تمام آفتوں سے اُسے دور نہ رکھے حتیٰ کہ موجودات اس کے سامنے رائی کے دانے کے برابر بھی نہ رہے تو جب اس مقام پر نہ آتا ہے تو تمام مکاشفات اشارات ہو جاتے ہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں المعرفۃ دوام الحیرۃ معرفت نام ہے ہمیشہ متحیر رہنے کا اور حیرت دو قسم کی ہوتی ہے ایک ہستی میں دوسری اس میں کہ اس کی ہستی میں جو کچھ ہے۔ حیرت اندر ہستی شرک ہے اور کفر۔ اور چگونگی وجود میں حیرت کرنا عین معرفت ہے۔ اس لئے کہ اس کی ہستی میں عارف کو شک نہیں ہو سکتا اور اس کی کیفیت میں عقل کو گنجائش نہیں۔ باقی رہا ہستی باری تعالیٰ کا یقین اور حیرت اس کی کیفیت میں۔ اس پر ایک عارف فرماتے ہیں یا دلیل المتحیرین زدنی تحیرا اے حیرانوں کی دلیل مجھے میری حیرت زیادہ دے۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہی ذات مقصود خلق اور قبول کنندہ اس کی دعا کا ہے اور متحیرین کو اس کے سوا کوئی حیرت نہیں۔ اور جب کہ متحیر اس کے وجود میں اپنے اندر تحیر چاہتا ہے اور جانتا ہے کہ معاملۂ مطلوب میں عقل کو بجز حیرت و سرگردانی اور کسی قسم کا دخل نہیں اور اس کی وہاں کچھ وقعت ہی نہیں اور حقیقت میں یہ معنیٰ بھی نہایت لطیفہ ہیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہستی حق کی معرفت اپنی ہستی میں حیرت ہی کا تقاضا کرتی ہے اس لئے کہ جب بندہ نے حق تعالیٰ کو پہچانا اور اپنے وجود کو اس کے قہر و تصرف کی قید میں پایا تو سمجھا کہ اس کا وجود بھی اس سے ہے اور عدم بھی اس سے تو جان لیا کہ میں کیا ہوں اور خود کون ہوں۔ اس حقیقت آشنائی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ' جو اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے' یقیناً وہ اپنے رب کو جان لیتا ہے۔ تو پھر عقل فنا ہو کر صفت باطل ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب عین مستقل میں نہ آئے تو اس کا معرفت سوائے تحیر کے ممکن نہیں۔

حضرت بایزید فرماتے ہیں۔ المعرفۃ ان تعرف ان حرکات الخلق وسکناتھم باللہ معرفت یہی ہے کہ بندہ جان لے کہ مخلوقات کی تمام حرکتیں اور جملہ سکون حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہیں اور کسی کو اس کے اذن بغیر اس کی ملک میں حق تصرف نہیں عین اس سے عین ہے اور اثر اس سے اثر ہے اور صفت اس سے صفت ہے۔ اور متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے۔ اور جب وہ وجود عبد میں توفیق پیدا نہ فرمائے اور دل میں قوت ارادہ نہ ڈالے، بندہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ تو بندہ کا ہر فعل مجازی ہے حقیقۃً فعل اللہ تعالیٰ کا ہے۔

حضرت محمد بن واسع فرماتے ہیں کہ عارف میں یہ صفات ہونے چاہئیں من عرف اللہ قل کلامہ ودام تحیرہ۔ جو عارف حق ہو جائے وہ کم سخن اور دائم التحیر ہو گا۔ اس لئے کہ بولا اس

کے معاملہ میں کرتے ہیں جس کا بیان حیطۂ بیان میں آ سکے اور اصولِ عبارت میں حد ہو اور وہ حیطۂ بیان میں آ سکے۔ اور جب اس کی تعریف کسی حد میں ہی نہ ہو تو اسے کسی عبارت کے تحت لانا کیونکر ممکن ہے تو بندہ کو سوا اس کے چارہ ہی نہیں کہ اس کی قدرت میں متحیر رہے۔ اس حیرت کے سوا اس کے پاس کوئی تدبیر نہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حقیقۃ المعرفۃ العجز عن المعرفۃ باللّٰہ۔ حقیقتِ معرفت یہ ہے کہ معرفتِ حق سے بندہ خود کو عاجز سمجھے اور ہمیشہ بندہ اس راہ میں سوا عجز کے کوئی اور پیشہ نہ لے بندہ کے لئے یہ روا نہیں کہ ادراکِ ذات میں خود دعویٰ کرے۔ اس لئے اس کا عجز عین طلب ہے اور طالب اپنے ارادۂ طلب میں جب تک ہے اُسے اپنے کو عاجز کہنا صحیح نہیں۔

ایک گروہ مدعیانِ حال سے کتا ہے کہ اثباتِ صفتِ آدمیت اور بقائے تکلف بصحتِ خطاب و قیام حجت معرفت کرنے والا وہ ہے جو کہے معرفت میں عجز ہی ہے اور میں عاجز ہوں اور تمام طمع سے رہ چکا ہوں۔ یہ کھلی گمراہی ہے اور نقصان و خسران ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تم طلب میں کہاں عاجز ہوئے۔ اس عاجزی کے دو نشان ہیں۔ دونوں تم میں نہیں۔ ایک نشان تو یہ ہے کہ آلہ طلب فنا ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اظہارِ تجلی اس درجہ تک کہ جہاں آلہ طلب فنا ہو۔ جو عبارت بے متلاشی ہے۔ تو اگر عجز سے عاجزی کرتے ہو تو بجز عجز کے کچھ نہیں۔ اور اس جگہ کہ جہاں اظہارِ تجلی ہے کوئی نشان نہیں دے سکتا اور وہاں تمیزِ صورت بھی نہیں۔ جس سے عاجز اپنے کو عاجز کہہ سکے باآنکہ وہ عاجز ہوتا ہے اور جسے عجز کہتے ہیں وہ بھی صورت پذیر نہیں اس لئے عجز غیر ہے اور معرفت کا ثابت کرنا معرفت کے سوا کچھ نہیں البتہ عجز کو دل میں جگہ نہیں کہ وہ غیر ہے اور غیر کا مقام دل نہیں۔ یا عارف غیر سے مراد ہو تو معرفت صحیح نہیں اس لئے کہ جب تک عارف غیر سے کنارہ نہ کرے وہ عارف ہو نہیں سکتا۔

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قد عرفت اللّٰہ ما دخل فی قلبی حق ولا باطل جب سے میں نے اللہ کو جانا میرے دل میں اندیشہ حق ہے نہ باطل اس لئے کہ خلقت کی مراد اور خواہش تو دل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ جب تک دل اُن کو نفس کی طرف رہنمائی کرتا ہے دو دل ولد کی

ے سمجھ آنی سمجھ میں کچھ نہ آیا ٭ سمجھنا ہی تمہاری بس خطا ہے۔ (مؤلف)

نہیں محض باطل ہے۔ اور جب ہمیشہ کی عزت پاتا ہے تو ذلت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب اُسے روح کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو منبع حق اور حقیقت ہے۔ جب دل میں غیر آیا تو معارف کا رجوع بڑھتا ہے تو جب خلقت برہانِ معرفت اور طلب دلیل سے کی اور مقصود و خواہش کی طلب بھی دل سے کی تو ان سے مراد حاصل نہ ہوئی۔ آخرش وہ دل سے علیحدہ ہو کر حق کے سوا سے آرام نہ ملا تو حق دل سے طلب کیا۔ جب نشان اور دلیل بیان سے نہ ملا تو حق کی طرف رجوع ہوا اور دل سے التفات ہٹالیا۔ اس سے اس بندہ جس کا دل روح کی طرف ہو اور جس کا رجوع حق کی طرف ہو۔ فرق ظاہر ہو گیا۔

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں من عرف اللّٰہ انقطع من الکل بل خرس وانقمع جس نے اللہ کو پہچانا سب سے منقطع ہو گیا بلکہ گونگا ہو کر سب سے جُدا ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا احصی ثناءً علیك میں تیری ثنا کا احصا نہیں کر سکتا تو خلاصہ یہ نکلا کہ جس نے اللہ کو جان لیا وہ سب چیزوں سے جدا ہو گیا بلکہ تمام عبارتوں کے بیان سے گونگا ہوا اور اپنے سب اوصاف سے فانی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک عالم غیبت میں تھے فصیح العرب تھے۔ جیسا کہ فرمایا۔ انا افصح العرب والعجم۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضوری حضور میں پہنچے تو عرض کی میری زبان میں تیری ثنا کی قوت نہیں۔ میں کیا ہوں بے زبان اور تو وہی ہے جو ہے میری زبان میں قوت احصا ثنا کمال نہیں۔ میں کیا کہوں کہنے میں نہ کہنے والا ہوں اور حال سے بے حال اور تو وہ ہے تو ہی ہے۔ میری گفتار میری طرف سے ہو یا تیری طرف سے اگر میں خود سے بولوں تو فنا سے محجوب ہوتا ہوں۔ اگر تیری قال سے بولوں تو قرابت ذات کے منصب میں معیوب ہو لہٰذا میں قال کو ہی چھوڑتا ہوں۔ تو فرمان آیا کہ اے محمد صلی اللہ علیک اگر تو نہیں کہتا تو میں کہتا ہوں دعموک اذا سکت عن ثنائی فالکل منك ثناف۔ تیری جان پاک کی قسم جب تو میری ثنا سے ساکت ہے تو جو کچھ تو دکھائے گا وہ میری ثنا ہو گی۔ جب تو اپنے کو میری ثنا کا اہل نہیں کہتا تو میں تمام اجزا عالم کو تیرا نائب مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ میری ثنا کریں اور تمام ثنائیں تیرے حوالے کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کشف حجاب دوم توحید

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ——— اور یہ بھی کہا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ

اَحَدٌ کہا ہے یعنی وہ واحد ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور فرمایا ہے لا تتخذوا الٰھین اثنین انما ھو اِلٰہٌ وَّاحِدٌ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بینا رجل فیمن کان قبلکم لم یعمل خیرا قط الا التوحید فقال لاھلہ اذا مت فاحرقونی ثم اسحقونی ثم ذروا نصفی فی البر ونصفی فی البحر فی یوم رایح ففعلوا فقال اللہ عزوجل للریح احتمل ما اخذت فاذا ھو بین یدیہ فقال لہ ما حملک ما صنعت فقال استحیاء منک فغفر لہ۔

تم سے پہلے ایک مرد تھا اس نے کبھی نیک کام نہیں کیا مگر توحید پر قائم تھا تو مرتے ہوئے اس نے اپنے پسماندوں سے کہا۔ جب میں مر جاؤں تو جلا دینا۔ پھر میری خاک لے کر آندھی کے روز آدھی جنگل میں اڑا دینا اور آدھی دریا میں بہا دینا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ تمام خاک پیش کرے اور دریا کو حکم دیا کہ یہ سب خاک محفوظ رکھو تو وہ مجسمہ بارگاہ حق میں پیش کیا گیا تو اسے ارشاد ہوا کس چیز نے تجھے اس کام پر آمادہ کیا تو وہ عرض کرتا ہے الٰہی تجھ سے شرم کرتے ہوئے ایسا کرنے پر آمادہ ہوا تھا تو اسے بخش دیا گیا۔

اور حقیقتِ توحید یہ ہے کہ کسی کے ایک ہونے پر یقین کیا اور اس کے بعد ایک ہونے پر یقین اور علم صحیح ہو اور ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ اپنی ذات اور صفات میں ایک اور لاثانی ہے اور اپنے افعال میں بے مثل ہے تو وہی ایک ہے۔ موحدوں نے اسے اسی صفت پر جانا ہے اور عقل نے اسی کا نام توحید رکھا ہے۔

توحید کی تین قسم ہیں۔ ایک توحید حق برائے حق اور یہ وہ توحید ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اس نے اپنے یگانہ ہونے کی تصدیق کی اور اسے اپنی وحدانیت کا علم ہے۔ دوسری توحید خلق کے لئے اور وہ حکم باری تعالیٰ ہر بندے کے لئے تو اس پر بندے کے دل میں علم توحید اور یقین وحدانیت ہونا لازمی ہے۔ تیسری توحید خلقت کی حق کے لئے اور اس کا وحدانیت حق تعالیٰ کو جاننا یقین کرنا۔ تو جب بندہ عارفِ حق ہو تو وہ اس کی وحدانیت پر علم کر سکتا ہے۔

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ایسا ایک ہے اس میں وصل و فصل کی گنجائش نہیں اس پر دوسرا جائز نہیں اس کا ایک ہونا ایسا عدد نہیں کہ جس کے ساتھ دوسرا عدد

ہو سکے۔ وہ محدود نہیں کہ اس کے لئے جہتیں ہوں اور وہ بے نہایت حدوں کا خالق ہے اس کے لئے مکان نہیں اور وہ مکان کا محتاج بھی نہیں۔[1]

وہ عرض اور جوہر سے منزہ ہے۔ وہ حال نہیں کہ اپنے محل میں موجود ہے۔ جوہر اس لئے نہیں کہ اس کا مثل ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا مثل نہیں۔ طبعی نہیں کہ حرکت و سکون کے لئے میدان کا محتاج ہو۔ روحی نہیں کہ جسم کا محتاج ہو۔ جسم نہیں کہ اجزاء سے مرکب ہو۔ وہ کسی چیز سے مرکب نہیں۔ جمیع نقصانات سے مبرا و منزہ ہے۔ تمام آفات سے پاک اور تمام عیوب سے بلند ہے۔ کوئی اس کا مثل مانند نہیں۔ لیس کمثلہ شئ اس کا کوئی فرزند نہیں کہ اس کی نسل اصل کے متقاضی ہو۔ اس کی ذات اور صفات میں تغیر و تبدل نہیں لاحد ولا ضد ولا مثل لہ بقی الاٰن کما کان ولم یلق زوال۔

اس کی تمام صفات کامل ہیں حتیٰ کہ وہ صفتیں جنہیں مومن اور موحد بصارت کے حکم سے ثابت کرتے ہیں۔ ان سے وہ متصف ہے۔ ملحدین جو جو صفات اس کے سوا بیان کرتے ہیں اور اپنی ناقص رائے سے اختراع کرتے ہیں ان سے مبرا و منزہ ہے۔ زندہ اور جاننے والا ہے۔ مہربان رحمٰن و رحیم ہے۔ ارادہ کرنے والا قادر علی الاطلاق ہے۔ سننے والا دیکھنے والا کلام کرنے والا ہے۔ باقی ازلی و ابدی ہے۔ عالم ہے اس کا علم اس میں حلول نہیں کرتا۔ اس کے کلام میں جز و اور تحدید نہیں۔ وہ اپنی صفات میں قدیم ہے۔ معلومات اس کے علم سے باہر نہیں۔ موجودات کو اس کا ارادہ ضروری ہے۔ وہ کرتا ہے جو اس کے ارادہ میں ہے۔ وہی کرتا ہے جو اُسے معلوم ہے۔ اس کے دوستوں کو تسلیم کے سوا اور کوئی سبیل نہیں۔ اس کا امر انجام کے سوا نہیں۔ اس کے بندوں کو اس کا حکم بجالانے کے سوا چارہ نہیں۔ نیکی بدی کا اندازہ اس کے علم میں ہے۔ اس کے سوا اور سے اُمید و خوف نہیں۔ خالق کل ہے اسی کا حکم ہے اس کے سوا کسی کا حکم حقیقی نہیں۔ اس کا ہر فعل اور ہر حکم سب حکمت ہے۔

اس کی تعناحق ہے۔ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی کا دیدار خاص بہشتیوں کو روا ہے تشبیہ و صورت سے بالا ہے۔ سامنے اور روبرو ہونا اس کے وجود واجب الوجود میں نہیں۔ دنیا میں اولیاء اللہ کو اس کا جمال دیکھنا جائز ہے اور اس بحث میں اصولی و صولی بہت سی باتیں بخوف طوالت

---

[1] امام اہلسنت فرماتے ہیں ؎ وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے ۔ وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں (مترجم)

اسی پر اختصار کیا گیا۔

میں کہ علی عثمان جلابی کا بیٹا ہوں۔ میں نے اس فصل کی ابتدا میں لکھا ہے کہ کسی چیز کی وحدانیت پر حکم کرنا وحدانیت توحید ہوتا ہے۔ اور حکم بدون علم کے نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لئے کہ اہلسنت نے حکم کیا ہے اس کی یگانگت پر۔ اس لئے کہ انھوں نے اس کی صنعت لطیف دیکھی اور افعال عجیب کا معائنہ کیا اس کی صنعت عجیبہ و لطیفہ پر کافی نظر کی اور ان کا خود بخود ہونا محال جانا اور ہر چیز میں حدوث و تغیر کی علامت پائی ضرور یہ صحیح سمجھا ان کے لئے فاعل کی ضرورت ہے تاکہ وہ نیست سے ہست کرے یعنی جہان میں زمین آسمان سورج چاند خشکی تری پہاڑ جنگل اور ان کی حرکات و سکنات اور علم و کلام موت و حیات یہ سب بلا صانع وجود میں آنے ممکن نہیں اور پھر دو تین صانع کا بھی یہ محتاج نہیں بلکہ ایک صانع کامل حی و قادر مختار اور شریکوں کی شرکت سے بے نیاز لازمی ہے۔ جب فعل کو ایک فاعل کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ایک فعل کے دو فاعل اگر ہوں تو ایک دوسرے کا محتاج ضرور ہوگا۔

علم و یقین سے بے شک و شبہ یہی ضروری ہے کہ ایک ہی فاعل ہو مگر اس اعتقاد میں طبقۂ ثنویاں نے ہم سے اختلاف کیا۔ انھوں نے نور و ظلمت ثابت کیا۔ دوسرے گبریان کہ انھوں نے یزدان و اہرمن مقرر کر ڈالے۔ تیسرے طبایعان کہ انھوں نے طبیعت و قوت ثابت کر ڈالی اور چوتھے نجومی کہ انھوں نے سات ستارے تسلیم کر لئے۔ پانچویں معتزلہ نے خالق و صانع بے نہایت مان لئے۔ میں نے سب کے رد میں مختصر سی بات کہہ دی۔ اس لئے کہ یہ کتاب ان کے ان واہی خیال کے رد کرنے کو نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اور کتابوں سے دیکھنا چاہئے جہاں میں نے بیان کیا ہے۔ اس کتاب کا نام الرعایت بحقوق اللہ رکھا ہے۔ یا متقدمین کی اصول کی کتابیں دیکھنا چاہئے۔

اب وہ رموز بیان کرتا ہوں جو مشائخ کرام نے توحید میں لکھے ہیں۔ ان شاء اللہ وبیدہ الامر

فصل

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا التوحید افراد القدم عن الحدث توحید قدیم کو جدا کرنا حادث سے ہے۔ یعنی توحید نام ہے قدیم کو محل حوادث نہ جانے اور حوادث کو محل قدیم نہ سمجھے اور یہ جانے کہ حق قدیم ہے اور تو محدث اور محدث کی جنس سے کوئی چیز قدیم نہیں ملتی اور اس کی صفات سے کوئی چیز تجھ سے نہیں مل سکتی اس لئے کہ قدیم اور محدث میں

کوئی مجانست نہیں۔ اس لئے کہ قدیم حوادث سے پہلے ہے تو جب وجود حوادث سے قبل قدیم تھا تو وہ حادث کا محتاج نہیں تھا تو بعد وجود حوادث بھی اس کا محتاج نہیں ہو سکتا۔

یہ بات ان لوگوں کے خلاف ہے جو ارواح کو قدیم کہتے ہیں۔ ان کا ذکر ہو چکا اور جب کوئی قدیم کو محدث میں نازل کہے یا محدث کو قدیم سے متعلق جانے تو حق کے قدیم ہونے اور جہان کے حادث ہونے پر دلیل نہیں رہتی اور یہ مذہب دہریہ ہے نعوذ باللہ من اعتقاد السوء۔

غرضکہ حادثات کی حرکات توحید کے دلائل اور قدرت الٰہی کے گواہ ہیں اور اس کی قدامت کو ثابت کرتے ہیں لیکن بندہ اس سے زیادہ عقل مند ہے کہ اس کے سوا اور سے مراد نہیں چاہتا اور اس کے ذکر کے سوا آرام نہیں کرتا جب کہ تیری نیست اور ہست کرنے میں اس کو شرکت کی ضرورت نہیں تو محال ہے کہ تیری پرورش میں اس کا شریک ہو۔

حسین بن منصور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اول قدم فی التوحید فناء فی التفرید۔ پہلا قدم توحید میں تفرید کا فنا کرنا ہے۔ اس لئے کہ تفرید نام ہے کسی آفت سے جُدا ہونے پر حکم کرنا وحدت پر حکم کرنا تو جدا کرنے میں غیریت ثابت ہو جاتی ہے اور غیر حق کے لئے نہیں چاہیئے کہ اس صفت پر ہو جائے کہ وحدانیت میں غیر کا ثابت روا نہ رہے اور غیر حق کو اس صفت میں نہ جاننا چاہیئے تو اتفرد مشترک عبارت ہے اور توحید نام ہے شرک کو دور کرنا تو توحید کا پہلا قدم شرکت کی نفی کرنا ہے اور راستے کے مزاج کا دور کرنا۔ کیونکہ مزاج راستہ میں مثل چراغ ہوتا ہے کہ راستہ اس کے ذریعے دیکھا جائے۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اصولنا فی التوحید خمسۃ اشیاء رفع الحدث واثبات القدم وھجر الاوطان و مفارقۃ الاخوان ونسیان علم وجھل۔ ہمارے اصول توحید میں پانچ چیزیں ہیں۔ حدث کا اٹھا دینا۔ قدم کو ثابت کرنا۔ وطن کا ترک کرنا۔ برادری سے علیحدگی اور علم و جہل کو بھول جانا لیکن رفع حدث نفی محدثات ہے۔ مفارقت توحید واستحالہ حوادث کے ذات باری تعالیٰ شانہ میں اور اثبات قدیم یہ ہے کہ عقیدہ رکھے کہ ذات حق ابدی و ازلی ہے۔

اس کی شرح اس سے قبل حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہو چکی ہے اور ہجر وطن سے مراد یہ ہے کہ مالوفات نفس اور آرام گاہ دل اور قرار گاہ طبیعت سے علیحدہ ہو اور رسوم دنیا سے مریدین کو خاص طور پر علیحدہ کرے اور مقامات مینی اور احوال کی خوبی اور کرامات رفیع سے مراد کو دور رکھے

اور مفارقتِ اخوان سے مراد اعراض کرنا ہے صحبتِ خلق سے اور صحبت قبول کرنا۔ اس لئے کہ اگر اُس کے دل میں اندیشۂ غیر گذر کرنے لگے تو موحد کے لئے یہ بھی ایک حجاب ہے اور جتنا اس کے دل میں غیر کی صحبت کا اثر ہوگا اتنا ہی وہ توحید میں محجوب ہوگا۔ اس لئے کرامتِ موحدین کا اتفاق ہے کہ ہمتیں جمع کرنا توحید ہے اور غیر سے آرام لینا تفرقہ اور علم وجہل سے بے نیاز ہونے کے یہ معنی ہیں کہ علم یا صفت یا کیفیت یا جنس یا طبع سے ہوتا ہے اور جس چیز کو خلقت کا علم توحید حق سے ثابت کرے توحیدِ حقیقی اس کی نفی کرتی ہے۔ جو خلقت کی جہالت ثابت کرے وہ ان کے علم کے خلاف ہے اس لئے کہ جہالت توحید نہیں اور تحقیقِ توحید کا علم نفی تصرف کے سوا درست نہیں ہوتا اور علم وہی ہے جس پر جہل کا اثبات ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہل توحید نہیں اور علم وجہل میں سوائے تصرف کچھ نہیں۔ ایک بصیرت پر تصرف ہے تو دوسرا غفلت پر۔

ایک مشائخ میں سے فرماتے ہیں کہ میں مجلسِ حصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تھا کہ نیند آگئی۔ دو فرشتے دیکھے کہ آسمان سے زمین پر آئے اور تھوڑی دیر ان کا کلام سُنا۔ ایک دوسرے سے کہنے لگا۔ یہ مرد جو کچھ کہہ رہا ہے وہ علم توحید ہے نہ کہ عینِ توحید۔ جب بیدار ہوا تو وہ توحید بیان کر رہا تھا اُس نے میری طرف رُخ فرما کر کہا۔ اے شخص توحید سے بجز علم کہا نہیں جاتا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے انھوں نے فرمایا۔ التوحید ان یکون العبد شخصا بین یدی اللہ تعالیٰ تجری علیہ تصاریف تدبیرہ فی مجاری احکام قدرتہ فی لجج بحار توحیدہ بالفناء عن نفسہ وعن دعوۃ الخلق لہ وعن استجابتہ لھم بحقائق وجود وحدانیتہ فی حقیقۃ قربہ بذھاب حسہ وحرکتہ لقیام الحق لہ فیما ارادہ منہ وھو ان یرجع آخر عبد الی اولہ فیکون کما کان قبل ان تکون۔ حقیقت توحید یہ ہے کہ بندہ مثل ہیکل ہو جریان تصرف تقدیرِ حق میں اور اس کی قدرت اس پر ایسا تصرف کرے کہ وہ اپنے اختیار ارادہ سے خالی ہو۔ اور دریائے توحید اسے فنا نفس خود اور انقطاع از خلق کر کے ارادہ حق پر اپنی کو بے حس کر دے۔ اس مقام پر آجانے کے بعد بندہ کا آخر مثل اول ہوتا ہے جو اپنی ہستی سے پہلے تھا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ موحد کو اپنے اختیار میں کچھ تصرف نہ رہے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے

وحدانیت میں ایسا گم ہو جائے کہ اپنے آپ کو بھی نہ دیکھے اور محل قربت میں اس کا نفس فانی ہو جائے اور اس کی حس باقی رہے اور احکام حق اس پر جاری ہوں اور ایسا ہو جائے جیسا ازل میں بحالت توحید تھا کہ کہنے والا بھی حق تھا اور جواب دینے والا بھی حق تھا اور جو ایسا ہو خلقت کو اس سے آرام نہیں ہوتا اور اُسے کسی شے سے اُنس نہیں ہوتا کہ ان کی دعوت قبول کرے اور اس بات میں اشارہ فنا ء صفت اور صحت سلیم سے ہے

جب کہ کشف جلالت بحالت قہر ہو کر بندہ اپنے اوصاف سے فنا ہو جائے تو آلہ اور جوہر لطیف ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر جگر میں خنجر لگے تو بہ حالت بے حسی گذر جائے اور پشت پر لگے تو بے اختیار کٹ جائے اور ہر حال میں سب سے فنا ہو اور اس کا وجود مظہر اسرار حق ہو تاکہ اس کا کلام حق کے حوالے ہو اور اس کا ہر فعل اس کی طرف منتسب ہو اور حجت ثابت کرنے کے لئے حکم شریعت اس پر باقی ہو اور وہ کل کے معائنہ سے فنا ہو۔

یہ صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ جب معراج کی شب آپ کو مقام قرب میں پہنچایا تو مقام کا فاصلہ تھا مگر قرب میں فاصلہ نہ تھا۔ آپ کا حال عوام کے فہم سے بالا ہے اور اوہام سے جُدا۔ اس حد تک دُنیا نے اُسے گم کیا۔ وہ آپ سے گم ہوا اور صفت بے صفت کی فناء میں حیران۔ طبیعت کی ترتیب اور اعتدال مزاج پریشان ہوا نفس دل کے مقام پر پہنچا اور دل جان کے درجہ تک اور جان سر کے مقام پر اور سر قرب کی صفت میں اور سب میں سب سے جُدا ہوا۔ چاہا کہ وجود خراب ہو جائے اور جسم کو چھوڑ دے اس سے مراد حجت قائم کرنا تھا۔ حکم ہوا کہ بحال ہو تاکہ قوت پائے اور وہ قوت اس کی قوت ہو اور اس کی ہستی سے ہستی ذات ظاہر ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ انی لست کاحدکم انی ابیت عند ربی فیطعمنی ویسقینی یعنی میں تم جیسا نہیں میں اپنے رب کے پاس شب باش ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے جس سے میں زندہ اور قائم ہوں اور یہ بھی فرمایا لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت خاص ہے جس میں ملک مقرب اور نبی مرسل بھی وسعت نہیں پاتا۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فرمایا ذات اللہ موصوفۃ بالعلم غیر مدرکۃ بالاحاطۃ ولا مرئیۃ بالابصار فی دار الدنیا وھی موجودۃ بحقائق

الایمان من غیر حد ولا حلول وتراہ العیون فی العقبیٰ ظاہراً وباطناً فی ملکہ وقدرتہ وقد حجب الخلق عن معرفۃ کنہ ذاتہ ودلھم علیہ بآیاتہ والقلوب تعرفہ والعقول لا تدرکہ ینظر الیہ المومنون بالابصار من غیر احاطۃ ولا ادراک نہایۃ نہایتِ توحید یہ ہے کہ بندہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موصوف بعلم ہے۔ وہ نہ جس میں آتا ہے نہ دیکھنے میں نہ دنیا میں آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے اور ایمان میں وہ موجود ہے۔ اس کی حد و نہایت نہیں اور بغیر کسی آنے جانے کے اسے دریافت کیا اور وہ ظاہر ہے اپنے ملک میں اپنی صفتوں سے اور اپنی قدرت سے اور سب کنہ ذات کی معرفت سے محجوب ہیں۔ اس نے اظہارِ عجائب و آیات سے راہ دکھائی ہے۔ اور وہ لوگوں کو جانتا ہے اور بیگانگی و عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور مومنین بچشم سر عقبیٰ میں اسے دیکھیں گے اور یہ لفظ جامع ہے توحید کو۔

اور حضرت جنید نے فرمایا۔ اشرف کلمۃ فی التوحید قول ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے سبحانہ من لم یجعل لخلقہ سبیلا الی معرفۃ الا بالعجز عن معرفتہ۔ بہترین کلمۂ توحید میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کلمہ ہے۔ پاک ہے وہ جو اپنی مخلوق کو اپنی معرفت میں راہ نہیں دیتا بجز اس کے کہ عاجز ہو اس کی معرفت میں اور علماء اس کلمہ میں غلطاں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ معرفت سے عجز بے معرفتی ہے اور یہ محال ہے اس لئے کہ عجز اپنی حالت میں ایک صورت رکھتا ہے اور بحالتِ معدوم عجز کی کوئی صورت نہیں جیسے مردہ حیات سے عاجز نہیں اس لئے کہ موت میں میت سے عاجز ہوتا ہے۔ اس لئے عجز کا نام اس کی قوت کو محال کر دیتا اور اندھا بصارت سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ بیٹھنے میں کھڑا ہونے سے عاجز ہوتا ہے جیسا کہ عارف معرفت سے عاجز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ معرفت موجود ہوتی ہے اور جب اسے ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ ہم قولِ صدیق اکبر پر کہ ابو سہل صعلوکی اور ابو علی دقاق نے کہا کہ معرفت ابتدا میں کسبی ہوتی ہے اور انتہا میں ضروری اور علم ضروری وہ ہوتا ہے کہ اس علم کا عالم اس کے ہوتے ہوئے اس کے دور کرنے اور کشش سے بے قرار اور عاجز ہو۔ تو مطابق اس قول کے توحید بندہ کے دل میں فعل حق ہوتا ہے۔ پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا التوحید حجاب الموحد

عین جمال احدیتہ یعنی توحید موحد کے لئے جمالِ احدیت سے حجاب ہوتا ہے اس لئے کہ توحید
کو بندہ کا فعل کہتے ہیں اور بندہ کشفِ حق کی علامتیں ہوتا اور عین کشف میں جو چیز کشف کی علت
ہو وہ حجاب ہے اور بندہ معہ اپنے کل اوصاف کے غیر ہوتا ہے اس لئے کہ جب اپنی صفت
کو حق سمجھے تو ضرور موصوف صفت کو بھی حق کہنا پڑے گا۔ اور وہ بندہ ہے۔

پھر موحد اور توحید اور احد تینوں ایک دوسرے کے وجود کی علت ہوتے ہیں اور یہ تقیہ ثالث
ثلثہ نصاریٰ کا ہوتا ہے اور جو صفت کہ طالب کو توحید میں اپنی فنا سے مانع ہے۔ ابھی اس صفت میں
مجوب ہے اور جب تک مجوب ہے موحد نہیں لَانَّ مَاسِوَاہُ مِنَ الموجودات باطل اس لئے ماسوا موجودات
جو کچھ بھی ہے وہ باطل ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ بجز حق جو کچھ بھی ہے سب باطل ہے اور طالب بھی
اس کا غیر ہے اور تفسیر لا الہ الا اللہ یہ ہے کہ صفت طالب کشفِ جمالِ حق میں باطل ہو جائے۔

ایک حکایت مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خواص حضرت حسین بن المنصور رضی اللہ عنہ کی زیارت
کے لئے کوفہ حاضر ہوئے تو حسین بن منصور نے فرمایا۔ ابراہیم تو نے اپنی عمر کس بات میں بسر کی آپ
نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کو توکل میں درست کیا ہے حسین بن منصور نے فرمایا۔ یا ابراہیم ضیعت
عمرک فی عمران باطنک فاین انت من الفناء فی التوحید۔ ابراہیم تو نے اپنی عمر ضائع
کردی کہ تو نے اپنی عمر آبادانی باطن میں خرچ کر ڈالی تو اب تیری فنا توحید میں کہاں۔

توحید میں مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں۔ ایک گروہ نے اس کو بقا کہا ہے۔ اس لئے کہ بقاء
صفت کے سوا توحید درست نہیں ہوتی۔ ایک گروہ نے کہا کہ فنا کے سوا توحید کی صفت حاصل نہیں
ہوتی اور اس کا قیاس جمع اور تفرقہ کرنا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے۔

اور میں علی ابن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ توحید حق سے بندہ کو اسرار حاصل ہوتے ہیں اور عبارت میں ظاہر
نہیں ہوتے۔ اب چاہیے کہ کوئی اس کو بیہودہ عبارت سے آراستہ نہ کرے اس لئے کہ عبارت اور معنی میں
بعید فرق ہے۔ اور توحید میں غیر کا ثابت کرنا شرکت ہوتا ہے۔ اس وقت وہ بیہودہ ہوتی ہے اور موحد الٰہی ہوتا ہے
نہ کہ ایک لاابی۔ یہ ہے توحید کا حکم اور مسلک ارباب معرفت یہاں بر سبیل اختصار بیان کئے گئے۔ واللہ اعلم

کشفِ حجابِ سوم، ایمان

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اور دوسرے

چند مقامات پر بھی فرمایا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الایمان ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ الحدیث اور ایمان لغت میں تصدیق کو کہتے ہیں۔ اور اس بحث پر مردانِ الٰہی کے بہت اقوال ہیں اور شرعی احکام بھی کافی ہیں۔ اور اختلاف کرنے والے معتزلہ اور خوارج بھی بہت سے ہیں۔

چنانچہ معتزلہ تو کہتے ہیں کہ علمی کل اطاعت پر ایمان ہے اور گناہ کرنے سے بندہ خارج از ایمان ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی خارجی ہیں کہ بندہ کو گناہ کے سبب کافر بتاتے ہیں۔ ایک گروہ ایمان کو قول فرد کہتا ہے ایک گروہ معرفت کو ایمان کہتا ہے۔ اور متکلمین کا ایک گروہ مطلق تصدیق کو ایمان کہتا ہے اور میں نے اس بیان میں علیحدہ کتاب تصنیف کی ہے۔ یہاں تو متصوفہ مشائخ کرام کا اعتقاد بیان کرنا مقصود ہے۔ صوفیوں میں دو قسم ہیں جیسے فقہا میں دو فریق ہیں۔

ایک کہتا ہے اقرار باللسان تصدیق بالجنان اور عمل بالارکان کا نام ایمان ہے۔ جیسے فضیل بن عیاض بشر حافی خیر النساج سمنون المحب، ابو حمزہ بغدادی، محمد حریری اور مثل ان کی کافی لوگ ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ایک گروہ کہتا ہے ایمان نام ہے اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان کا جیسے ابراہیم بن ادھم ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، ابوسلیمان دارانی، حارث محاسبی، جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ تستری، شقیق بلخی اور سواان کے رحمہم اللہ علیہم اور ایک جماعت فقہا امت کی ہے جیسے امام مالک، شافعی، احمد، حنبل اور ان کے سوا ایک جماعت اسی پہلے قول پر ہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ حسن بن فضل بلخی اور امام صاحب کے اصحاب جیسے محمد بن حسن داود طائی، امام ابو یوسف رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔ اس پہلے قول پر ہیں اور حقیقت میں یہ اختلاف عبارت ہے معنی میں نہیں۔

میں اس کا مختصر بیان کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس اختلاف میں کسی کو ایمان میں مخالف الاصل نہیں کہنا چاہئے و باللہ التوفیق۔

فصل اہلسنت وجماعت میں اس امر کا اتفاق ہے کہ ایمان کے لئے اصل او فرع ہے ایمان کی اصل تصدیق بالقلب ہے اور اس کی فرع یہ ہے کہ مراعات امر و نواہی کی جائے اور عرف و عادت میں ہے کہ ایک چیز کی فرع کو بصورت استعارہ اصل کے نام سے

بولتے ہیں جیسے آفتاب کے نور کو عام طور پر آفتاب ہی کہتے ہیں۔ اس معنی میں اطاعت کو ایمان کہا گیا اور اس ذات کے فضل سے بندہ بغیر عمل عذاب سے بالکل نہیں ہو سکتا اور صرف تصدیق مقتضی امن نہیں جب تک حکم بجا نہ لائے۔ تو جس کی اطاعت زیادہ ہوگی اسے عذاب سے بھی زیادہ امن ہوگی چونکہ طاعت علت امن ہے اور اس میں شرط اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہے۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں۔

پھر ایک گروہ نے کہا ہے کہ امن کی علت معرفت ہے نہ کہ طاعت۔ اگرچہ طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو طاعت سے فائدہ نہیں لیکن اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو نجات ہو سکتی ہے۔ اگر اس کا حکم ارادہ الٰہی میں ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے معاف فرمائے گا یا حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخش دے گا یا اس کے گناہ کے اندازہ پر اسے عذاب کرے گا۔ پھر دوزخ سے نکال کر بہشت عطا فرمائے گا۔ تو ارباب معرفت اگرچہ گناہ گار ہوں بہ سبب معرفت ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے اور اگر معرفت نہ ہو اور عمل ہی عمل ہو اس سے وہ داخل جنت نہ ہوں گے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ طاعت علت امن نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لن ینجوا احد کم بعملہ قیل ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ۔ تم میں سے کوئی عمل کے سبب نجات نہ پائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی۔ فرمایا۔ میں بھی رہائی نہ پاؤں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں مجھے ڈھانپ لے۔

تو بطریق تحقیق بلا اختلاف امت ایمان معرفت ہے اور اقرار پذیرائی عمل ہے۔ جو شخص حق خالق کو پہچانے گا بہر حال کسی وصف سے پہچانے گا۔ اور اوصاف کی تین قسم ہیں۔ بعض تو جمال سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض جلال سے اور بعض کمال سے۔ اور خلقت کو اس کے کمال کی طرف راہ نہیں سوا اس سے کہ اسے کمال سے ثابت کریں اور نقص اس سے دور کریں۔ باقی رہا جمال اور جلال یہ اس کے لئے ہے جس کا معشوق جمال حق ہو۔ معرفت جمال میں طالب ہمہ اوست کا مشتاق رہتا ہے اور جو عاشق جلال حق ہو وہ ہمیشہ اپنے اوصاف سے متنفر رہتا ہے اور اس کا دل مقام حیرت میں ہوتا ہے تو شوق تاثیر محبت کا نام ہے اور ایسا ہی اوصاف بشریت سے متنفر ہوتا ہے اس لئے کہ

کشفِ حجاب اور صفتِ بشریت میں محبت کے سوا نہیں تو ایمان اور معرفت محبت ہے اور محبت کی
علامت طاعت ہے۔

اس لئے کہ جب دل دوستی کا مقام ہوا اور آنکھیں دیکھنے کا مقام ہوں اور جائے عبرت اور
جائے مشاہدہ تو تن تارک امر نہ ہونا چاہئے اور جو اس کے سوا کچھ اور سمجھے وہ تارک امر ہے اور
سے بے خبر اور اس زمانہ میں یہ فساد صوفیوں کے مابین عام ہے۔ ملحدوں کے ایک گروہ نے اولیاء
دیکھا اور اس کا مرتبہ معلوم کیا تو خود بھی ان کی صورت اختیار کی اور کہا کہ یہ اس وقت تک تھا
ہے کہ تو نے نہیں پہچانا اور جب تو نے جان لیا تو تکلیفِ طاعت تن سے اٹھ گئی لیکن یہ غلط
میں کہتا ہوں کہ جب تو نے حق تعالیٰ کو پہچانا تو دل جائے شوق ہوا اور حکم کی عظمت زیادہ ہونی
یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مطیع اس درجہ کو پہنچ جائے کہ طاعت کا رنج اس سے اٹھا لیں اور طاعت
گذاری کی اسے زیادہ توفیق ہو تا کہ جو طاعت خلقت تکلیف جان کر کرتی ہے وہ تکلیف اسے محسوس
نہ ہو اور یہ بات تب حاصل ہوتی ہے جب شوق اطاعت بے چین کرنے والا پیدا ہو جائے۔

پھر ایک گروہ کی طرف سے یہ اختلاف عام ہے خاص کر ماوراء النہر میں وہ کہتے ہیں جو
حق کے متعلق کہتے ہیں وہ محض جبر ہے اس لئے بندہ اس میں مضطر چاہئے اور جو اپنے سے کہتے ہیں
سب محض قدر ہے۔ کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ معلوم نہ کرے بندہ اسے جان نہیں سکتا اور طریق
جبر سے کم اور قدر سے زیادہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بندہ کا فعل بہ ہدایتِ حق ہے اس لئے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ
اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا۔ یعنی جس کو اللہ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ
اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کا سینہ احساسِ تکلیف سے تنگ
کر دیتا ہے۔ اس آیۂ کریمہ کے ماتحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ گردش ہدایتِ حق ہوا ہو نا بند
ہو تو ہونے کی علامت دل پر اعتقادِ توحید کا ہونا ہے اور آنکھوں پر منہیات سے بچنا اور
نشان سے عبرت پانا اور کانوں میں اس کا کلام سننا، معدہ پر اس کے حرام سے خالی ہونا اور
سچ بولنا اور جسم پر منہیات سے پرہیز کرنا تا کہ سعی اور دعویٰ موافق ہو جائے۔

اس سب سے اس گروہ نے معرفت ایمان میں کمی بیشی رکھی ہے اور سب کا اس پر اتفاق

کہ معرفت ایمان میں کمی بیشی جائز نہیں کیونکہ اگر معرفت میں زیادۃ اور نقصان ہوتا تو معرفت بھی کم زیادہ ہوتی۔ جب معرفت پر زیادۃ اور نقصان روا نہیں تو معرفت پر بھی کمی زیادتی روا نہیں۔ کیونکہ معرفت ناقص نہیں ہوتی تو لازم آیا کہ فرائض اور عمل میں زیادۃ اور نقصان نہ ہو اور طاعت پر بالاتفاق زیادتی اور نقصان روا ہے اور حشویوں کو دو فریق ہو گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ طاعت کو ایمان کہتا ہے۔ دوسرا گروہ ایمان کو صرف قول کہتا ہے۔

غرضکہ حقیقت میں بندہ کے کل اوصاف حق تعالیٰ کی طلب میں مستغرق ہوں اور ہر ایمان والے کو اس پر اتفاق کرنا چاہیے اس لئے کہ سلطانِ معرفت کا غلبہ منکر اوصاف کو مغلوب کر دیتا ہے اور جہاں ایمان ہو وہاں اسبابِ انکار دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ کہا گیا اذا طلع الصباح عطل المصباح جب دن نکل آتا ہے تو چراغ معطل ہو جاتا ہے۔

کسی عارف نے فرمایا ہے کہ روشن دن کے واسطے دلیل کی حاجت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں۔

چنانچہ جب حقیقت معرفت عارف کے دل پر گزرے تو پھر ظن اور شک اور انکار دفع ہو جاتا ہے اور شہنشاہِ معرفت اس ہوا وہوس کو اپنی تسخیر میں لاتا ہے تاکہ جو کچھ کہے یا دیکھے یا کرے سب دائرۂ امر میں ہو۔ میں نے سنا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابراہیم خواص سے پوچھا کہ حقیقت ایمان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میں اس کا جواب نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ جو کچھ میں کہوں صرف کہنا ہی ہوگا اور مجھے چاہیے کہ معاملہ سے جواب دوں لیکن میں مکہ شریف کو جانے والا ہوں تو بھی اس ارادہ سے اس راستہ پر میرے ساتھ چل تاکہ تو اپنے مسئلہ کا جواب پائے۔

انہی کا بیان ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں اس کے ساتھ جنگل پہنچا۔ ہر روز دو روٹی اور دو پیالہ پانی غیب سے آتے وہ ایک میرے آگے رکھتے۔ ایک خود اٹھا لیتے حتیٰ کہ ایک روز جنگل میں ایک ضعیف العمر آ رہا تھا۔ اس نے جب ابراہیم خواص کو دیکھا گھوڑے سے اترا اور سلام کے بعد کچھ دیر آپس میں اس سے گفتگو ہوئی۔ پھر وہ بوڑھا گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ میں نے عرض کی اے شیخ یہ بوڑھا کون تھا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ تیرے سوال کا جواب تھا۔ میں نے عرض کی یہ کس طرح۔ فرمایا۔ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے انھوں نے میری مصاحبت چاہی۔ میں نے منظور نہ کی۔ میں نے عرض

کی حضور کیوں مستلو نہیں کی۔ آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈرا کہ اس کی مصاحب غیر اللہ پر بھروسہ ہے۔ اس سے کہیں میرا توکل تباہ نہ ہو جائے اور حقیقت ایمان توکل کی حفاظت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنون اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

اور حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الایمان تصدیق القلب بما علم بہ الغیوب یعنی ایمان یہ ہے کہ جو کچھ اس پر غیب سے مکاشفہ ہو اس پر یقین رکھے اس لئے کہ ایمان غیب پر ہے کہ خداوند تعالیٰ سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور جب تک معنی میں قوت نہ ہو بندہ کا یقین ظاہر نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

جب شناخت کرنے والا اور معلوم کرنے والا عارف اور عالم کا اللہ تعالیٰ ہے جس نے ان کے دلوں میں معرفت علم پیدا کی تو علم اور معرفت ان کے کسب کے قبضہ میں نہیں رہی تو جو شخص اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی معرفت یقین دیتا ہے وہ مومن واصل باللہ ہوتا ہے۔ میں نے اس بحث پر اور جگہ بہت کچھ بیان کیا ہے۔ یہاں اس پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ اور اہل بصیرت کے لئے اس قدر کافی ہے۔ اب میں اسرار معاملات بیان کرتا ہوں اس کے پردے کھولتا ہوں۔ انشاء اللہ العزیز۔

کشف حجاب چہارم، طہارت

ایمان کے بعد بندہ پر خصوصی فرض یہ ہے کہ نماز ادا کرنے کو طہارت حاصل کرے اور وہ بدن کو نجاست اور جنابت سے پاک کرتا ہے۔ بموجب حکم شریعت تین عضووں کا دھونا سر کا مسح کرنا ہے اور پانی نہ ہونے یا ایسی بیماری جو پانی سے بڑھ جائے اس کے بجائے تیمم کرنا اور اس کے احکام سب کو معلوم ہیں۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ طہارت دو قسم کی ہے ایک طہارت باطن دوسری طہارت ظاہری۔ بدون طہارت ظاہر نماز درست نہیں ایسی بدون طہارت باطن جس کا تعلق دل پاک کرنے سے ہے۔ معرفت درست نہیں ہوتی۔ بدن کی طہارت کے لئے پانی طاہر و مطہر ہونا چاہیے مستعمل اور مقید پانی نہ ہو۔ دل کی طہارت کے لئے آب توحید کی ضرورت ہے جس میں اعتقاد مذبذب اور مشکوک نہ ہو۔

چنانچہ صوفیائے کرام ہمیشہ طہارت ظاہری کے پابند رہتے ہیں اور اپنا باطن توحید سے معمور رکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو فرمایا۔ دم علی الوضوء یحبک حافظاک۔ ہمیشہ باوضو رہ تیرا محافظ تجھے محبوب رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

تو جو ہمیشہ باطہارت رہے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو باطن کو توحید پر قائم رکھے اللہ اسے محبوب رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعا میں فرماتے تھے اللّٰھم طھر قلبی من النفاق الٰہی میرا دل نفاق سے پاک رکھ۔ حالانکہ حضور کے دل میں کسی حالت میں بھی نفاق نہیں تھا۔ لیکن اپنی کرامت کا دکھانا اثبات غیر نفاق لاتا ہے اور یہ مقام توحید میں ایک نفاق ہے۔ ہر چند کہ ذرہ بھر کرامت مشائخ سے سرمۂ دیدہ مریداں ہوتا ہے آخرش وہ محل کمال میں اس بلند مرتبہ حجاب ہوتا ہے اس لئے کہ جو غیر ہو اس کی رویت آفت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نفاق العارفین افضل من اخلاص المریدین یعنی خدارسیدہ عارفوں کا نفاق اخلاص مریداں سے بہتر ہے یعنی وہ مقام جو مرید کا ہے کامل کے لئے حجاب ہے۔

مرید کی توجہ اس پر ہوتی ہے کہ وہ کرامت پائے اور عارف کامل کی توجہ اس پر ہوتی ہے کہ وہ کرامت دینے والے کو پائے۔ غرضکہ کرامت کا ظاہر کرنا اہل حق کے لئے نفاق ہے۔ اس واسطے کہ وہ غیر کا دیکھنا ہے۔ ایسے ہی جسے خاصان حق آفت جانتے اس میں عام سیہ کار اپنی نجات سمجھتے ہیں یا اس لئے کہ ایسی آفت جو عارف اپنے لئے جانے وہ گمراہی سے نجات ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کافر یہ سمجھ لیں کہ ہمارے گناہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں جیسے سیہ کار اپنی سیہ کاری کو بری سمجھتا ہے تو سب کفر سے نجات پاتے اور اگر گنہگار یہ جانتے کہ ہمارے تمام اعمال محل علت ہیں تو سب گناہ سے نجات پا جاتے اور تمام آفتوں سے پاک ہو جاتے۔ تو چاہیے کہ ظاہری طہارت باطنی طہارت کے موافق ہو۔ یعنی

ہاتھ دھوئیں تو اس کے ساتھ ہی دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرلے۔

جب استنجا کریں تو جس طرح نجاست ظاہر سے پاکی حاصل کی ویسے ہی باطن کو غیر کی

دوستی سے پاک کرلے۔

جب ناک میں پانی ڈالے تو خواہشات کو بھی اپنے اوپر حرام کرے۔

جب منہ دھوئے تو ساتھ ہی تمام خواہشاتِ نفسانی کی چیزوں سے منہ پھیر لے اور حق کی طرف متوجہ ہو۔

جب کہنیوں تک ہاتھ صاف کرے تو اپنے تمام نصیبوں سے علیحدہ ہو جائے۔

جب سر کا مسح کرے تو اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے۔

جب پاؤں دھوئے تو تمام مناہی راہ چلنے سے باز رہنے کی نیت کرے۔

اس طرح اسے ہر دو طہارتیں حاصل ہوں گی۔ اس لئے کہ امور شرعی باطن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں جیسے اقرار باللسان تصدیق قلب سے ہی ہوا ہے اور نیت دل سے اور طاعت بموجب شریعت تن سے ہوتی ہے۔

چنانچہ دل کی طہارت کا طریقہ یہی ہے کہ آفاتِ دنیا میں تدبر و تفکر کرکے اس بات کے اوپر غور کرے کہ دنیا بے وفا ہے اور یہ جگہ خالص فنا ہے اس سے دل خالی کرکے یک سو ہو۔ مگر یہ کافی مجاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور مجاہدہ میں اہم کام آدابِ ظاہری کی حفاظت ہے اور ہر حال میں اس کا التزام۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دنیا میں ابدی عمر چاہتا ہوں تاکہ تمام دُنیا نعمتوں میں مشغول ہو کر جب حق تعالیٰ کو بھلائے تو میں آدابِ شریعت کی حفاظت کروں اور یادِ حق میں رہوں۔

کہتے ہیں کہ ابو طاہر خرمی چالیس سال مکہ معظمہ میں رہے۔ مگر آپ نے ارضِ حرم میں طہارت نہ کی۔ جب آپ کو حاجت ہوتی حدودِ حرم سے باہر جاتے اور فرماتے جس زمین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ میں اس پر مستعمل پانی ڈالنا مکروہ سمجھتا ہوں۔

اور حضرت ابراہیم خواص سے مروی ہے کہ آپ رَے کی جامع مسجد میں مرض اسہال سے بیمار ہوئے تو آپ رات دن میں ساٹھ بار غسل فرماتے آخر اسی میں رحلت فرما گئے۔

اور حضرت ابو علی رود باری رحمہ اللہ معاملہ عبادت میں وسواس و توہم کے مریض تھے۔ آپ

فرماتے ہیں کہ میں صبح دریا میں گیا اور طلوع آفتاب تک اسی میں رہا۔ اس پر میں آزردہ دل ہوا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگا۔ اے العاصین العافیہ العافیہ۔ ہاتف غیبی نے دریا سے جواب دیا العافیۃ فی العلم۔ ابو علی عافیت علم میں ہے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک نماز کے لئے ساٹھ بار طہارت کی اس حال میں آپ تھے کہ انتقال کا وقت آگیا۔ آپ نے عرض کی الٰہی میں حکم موت آنے تک باطہارت ہوں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ میں ہے کہ آپ ایک روز مسجد جانے کے لئے طہارت فرما رہے تھے کہ غیبی آواز آئی شبلی ظاہری طہارت تو کرلی' باطنی طہارت کہاں ہے آپ واپس تشریف لائے اور تمام جائداد مال و دولت راہِ خدا میں خرچ کرکے ایک سال تک صرف ایک کپڑے میں رہے جس سے نماز ادا ہوسکے پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ جنید نے کہا اے ابوبکر شبلی جو طہارت تم نے اختیار کی ہے وہ بہت مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ باطہارت رکھے۔ چنانچہ حضرت شبلی وقت رحلت تک بے طہارت نہ رہے۔ جب وقتِ انتقال آیا تو آپ کی طہارت نہ رہی۔ ایک مرید کو اشارہ کیا کہ مجھے طہارت کرائے۔ مرید نے طہارت کرائی مگر ریشِ مبارک میں خلال کرنا بھول گیا۔ اس وقت آپ میں کلام فرمانے کی قوت نہ تھی۔ آپ نے مرید کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کی طرف اشارہ کیا اس نے خلال کیا۔ یہ بھی ان سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں نے کسی رات بے طہارت شب نہ گزاری اور اگر سہواً طہارت نہ رہی تو مجھے میرے باطن نے یاد دلایا۔

حضرت بایزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میرے دل میں اندیشۂ دُنیا گزرتا ہے تو میں طہارت کرلیتا ہوں اور جب اندیشۂ عاقبت گزرتا ہے تو غسل کرتا ہوں۔ اس لئے کہ دنیا محدث ہے اور اس کا اندیشہ حدث ہے اور عقبیٰ محلِ غیبت و آرام ہے اور اس کا اندیشہ جنابت ہے۔ تو حدث سے طہارت واجب ہے اور جنابت سے غسل۔

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ ایک روز آپ نے طہارت کی۔ جب مسجد کے دروازہ پر آئے تو آواز آئی اے ابوبکر شبلی تیری وہ طہارت ہے جو ہمارے گھر میں گستاخ طہارت کرکے آتے ہیں۔ یہ سن کر آپ واپس لوٹے تو آواز آئی۔ شبلی ہمارے در سے واپس جاکر کہاں جائے گا۔

آپ نے ایک نعرہ مارا۔ آواز آئی شبلی ہم پر طعن کرتا ہے۔ آپ وہیں خاموش کھڑے رہ گئے۔ تو آواز آئی تحمل بلا کا دعوے کرتا ہے تو آپ نے عرض کی۔ المستغاث بک منک۔ تیرے حضور تحمل سے فریاد ہے۔

مشائخ صوفیہ کی تحقیق طہارت میں بہت سی باتیں ہیں اور وہ ہمیشہ ظاہری باطنی طہارت کا مریدوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ اور درگاہ حق میں جانے کے ارادہ پر جب کوئی قصد کرے تو طہارت ظاہری پاکی کے لئے پانی سے ہوتی ہے اور باطنی طہارت توبہ اور درگاہ الٰہی میں رجوع کرنے سے۔ اب میں توبہ اور اس کے لوازمات کا بیان کرتا ہوں۔

پندرھواں باب

توبہ اور متعلقاتِ توبہ

اچھی طرح سمجھ لو کہ رہروانِ طریقہ حق کا پہلا مقام توبہ ہے۔ جیسے طالبانِ خدمت کا پہلا درجہ طہارت ہے۔ اس وجہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبة نصوحا۔ یعنی اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کے حضور توبۃ النصوح اور فرمایا۔ توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون۔ یعنی توبہ کرو اے ایمان والو اللہ کی طرف سب تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما من شیٔ احب الی اللہ من شاب تائب الی اللہ تعالیٰ۔ جوان توبہ کرنے والے سے زیادہ محبوب کچھ نہیں۔ اور فرمایا۔ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا احب اللہ عبدا لن یضرہ ذنب۔ جب اللہ کسی بندے کو محبوب بنا لے تو اُسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا۔ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ یعنی اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک رہنے کو محبوب بناتا ہے۔

لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توبہ کی دریافت کی ۔ فرمایا نادم ہونا۔ اور یہ جو فرمایا کہ گناہ اللہ کے دوستوں کو نقصان نہیں دیتا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ گناہگار کافر نہیں ہوتا اور اس کے ایمان میں خلل نہیں آتا۔ تو جب گناہ سے سرمایہ کا نقصان نہیں تو اس گناہ کا نقصان کہ جس کا انجام نجات ہو کچھ نقصان نہیں۔

واضح رہے کہ توبہ لغت میں رجوع کے معنی دیتی ہے جیسے کہتے ہیں تاب ای رجع توبہ کی یعنی رجوع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی بات سے توبہ کرنا۔ یہ ہے کہ امر الٰہی کے خلاف کرنے سے خائف ہو یہ اصل توبہ ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الندم توبۃ۔ گناہ پر نادم ہونا توبہ ہے اور یہ ایسی جامع تعریف ہے کہ اس میں توبہ کی تمام شرطیں آجاتی ہیں۔ اس لئے کہ توبہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ مخالف حکم عمل پر افسوس کرے۔ دوسرے ترک کرتے ہوئے منفعل ہو۔ تیسرے عہد کرے کہ پھر ایسا نہ کرے گا اور یہ تینوں شرائط ندامت میں آجاتی ہیں۔ اس لئے کہ جب دل میں ندامت پیدا ہوئی تو بقیہ دو شرطیں اس کے ضمن میں آگئیں۔ اور ندامت کے تین سبب ہوتے ہیں جیسے توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جب خوف عذاب دل پر غالب ہو تو اعمال سیئہ کا غم دل پہ آتا ہے اور ندامت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حصول نعمت کا ارادہ جب دل پر غالب ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ برے کام اور نافرمانی سے یہ حاصل نہیں ہوتی تو پریشان ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس پر بارگاہ حق سے شرم غالب آئے اور مخالفت حکم سے پشیمان ہو۔ تو پھر تائب ہو جاتا ہے اور توبہ کے تین مقام ہیں۔ اول تائب دوسرا انابت تیسرا اواب۔ تو توبہ خوف عذاب کے سبب ہوتی ہے اور انابت طلب ثواب کے لئے اور اواب رعایت فرمان کے واسطے۔

اس لئے کہ توبہ عام مومنوں کا مقام ہے اور وہ ارتکاب کبائر سے ہوتی ہے جیسے کہ ارشاد الٰہی ہے یاایھا الذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا یعنی اے ایمان والو اللہ کی طرف خالص توبہ کرو اور انابت خاص اولیاء اور مقربان خاص کا مقام ہے جیسے فرمایا۔ من خشی الرحمٰن بالغیب وجاء بقلب منیب یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور لایا خاشع دل لے کر اور اواب یہ انبیاء و مرسلین کا مقام ہے۔ جب کہ فرمایا نعم العبد انہ

اَوَّاب۔ بہت اچھا بندہ رجوع کرنے والا ہے ۔
توبہ کبیرہ سے باز آنا اور طاعتِ الٰہی کی طرف جھکنا یہ ایک درجہ ہے اور صغائر سے توبہ کرنا اور محبتِ الٰہی کی طرف رجوع ہونا یہ ایک درجہ ہے اور انانیت سے منحرف ہو کر اپنے اختیارات خیاد ذات میں دے دینا یہ ایک درجہ ہے۔ تو ان میں فرق یہ ہوا کہ ایک شخص خواہش سے علیحدہ ہو کر اتباع امر کی طرف رجوع کرے اور مثل توبہ ممنوعاتِ حق سے باز رہنے کا نام ہے دوسرا قصور اور اندیشۂ فاسدہ سے باز آنا۔ تیسرے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور غفلت سے دل بیدار کرنا اور غیبت علمی کا دیکھنا۔
اور جب بندہ اپنے بُرے حال اور بُرے افعال پر غور و فکر کرے اور اس سے نجات چاہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اسباب توبہ آسان کر دیتا ہے۔ پھر اسے اس کے گناہوں کی شامت سے رہائی دیتا ہے اُسے اطاعت کی حلاوت عطا فرماتا ہے ۔
اہلسنت وجماعت اور تمام مشائخ کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ اگر ایک شخص گناہ سے توبہ کرکے دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کا ثواب دیتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی توبہ کی برکت سے اور گناہوں کی بھی معافی ہو جائے جیسے ایک شخص شرابی زانی ہو تو وہ اگر زنا سے توبہ کرے اور شراب نوشی سے باز نہ آئے تو اُس کے گناہ کی توبہ درست ہے باآنکہ وہ دوسرے گناہ کا مرتکب ہے ۔
اور معتزلہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جب ایک گناہ کا مرتکب ہے اور ایک سے تائب تو یہ توبہ صحیح نہیں جب تک تمام کبائر سے مجتنب نہ ہو اور یہ محال ہے۔ اس لئے کہ ہر گناہ پر جس کا بندہ مرتکب ہوتا ہے اس پر اسے عذاب ضرور ہے۔ تو جب بندہ ترکِ معصیت کرے تو اسے اس کے عذاب سے بےغم ہونا بھی ضروری ہے اور ترکِ معصیت اس کی طرف سے توبہ ہوتی ہے اور یہ بھی ہے کہ جب بندہ بعض فرض ادا کرے اور بعض ترک کر دے تو لازمی طور پر جو ادا کئے جائیں وہ ماجور ہے اور جو ترک کیا ہے اس میں ماخوذ۔ اور اگر کسی کو گناہ کرنے کے آلہ موجود نہ ہو اور اس پر اس گناہ کی طرف اصرار بھی نہ ہو اور پھر وہ اس کے ارتکاب سے توبہ کرے تو لازمی وہ تائب ہوگا ۔
اس لئے کہ توبہ کا ایک رُکن ندامت ہے تو اگر اسے اپنے پہلے کئے پر ندامت ہوتی ہے تو یہ اس فعل سے روگردانی کے مرادف ہے اور اگر وہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے اسباب موجود ہیں تو وہ ایسی حالت میں عہد کرتا ہے کہ میں اس گناہ کی طرف نہ جاؤں گا ۔ تو یہ بھی بڑی توبہ ہے۔ اور توبہ

کے اوصاف اور صحت میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ التوبۃ ان لا تنسیٰ ذنبک توبہ یہ ہے کہ تائب اپنے کئے ہوئے گناہ کو نہ بھولے اور اس سے ہمیشہ پریشان رہے حتیٰ کہ اگر اس کے عمل صالح زیادہ ہوں تو ان پر غرور بھی نہ کرے۔ اس لئے کہ برے کام پر افسوس کرنا اعمال صالح پر مقدم ہے اور جو شخص گناہ نہیں بھولتا وہ کبھی نیکیوں پر غرہ بھی نہیں کرتا۔

اور جنید رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت اس طرف ہے کہ التوبۃ ان تنسیٰ ذنبک توبہ یہ ہے کہ تائب اپنے گناہ کو بھی بھول جائے۔ اس لئے کہ تائب محب ہوتا ہے اور محب مشاہدہ میں ہوتا ہے اور مشاہدہ کی حالت میں گناہ کا تصور برا ہوتا ہے اور پھر عرصۂ وفا میں گناہ کا ذکر وفا سے حجاب ہوتا ہے۔ اور یہ مشاہدہ اور مجاہدہ میں نہیں ہونا چاہئے۔ اس کی تفصیل مذہب سہلیہ میں دیکھنی چاہئے۔ ان کے مذہب میں تائب کو بذاتِ خود قائم کہتے ہیں اور اس کے گناہ کو فراموش کر دینے کو غفلت مانتے ہیں اور جو تائب کو قائم بحق مانتے ہیں۔ وہ گناہ کے ذکر کو بھی شرک بتاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر تائب باقی الصفۃ ہو تو اس سے عقدۂ اسرار حل نہیں ہوتا اور اگر فانی الصفۃ ہو تو ذکر صفت اس کے لئے جائز نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تبت الیک۔ یعنی میں تیرے حضور توبہ کی۔ یہ قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بحالتِ بقاء صفت تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا احصی ثناء علیک یعنی تیری ثنا کا احصا نہیں ہو سکتا۔ یہ بیان فنا صفت کی حالت میں تھا۔

غرض کہ مقام قربت میں ذکر وحشت وحشت ہوتا ہے اور تائب کو چاہئے کہ اپنے آپ گناہ کا تصور نہ لائے اور جب وہ تصور معصیت بھی نہ آنے دے گا تو اسے گناہ کس طرح یاد آ سکتے ہیں۔ درحقیقت اس مقام پر اپنے گناہ یاد کرنا بھی گناہ ہے۔ اس لئے کہ یہ مقام روگردانی ہے جیسے گناہ روگردانی کا مقام ہے اور اس کے غیر کا ذکر بھی ویسا ہی ہے جیسے ذکر جرم خود جرم ہوتا ہے بنا بریں گناہ بھولنا بھی جرم ہے۔ اس لئے کہ ذکر اور فراموش کا تعلق توبہ سے ہے اور جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت کتابیں پڑھیں لیکن مجھے کسی سے اتنا فائدہ نہ ہوا جتنا اس بیت سے ہوا۔

اذا قلت ما اذنبت قالت مجیبۃ

حیوتک ذنب لا یقاس بہ ذنب

جب میں نے کہا۔ میں نے گناہ نہیں کیا تو مجھے جواب ملا۔ تیری زندگی ایسی بے گناہ ہے جس پر کسی گناہ کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ جب دوست کا وجود ہی حضور دوست میں گناہ ہے تو اس کے وصف کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔

غرضکہ توبہ تائید ربانی سے ہوتی ہے اور گناہ افعال جسمانی سے۔ جب دل پر ندامت ہو تو بظاہر کوئی ذریعہ نہیں ہوتا کہ دل کی ندامت کو دور کرے اور جب ابتداء فعل میں اس کی ندامت کو روک نہیں سکتی تو انتہا میں کیونکر روک سکتی ہے نہ اس کا فعل توبہ کا نگہبان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔ تو توبہ کی آدم نے اس پر بے شک ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور قرآن کریم کی نصوص میں اس کی بہت نظیریں ہیں کہ ان کے بیان کی ضرورت نہیں۔ توبہ تین طریق پر ہوتی ہے۔ ایک خطا سے صواب کی طرف ایک صواب سے صواب کی طرف۔ ایک اپنی ہستی سے حق تعالیٰ کی طرف۔

خطا سے صواب کی طرف یہ ہے جو ارشاد ہوا۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم۔ وہ لوگ جو کر بیٹھے بے شرمی یا ظلم کر گزرے اپنے نفسوں پر اور اللہ کی یاد کر کے گناہ معاف کرالیں۔

اور صواب سے صواب کی طرف وہ توبہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے کی تبت الیک یعنی میں نے تیری طرف رجوع کیا۔

اور اپنی ہستی سے حق تعالیٰ کی طرف وہ توبہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور فرمایا وانہ لیغان علی قلبی وانی کنت لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ۔ بیشک میرا دل حجاب میں آجاتا ہے اور میں ہر دن میں اپنے رب سے ستر بار استغفار کرتا ہوں اور ارتکاب خطا مذموم ہے اور خطا سے رجوع لصواب محمود ہے۔ یہ توبہ عام ہے اور اس کا حکم ظاہر ہے اور راہ صواب میں رہ کر اس پر قائم رہنے کی آرزو کرنا صواب سے ثواب کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اسے اہل ہمت نے پسند کیا ہے یہ خاص توبہ ہے۔

اور یہ محال ہے کہ خاص آدمی گناہ سے توبہ نہ کریں۔ عام طور پر سب جانتے ہیں کہ جسمان رویت حق کی حسرت کرتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام اس آرزو کو پیش کر کے توبہ کر رہے ہیں اس

کی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے یہ آرزو اپنے اختیار سے کی اور محبت کے رابطہ میں اختیار بھی آفت ہے تو اس اختیار کے ترک کے لئے آپ نے توبہ کی۔ اور اپنی ہستی سے رجوع بحق کرنا یہ محبت کا درجۂ اتم ہے جیسے اونچے مقام کی آفت کے باعث اونچے مقام پر کھڑا ہونے سے توبہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ کا تعلق ترقی پر تھا تو جس مقام پر تھے اُسے بلند ہی مجبور رہتے تھے۔ جب اس سے آگے بڑھے تو پہلے مقام سے استغفار فرمائی۔ واللہ اعلم بالصواب

فصل جب بندہ مستقل عہد کرلے کہ پھر گناہ کی طرف رجوع نہ کرے گا تو اس کی توبہ کیلئے تائید شرط نہیں۔ اگر تائب پر کوئی آفت نفس آجائے کہ پھر گناہ کی طرف رجوع کرلے بعد اس کے کہ پہلے صحیح عہد کرچکا ہو تو صواب توبہ کے حکم میں آجائے گا اور یہ تائبوں میں مبتدی ایسے ہوتے ہیں کہ توبہ کرتے ہیں پھر خواہش نفسانی کا فساد غالب آتا ہے اور بُرائی کی طرف رجوع ہوجاتے ہیں۔[1]

اور یہ ایک واقعہ بھی ہے کہ ستر بار توبہ کرکے رجوع بفساد ہوا اور اکہترویں بار توبہ پر قائم ہوا۔
حضرت ابوعمر نے جنید رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میں نے ابتدا میں ابوعثمان حیری کی مجلس میں توبہ کی اور کچھ دن اس پر قائم رہا کہ دل میں معصیت کی خواہش غالب ہوئی تو ابوعثمان حیری کی صحبت سے علیحدہ ہوکر گناہ کی طرف مائل ہوگیا۔

جب مجھے حیری نظر آتے میں ان سے نظر چرا کر بھاگ جاتا۔ اتفاقاً ایک روز اُن سے ملا۔ اُنھوں نے مجھے فرمایا۔ بیٹا دشمنوں کی صحبت اچھی نہیں۔ جب تو دشمن کی عیب جوئی سے آنکھ بند کرکے خود عیب کرنے لگتا ہے دشمن خوش ہوتا ہے اور جب تو اس سے بچتا ہے وہ غمگین ہوتا ہے۔ اگر تو گناہ سے بچنا چاہتا ہے تو میرے پاس آتا کہ میں تیری آفت معصیت اُٹھاؤں اور دشمن کو ذلت جب ہی ہوسکتی ہے جب تو اس کا دم نہ بھرے۔

تو میں نے عرض کیا حضور اب میرا دل گناہ سے سیر ہوچکا ہے اور توبہ کی طرف اب صحیح طور پر آتا ہوں۔
یہ بھی مشہور ہے کہ ایک شخص نے گناہ سے توبہ کی پھر اسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ پھر نادم ہوا۔ ایک روز اس نے اپنے جی میں کہا کہ اگر میں پھر توبہ کرکے ادھر جاؤں تو میرا کیا حال ہوگا۔ تو اس کے کان میں ہاتف غیبی کی آواز آئی۔ اطعتنا فشکرناک ثم ترکتنا فامھلناک فان عدت الینا قبلناک

---

[1] بقول شاعر، گناہ بھولے سے مری اب معصیت بھی عار کرتی ہے ÷ مری توبہ سے توبہ توبہ استغفار کرتی ہے۔ (مترجم)

تو نے ہماری اطاعت کی ہم نے تجھے پسند کیا۔ پھر تو نے بیوفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا۔ ہم نے تجھے مہلت دی۔ اگر پھر توبہ کرے تو ہم قبول کریں گے۔

اب ہم اقوال مشائخ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فصل حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں توبۃ العوام من الذنوب توبۃ الخواص من الغفلۃ عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے۔ اس لئے کہ عوام کی بازپرس ان کے ظاہری اعمال پر ہوگی اور خواص سے ان کے باطنی معاملہ سے اس لئے کہ غفلت عوام کے لئے نعمت ہے اور خواص کے لئے حجاب۔

حضرت ابوحفص حداد فرماتے رحمۃ اللہ علیہ۔ لیس للعبد فی التوبۃ شئ لان التوبۃ الیہ لامنہ۔ بندہ کو توبہ سے کچھ فائدہ نہیں اس لئے کہ توبہ حق کی طرف سے بندہ کو ہے نہ بندہ کی طرف سے حق کو۔ اس قول کے مطابق چاہئے کہ توبہ مکتسب نہ ہو بلکہ وہبی ہو مواہب الٰہی سے۔ اس قول کا تعلق مذہب جنیدیاں سے ہے۔

اور حضرت ابوالحسن بوشنجہ فرماتے ہیں۔ التوبۃ اذا ذکرالذنب ثم لا یجد حلاوتہ عند ذکرہ فھو التوبۃ یعنی توبہ یہ ہے کہ جب گناہ یاد آئے تو اس کی لذت دل میں نہ پائے (بلکہ نفرت آئے) اس لئے کہ گناہ کا ذکر یا اس کی حسرت کے ساتھ ہوگا یا اس کی طرف ارادہ کے ساتھ۔ تو جو کسی کو حسرت وندامت معصیت سے ہو تو وہ تائب ہے۔ اور اگر بارادۂ معصیت گناہ یاد کرے تو عاصی ہے۔ اس لئے کہ گناہ کے ارتکاب میں اتنی آفت نہیں ہوتی جتنی اس گناہ کی خواہش میں ہے اس لئے کہ وہ گناہ کرنا ایک وقت پر ہے اور اس کی خواہش ہمیشہ رہتی ہے۔ تو جو ایک ساعت جسم کے ساتھ ارتکاب گناہ کرے وہ اسی وقت تک محدود ہے اور اس کی خواہش اگر کرے تو وہ مستمر ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں التوبۃ توبتان توبۃ الانابۃ وتوبۃ الاستحیاء فتوبۃ الانابۃ ان یتوب العبد خوفا من العقوبۃ وتوبۃ الاستحیاء ان یتوب حیاء من کرمہ۔ توبہ دو طرح پر ہے ایک توبۂ انابت دوسری توبۂ استحیاء۔ توبہ انابت وہ ہے کہ بندہ خوف عذاب حق تعالیٰ سے توبہ کرے اور توبۂ استحیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور شرم سے توبہ کرے اور اس کے کرم کی امید رکھے تو

خوف کے ذریعہ جو توبہ ہے اس میں جلالت حق کھل جاتی ہے اور حیا کی توبہ نظارۂ جمال سے ہوتی ہے۔ تو ایک توبہ جلالت شانی کے خوف سے ہوتی ہے۔ اور ایک جمال کے مشاہدہ میں نورِ حیا سے مستنیر ہو کر ہوتی ہے۔

ان دونوں میں سے ایک شکر میں ہوتا ہے دوسرا محض مدہوش۔ چنانچہ اہلِ حیا سکر میں ہوتے ہیں۔ اور اہلِ خوف صحو میں۔ اس بحث میں بہت سی باتیں ہیں جسے میں اسی پر ختم کرتا ہوں وباللہ التوفیق۔

کشفِ حجاب پنجم، نماز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا واقیموا الصلوٰۃ نماز قائم رکھو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم اور نماز یعنی ذکر و انقیاد ہے۔ از روئے لغت اور فقہا کی اصطلاح میں عبادتِ مخصوص مراد ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ پانچ نمازیں پانچ وقت میں ادا کرو اس میں داخل ہونے سے پہلے اس کی شرائط ہیں۔ اوّل طہارت نجاستِ ظاہری سے اور طہارتِ باطنی شہوت سے۔ دوسرے کپڑا پاک ہونا نجاستِ ظاہر سے اور باطن یعنی حرام سے۔ تیسرے جگہ کا پاک ہونا ظاہر میں حادثات اور آفات سے اور باطن میں فساد اور گناہ سے۔ چوتھے رو بقبلہ ہونا۔ قبلۂ ظاہر یعنی کعبہ کی طرف اور قبلہ باطن عرش اور قبلہ سے مشاہدۂ مقصود۔ پانچویں قیام ظاہر میں بحالتِ استطاعت اور قیام باطن باغِ قربت میں بشرطیکہ ظاہر شریعت سے وقت میں داخل ہو۔ اور باطن درجۂ حقیقت میں ہو۔ چھٹے جناب حق میں خلوصِ نیت سے متوجہ ہونا۔ ساتویں تکبیر ہیبت و فنا کے مقام میں کہنا اور محل وصل میں قرأت آہستہ ترتیل و عظمت سے کرنا اور رکوع بخشوع اور سجدہ عاجزی و فروتنی سے ادا کرنا اور تشہد جمعیتِ خاطر سے پڑھنا اور فنا کی صفت سے پورا کرنا حدیث میں آیا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وفی جوفہ ازیز کازیز المرجل یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا فرماتے تو آپ کے جوفِ مبارک سے دیگ کے جوش کی آواز آتی۔ اور جب امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نماز کا ارادہ فرماتے تو آپ کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور حیا سے سر نکالتے ہوئے کانپتے اور فرماتے کہ یہ امانت ادا کرنے کا وقت ہے جس کی برداشت

سے زمین و آسمان سے عاجز ہوئے۔

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے حاتم اصم سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہیں۔ فرمایا جب وقت نماز آتا ہے ایک ظاہری وضو کرتا ہوں اور ایک باطنی۔ ظاہری پانی سے اور باطنی توبہ سے۔ پھر میں مسجد میں جاتا ہوں تو خانہ کعبہ میرے سامنے ہوتا ہے اور مقام ابراہیم دونوں ابروؤں کے درمیان اور داہنے بازو پہ بہشت کرتا ہوں اور بائیں پر دوزخ اور پل صراط زیر قدم لاتا ہوں اور ملک الموت کو اپنے پیچھے تصور کرتا ہوں۔ پھر تکبیر بالتعظیم کہتا ہوں اور باادب قیام کرتا ہوں اور قرأت خوفناک حالت میں۔ اور رکوع با تواضع اور سجود بتضرع اور جلسہ حلم اور وقار سے اور سلام شکر کے ساتھ وباللہ التوفیق۔

فصل جاننا چاہئے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ مرید ابتدا تا انتہا اس سے راہ حق پاتا ہے اور نماز ہی میں اُسے اُس کے مقامات کا کشف ہوتا ہے جیسے مرید کو اس سے بجائے طہارت توبہ طلبی ہے۔ اور اطاعت کی بجائے قبلہ شناسی۔ اور مجاہدہ نفس کی بجائے قیام و دوام اور ذکر بجائے قربت اور تواضع بجائے رکوع۔ اور معرفت نفس بجائے سجود اور امن بجائے تشہد اور تجنب عن الدنیا بجائے سلام اور بند مقامات سے باہر آنا۔

اسی وجہ میں معمول تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام اکل و شرب سے تجنب فرماتے اور کمال حیرت سے محل شوق کے طالب ہوتے اور صرف ایک مذہب سے متعلق ہوتے تو فرماتے ارحنا یا بلال بالصلوٰۃ۔ اے بلال ہمیں نماز و اذانِ نماز سے خوش کر۔

اور مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کے اس میں بہت کلام ہیں۔ اور ہر ایک گروہ اپنے اپنے درجہ پر اپنا مقام بیان کرتا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے نماز آلۂ حضوری ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے نماز آلۂ غیبت ہے۔ اور بعض غائب ہو کر نماز میں حاضر ہوئے ہیں اور جو حاضر ہوئے ہیں وہ نماز میں غائب ہوئے جس طرح علم عقبیٰ میں رویت کے وقت جو لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے غائب سے حاضر ہو جائیں گے اور جو حاضر ہوں گے وہ غائب ہو جائیں گے۔

اور میں علی عثمان جلابی رضی اللہ عنہ کا بیٹا کہتا ہوں کہ نماز امر حق تعالیٰ ہے۔ نہ آلۂ حضور ہے نہ آلۂ غیب۔ اِس لئے کہ امر کسی چیز کا آلہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ حضور کی علت میں حضور ہے اور غیبت

کی علت میں غیبت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم کسی چیز سے تعلق کا سبب نہیں۔ کیونکہ اگر نماز آلہ حضور ہے تو چاہئے تھا کہ بدکار نمازی بدکاری نہ کرتا اور اگر نماز علت غیبت ہوتی تو لازمی تھا کہ غائب اس کے ترک سے حاضر ہوتے اور غائب کو اس کی ادا اور ترک سے عذر نہ ہوتا تو نماز کو بذات خود غلبہ ہے اور غیبت وحضور میں وہ محدود نہیں۔

چنانچہ اہل مجاہدہ واستقامت اکثر نماز پڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں جیسے مریدوں کو حکم دیتے ہیں کہ رات دن میں چار سو رکعت ادا کرتا کہ بدن کو عبادت کا خوگر بنالے اور اہل استقامت بھی بارگاہ حق میں عبادت قبول ہونے کے شکرانہ میں بہت نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ باقی رہے اصحاب حال۔ یہ دو طرح پر ہیں۔

ایک گروہ ہے جس کی نماز کمال مشرب میں بجائے مقام جمع کے ہوتی ہے اور وہ اس کے ذریعہ مجتمع ہوتے ہیں اور دوسرا گروہ ہے جس کی نماز میں نقصان مشرب میں بجائے مقام تفرقہ کے ہوتی ہے اور وہ اس کے ذریعہ متفرق ہوتے ہیں۔ تو جو لوگ مقام جمع میں رہ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ وہ دن رات نماز میں رہتے ہیں۔ علاوہ فرائض وسنن ان کی طرف سے نفلیں ادا ہوتی رہتی ہیں اور جو لوگ تفرقہ میں ہوتے ہیں فرائض وسنت کے سوا اور زائد نہیں پڑھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جُعِلَتْ قُرَّةُ عَینِی فِی الصَّلٰوۃِ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔ گویا فرمایا میری تمام خوشی نماز میں ہے۔

اس لئے کہ مشرب اہل استقامت نماز میں ہی ہے اور وہ ایسے ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے گئے اور مقام جمع وتقرب پر پہنچایا تو آپ کا نفس دُنیا کے بند سے چھڑایا گیا اور دل کے مقام پر پہنچایا اور دل جان کے درجہ پر اور جان سر کے درجہ پر اور سر درجہ فنا سے مقام محویت میں تھا اور نشانہ بے نشان اور مشاہدہ ذات میں مشاہدہ سے غائب ہوا اور معائنہ سے دُور ہوئے اور شرف انسانی پراگندہ ہوا اور مادہ نفسانی حل اور قوئی طبعی نابود ہوئے تو شاہدات ربانی اپنی ولایت میں ظاہر ہوئے اور آپ سے آپ میں رہے اور معنی معنی کو پہنچے اور مکاشفہ لم یزل میں محو ہوئے اور اپنے اختیار سے باہر ہو کر راہ شوق اختیار کر کے عرض کیا۔ الٰہی مجھے اس بلاخانہ میں واپس نہ لے جا اور قید ہوا میں نہ ڈال۔ حکم ہوا کہ ہمارا فرمان یہی ہے کہ آپ دنیا میں واپس جائیں اور

قانونِ شرع قائم کریں اور جو کچھ آپ کو ہم نے یہاں دیا ہے وہاں بھی ملے گا۔

چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ کے دل میں اس مقامِ معلّٰی کا شوق بار بار آتا تو فرماتے ارحنا یا بلال بالصلوٰۃ اے بلال ہمیں اذان اور صلوٰۃ کی آواز سے مسرور کر چنانچہ ہر نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معراج اور تقرب تھی۔ خلقت کی نگاہ میں آپ کو نماز میں دیکھتیں درحقیقت آپ کی جانِ پاک مع دل کے نیاز میں اور سرراز میں ہوتے تھے اور بدن مبارک سوز و گداز میں اس وجہ سے آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہوئی اور تنِ پاک ملک میں جانِ پاک ملکوت میں اس لئے کہ تن انس ہے اور جان اُنس

حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں علامۃ الصدق ان یکون لہ تابع من الحق اذا دخل وقت الصلوٰۃ یبعث علیھا وینبہ ان کان نائما علامتِ صدق یہ ہے کہ منجانب اللہ اس پر فرشتہ بطور گماشتہ مقرر ہو۔ جب وقتِ نماز آئے تو وہ بندہ کو ادائے نماز کے لئے ذکر بیدار کر دے اگر وہ سو رہا ہو اور یہ علامت سہل عبداللہ میں تھی۔ اسی وجہ میں وہ پیرزمانہ ہوئے آپ کا یہ حال تھا کہ نماز کے اوقات میں آپ تندرست ہو جاتے اور جب فارغ ہوتے تو وہیں رہ جاتے۔

مشائخ میں سے ایک شیخ فرماتے ہیں یحتاج المصلی الی اربعۃ اشیاء فناء النفس وذھاب الطبع وصفاء السر وکمال المشاھدۃ۔ نماز کے لئے چار باتیں ضروری ہیں بغیر ان کی خاطر جمع نہیں ہوتا۔ فناء النفس، صفاء السر، ذہابِ طبع، مشاہدہ کمال۔ جب خاطر جمع ہو جاتی ہے ولائت نفس تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا وجود تفریق ہے۔ وہ عبارت میں نہیں آسکتا۔ جب طبیعت دفع ہو جائے تو اثباتِ جلال حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ اثباتِ جلال حق زوالِ غیر کے بغیر نہیں۔ صفاء سر بغیر محبت نہیں ہو سکتا اور کمال مشاہدہ بجز صفاء سر نہیں۔

مروی ہے کہ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ رات دن میں چار سو رکعت فرائض مقررہ کی طرح ادا فرماتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور اتنی محنت آپ کیوں کرتے ہیں۔ آپ تو مقربِ خاص ہیں فرمایا یہ تمام رنج و راحت تمہارے حال میں ہے اور جو فانی الصفت ہو گیا ہو اس میں رنج و راحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کاہلی اور سستی کا نام کمال نہیں اور حرص کو طلب کہنا صحیح نہیں۔

ایک نے کہا کہ میں نے اقتدائے ذوالنون میں نماز گذاری جب پہلی تکبیر اللہ اکبر کہی تو ایسا بیہوش ہو کر گرا گویا تن میں جان ہی نہیں۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ جب ضعیف ہوئے تو جوانی کے اوراد سے ایک ورد بھی ترک نہ کیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔حضور آپ ضعیف ہو گئے ہیں لہٰذا بعض عبادات نافلہ ترک فرما دیجئے۔ فرمایا جو چیزیں ابتداء میں اللہ کے فضل سے میں نے حاصل کیں محال ہے کہ اب انتہا میں چھوڑ دوں۔

مشہور ہے کہ فرشتے ہمیشہ عبادات میں ہیں اور ان کا مشرب ہی طاعت حق ہے۔ ان کی غذا عبادت ہے اس لئے کہ وہ روحانی ہیں اور ان کا نفس نہیں جو انھیں طاعت سے منحرف کرے۔ اس لئے کہ مانع عبادات نفس ہوتا ہے۔ جس قدر وہ مقہور کر دیا جائے بندگی کا راستہ آسان ہی آسان ہو جاتا ہے۔ جب نفس فانی ہو جاتا ہے تو بندہ کی غذا، اس کا مشرب صرف عبادت ہو جاتا ہے۔ جیسے فرشتوں سے فنائے نفس کی وجہ میں عبادت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں نے بچپن کے زمانہ میں ایک عورت عابدہ کو دیکھا کہ نماز میں اس کے جسم پر بچھو نے چالیس جگہ ڈنک مارا مگر اس کے چہرے پر تغیر نہیں آیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو میں نے کہا۔ اماں جان آپ نے اُسے دُور کیوں نہ کر دیا وہ فرمانے لگیں صاحبزادے تم بچے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کے کام میں اپنا کام کرنا جائز ہے۔

حضرت ابوالخیر اقطع کے پائے مبارک میں مرض آکلہ ہو گیا (یہ ایسا خبیث مرض ہے کہ گوشت گل کر گرتا ہے اور اس کا علاج سوائے قطع کے نہیں ہوتا) طبیبوں نے پاؤں کاٹنا تجویز کیا۔ آپ نے منظور نہ فرمایا۔ مریدوں نے کہا جب شیخ ابوالخیر نماز میں ہوں اس وقت پاؤں کاٹا جائے۔ اس لئے کہ اس حال میں آپ کو اپنی خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پیر کٹا ہوا پایا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے تو قرأت ہلکی آواز سے کرتے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بلند آواز سے قرأت کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے اس کا سبب پوچھا۔ صدیق نے جواب دیا۔ یسمع من اناجی وہ سننے والا ہے جس کے حضور میں مناجات کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اوقظ الوسنان واطرد الشیطان

سوتوں کو جگانا چاہتا ہوں اور شیطان کو بھگانا۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدیق تم کچھ اونچی کرو اور عمر تم کچھ قرأت ہلکی کرو یعنی میانہ آواز میں قرأت کیا کرو۔ تو بعض گروہ جو نوافل پوشیدہ کرتا ہے اور فرائض ظاہر کر کے پڑھتا ہے اس میں ان کی منشا ریا سے بچنا ہوتا ہے۔ جب کسی عمل میں ریاکاری آجائے تو وہ عمل ضائع ہوجاتا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ ہماری عبادات و ریاضات اگر ایسی صورت میں ہوں کہ خلق دیکھے تو یہ بھی ریا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ریا باطل ہے اور طاعت حق میں محض باطل کے خوف سے حق پوشیدہ کرنا محال ہے تو ریا کو دل سے دور کرنا چاہئے اور عبادت سراپا اعلانیہ جب چاہے کرنی چاہئے۔

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس سال سفر کیا۔ کوئی نماز جماعت کے سوا نہیں گذاری۔ اور ہر جمعہ کو قصبہ میں رہا۔

غرضکہ اس کے حکم شمار میں نہیں آتے اور جو نماز میں ہے وہ مقام محبت میں ہوتا ہے۔ اب ہم اس کے حکم کا بیان کرتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز۔

سولھواں باب

محبت اور متعلقات محبت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اور فرماتا ہے ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من اھان لی ولیاً فقد بارزنی بالمحاربۃ وما ترددت فی شئی کترددی فی قبض نفس عبد المؤمن یکرہ الموت واکرہ مسائتہ ولابد لہ منہ وما یتقرب عبدی بشئی احب الی من اداء ما افترضت علیہ ولایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت لہ سمعا وبصرا ویدا ومؤیدا اور فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے یہ بھی کہا من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ اور فرمایا اذا احب اللہ العبد قال لجبریل یا جبریل انی احب فلانا فاحبہ فیحبہ جبریل ثم یقول جبریل لاھل السماء ان اللہ تعالیٰ قد احب فلانا فاحبوہ اھل السماء ثم یضع لہ القبول فی الارض فیحبہ اھل الارض وفی بعض الروایات مثل ذالک یعنی جس نے میرے ولی کی اہانت کی اس نے مجھ سے لڑائی کی جرأت کی اور میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جیسا کہ میں بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں۔ وہ موت کو مکروہ جانتا ہے میں اس کے لئے برائی کو مکروہ جانتا ہوں حالانکہ وہ اس کے لئے ایک نہ ایک وقت لابدی ہے اور اسے ادائے فرض سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں جو میرے بندے کو مجھ سے نزدیک کرے اور ہمیشہ بندہ ادائے فرض سے میرے ساتھ قرب حاصل کرتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور یہ بھی فرمایا من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقائہ جو اللہ سے ملنا پسند کرے اللہ اس

سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا پسند نہ کرے اللہ اس سے ملنا پسند نہیں کرتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوست بناتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ میں فلاں کو اپنا دوست بناتا ہوں تو بھی اُسے دوست رکھ تو جبریل علیہ السلام اسے محبوب کرتے ہیں اور آسمان والوں کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو دوست رکھتا ہے پھر آسمان والے اُسے دوست رکھتے ہیں۔ پھر زمین بھر میں وہ مقبول ہو جاتا ہے اور ایسی روایتیں چند جگہ ہیں۔

اب سمجھ لو کہ محبت الٰہی بندہ کے حق میں اور بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو دوست ہیں انہیں اللہ تعالیٰ بھی دوست رکھتا ہے بلکہ اس کے دوستوں کو بھی محبوب رکھتا ہے اور لغوی تحقیق یہ ہے کہ محبت ماخوذ حبہ سے ہے بکھرجا اور وہ ان بیجوں کو کہتے ہیں جو صحرا میں زمین پر گر جاتے ہیں تو حب کو حب اسی لئے کہتے ہیں کہ اہل محبت انہیں میں سے ہیں۔ جیسے نبات صحرا انہیں دانوں میں ہوتی ہے جس طرح تخم صحرا میں بکھیرا جاتا ہے اور خاک میں پنہاں ہو جاتا ہے۔ پھر بارشیں اس سے کونپلیں نکالتی ہیں اور آفتاب اسے گرم کرکے سرما و گرما کے موسم میں اسے سرسبز رکھتا ہے اور اس پر کوئی تغیرات اثر انداز نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ ان کا موسم آتا ہے۔ وہ اگتی ہے اور پھول پھل لاتی ہے ایسے ہی محبت دل میں مسکن پکڑتی ہے اور حضور و غیبت' بلا و محنت' راحت و لذت' فراق و وصال سے متغیر نہیں ہوتی اس معنیٰ میں یہ شعر خوب ہے ؎

یامن سقام جنونہ لسقام عاشقہ طبیب

حرث المودت خاستوی عندی حضورک والمغیب

اے وہ ذات کہ اس کی بیماری جنون اس کے عاشق کی طبیب ہے۔ جاری ہو گئی دوستی تو برابر ہے میرے نزدیک حضور و غیب۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حب ایسی حب (گھڑے) سے مشتق ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہو۔ باہر کے چشمے کا پانی اس میں نہ آسکے اور اندر کا پانی اس کا مانع ہو۔ ایسے ہی دوستی ہے کہ جب طالب کے دل میں آجائے اور بھر جائے تو بجز حدیث دوست اس کے دل میں کسی غیر کی جگہ ہی نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے خلیل علیہ السلام کو خلعت خلت سے ایسا نوازا کہ انہیں خدمت حق تعالیٰ کے سوا کسی کی گنجائش نہ تھی اور تمام عالم ان سے محبوب تھا۔ حتیٰ کہ اس ایک ذات کی محبت میں دشمن بھی محبوب تھا۔ اللہ جل

گفتار نے ان کی ہم کو خبر دی اور فرمایا۔ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی تحقیق وہ میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین۔

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سمیت المحبۃ لانھا تمحو من القلب ما سوی المحبوب۔ محبت کا نام محبت اس لئے رکھا گیا کہ وہ دل سے ماسوائے محبوب کے سب کو مٹا دیتی ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حب نام ان چار لکڑیوں کا ہے جو چوکھٹے کی شکل میں جوڑ کر اس پر پانی کا کوزہ رکھتے ہیں اس لئے کہ محبت، عزت، ذلت، رنج، راحت، بلا، محنت، جفا و وفا، دوست کے تحمل کا نام ہے اور وہ محبت کرنے والے پر گراں نہیں ہوتے تو اس کا کام وہ ہے جو لکڑی کے چوکھٹے کا کام ہے کہ چاروں جڑ کر بوجھ کوزے کا اٹھاتی ہیں۔

تو محبت کی ترکیب اور پیدائش دوست سے برداشت کرنے کو ہوتی ہے۔ اس پر کسی نے کہا ہے ؎

ان شئت جودی وان ماشئت فامنعی

کلاھما منك منسوب الی الکرام

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حب سے مشتق ہے اور اس کی جمع حبہ ہے اور حبۂ دل محل لطیف ہے اور قوام دل اس کے ساتھ ہے اور اقامت محبت بھی اسی سے ہے تو محبت کو اس کے نام کی جگہ حب کہتے ہیں اس لئے کہ اس کا قرار حبۂ دل میں ہے اور عرب عموماً ہر چیز کا نام اس کے موضع کے نام پر کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ماخوذ ہے حباء الماء وغلیانہ عند المطر الشدید یعنی پانی کے جوش سے اور اس کے ابلنے سے تیز بارش کے وقت تو محبت کو حب اس لئے کہتے ہیں لانہ غلیان القلب عند الاشتیاق الی لقاء المحبوب کہ اس کا جوش دل میں اس اشتیاق پر ہوتا ہے کہ وہ محبوب سے ملے اور اشتیاق رویت دوست میں مضطرب ہوتا ہے جیسے اجسام ارواح کے لئے مشتاق ہوتے ہیں۔ یا جیسے قیام جسم روح پر ہوتا ہے اور قیام دل محبت کے ساتھ اور قیام محبت رویت و وصل محبوب سے اس معنی میں کسی نے کہا ہے ؎

اذا تمنی الناس روحاً وراحۃ　　　تمنیت ان القاك یا عز خالیاً

اور یہ بھی کسی نے کہا ہے کہ حب ایک وہ نام ہے جو دوستی کی صفائی پر موضوع ہے جیسے عرب صفا، بیاض[1] چشم انسان کو حبۃ الانسان کہتے ہیں۔ ایسے ہی صفائی سواد دل کو حبۃ القلب تو یہ ایک محل

---

[1] آنکھ کی سفیدی

محبت ہے اور وہ ایک محل رویت - اسی وجہ میں کہتے ہیں کہ دل اور دیدہ دوستی میں متلازم ہوتے ہیں اور اس معنی میں کسی نے کہا ہے ؎

القلب یحسد عینی لذۃ النظر　　والعین تحسد قلبی لذۃ الفکر

فصل اچھی طرح یاد رکھو کہ محبت کے لفظ کا استعمال علماء کے طبقہ میں چند معنی پر ہوتا ہے ایک بمعنی ارادہ جو محبوب کی طرف ہو جس سے سکونِ نفس یا آرزوئے دل اور جانے نفسانی کا میلان و انس اور تعلق پیدا کیا جائے - یہ تو قدما سے منسوب و نارواہے اور یہ عامۃ مخلوق میں ایک دوسرے ابناء جنس میں ہوتا ہے - اللہ تعالیٰ اس قسم کی محبت اور روابط سے برتر و بالا ہے - تعالی اللہ علوا کبیرا۔

دوسرے محبت بمعنی احسان ہے جو بندہ پر بجانب اللہ وارد ہوتی ہے اور اس سے بندہ برگزیدہ کر لیا جاتا ہے جس کی بدولت وہ کمالِ ولایت حاصل کر لیتا ہے اور گوناگوں کرامتوں سے مخصوص فرما لیتا ہے۔

تیسری قسم بمعنی ثناء جمیل ہے جو بندہ کی کی جائے۔

ایک گروہ متکلمین کا کہنا ہے کہ محبتِ حق کی ہمیں خبر دی گئی ہے - اگر کتاب و سنت کے ذریعہ ہمیں وہ نہ پہنچتی تو اس کا وجود حق تعالیٰ کے ساتھ معلوم کرنا بذریعہ عقل محال تھا - بہر حال ہم اُسے عقیدۃ تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں تصرف کرنے کے معاملہ میں ہم توقف کرتے ہیں اور درحقیقت محبت کا اطلاق حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حقیقتاً صحیح نہیں بلکہ یہ صرف الفاظ ہیں کہ ہم انھیں یاد کرلیں - اور میں تمہیں اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کا جہاں بھی ذکر ہے - یہ اس کی طرف سے ارادہ خیر اور رحمت کرنے کے معنی میں ہے جو بندہ پر کی جائے - اور محبت ایک نام ہے ارادۂ رضا یا الٰہی کا جیسے رضا اور سخط، رحمت اور رافت اور مثل اس کے جو الفاظ بھی اس قسم کے ہیں ارادۂ حق کے سوا کسی جگہ اور معنی نہیں لینے چاہئیں اور ارادت بھی ایک صفت قدیم ہے کہ اُسے مشیت حق کے ساتھ منسوب کر سکتے ہیں تو بطور مبالغہ اظہار مشیت حق میں اس قسم کے الفاظ مستعمل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ محبت الٰہی بندہ کے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ پر نعمتیں کافی وافی نازل فرمائے اور اسے دنیا و عقبیٰ میں ثواب بے نہایت عطا فرمائے - اور عذاب سے مامون کرے اور گناہوں سے

یہ ہے کہ بندہ کو معصیت سے معصوم رکھے (جیسے انبیاء کرام) اور اس کے بلند احوال اور اعلیٰ مقامات کردے۔ اور اس کا رازِ سری اغیار سے پاک فرمائے اور عنایت ازلی اس کے لئے لازم فرمائے تاکہ وہ کل سے مجرد ہو جائے۔ اور طلب رضائے حق میں اُسے منفرد کردے۔

جب اللہ تعالیٰ بندہ کو اس معنی میں مخصوص کرلیتا ہے اور وہ تخصیص اس پر خاص ہو جاتی ہے تو اس کا نام مذہب محاسبی اور جنید میں محبت رکھا گیا ہے اور ایک جماعت اس کی مؤید ہے۔ اور فقہا و متکلمین سنت بھی اس پر ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ محبت حق جل مجدہ بمعنی ثنا جمیل ہے جو بندہ کے لئے اس کے کلام حق نظام سے واضح ہو اور اللہ تعالیٰ کا کلام نامخلوق ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ محبت بمعنی احسان الٰہی ہے وہ بندہ پر منجانب اللہ ہوتا ہے اور معنی کی رو سے یہ سب اقوال باہم قریب المعنیٰ ہیں لیکن بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ سے وہ ہے جو مؤمن مطیع کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور تعظیم و تکریم کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے تاکہ بندہ محبوب کی رضا طلب کرے اور اس کی طلب رویت میں محو اور بے خبر ہو جائے اور آرزو کی قربت میں بے قرار ہو اور اس کے دل میں اس کے سوا کسی کی گنجائش نہ ہو اور اسی کے ذکر میں گم رہے اور اس کے ماسوا سب سے بیزار ہو اور اس کے تصور میں آرام اس پر حرام ہو اور تمام مالوفات و مستانسات منقطع ہو جائیں اور حرص و آز سے اعراض ہونے لگے اور اپنے سلطانِ حقیقی سے دوستی رکھے اور اپنے دوست کے حکم کے آگے گردنِ اطاعت جھکائے رکھے اور اس کے اوصاف کمال کو پہچانے اور یہ روا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت کو باہمی مخلوق کی محبت کی طرح جانے۔ اس لئے اس میں احاطہ و ادراک محبوب کی طرف میلان ہوتا ہے اور یہ صفت اجسام سے ہے۔ محبانِ حق اس کے قرب کی آرزو میں رہتے ہیں نہ کہ طالبانِ کیفیت ذات۔ اس لئے کہ طالب بخود قائم ہوتا ہے۔ دوستی میں اور طالب فنا ہو کر محبوب کے ساتھ قائم ہیں۔ اور عموماً دوستانِ حق میدانِ محبت میں ہلاک و مقہور ہوتے ہیں۔ تو محبت دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک جنس کی جنس سے محبت اور میلان نفس کا وطن کی طرف ہے دوسرے ناجنس کی محبت جس میں محبوب کے اوصاف سے کسی صفت کے ساتھ آرام و انس کرے۔ جیسے جنتی کلام سننا بدونِ آنکھ دیکھنا اور جو گرویدۂ محبت حق ہیں وہ دو قسم ہیں۔

ایک وہ کہ حق کا انعام اور احسان اپنے شاملِ حال دیکھے اور اس کے دیکھنے سے منعم اور محسن کی محبت کا تقاضا ہو۔ دوسرا وہ جو سب انعام کو دوستی کے حق میں حجاب جانے اور نعمت کے دیکھنے سے اُن

کی راہ منعم کی طرف ہو اور یہ راہ منعم سے زیادہ بلند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل لفظ محبت تمام اصناف خلق میں مروج اور تمام بالنوں میں مشہور ہے اور ارباب لغات سے بھی مذکور ہے اور عقلا کی تمام صنفیں اپنے اندر محبت مخفی نہ کر سکے۔ اور اس گروہ کے مشائخ سے سمنون المحب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو محبت کے مسئلہ میں خاص مذہب و مشرب مخصوص رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں محبت راہ حق تعالےٰ میں اصل اصول ہے اور اس کے احوال و مقامات کی منزلیں ہیں۔ اور ہر منزل میں جبکہ طالب اس میں ہو زوال روا ہو سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی محبت میں زوال جب تک طالب اس محل میں ہے روا نہیں ہو سکتا۔ اور تمام مشائخ اس پر متفق ہیں۔

لیکن چونکہ لفظ محبت عام تھا اور ارباب ظاہر نے چاہا کہ اس کے معنی کا حکم خلقت پر چھپائیں تو اس کی تحقیق وجود معنی میں اس کے اسم کو بدل ڈالا۔ چنانچہ انھوں نے صفا محبت کا نام صفوت رکھا اور محب کو صوفی۔ ایک گروہ نے حبیب کا اختیار ثابت کرنے میں محبت کے اختیار کو ترک کرنا ہی فقر بتایا اور فقیر کا نام محب رکھا۔ اس لئے کہ محبت میں درجات میں بہت کم درجہ موافقت ہے اور حبیب کی موافقت لامحالہ حب مخالفت کے برخلاف ہے۔ اور میں نے ابتدا کتاب فقر اور صفوت کا حکم بیان کر دیا ہے اور اسی بارہ میں پیر بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ الحب عند الزھاد اظھر من الاجتھاد یعنی حب زاہدوں کے نزدیک شہرت میں اجتہاد سے زیادہ ظاہر ہے۔ وعند التائبین اوجد من انین وحنین اور تائبوں کے نزدیک نالہ و فریاد سے زیادہ آسان ہے۔ وعند الاتراک اشھر من الفتراک اور ترکوں کے نزدیک ان کی آلہ سواری سے زیادہ مشہور ہے۔ وسبی المحب عند الھنود اظھر من سبی المحمود و زخمہ لھب اور محبت کی قید ہنود کے نزدیک محمود کی قید اور زخم اور لوٹ سے زیادہ شدید ہے وقصۃ الحب والمحب عند الروم اشھر من الصلیب اور قصہ حب و حبیب روم میں صلیب سے ظاہر تر ہے وقصۃ الحب فی العرب ادب فی کل حی منہ طوب او ویل او ھرب اور حزن اور قصہ محبت عرب میں ہر جماعت کے اندر یا خوشی یا غم یا نیکی یا افسوس کے ساتھ موجود ہے۔

ان تمام ضرب الامثال سے یہ مراد ہے کوئی جنس انسان سے نہیں جسے غیب میں کام نہ پڑا ہو کوئی دل ایسا نہیں جس میں فرصت محبت یا زخم محبت نہ ہو اور کوئی ایسا نہیں جس کا دل اس شراب سے مست نہ ہو یا اس کے غلبہ سے مخمور نہ ہو۔ اس لئے کہ دل مرکب ہی اطمینان و اضطراب سے ہے اور عقد

دوستی کی شراب اس میں لازمی ہے بلکہ دل کے لئے محبت طعام و شراب کے بجائے ہے اور جو دل دل از محبت ہے وہ دل دل ہی نہیں بلکہ خراب اور ویرانہ ہے۔ اس کے حاصل کرنے یا دور کرنے میں کسی تکلیف کو راہ نہیں اور نفس کو ان لطائف سے جو دل پر گذرتے ہیں اطلاع نہیں۔

اور عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ نے محبت کے باب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کو جسم سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور مقام قرب میں رکھا اور جانوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرما کر درجۂ وصل میں رکھ کر ہر روز تین سو ساٹھ بار ان پر تجلیٔ جمال فرمایا اور انھیں تین سو ساٹھ بار نظر سے سرفراز کیا اور کلمۂ محبت اُسے سنایا اور تین سو ساٹھ لطیفہ انس اس پر ظاہر و منکشف کیے حتیٰ کہ کائنات پر نگاہ کر کے فیصلہ کیا کہ اپنے سے زیادہ کسی کو اس کا اہل نہ پایا تو اس میں فخر اور غرور پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کا امتحان فرمایا اور سر کو جان میں مقید کیا اور جان کو دل میں اور دل کو تن میں رکھ کر عقل سے انھیں مرکب کیا۔ پھر انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور اپنے احکام بھیجے تو ہر ایک اپنے اپنے مکان میں اسی کا متلاشی ہوا۔ حق تعالیٰ نے انھیں نماز کا حکم دیا تاکہ جسم نماز میں ہو اور دل محبت میں اور جان قربت میں اور سر وصل میں

غرضکہ محبت کے لئے الفاظ نہیں جو عبارت میں لائے جا سکیں۔ اس لئے کہ محبت حال ہے اور حال قال میں نہیں آسکتا۔ اگر سارا جہان مل کر محبت کو اپنی طرف کھینچنا چاہے تو ممکن نہیں اور کوشش کرے کہ اُسے دفع کر دے تو بھی جہان بھر کے قبضہ میں نہیں۔ کیونکہ وہ وہبی چیز ہے نہ کہ کسب کے ذریعہ آتی ہے نہ دفع ہو سکتی ہے۔ وہ الٰہی ہے اور انسان لاہی اور لاہی الٰہی کا ادراک نہیں کر سکتا۔

فصل

لیکن عشق میں مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بندہ کو عشق حق ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کسی پر عاشق ہونا روا نہیں اور بندہ کو حق تعالیٰ سے روکا گیا ہے اور حق تعالیٰ بندہ سے نہیں روکا جا سکتا۔ تو عشق بندہ پر جائز ہے اور حق تعالیٰ پر نہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بندہ کا حق تعالیٰ پر عاشق ہونا بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ عشق نام ہے حد سے متجاوز ہونے کا اور حق تعالیٰ محدود نہیں کہ اس سے تجاوز ہو سکے۔ پھر متاخرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عشق دونوں جہانوں میں درست نہیں ہو سکتا۔ مگر ادراک ذات کا عشق ممکن ہے تو جو مدرک ہو وہ معشوق ہو سکتا ہے اور ذات حق تعالیٰ کا ادراک ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا عشق بھی ممکن

نہیں - اور یہ بھی قول ہے کہ عشق بلا دیدار صورت نہیں ہوتا اور محبت سُننے سے بھی ہو سکتی ہے تو جب عشق نظر سے ہوتا ہے تو حق تعالیٰ پر روا نہیں کیونکہ دنیا میں کوئی حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ جب یہ سمجھ لیا کہ وہ دیکھنے سے بالا ہے تو ہر ایک نے عشق حق کو ممنوع کہہ دیا اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ادراک و حس سے بالا ہے اس لئے اس کا عشق روا نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے افعال و صفات سے احسان کرنے والا ہے اور وہ اپنے دلیوں پر احسان و اکرام فرماتا ہے تو اس کی محبت روا ہوئی اور عشق ممنوع۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حیب یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی جدائی کے سبب مستغرق محبت ہوئے اور نظر جاتی رہی تو جمال فرقت ان کے پیرہن کی بُو پاکر آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اور جب زلیخا کو یوسف علیہ السلام کے عشق نے ہلاک کیا یا جب تک یوسف علیہ السلام کا وصل نہ پایا آنکھیں روشن نہ ہوئیں۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ ایک خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے اور ایک خواہش نفسانی چھوڑتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عشق کی ضد اور حق تعالیٰ کی ضد نہیں اس لئے عشق اس پر جائز ہونا چاہیئے اور اس پر بھی دلائل ہیں لیکن بوجہ اختصار اس پر کفایت کی گئی واللہ اعلم۔

فصل اس گروہ کے مشائخ نے دوستی کی تحقیق میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ انہیں سے کچھ بیان کرتا ہوں۔ تمام کا احصا تو نہیں ہو سکتا تاکہ تبرکاً اس جگہ آجائے۔ انشاء اللہ العزیز

حضرت اُستاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ المحبة محو المحب صفاته واثبات المحبوب بذاته محبت یہ ہے کہ محب اپنی صفتوں کو طلب محبوب میں محو کرے اور محبوب کا اثبات اس کی ذات سے قائم کرے۔ یعنی جب محبوب باقی ہوگا تو محب لازمی فانی ہو جائے گا۔ اس لئے کہ بقاء ذات محبوب غیر محبوب کی نفی کر کے اپنا تصرف مطلق کرے گا اور صفت محبت فنا ہو تو ذات محبوب کے سوا کچھ نہیں رہتا اور یہ ہرگز روا نہیں کہ محبت اپنی صفت میں قائم ہے کیونکہ جو اپنی صفت سے قائم ہوتا ہے وہ جمال محبوب سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور جب یہ جان لیتا ہے کہ اس کی حیات جمال محبوب سے ہے تو وہ بالضرور اسے اپنی صفات کی نفی اور محبوب کی ذات کا اثبات مطلوب ہوگا

اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اپنی صفت ثابت ہونے سے محجوب عن المحبوب ہو جائے گا اور مشہو

ہے کہ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو ان کی زبان سے آخری جملہ یہ نکلے تھے حب الواحد افراد الواحد ایک کی دوستی ایک کو یگانہ ماننا ہے۔ محب کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کی ہستی دوستی کی راہ سے صاف ہو جائے اور نفس کا اختیار اس کی حالت شوق میں ہو اور وہ متلاشی رہے۔

ابو یزید بسطامی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں المحبۃ استقلال الکثیر من نفسک واستکثار القلیل من حبیبک۔ محبت یہ ہے کہ اپنی اکثر کو قلیل جانے اور دوست کی قلت کو کثرت سمجھے اور بندہ کو حق طریقہ سے یہ سمجھنا ضروری ہے۔ اس لئے نعمتِ دنیا کو جو بندہ کو ملتی ہے قلیل فرمایا ہے قل متاع الدنیا قلیل فرما دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ دنیا کی متاع کم ہے اور اس قلیل متاع میں تھوڑی عمر کے باوجود بندہ کی تھوڑی ذات کو بہت فرمایا ہے والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات یعنی ذکر کرنے والے اللہ کا بہت زیادہ اور ذکر کرنے والیاں۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حقیقی دوست اللہ تعالیٰ ہے اور ایسی دوستی خلقت سے صحیح نہیں اس لئے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے بندہ کو ملے وہ کم نہیں اور خلقت سے جو کچھ ہو وہ بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بندہ کی کم یاد کو بہت فرمایا اور اپنی بے حد نعمتوں کو کم کہا۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں المحبۃ معانقۃ الطاعات و مباینۃ المخالفات محبت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت سے معانق رہے اور مخالف امور سے مجتنب رہے اس لئے کہ جب دل میں دوستی کی قوت زیادہ ہوتی ہے تو دوست کا حکم آسان ہو جاتا ہے اور جو ملحدین کا یہ قول ہے کہ بندہ دوستی میں اس درجہ پہ پہنچ جاتا ہے کہ اطاعت اسے معاف ہو جاتی ہے۔ یہ خالص زندقہ ہے۔

اس لئے کہ یہ محال ہے کہ صحتِ عقل کی حالت میں تکلیف کا حکم بندہ سے ساقط ہو جائے۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ شریعت محمدیہ کبھی منسوخ نہیں ہوتی اور جب ایک شخص سے صحتِ عقل کی حالت میں اس شریعت کا حکم ساقط ہونا جائز ہو تو سب سے جائز ہوگا۔ یہ خیال خالص زندیقوں کا ہے البتہ مدہوش اور مغلوب العشق افراد کا اور حکم ہے (جیسے مجذوب) اور معتوہ العقل اور پاگل مجنون یا اس قسم کے دیگر امراض کا عذر۔ لیکن یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو دوستی میں یہ آزادی دے کر اطاعت کی تکلیف سے اسے مستثنیٰ کر کے حکم اطاعت اس پر ساقط کر دے۔ بلکہ جتنی محبت زیادہ

قوی ہوگی اطاعت کرنے کی اتنی ہی توفیق اس پر آسان ہوگی ۔

یہ حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حال میں ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ نے لعمرک فرما کر جانِ پاک کی قسم یاد فرمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات دن سب کام چھوڑ کر عبادت زیادہ فرمائی حتی کہ پائے اقدس متورم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ کا خطاب ہوا یعنی اے ماہِ کامل ہم نے قرآن کریم تم پر اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ تمہیں مشقت میں ڈالے ۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تعمیل حکم کرتے ہوئے بجاآوری حکم کا خیال نہ رہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ ۔ بے شک میرا دل محجوب ہو جاتا ہے اور میں ہر روز ستر مرتبہ اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور یہ بایں سبب ہوتا تھا کہ حضور اپنے اعمال پر نظر نہیں فرماتے تھے تاکہ اپنی طاعت پر کوئی گمان نہ ہو جائے ۔ بلکہ امرِ حق کی عظمت کی طرف نگاہ فرماتے اور یہ عرض کرتے کہ میرے اعمال اس جناب کے لائق نہیں ۔

سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ذھب المحبون بشرف الدنیا والاخرۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرء مع من احب اللہ کے محب دنیا و آخرت کے شرف کی طرف گئے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت رکھے تو یہ لوگ دنیا اور عاقبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس میں خطا نہیں اگرچہ پہلے ہو گئیں تو دنیا کا شرف وہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور عاقبت کا شرف یہ کہ حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ حقیقۃ المحبۃ مالا ینقص بالجفاء ولا یزید بالبر والعطاء ۔ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جفاء یار سے کم نہ ہو ۔ اور بخشش وعطاء سے زیادہ نہ ہو ۔ یعنی اصل محبت وہ ہے جو ظلم اور سختی سے کم نہ ہو ۔ اس لئے کہ دونوں باتیں محبت میں سبب ہیں اور سببِ وجود اعیان کی نسبت میں کم ہوتے ہیں اور دوست دوست کی بلا پر خوش ہوتا ہے اور محبت کی راہ میں جفا اور وفا برابر ہیں ۔ جب محبت حاصل ہو جائے تو وفا مثل جفا اور جفا مثل وفا ہوتی ہے اور حکایتوں میں مشہور ہے کہ شبلی علیہ الرحمہ کو جنون کی تہمت سے شفاخانہ لے گئے اور آپ کو قابو کیا تو ایک گروہ آپ کی زیارت کو آیا ۔ آپ نے فرمایا من انتم قالوا احباءک فرماھم بالحجارۃ ففروا ۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو ۔ وہ بولے ہم آپ کے دوست ہیں آپ نے انہیں پتھروں سے مارا وہ بھاگ گئے تو حضرت

شبلی نے فرمایا۔ لو کنتم احبائی فلو فررتم من بلائی فاصبروا من بلائی۔ اگر تم میرے دوست ہو تو میری بلا سے کیوں بھاگتے ہو۔ صبر کرو اور بلا سہو۔ کیونکہ دوست دوست کی بلا سے نہیں بھاگتے۔ اس باب میں بہت سے اقوال ہیں لیکن اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کشف حجاب ششم۔ زکواۃ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ اور اس کی مانند آیتیں ہیں یعنی نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔ اور احادیث بھی بہت ہیں اور احکام فرائض ایمان سے ایک زکوات واجب ہے اس پر جس پر واجب ہو جائے اس سے اعراض جائز نہیں۔ لیکن زکوات اتمام نعمت پر واجب ہے جب ۲۰۰ درہم چاندی کی مقدار ہو کہ نعمت تمام ہو جاتی ہے اور وہ نعمت تصرف کسی آدمی کے آجائے تو اس پر پانچ درہم واجب ہیں جب اس پر ایک سال گزر جائے۔ اور بیس دینار طلائی بھی نعمت تمام ہے اس سے نصف دینار ادا کرنا واجب ہے اور پانچ اونٹ بھی کامل نعمت ہے اس پر ایک بکری واجب ہے۔ وقس علیٰ ہٰذا۔ لیکن مرتبہ پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم زکوٰۃ جاھکم کما فرض علیکم زکوٰۃ مالکم۔ اللہ تعالےٰ نے تم پر تمہاری وجاہت کی زکوٰۃ واجب کی ہے جیسے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور حضور نے یہ بھی فرمایا ان لکل شیئٍ زکوٰۃ وزکوٰۃ البیت الضیافۃ۔ ہر شے پر زکوٰۃ ہے اور گھر کی زکوٰۃ مہمانداری ہے اور اصل میں زکوٰۃ نام ہے ادائے شکر کا جو اس نعمت کی جنس سے ہو۔

چنانچہ تندرستی بھی ایک نعمت ہے تو جسم کے ہر عضو پر زکوٰۃ ہے۔ وہ اس طرح کہ اپنے تمام اعضا کو عبادت میں مشغول رکھے اور لہو و لعب اور کھیل تماشہ میں ضائع نہ کرے تاکہ نعمت الٰہی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے پھر باطنی نعمت پر بھی زکوٰۃ لازم ہے لیکن چونکہ یہ نعمت ایسی بلند و بالا ہے کہ اس کی حقیقت کا شمار نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کی زکوٰۃ ویسے ہو سکتی ہے کہ انسان نعمت کو پہچانے اور اسے نعمت جانے کہ وہ حد شمار سے باہر ہے تو اس کا شکر بھی حد شمار سے زیادہ کرے اور وہ شکر گزار ہی ہے۔

مگر صوفیائے کرام کے یہاں دنیاوی نعمت کی زکوٰۃ دینا پسندیدہ نہیں۔ اس لئے کہ بخل

پسند نہیں کرتے اور بخل کامل سے جو بہت بُری صفت ہے دو سو درم ایک سال تک تحت تصرف رکھنے والا ہی پانچ درم ادا کرے گا اور اہل کرم اتنا مال جمع ہی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ پاس ہو سب خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اور سخی کے پاس مال جمع نہیں ہو سکتا تو پھر وہ حد زکوٰۃ تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

حکایت

ایک ظاہری عالم امتحاناً حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کرنے آیا کہ زکوٰۃ کیسے ادا کی جانے آپ نے جواب دیا کہ جب بندہ میں بخل ہو اور مال جمع ہو جائے تو دو سو درم چاندی سے پانچ درم دینا چاہیئے اور بیس دینار طلائی سے آدھا دینار۔ یہ تو تیرے مذہب کا مسئلہ ہے اور میرے مذہب میں تو کچھ ملک میں رکھنا ہی نہیں چاہیئے تاکہ زکوٰۃ سے بچا رہے۔ عالم نے کہا اس مسئلہ میں آپ کا امام کون ہے۔ شبلی نے فرمایا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں میرے امام ہیں کیونکہ ان کے پاس جو کچھ تھا سب اللہ کی راہ میں دے دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا ماخلفت لعیالک ابوبکر تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا تو آپ نے عرض کیا۔ اللّٰہ ورسولہٗ۔ اللہ اور رسول کافی ہیں۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے قصیدہ میں فرمایا ؎

فما وجبت علی زکوٰۃ مال وھل یجب الزکوٰۃ علی الجواد

مجھ پر زکوٰۃ واجب نہیں اور بخشش کرنے والے سخی پر زکوٰۃ کیا واجب ہو۔ تو اہلِ جود و کرم کا مال خرچ ہو جاتا ہے اور ان کا خون بھی معاف ہوتا۔ وہ نہ تو مال سے بخل کرتے ہیں اور نہ خون پر جھگڑتے ہیں اس لئے کہ وہ کسی چیز کو اپنی ملک نہیں جانتے لیکن اگر کوئی جہالت سے یہ کہے کہ جب میرے پاس مال ہی نہیں تو میں علم زکوٰۃ کی کیوں پروا کروں۔ یہ اس کا کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور علم سے بے پروائی کرنا کفر۔ فساداتِ زمانہ سے ایک یہ بھی فساد ہے کہ لوگ صلاحیت اور فقر کے مدعی ہیں اور اپنی جہالت سے علم چھوڑ دیتے ہیں۔

میں مبتدیانِ جماعت متصوفہ کو پڑھا رہا تھا۔ ایک جاہل بھی آکر بیٹھ گیا۔ میں زکوٰۃ میں اونٹ کا ذکر کر رہا تھا اور بنت لبون بنت مخاض اور حقہ کے احکام بتا رہا تھا۔ اس جاہل کو ناگوار گزرا وہ تنگ آکر اٹھ گیا اور کہنے لگا میرے پاس اونٹ ہی نہیں تو بنت لبون وغیرہ کا علم میرے لئے کس کام کا ہے میں نے کہا اے جاہل یہ اچھی طرح یاد رکھ کہ جس طرح زکوٰۃ دینے کے لئے علم کی ضرورت ہے اسی طرح

لینے کے لئے بھی علم چاہئے کیونکہ اگر کوئی تجھے بنت لبون دے اور تو اُسے لے تو اس وقت بھی تجھے علم کی ضرورت ہے۔ ترکِ علم سے یہاں بہت نقصان ہے۔

اسلام میں اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور اُسے مال سے مناسبت نہ ہو تو بھی اس سے فرضیت علم ساقط نہیں ہوتی۔ فنعوذ باللہ من الجہل۔

فصل مشائخ صوفیا سے اکثر ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے زکاۃ لی ہے اور ایسے بھی ہیں جنہوں نے زکاۃ نہیں لی۔ جنہوں نے فقر خود اختیار کیا ہے وہ زکوٰۃ نہیں لیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مال نہیں لیتے تاکہ ہم پر زکوٰۃ واجب نہ ہو جائے اور دنیاداروں سے بھی ہم زکوٰۃ نہیں لیتے کہ اس سے ان کا ہاتھ اونچا اور ہمارا ہاتھ نیچا ہوتا ہے اور جو فقرا اضطرار میں ہوتے ہیں تو وہ اگر لیتے ہیں تو اپنی ضرورت کے لئے نہیں لیتے بلکہ اس لئے لیتے ہیں کہ ہمارے یہاں مسلمان سے فرض ادا ہو جائے تو اس صورت میں انہیں کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے نہ کہ دینے والے کا اور اگر دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا تو لینے والے کا نیچا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان بے معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ویاخذ الصدقات" اور لیتے ہیں زکوٰۃ

تو چاہئے تھا کہ زکوٰۃ دینے والا لینے والے کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتا اور یہ اعتقاد میں گمراہی ہے تو اونچا ہاتھ وہی ہے جو مسلمان بھائی سے کچھ بحکم وجوب لے تاکہ اس کا بوجھ اس کی گردن پر نہ رہے۔ یہ درویش حقانی ہیں۔ اگر درویش حقانی اہلِ دنیا سے نہ لیں تو ان پر فرض حکم بدستور رہے اور بروز قیامت گرفتار ہوں تو اللہ تعالیٰ نے حقانی درویشوں کو تھوڑی سی ضروریات سے امتحان کیا تاکہ دنیادار لوگ فرضیت کا بوجھ اپنی گردن سے اُتار سکیں۔ تو ثابت ہوا کہ فقر کا ہاتھ اونچا ہے اور وہ بمطابق حکم شرعاً اپنا حق لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق اس پر واجب تھا۔

اگر لینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا جیسا کہ اہلِ ظواہر سمجھتے ہیں تو اس صورت میں پیغمبران اولوالعزم کے ہاتھ بھی نیچے ہوتے۔ بنابریں ان کا یہ خیال غلط ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ انھوں نے جو لیا ہے وہ بامر حق لیا ہے اور ائمہ دین نے بھی یہی طریق جاری رکھا ہے تو وہ غلطی پر ہیں یعنی لینے والے کا ہاتھ نیچا اور دینے والے کا اونچا سمجھتے ہیں اور یہ بحث چونکہ باب جود و سخا سے متعلق ہے اس لئے میں کچھ بیان اس کے متعلق کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

سترھواں باب

جود وسخا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں السخی قریب من الجنۃ وبعید من النار و البخیل قریب من النار وبعید من الجنۃ۔ سخی جنت کے قریب اور جہنم سے بعید ہے اور بخیل جہنم سے قریب اور جنت سے بعید ہے اور فرمایا کافر سخی عند اللہ افضل من مومن بخیل۔ کافر سخی اللہ کے نزدیک مومن بخیل سے افضل ہے۔ اور علماء کے نزدیک جود و سخا دونوں ایک معنی میں ہیں لیکن مخلوق کی صفت ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو جواد کہہ سکتے ہیں سخی نہیں۔ اس لئے یہ نام اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمایا نہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں بیان کیا۔ پھر اجماع اہلسنت نے کبھی یہ نام روا نہ رکھا۔ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں عالم آتا ہے اسے عالم کہتے ہیں لیکن عاقل فقیہ نہیں کہہ سکتے ۔ اگرچہ عالم عاقل فقیہ تینوں نام قریب قریب ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ جواد ہے تو اس میں توصیف ہے دوسرے نام سے وہ پکارا نہیں جا سکتا کہ اس میں توصیف نہیں ہے۔ بعض نے جواد اور سخی کا یہ فرق بیان کیا ہے کہ سخی وہ ہے جو بخشش کرتے وقت خویش و بیگانہ میں تمیز کرے۔ دوست دشمن میں امتیاز رکھے اور اس میں کوئی سبب یا غرض ملحوظ ہو اور یہ جود کا ابتدائی مقام ہے۔ اور جواد وہ ہے کہ دیتے وقت اپنے بیگانہ میں فرق نہ کرے اور اس کا دینا بے غرض اور بے سبب ہو اور یہ شان دو پیغمبروں میں خاص تھی۔ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

احادیث میں ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مہمان نہ آجاتا۔ آپ کھانا تناول نہ فرماتے۔ ایک دفعہ تین روز تک کوئی مہمان نہ آیا۔ اتفاقاً ایک کافر آپ کے دروازے سے گذرا اس سے پوچھا تو کون ہے۔ اس نے عرض کیا کافر ہوں۔ آپ نے فرمایا چلا جا تو میری مہمانی کے لائق نہیں۔ اسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ خلیل جسے میں نے ستر سال پالا تو نے ایک روٹی اسے نہ دی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاتم کی اولاد سے ایک لڑکا آیا۔ حضور نے اسے چادر بچھا دی اور فرمایا اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ۔ جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آئے تو اس کی عزت کرو۔

جس نے تیزی اور کافر و مومن میں فرق کیا وہ خلیل اللہ علیہ السلام تھے ان کا درجہ سخاوت تھا۔ اور جنہوں نے کافر زادہ کو چادر بچھائی یہ مقام جود ہے۔ اس ضمن میں بہترین یہ ہے جو کہا ہے کہ جود متابعت خاطر ہی میں تھا۔ جب خاطر ثانی دل پر غالب آجائے تو وہ علامت بخل ہے اور ارباب تحصیل و تحقیق پہلی خاطر کو نہ رنگ رکھتے ہیں۔ بہرحال خاطر اول حق سے ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ نیشاپور میں ایک سوداگر مرید تھا جو ہر روز شیخ ابو سعید کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز شیخ نے کسی درویش سے کچھ سوال کیا۔ اس سوداگر نے عرض کیا۔ میرے ایک دینار ہے اور سونے کا ٹکڑا۔ تو اس کے دل میں آیا کہ دینار دوں۔ پھر اس نے سوچا ریزۂ زر ہی دے دوں۔ تو اس نے ریزۂ زر دے دیا۔ پھر جب شیخ سے گفتگو ہوئی تو اس نے پوچھا کیا حق تعالیٰ سے تنازعہ کرنا جائز ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ تو نے حق تعالیٰ سے تنازعہ کیا ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دینار دے اور تو نے ریزۂ زر دیا۔

یہ بھی مروی ہے کہ شیخ ابو عبداللہ رودباری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید کے یہاں تشریف لے گئے وہ موجود نہ تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کے گھر کا سامان بازار میں لے جایا جائے۔ جب مرید گھر میں آیا تو دیکھا سب سامان بازار جا چکا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور خاموش رہا۔ کیونکہ اسے شیخ کا خوش رکھنا منظور تھا۔

جب اس کی عورت گھر میں آئی اور یہ حال دیکھا تو گھر میں جا کر اپنے کپڑے بھی اتار دیئے اور کہا کہ یہ بھی گھر کا اسباب ہے۔ اس کا بھی وہی حکم ہے جو متاع خانہ کا تھا۔ گھر والے نے اس پر اعتراض کیا اور بولا یہ تکلف اختیاری ہے۔ جو تو نے کیا۔ عورت بولی جو کچھ شیخ نے کیا وہ اس کی جود تھی۔ مجھے بھی اب چاہئے کہ میں بھی اپنی ملک نفس پر تکلف کروں تاکہ میرا جود بھی ظاہر ہو۔ مرد بولا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن جب ہم نے شیخ کو اپنے جود پر تسلیم کر لیا تو وہ ہمارا شیخ کے حوالے کر دینا ہماری مین جود ہے اور جود آدمی کی صفت میں تکلف اور مجاز ہوتا ہے اور مرید کو ہمیشہ چاہئے کہ اپنی ملک اور نفس کو حکم الٰہی کے متابعت میں خرچ کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ الصوفی دمہ هدر و ملکہ مباح صوفی

وہ ہے کہ اس کا خون معاف ہوا پس اس کی ملک مباح اور شیخ ابو مسلم فارسی سے میں نے سنا کہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے ایک جماعت سے مل کر حجاز کا ارادہ کیا اور نواح حلوان میں قوم کرد نے ہمارا راستہ روک لیا اور ہمارے تمام کپڑے چھین لئے۔ ہم نے اُن سے مقابلہ نہ کیا اور سوچا کہ اگر ہم مقابلہ نہ کریں گے تو یہ ہم سے خوش ہوں گے۔

ہمارے ساتھیوں میں ایک شخص بہت بے قرار ہوا۔ کرد نے اُس پر تلوار سونتی اور اسے قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ ہم سب نے اُس کرد سے سفارش کی۔ مرد نے کہا کسی طرح جائز نہیں کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ یہ جھوٹا ہے میں اسے ضرور قتل کروں گا۔

ہم نے کرد سے پوچھا یہ کیسے جھوٹا ہے۔ کرد نے کہا یہ صوفی نہیں ہے اور صوفیوں میں رہ کر خباثت کرتا۔ ایسا آدمی نابود کر دینا لازمی ہے۔ ہم نے کہا اسے آپ نے صوفی کس طرح نہیں مانا۔ کرد نے جواب دیا کہ صوفی مردوں کا خاصہ جود ہے اور اس کے لباس میں چند چیتھڑے اور پیوند ہیں یہ اس پر صبر نہیں کر سکتا۔ یہ کیونکر صوفی ہو سکتا ہے کہ اپنے یاروں میں اتنا جھگڑتا ہے۔ ہم مدتوں سے تمہارا کام کر رہے ہیں اور تمہارا راستہ لوٹ رہے ہیں اور تمہارے تعلقات قطع کرتے ہیں۔ تم کبھی ملال نہیں کرتے۔

روایت ہے کہ عبداللہ بن جعفر ایک گروہ کی چراگاہ میں پہنچے اور حبشی غلام کو دیکھا کہ بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے کہ ایک کتا آیا اور اس حبشی کے آگے بیٹھ گیا۔ اس نے روٹی نکالی اور کتے کے آگے ڈال دی۔ اس نے پھر چاہی۔ حبشی نے دوسری روٹی ڈال دی۔ پھر تیسری روٹی ڈال دی

عبداللہ فرماتے ہیں۔ میں اس کے پاس گیا اور کہا اے غلام تیرا روزانہ کا کھانا کتنا ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ اتنا ہی ہوتا ہے جو تم نے دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تو نے سب کتے کو کیوں دے دیا۔ غلام نے کہا۔ اس لئے دے دیا کہ یہاں کتے نہیں اور یہ کہیں دور سے یہاں آیا ہے۔ مجھے اچھا معلوم نہ ہوا کہ اس کی محنت ضائع کروں۔ آپ فرماتے ہیں مجھے اس کی یہ بات پسند آئی اور وہ چراگاہ اور بکریاں اور غلام خرید فرما کر اس غلام کو آزاد کیا اور اسے وہ چراگاہ اور بکریاں عطا فرمائیں۔ غلام نے آپ کو دعا دی اور بکریاں صدقہ کر دیں اور چراگاہ کی زمین وقف کر کے خود چل دیا۔

ایک مرد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر آیا اور سوال کیا۔ اے ابن رسول اللہ چار سو درہم مجھ پر قرض ہیں۔ حضرت امام نے چار سو درہم اسے عطا فرما دیئے اور گھر میں روتے ہوئے

تشریف لے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور رونے کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا۔ میں نے اس سائل سے دریافت کرنے میں غفلت کی جس کی وجہ سے اسے سوال کرنا پڑا۔

حضرت ابو سہل صعلوکی کبھی کسی درویش کے ہاتھ پر صدقہ نہ دیتے اور جو کسی کو بخشش فرماتے کسی کے ہاتھ میں دینے کی بجائے زمین پر رکھ دیتے تاکہ وہ خود اٹھا لے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور اس میں کیا حکمت ہے۔ فرمایا۔ دینار کی وہ قدر نہیں جو کسی مسلمان کے ہاتھ کی مجھے عزت ہے۔ اگر میں کسی کے ہاتھ میں دوں تو میرا ہاتھ اونچا اور محتاج کا ہاتھ نیچا ہوگا اور یہ مجھے گوارہ نہیں۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہ حبش نے دو من مشک پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کا سب پانی میں ڈال دیا اور اپنے صحابہ کرام کے مل دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سائل حضور کی خدمت میں آیا۔ حضور نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی تھی وہ بکریوں سے بھر کر اُسے عطا فرمادیں۔ وہ اپنی قوم میں آیا اور پکارا یاقوم اسلمو اے میری قوم جلدی مسلمان ہو جا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بخشش فرماتے ہیں کہ اپنے درویش ہونے کا خوف نہیں کرتے۔

اور حضرت انس ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک روز حضور کی خدمت میں ہزار درم آئے۔ آنحضور نے انھیں کمل مبارک پر ڈلوالا اور وہاں سے جب اُٹھے تو سب تقسیم ہو چکے تھے اس پر حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں میں نے حضور کی طرف نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ بھوک کی وجہ سے شکم اقدس پر پتھر بندھا ہوا تھا۔

میں نے متاخرین سے ایک درویش دیکھا کہ بادشاہ نے اُسے تین سو درم زرِ خالص بھیجے۔ اس نے وہ لیے اور گرمابہ میں چلا گیا۔ واپس آیا تو تمام کے تمام درم گرم آبہ والے کو دے کر چلے گئے۔

ایسی بہت سی روایتیں مذہب نزدیاں کی ہیں جس سے ایثار واضح ہوتا ہے لیکن میں اس پر اختصار کرتا ہوں واللہ تعالیٰ اعلم

کشف حجاب ہفتم۔ روزہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام الآیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الصوم لی وانا اجزی بہ

روزہ میرے لیے ہے اور میں روزہ دار کا بدلہ ہوں۔

روزہ ایک باطنی عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے کہ ظاہر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور کسی غیر کو اس سے کوئی حصہ نہیں۔ اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا بھی بے حد رکھی۔ اور کہتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہونا رحمت سے ہے اور عبادت کا درجہ اور علو دبجزا روزہ یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انا اجزی بہ فرما کر بتایا۔

اور حضرت جنید فرماتے ہیں الصوم نصف الطریقۃ روزہ نصف طریقت ہے اور اکثر مشائخ کرام کو دیکھا گیا کہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور بعض کو دیکھا کہ وہ صرف رمضان میں روزہ رکھتے ہیں اور صرف رمضان ہی میں روزہ رکھنا ترکِ اختیار اور اجتناب ریا کے واسطے ہے۔

اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ اکثر روزہ رکھتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ جب کھانا سامنے آیا کھا لیتے ہیں اور یہ مطابق سنت ہے۔

اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ ہر دو ازواج مطہرات نے عرض کیا انا قد خبانا لك حیسا قال صلی اللہ علیہ وسلم اما انی کنت ارید الصوم ولکن قربیہ ساصوم یوما مکانا ہم نے حضور کے لیے حیس تیار کیا ہے (حیس گوشت کے شوربہ میں روٹی بھگونے کو کہتے ہیں) حضور نے فرمایا میں نے آج روزہ کا ارادہ کیا تھا لیکن لاؤ آج کی بجائے کل روزہ رکھ لیں گے اور ہم نے دیکھا کہ حضور ایام بیض یعنی تیرہ چودہ پندرہ قمری تاریخوں میں اور عشرہ محرم میں حضور ہمیشہ روزہ رکھتے۔ اور رمضان و شعبان میں بھی روزہ رکھتے اور میں نے دیکھا کہ صوم داؤد بھی رکھتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خیر الصیام فرمایا اور صوم داؤدی اس طرح ہوتے ہیں کہ ایک روز روزہ ایک روز افطار ہو۔

ایک بار میں حضرت احمد بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا تو حلوے کی رکابی ان کے سامنے رکھی تھی اور آپ کھا رہے تھے۔ انھوں نے مجھے بھی اشارہ فرمایا۔ میں نے لڑکپن کی عادت کے مطابق عرض کیا میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ انھوں نے پوچھا کیوں میں نے عرض کیا۔ فلاں صاحب جو روزہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا۔ خلقت کو ایک دوسرے کے مطابق کرنا درست نہیں تو میں نے روزہ افطار کر [illegible] نے ان کی موافقت ترک کی ہے

زبیری موافقت ہی ذکر ہیں ہم مخلوق میں سے ایک بندہ ہوں کیونکہ یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اور حقیقت میں روزہ بند رہنے کو کہتے ہیں اور تمام طریقت اس میں پوشیدہ ہے اور بہت کم درجہ کا روزہ یہ ہے۔ بزرگوں کا قول ہے الجوع طعام اللہ فی الارض۔ بھوک زمین میں خدا کا کھانا ہے اور بھوک کو تمام لوگ عقل و شرع کی رو سے پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک ماہ تو سال بھر میں ہمیشہ روزہ فرض ہے۔ اور ہر ایک عاقل بالغ مسلمان تندرست اور مقیم پر وہ جب فرض ہوتا ہے جب چاند ماہ رمضان کا دیکھ لے اور ہلال ماہ شوال تک رہتا ہے اور ہر روزہ کے واسطے نیت لازم ہوتی ہے۔

لیکن بند رہنے کے لیے بہت سی شرطیں ہیں۔ جیسے پیٹ کو شراب و طعام سے بند رکھنا آنکھوں کو شہوات سے بند رکھنا۔ کانوں کو غیبت سننے سے اور زبان کو فساد اور بے ہودہ بکنے سے۔ بدن کو متابعت دنیا سے اور مخالفت شرع سے۔

پھر یہ شخص واصل روزہ دار ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا صمت فلیصم سمعك و بصرك ولسانك ویدك وکل عضو جب تو روزہ رکھے تو چاہیے کہ اپنے کان اور آنکھ اور زبان اور ہر عضو کو منہیات سے بند کرے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع والعطش۔ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور میں علی بن عثمان جلابی رضی اللہ عنہ ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک مجھے کچھ ہدایت فرمایئے۔ حضورؐ نے فرمایا احبس حواسك اپنے حواس بند رکھو اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حواس بند رکھنا پورا مجاہدہ ہے۔ اس لیے کہ تمام علم انہیں حواس خمسہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک دیکھنا دوسرا سننا تیسرا چکھنا چوتھا سونگھنا پانچواں چھونا اور یہی پانچوں علم اور عقل کے شہسوار اور سالار ہیں اور انہیں پانچ کے واسطے جگہ خاص ہے۔ ایک تمام بدن میں پھیلا ہوا ہے۔ آنکھ تمام دیکھنے کے مقام پر ہے کہ وہ موجود چیز اور رنگت کو دیکھتی ہے۔ کان سننے کے مقام پر ہے جو خبر اور آواز سنتے ہیں۔ اور زبان ذائقہ کا مقام ہے مزہ بے مزہ معلوم کرتی ہے۔ ناک سونگھنے کا مقام ہے۔ خوشبو بدبو کو پہچانتی ہے۔ اور چھونے کے لیے کوئی عضو مخصوص نہیں۔ یہ تمام بدن میں پھیلی ہوئی ہے جس سے نرم سخت و گرم سرد معلوم ہو سکتا ہے۔ اور علوم سے کوئی ایسا نہیں جسے آدمی حاصل نہ کر سکے اور ان حواس خمسہ کے ذریعے حاصل نہ ہو۔ مگر

بدیہی اور الہامی جو منجانب اللہ عطا ہوئی ہیں انہیں آفت روا نہیں۔

ان حواسِ خمسہ میں صفائی اور کدورت بھی ہے جیسے جیب کے علم اور عقل اور روح کو اس میں گنجائش ہے ویسے ہی نفس اور ہوا کو اس میں گنجائش ہے کیونکہ یہ آلت میں اطاعت و گناہ اور سعادت و شقاوت میں مشترک ہیں۔ تو حق تعالیٰ کی ولایت کان آنکھ اور دیکھنے سننے میں ہے۔

نفس کے لیے جھوٹ، سننے، شہوت، چھونے، ذائقہ اور سونگھنے میں اور امر کے موافق سنت کی متابعت ہے۔ نفس کے لیے فرمان اور شریعت حق کے خلاف۔

تو چاہیئے کہ روزہ دار ان سب حواس کو قابو میں رکھتا کہ جب تک روزہ ہو مخالفت سے موافقت میں آجاتے اور محض کھانے پینے سے روزہ رکھنا بوڑھوں عورتوں اور بچوں کا کام ہے۔ نفسانی مشرب اور دنیاوی اُمور سے روزہ رکھنا مردوں کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ہم نے انہیں جسم نہیں دیا تاکہ کھانا نہ کھائیں۔ اور یہ بھی فرمایا۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے۔ یعنی سب کو ہم نے کھانے کا محتاج نہیں کیا اور مخلوق کو کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا۔ تو حرام اور کھیل سے روزہ رکھنا لازمی ہے نہ کہ حلال کھانے سے۔

مجھے تعجب ہے اس پر جو نفلی روزہ رکھے اور فرض کو ترک کر دے۔ اس لیے کہ فرض کا اعادہ کرنا گناہ ہے اور دائمی روزہ رکھنا سنت ہے۔ فنعوذ باللہ من قسوۃ القلب۔ پھر ہم دل کی سیاہی سے خداوند کریم سے پناہ چاہتے ہیں اور اگر کوئی شخص گناہ سے بچ جائے تو وہ ہر حال میں روزہ دار ہے کہتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ جس روز سے پیدا ہوئے روزہ دار ہوئے۔ اور جس دن دنیا سے رحلت فرمائی اس دن بھی روزہ سے تھے۔ لوگوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ (یعنی ان کا وقتِ ولادت سے وقتِ رحلت تک روزہ دار ہونا کیسے سمجھ میں آسکتا ہے) تو بتایا کہ جس روز ان کی ولادت ہوئی صبح کا وقت تھا۔ انہوں نے مغرب کی نماز تک دودھ نہ پیا اور جب دنیا سے وداع ہوئے تو اس حال میں بغیر خورد و نوش تھے۔

یہ روایت ابو طلحہ مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی لیکن روزِ وصال سے یعنی صائم الدہر ہونے کہ حضورؐ نے [illegible] رکھتے دیکھا تو خود بھی ممانعت

کرنی چاہی تو حضور نے منع فرما دیا۔ اور کہا انی لست کاحدکم انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی۔ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں میں اپنے رب کے پاس شب باش رہتا ہوں اور وہ مجھے کھانے پینے کو دیتا ہے۔ تو ارباب مجاہدہ کہتے ہیں یہ منع فرمانا شفقتاً تھا یہ حرمت تحریمی نہیں تھی۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ صوم وصال کرنا خلاف سنت ہے لیکن حقیقت میں وصال خود محال ہے۔ اس لیے کہ جب دن گزر گیا تو رات کو روزہ نہیں ہوتا اور جب رات کو روزہ سے ملا دیا جائے تو بھی وصال نہیں ہو سکتا۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے کہ آپ پندرہ روز کے بعد کھانا تناول فرماتے اور جب ماہ رمضان المبارک آتا تو عید تک کھانا تناول نہ فرماتے اور ہر رات چار سو رکعت نفل ادا کرتے۔ یہ آپ کی کرامت تھی اس لیے کہ یہ طریقہ طاقت بشری سے ورا ہے اور بغیر خدائی عطا کے یہ طاقت نہیں آسکتی۔ وہ ایک امداد غیبی ہے جو بمنزلہ غذا ہوتی ہے۔ ایک وہ ہے جس کی غذا دنیا کا کھانا ہوتا ہے۔ ایک وہ ہے جس کی غذا اللہ تعالیٰ کی اعانت محض ہے۔

حضرت شیخ ابوالفرج طاؤس الفقراء صاحب اللمعہ سے مشہور ہے کہ وہ رمضان المبارک میں بغداد میں پہنچے اور مسجد شونیزیہ میں انہیں ایک علیحدہ حجرہ دیا گیا اور وہاں کے درویشوں کی امامت ان کے سپرد کی گئی۔ آپ عید تک ان کی امامت فرماتے رہے اور تراویح میں پانچ قرآن کریم روزانہ ختم فرماتے۔ ہر رات ایک خادم حاضر آتا اور کوٹھڑی کے پاس ایک روٹی دے جاتا۔ جب عید کا دن ہوا تو وہ خادم آپ کے پاس آیا اور دیکھا کہ تیس روٹیاں ویسی ہی رکھی ہوئی ہیں۔ حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت حفص مصیصی کو میں نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں پندرھویں روزے کے سوا کچھ تناول نہیں فرمایا۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک روایت ہے کہ آپ نے رمضان میں شروع سے آخر تک کچھ نہ کھایا۔ مہینہ گرمی کا تھا اور آپ اسی حالت میں گندم کاٹتے تھے اور اس کی مزدوری جو ملتی فقیروں کو تقسیم فرما دیتے تھے اور تمام شب طلوع آفتاب تک نوافل میں مشغول رہتے۔ ایک روز ان کی نگرانی کی گئی تو انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ شب میں سوئے۔

اور حضرت شیخ ابوعبداللہ خفیف کے متعلق روایت ہے کہ جس روز آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی اس وقت تک چالیس چلے لگاتار پورے کئے اور میں نے بیابان میں ایک ضعیف العمر دیکھے کہ وہ سال میں دو چلے پورے کیا کرتے تھے۔ اور دانشمند حضرت ابو محمد بازی جب دنیا سے وداع ہوئے میں ان کی خدمت میں تھا۔ اسی روز آپ نے کچھ نہ کھایا اور آپ کی کوئی نماز بے جماعت ادا نہ ہوئی۔

متاخرین سے ایک درویش تھے جو اتنی روز و شب کچھ نہ کھاتے اور ہر نماز باجماعت ادا کرتے۔ مرد میں وہ ضعیف العمر تھے۔ ایک کا نام مسعود تھا اور دوسرے کا نام شیخ بوعلی سیاح تھا رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بوعلی کی طرف آدمی بھیجا کہ کب تک یہ دعوٰی کرو گے۔ آؤ چالیس روز ایک جگہ بیٹھیں اور کچھ نہ کھائیں پئیں۔ انہوں نے فرمایا آؤ روزانہ تین بار کھائیں پئیں اور چالیس روز ایک وضو رکھیں۔

اس مسئلہ میں جو اشکال ہے وہ دونوں دعووں میں بحالہ قائم ہے جہاں چالیس روز کھانا پینا مشکل ہے وہاں چالیس روز دن میں تین بار کھانا پینا اور ایک وضو سے چلہ پورا کرنا مشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے۔ جاہل لوگ اس سے سند لیکر کہتے ہیں کہ صوم وصال اس سے روا معلوم ہوتا ہے اور طبیب لوگ اس سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن میں اس کی تصریح بیان کرتا ہوں تاکہ اشتباہ صاف ہو جائے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایسا وصال جو فرمان حق تعالیٰ کی اتباع میں خلل انداز نہ ہو کرامت ہے اور کرامت کے لیے خاص محل ہوتے ہیں۔ یہ قوت و استعداد عام نہیں ہوتی۔ جب اس کا حکم عام نہیں تو عوام کو درست نہیں۔ اگر کرامت عام ہوتی تو ایمان بالجبر ہوتا اور عارفوں کو معرفت پر ثواب نہ ہوتا۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزہ تھے انہوں نے صوم وصال فرماکر اہل کرامت کو اس کے ظاہر کرنے سے منع کر دیا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ کرامت کا چھپانا لازمی ہے اور معجزہ کا ظاہر کرنا لازمی ہے اور یہی فرق معجزہ اور کرامت کا ہے۔ جتندی کے لیے اسی قدر بیان کافی ہے۔

ان کی چلہ نشینی کا اصول موسیٰ علیہ السلام کی حالت سے تعلق رکھتا ہے جو ہم کلامی کے مقام میں وارد ہوا۔ جب آپ نے چاہا کہ کلام حق تعالیٰ کانوں سے سنیں۔ حکم ہوا کہ چالیس روز بھوکے رہیں اور تیس روز گزر جانے کے بعد مسواک کریں اور دس روز ٹھہریں تو شرف کلام الٰہی ان کے کان سنیں گے۔ اس لیے کہ جو چیز انبیاء کرام کو ظاہر آجائز ہوتی ہے اولیاء کرام پر وہ خفیہ طور پر ہوتی ہے۔ تو طبیعت قائم رہنے کی حالت میں کلام حق سننا جائز نہیں ہوتا۔ اور چار طبع کے واسطے چالیس روز کھانے پینے کی ترک لازم ہے تاکہ وہ مقہور رہیں اور صفائی محبت اور لطائف روح کے واسطے یہ امور لازم ہیں۔ اور باب الجوع اسی کے موافق ہے اور ہم اس کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اٹھارھواں باب

بھوک اور اس کے احکام

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۔ یعنی البتہ آزمائیں گے تمہیں خوف، بھوک اور نقصان مال اور جان اور ثمرات سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بطن جائع احب الی اللہ تعالی من سبعین عابد عاقل۔ بھوکا پیٹ اللہ کو پیارا ہے ستر عابد عاقلوں سے۔

واضح رہے کہ بھوک کو بڑا شرف ہے اور تمام امتوں اور مذہبوں میں پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ جب دیکھا جائے تو بھوکے کا دل ذکی ہوتا ہے اور طبیعت مہذب اور تندرستی زیادہ خاص کہ جو جتنا بھی کم کھائے وہ ریاضت میں سب سے زیادہ اپنے آپ کو آراستہ کر لیتا ہے لانّ الجوع للنفس خضوع وللقلب خشوع۔ اس لیے کہ بھوک نفس میں خضوع پیدا کرتی اور دل میں عجز و نیاز بڑھاتی ہے۔ بھوکے آدمی کا بدن کمزور ہو جاتا ہے اور دل میں عجز و نیاز اس لیے کہ قوت نفسانی بھوک سے مٹتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیعوا بطونکم واظمؤا اکبادکم واعروا اجسادکم ولعل قلوبکم ترون اللہ عیانا فی الدنیا۔ اپنے شکم بھوکے رکھو اور جگر پیاسے اور بدن لاغر شاید تم دنیا میں اللہ تعالیٰ کا جمال دل کی آنکھوں سے دیکھ لو۔

اگرچہ بدن بھوک سے بلا میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دل کو روشنی ہوتی ہے اور جان میں صفائی اور سر میں لقاء حق کا سودا حاصل ہوتا ہے۔ جب سر کو سودا حاصل ہو جاتے اور جان میں صفائی آجائے، دل میں روشنی آجائے تو تن اگر تنہا بلا میں پڑے تو کچھ نقصان نہیں۔ اور سیر ہو کر کھانے میں کوئی بڑا خطرہ نہیں۔ کیونکہ اگر خطرہ ہوتا تو بیل سیر ہو کر نہ کھاتے۔ اس لیے کہ بیل گائے کا کام سیر

ہو کر کھانا ہے اور بھوکا رہنا بیماروں کا علاج ہے اور یہ بھی ہے کہ بھوکا رہنے سے باطن آباد ہوتا ہے اور سیر ہو کر کھانے سے جوفِ شکم کی آبادی ہے۔

ایک شخص عباداتِ باطن میں عمر بسر کرتا ہے تاکہ خالص اللہ کا ہو جائے اور علائق جات سے علیحدہ رہے تو وہ کب برابر ہو سکتا ہے۔ اس شخص کے جو عمارت بدن اور خواہش نفسانی میں عمر بسر کرے۔ ایک کو دنیا کھانے کے واسطے چاہیئے۔ ایک کو کھانا عبادت کے واسطے۔ ان میں بڑا فرق۔ وإن كان المتقدمون يأكلون ليعيشون وانتم تعيشون لتأكلوا۔ متقدمین اس لیے کھاتے تھے تاکہ زندہ رہیں اور تم اس لیے جیتے ہو کہ کھاؤ۔

الجوع طعام الصديقين ومسلك المريدين وقيد الشياطين بھوک صدیقوں کا طعام ہے اور مریدوں کا راستہ اور شیطان کے قید کرنے کا ذریعہ۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے باہر تشریف لانا اور قربِ حق سے دور ہونا اگرچہ بحکم قضا و قدر تھا لیکن بظاہر ایک لقمہ کے لیے ہی تھا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ بھوک سے جو بیقرار ہو وہ بھوکا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ کھانے کا طالب با خوراک ہوتا ہے اور جسے بھوک کا درجہ ملتا ہے وہ تارکِ طعام ہوتا ہے۔ وہ کھانے سے لگا ہوا نہیں ہوتا۔ جو کھانا موجود ہوتے ہوئے ترک کرے اور بھوک برداشت کرے وہ بھوکا نہیں اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ شیطان کا بند کرنا اور خواہشاتِ نفسانی کا روکنا بغیر بھوک کے رہنے کے ممکن نہیں اور کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ من حكم المريد ان يكون فيه ثلثة اشياء نومه غلبة وكلامه ضرورة واكله فاقة مرید کے لیے تین حکم ضروری ہیں۔ وہ غلبہ کے وقت سوئے۔ ضرورت سے زیادہ کلام نہ کرے۔ کھانا فاقہ بغیر نہ کھائے۔ اب فاقہ کی مقدار بعض کے نزدیک اڑتالیس گھنٹے ہے۔ اور بعض کے نزدیک بہتر گھنٹے اور بعض ایک ہفتہ کہتے ہیں۔ اور بعض چالیس دن بتاتے ہیں اور محققین کہتے ہیں کہ صحیح فاقہ چالیس رات دن میں ہوتا ہے۔ اور اس مدت میں وہ اتنا بلند حوصلہ رہے کہ درمیانی مدت میں جو کچھ اضطرار و اضطراب اور قلق پیدا ہو اسے برداشت کرے۔

اور اللہ تجھے معاف فرمائے۔ یہ اچھی طرح جان لے کہ اہلِ معرفت کی رگیں سب اسرارِ ربانی

[illegible]

کی دلیل ہیں۔ اور ان کے دل اس بلند مقام پر ہوتے ہیں جہاں سے آگے بلندی نہیں۔ ان کے سینوں میں دروازے کھلے ہیں اور عقل اور خواہش نفسانی ان کے محلوں میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ روح تو عقل کی مدد کرتی ہے۔ اور نفس خواہشات کی اعانت میں ہوتا ہے۔

جتنی کہ غذاؤں سے طبیعت کی پرورش ہوتی ہے۔ نفس کو قوت ملتی ہے اور حرص و خواہشات بڑھ جاتی ہیں اور اعضاء میں اس کا تسلط تام ہو جاتا ہے۔ پھر ہر رگ میں اس کا اثر پھیل کر ایک پردہ بن جاتا ہے اور جب غذاؤں کی طلب کم کر دی جائے۔ خواہشات ضعیف ہو جاتی ہیں عقل کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ نفس کا تصرف ٹوٹ جاتا ہے۔ اس وقت اس کے اسرار و دلائل ظاہر ہونے لگتے ہیں اور جب نفس اپنی حرکات سے عاجز ہو جاتا ہے اور خواہشات وجود سے فنا ہونے لگتی ہیں تو ہر باطل ہٹ جاتا ہے اور اظہار حق میں محو ہو جاتا ہے اور مرید کی تمام مراد حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابو عباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ طاعت و معصیت میرے دو گروہ ہیں۔ جب میں کھاتا پیتا ہوں اپنے وجود میں گناہ ہی گناہ پاتا ہوں۔ اور جب کھانا چھوڑ دیتا ہوں تو تمام وجود میں اطاعت و عبادت کی اصل دیکھتا ہوں۔ بھوک کا پھل مشاہدہ ہے اور اس کے لیے مجاہدہ لازمی ہے۔ جب شکم سیری میں مجاہدہ ہو تو وہ با مجاہدہ بھوکا رہنے سے بہتر ہے اس لیے کہ میدان جنگ اور مشاہدہ برابر ہے اور مجاہدہ بچوں کا کھیل ہے۔ فاشبع یشاھد الحق خیر من الجوع یشاھد الخلق۔ یعنی شکم سیری میں مشاہدہ حق بھوکا رہنے کے مشاہدہ سے افضل ہے جس سے مشاہدہ خلق ہو۔ اور اس میں بہت سی حکایتیں ہیں لیکن میں اسی پر اختصار کرتا ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ و باللہ التوفیق۔

کشف حجاب ہشتم، حج

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔ یعنی لوگوں پر اللہ کے لیے حج کرنا لازم ہے جس کے لیے راستہ میں جانے آنے کی طاقت ہو اور کوئی روک نہ ہو۔ فرض میں میں سے ایک فرض حج ہے جو صحت عقل اور بلوغ اور اسلام اور استطاعت علی السبیل کی صورت میں بندہ پر فرض ہے۔

جیسا خسرو علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

... میقات میں احرام باندھنا، عرفات کے میدان میں نویں ذوالحجہ کو پہنچنا ہے۔ اور خانہ کعبہ کا طواف زیارت کرنا ہے بالاتفاق و بلا اختلاف اور سعی صفا و مروہ۔ لیکن حرم میں بغیر احرام جانا ممنوع ہے۔ حرم کو حرم اس سبب سے کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام اور جائے امن ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے دو مقام ہیں۔ ایک جسم کے لیے دوسرا دل کے لیے۔ مقام جسم مکہ معظمہ ہے۔ مقام دل خلت ہے۔ جو ان کے مقام جسمانی کا ارادہ کرے اسے تمام لذات و شہوات سے منہ موڑنا لازمی ہے اور احرام باندھنا بھی ضروری ہے۔ حلال شکار ترک کرنا بھی لازمی ہے اور تمام حواس کا روکنا بھی لازم ہے۔

عرفات میں نویں ذوالحجہ کو حاضر ہونا۔ وہاں سے مزدلفہ جا کر کنکر چننا۔ مکہ معظمہ کا طواف منا میں آکر تینوں روز رہنا۔ رمی جمار کرنا۔ حلق یا قصر کرانا قربانی کرنا۔

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام دل کا ارادہ کرے تو مرغوب چیزوں کا ترک کرنا لذات و راحت کا چھوڑنا۔ اغیار سے ان کے ذکر و افکار سے منہ موڑے۔ اس لیے کہ دنیا کی طرف متوجہ ہونا ایسے راہ میں زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ پھر معرفت کے عرفات میں کھڑا ہو اور مزدلفہ الفت کا قصد کرے۔ پھر سر تنزیہ حق کے طواف میں لے جائے اور خواہشات و خیالات فاسدہ کو اس کے منا میں گا رے اور نفس کو مجاہدہ قربان گاہ میں قربان کرے تاکہ مقام خلت پر پہنچ جائے۔ تو حق کے مقام میں داخل ہونے کے بعد دشمن اور اس کی تلوار سے امن لیتا ہے۔ اور دل کے مقام میں داخل ہونے سے قطع ہونے سے امن ملتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحاج وفد الله يعطيهم ما سالوا يستجيب لهم ما دعوا۔ حاجی خدائی وفد ہیں جو چاہتے ہیں ان کو ملتا ہے اور جو دعا کریں مستجاب ہوتی ہے۔ ایک گروہ پناہ چاہتا ہے۔ نہ دعا مانگتا ہے بلکہ اپنے کو حق تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دیتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ جب ابراہیم کو اس کے رب نے فرمایا کہ فرماں بردار ہو تو عرض کیا میں فرماں بردار ہوا رب العالمین کا۔

اور جب ابراہیم علیہ السلام مقام خلت پر پہنچے تو تعلقات چھوڑ دیئے اور غیر اللہ سے انقطاع فرما لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا مقام خلت پر جلوہ نما ہونا چاہا۔ نمرود کو مقرر کر دیا تاکہ انہیں ملا جائے

سے جدا کر دے آگ دہکائی۔ شیطان کو اس کے کہنے پر انہیں کاٹ کے چرخے میں باندھا اور منجنیق یعنی ڈھینکل کے ذریعے آگ میں پھینکا گیا۔ روح الامین حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ یا ابراھیم ھل لک الیٰ من حاجۃ یعنی ابراہیم آپ کو مجھ سے کسی مدد کی ضرورت ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اما الیک فلا میری حاجت تجھ سے کچھ نہیں۔ جبریل نے عرض کی۔ مجھ سے نہیں تو اپنے رب سے کچھ عرض کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا حسبی من سوالی علمہ بحالی میرے سوال سے پہلے وہ مجھے کافی ہے کہ اسے میرے سوال کا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مجھے آگ میں کس لیے ڈالا جا رہا ہے۔ اس کی مشیت کے مقابل مجھے سوال کرنا ممنوع ہے۔

محمد بن فضل فرماتے ہیں۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا میں اس کا گھر ڈھونڈتا ہے وہ دل میں اس کا مشاہدہ کیوں نہیں چاہتا۔ کیونکہ بسا اوقات گھر نہیں ملتا اور کبھی مل جاتا ہے۔ اور مشاہدہ ہر وقت رہتا ہے۔ جب وہ پتھر جس کی زیارت فرض ہے میں داخل ہے جس پر ایک نظر فرمائی گئی۔ (حجر اسود) تو وہ دل جس پر دن میں تین سو ساٹھ بار نظر فرمائی جائے۔ وہ کیوں اس سے اعلیٰ و افضل نہ ہو۔

چنانچہ اہل تحقیق راہ مکہ سفر میں ہر قدم پر ایک نشان بتاتے ہیں اور جب حرم میں پہنچتے ہیں اس ہر قدم کے بدلے ایک خلعت حاصل کرتے ہیں۔

ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو عبادتوں کا بدلہ اور نیکیوں کا ثواب کل پر چھوڑے وہ آج یہاں عبادت کیوں دکرے۔ جس میں ہر دم کا ثواب اور اجر مجاہدہ اسی وقت حاصل ہے اور جس نے وہی کہا ہے کہ میں نے پہلے حج میں سوائے گھر کے اور کچھ نہ دیکھا۔ دوسری مرتبہ (جب اس نظر و عقیدہ سے حاضر ہوگا تو کہے گا) میں نے بیت اور صاحب البیت کو دیکھا اور جب (اس سے بھی زیادہ شہود حاصل ہوگا تو) تیسری بار کہے گا میں نے صرف صاحب البیت کو دیکھا غرضیکہ جتنا مجاہدہ ہوتا ہے اتنا حرم نہیں ہوتا۔

بلکہ یہ مقام اسے ملتا ہے جس کے دل میں مشاہدہ تعظیم ہو اور جسے تمام جہان چلائے میعاد قرب اور خلوت خانہ انس بنا ہو اسے دوستی سے ابھی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اور جب بندہ مکاشفہ کی حالت میں ہو تو سب جہان اس کے لیے حرم ہوتا ہے اور جب حجاب کی حالت میں ہو تو خود حرم بھی اس کے لیے ظلم کا جہان ہوتا ہے۔ اظلم الاشیاء دار الحبیب بلا حبیب سب سے زیادہ اندھیرا حبیب کے گھر ہوتا ہے جب اس گھر میں حبیب نہ ہو۔ تو مقام خلت میں مشاہدے اور رضا

کی قدر و قیمت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان معنی میں کعبہ معظمہ کا دیدار لازم فرمایا ہے۔ باقی کعبہ کی قدر یا قیمت نہیں مگر مسبب کو بھی سبب سے تعلق لازمی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نہ معلوم کس پہلو سے جلوہ دکھائے اور کہاں سے ظہور فرمائے۔

طالب کی مراد تو صرف مطلوب ہوتا ہے۔ مگر اس کی جلوہ گری نہ معلوم کس سمت سے ہو۔ اسی وجہ میں جنگل اور صحراؤں میں صحرا نوردی مجاہدوں کی ہوتی ہے تاکہ کسی طرح ان کی مراد پوری ہو۔ صرف حرم کا دیکھنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ دوست کا گھر دیکھنا تو حرام ہوتا ہے۔ یہ تو درحقیقت ایک قسم کا مجاہدہ ہے جو شوق دیدار یار بیقرار ہو کر کراتا ہے اور گداز محبت ہے جو دائمی ظہور پر بے چین کرتا ہے۔

ایک شخص حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو۔ اس نے کہا حضور حج کر کے آیا ہوں۔ جنید نے فرمایا۔ تم حج کر کے آئے ہو۔ اس نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل سوالات کیے:۔

جنید۔ جب تو بہ نیت حج گھر سے نکلا اور اپنے وطن سے کوچ کیا تو اس وقت سب گناہوں سے بھی کوچ کیا تھا یا نہیں۔

حاجی۔ حضور یہ تو نہیں کیا۔

جنید۔ تو پھر گھر سے چلا ہی نہیں۔ اچھا جب تو گھر سے چلا اور منزل پر قیام کیا تو راہ حق میں طریقت کا مقام بھی طے کیا یا نہیں۔

حاجی۔ حضور اس کی تو مجھے خبر ہی نہیں تھی۔

جنید۔ تو پھر تو نے منزلیں بھی طے نہ کیں۔ اچھا جب تو نے احرام باندھا تو میقات میں صفات بشریت سے علیحدگی کی جس طرح کپڑے اور عادات سے علیحدگی کرتے ہیں۔

حاجی۔ حضور یہ بھی نہیں ہوا۔

جنید۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے احرام بھی نہیں باندھا۔ اچھا جب تو عرفات میں کھڑا ہوا تو تجھے کشف و مشاہدہ کا فرق واضح ہوا۔

حاجی۔ حضور یہ بھی نہیں۔

جنید۔ تو گویا تو عرفات میں بھی کھڑا نہیں ہوا۔ اچھا تو مزدلفہ پہنچا تو تو نے تمام نفسانی مرادیں ترک کیں۔

حاجی۔ حضور نہیں۔

جنید۔ تو گویا تو مزدلفہ بھی نہیں گیا۔ اچھا جب تو نے طواف بیت اللہ کیا تو بچشم سر تنزیہ کے مقام میں لطائف جمال حق دیکھے۔

حاجی۔ حضور نہیں دیکھے۔

جنید۔ اچھا تو گویا تو نے طواف بھی نہیں کیا۔ اچھا یہ تو بتا۔ جب تو نے صفا مروہ کی سعی کی تو تجھے صفا کا مقام اور راہ حق پر گزرنے کا درجہ معلوم ہوا۔

حاجی۔ حضور مجھے اس کی تمیز بھی نہیں تھی۔

جنید۔ تو اچھا تو ابھی تو نے سعی صفا و مروہ بھی نہیں کی۔ اچھا جب تو منا میں پہنچا تو تیری ہستی تجھ سے ساقط ہوئی۔ حاجی۔ نہیں۔

جنید۔ تو گویا تو منا بھی نہیں گیا۔ اچھا جب تو قربان گاہ میں پہنچا اور قربانی کی تو تو نے خواہشات نفسانیہ کو قربان کیا۔

حاجی۔ حضور ایسا نہیں کیا۔

جنید۔ تو گویا تو نے قربانی بھی نہ کی۔ اچھا جب تو رمی جمار کر رہا تھا تو اس وقت تو نے اپنی خواہشات جو تجھ میں تھیں وہ بھی پھینکیں۔ حاجی۔ نہیں۔

جنید۔ تو گویا تو نے رمی بھی نہیں کی اور تو نے حج ہی نہیں کیا۔ واپس جا اور ایسا حج کر جو ہم نے تجھے بتایا ہے۔ تو اس کے بعد تو مقام ابراہیم پر پہنچے گا۔

میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ کعبۃ اللہ کے سامنے بیٹھا رو رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

واصبحت یوم النحر والعیس ترحل وکان حدی الحادی بنا دھو معجل

انا سائل عن سلمی فھل من مخبر بان لہ علما بھا این تنزل

قربانی کے دن میں نے صبح کی جس حال میں سپید اونٹ کوچ کر رہے تھے اور حدی کرنے والے کی حدی تھی اور وہ جلدی کر رہا تھا۔ میں سلمی سے سائل ہوں۔ کیا کوئی خبر دینے والا ہے۔ جس کو علم ہو اس کی منزل گاہ کہاں ہے۔

لقد افسدہ حجی ونسکی و عمرتی وفی السر لی شغل عن الحج مشغل
سار جع من عامر لحجۃ قابل فان الذی قد کان لا یتقبل

بیشک میں نے اپنا حج اور عمرہ تباہ کیا اور میرے باطن میں حج کے ساتھ شغل رہا۔ عنقریب آیندہ سال لوٹ کر آؤں گا حج کے لیے اس لیے کہ جو کر چکا ہوں وہ قبول نہیں ہوا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ موقف میں خاموش کھڑا تھا اور سر جھکا ہوا تھا۔ سب لوگ دعا کر رہے تھے اور وہ سر جھکائے ہوئے شرمندہ ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔ اے جوان تو بھی دعا کر۔ اس نے کہا مجھے اس امر کا ڈر لگ رہا ہے کہ جو وقت مجھے حاصل ہوا وہ جاتا رہا۔ اب کس منہ سے دعا کروں۔ میں نے کہا دعا کر تاکہ اللہ تجھے اس جماعت کی برکت سے کامیاب کرے۔ فضیل فرماتے ہیں اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا چاہا کہ ایک نعرہ اس کے منہ سے نکلا اور جان نکل گئی۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے منیٰ میں ایک جوان دیکھا کہ آرام سے بیٹھا ہے اور لوگ قربانیوں میں مشغول ہیں۔ میں اسے دیکھتا رہا کہ کیا کرتا ہے اور کیا کرنا ہے۔ اتنے میں وہ پکارا خدایا سب خلقت قربانیوں میں مشغول ہے۔ میں بھی تیرے حضور اپنے نفس کو قربان کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے قبول فرما۔ یہ کہا اور انگشت سبابہ سے حلق کے درمیان اشارہ کیا اور گر پڑا تو جب میں نے دیکھا اُسے مرا ہوا پایا۔

تو حج دو طرح پر ہے۔ ایک بحالت غیبت۔ جو شخص مکہ معظمہ آتا اور قرب میں غائب رہتا ہوتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے گھر میں رہ کر غیبت میں تھا اس لیے کہ کوئی غیبت دوسری غیبت سے اچھی نہیں۔ اور جو حضور میں اپنے گھر حاضر ہو وہ ایسا ہے کہ گویا مکہ معظمہ حاضر ہے اس لیے کہ ایک حضوری دوسرے حضور سے زیادہ اچھی نہیں۔ تو حج کشف مشاہدے کے لیے ایک مجاہدہ ہے اور مشاہدہ مجاہدہ کی علت نہیں ہوتا بلکہ سبب ہوتا ہے اور حقیقت معانی میں سبب سے زیادہ تاثیر نہیں ہوتی۔ تو حج سے بیت اللہ دیکھنا مراد نہیں بلکہ کشفِ مجاہدہ مقصود ہے۔ اب میں ان معنی کا ایک باب مشاہدہ کے بیان میں لاتا ہوں تاکہ تجھے قریب الحصول مقصود حاصل ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ

انیسواں باب

مشاہدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اجیعوا بطونکم دعوا الحرص واعروا اجسامکم وقصروا الامل واظمئوا اکبادکم دعوا الدنیا لعلکم ترون اللہ بقلوبکم۔ اپنے پیٹ بھوکے رکھو اور حرص چھوڑ دو، بدن ننگے کرو اور امیدیں کم کرو اور اپنے جگر پیاسے رکھو۔ دنیا چھوڑ دو تو قریب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھوں سے دیکھو گے۔

اور حضور نے فرمایا جبکہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور سے احسان کی بابت سوال کیا ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اللہ کی عبادت کر ایسے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تجھے اتنا نہ ہو سکے کہ اسے دیکھے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ یا داؤد تدری ما معرفتی قال لا قال ھی حیوۃ القلب فی مشاھدتی لی۔ اے داؤد تم جانتے ہو کہ میری معرفت کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ دل کا زندہ ہونا ہے۔ میرے مشاہدہ میں اور اس گروہ کی مراد مشاہدہ سے دیدار ہے۔ یعنی اللہ تعالے کو ہر حال خلا و ملا بے چون بے چگون دیکھے۔

اور حضرت ابو العباس بن عطا فرماتے ہیں اس فرمانِ الٰہی پر ان الذین قالوا ربنا اللہ (بالمجاھدہ) ثم استقاموا (علی بساط المشاھدہ) یعنی وہ لوگ جو کہیں ہمارا رب اللہ ہے، مجاہدہ کے ساتھ۔ پھر استقامت رکھیں بساطِ مشاہدہ پر اور حقیقتِ مشاہدہ دو طریق پر ہے۔ ایک صحتِ یقین سے دوسرے غلبۂ محبت سے۔ یعنی دوست غلبۂ محبت میں اس درجہ تک پہنچے کہ خود گم ہو جائے اور دوست ہی دوست رہ جائے اور سوائے دوست کے کسی غیر کو نہ دیکھے۔

اور محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ما رئیت شیئاً قط الا ورئیت اللہ فیہ ای بصحۃ الیقین۔ میں نے کسی شے کو کبھی نہ دیکھا مگر اللہ تعالیٰ کو دیکھا اس میں صحت یقین کے ساتھ اور ایک شارح کرام سے فرماتے ہیں ما رئیت شیئاً الا ورئیت اللہ فیہ قبلہ نہیں دیکھا میں نے کسی شے کو مگر میں نے اللہ تعالیٰ کو اس میں دیکھا۔ اس سے پہلے اور یہ دیکھنا حق سے خلق کو ہے اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ما رئیت شیئاً قط الا اللہ یعنی بغلبات المحبۃ و غلیان المشاھدہ۔ میں نے کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی مگر اللہ تعالیٰ کو محبت کے غلبہ اور جوش مشاہدہ میں دیکھا۔ گویا ایک شخص فعل چشم سر دیکھتا ہے اور چشم حق بین سے فاعل حقیقی کو دیکھتا ہے پھر محبت فاعل اس کے نظر سے غیر کی محبت محو کر دیتی ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مستدل ہوتا ہے تاکہ اثبات دلائل اس پر عیاں ہو جائیں اور ایک مجذوب ہوتا ہے جو بردۂ شوق حق ہوتا ہے یعنی دلائل و حقائق اس کے لیے حجاب ہو جاتے ہیں۔ لان من عرف شیئاً لا یخاف غیرہ ومن احب شیئاً لا یطالع ولا یعارف غیرہ فترک المنازعۃ معہ والاعتراض علیہ فی احکامہ وافعالہ۔ جو شخص کسی شے کو دیکھتا ہے وہ غیر سے خائف نہیں ہوتا اور جو کسی شے سے محبت کرتا ہے وہ غیر کو نہ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے تو منازعت ترک ہو جاتی ہے۔ اور اعتراض اس پر احکام و افعال میں ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معراج کی ہمیں خبر دی اور فرمایا۔ ما زاغ البصر وما طغی (من شدۃ شوقہ الی اللہ تعالیٰ) یعنی کسی چیز کی طرف آنکھ نہ کھول اور نہ حد سے تجاوز ہونے۔ اس لیے کہ آپ کو شوق الی اللہ کا جوش تھا جو کچھ مناسب تھا دل سے دیکھ لیا جب دوست نے موجودات سے آنکھ بند کرانی چاہی تو دل سے موجد کو دیکھ لیا اور اللہ عزوجل نے فرمایا۔ لقد رای من ایات ربہ الکبری یعنی یقیناً دیکھ لیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رب علی کو اور یہ بھی فرمایا قل للمومنین ان یغضوا من ابصارھم۔ مومنوں کو فرما دیجئے کہ اپنی آنکھیں بند رکھیں یعنی ای ابصار العیون من الشھوات وابصار القلوب عن المخلوقات۔ یعنی آنکھوں کی بینائی شہوتوں سے بند رکھیں اور دل کی آنکھیں مخلوقات سے۔ تو جو مجاہدہ سے سر کی آنکھیں شہوتوں سے بند رکھے وہ ضرور حق کو سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ فمن کان اخلص [illegible] ہوتا ہے وہ مشاہدہ میں سچا ہے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں. من غض بصرہ عن اللہ طرفۃ عین لا یھتدی طول عمرہ - جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایک پل آنکھ بند کرے وہ مادام العمر ہدایت نہیں پاتا اس لیے کہ غیر کی طرف مائل ہونا غیر کی طرف جانا ہے اور جو غیر کی طرف مائل ہوا ہلاک ہوا۔ چنانچہ اہل مشاہدہ حیات اسے کہتے ہیں جو مشاہدہ میں ہو اور جو مغائب میں ہو اسے زندگی نہیں سمجھتے بلکہ اسے حقیقت حق کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا. آپ کی عمر کتنی ہے. فرمایا چار سال لوگوں نے کہا کس طرح. فرمایا ستر سال میں دنیا کے حجاب میں رہا اور چار سال سے مشاہدہ میں ہوں. لہذا حجاب کے زمانہ کی عمر زندگی نہیں تھی۔

شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کے اندر فرمایا اللھم اجینا الجنۃ والنار فی جنایا غیبک حتی تعبد بغیر واسطۃ الہٰی جنت و دوزخ کو اپنے غیب کے خزانوں میں پوشیدہ کر اور اس کی یاد مخلوق کے دل سے فراموش فرما تاکہ تجھے اس کے لیے نہ پوجیں، چونکہ بہشت میں طبیعت کو فائدہ ہے۔ اس لیے آج کے روز بے یقین یقین کے حکم سے عقلمند اس کی امید پر عبادت کرتا ہے اور جب دل کو محبت سے نصیب نہیں تو ضرور مشاہدہ سے محجوب ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معراج سے خبر دی کہ میں نے نہیں دیکھا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں نے حق کو دیکھا ہے تو مخلوق اسی اختلاف میں رہی. جنہوں نے غور اور تامل اختیار کیا - وہ مطلب کو پہنچے. یعنی جو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا وہ سر کی آنکھوں سے مراد نہیں ہے. اور جو آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے وہ بچشم سر دیکھنا مراد ہے. اس لیے کہ ایک ان دونوں سے اہل ظاہر ہے اور ایک اہل باطن. ہر ایک سے اس کے حال کے موافق کلام فرمایا. تو جب حضور نے بچشم سر دیکھنا ظاہر فرمایا تو اگر آنکھ کا واسطہ نہ ہوا تو نقصان ہے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر خداوند فرمائے کہ مجھے دیکھ. میں کبھی نہ دیکھوں کیونکہ دوستی کے عالم میں آنکھ غیر اور بیگانہ ہوتی ہے اور غیر کی غیرت مجھے دیدار سے روکتی ہے اس لیے کہ دنیا میں بلا واسطہ چشم دوست کو دیکھتا ہوں تو میں کسی واسطہ کا کیا کروں۔

وانی لاحسد ناظری الیکا واغضی طرفی اذا نظرت الیھا

بے شک میں تیری طرف دیکھنے میں حسد کرتا ہوں تو آنکھ بند کر لیتا ہوں۔ جب تیری طرف نظر کرتا ہوں۔

جنید سے لوگوں نے پوچھا۔ حضرت آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں۔ فرمایا نہیں چاہتا۔ عرض کیا گیا کیوں۔ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تو نہ دیکھ سکے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا تو دیکھ لیا اس لیے کہ ہماری خواہش ہی دیدار حق کے لیے حجاب اعظم ہے۔ اور جب دنیا میں ارادت کامل ہو جائے تو مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور جب مشاہدہ ہو جائے تو دنیا و عقبیٰ یکساں ہے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان اللہ عبادا لو حجبوا عن اللہ فی الدنیا والآخرۃ لا رتدوا۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر ایک پل دنیا و عقبیٰ میں اس کے جمال سے محجوب ہوں تو وہ اپنے کو مرتد سمجھیں۔ یعنی ان کی زندگی ہی مشاہدہ میں ہے اور محبت کی حیات ہی مشاہدہ سے ہے۔ اور جب اہل مکاشفہ حجاب میں آ جائیں تو انہی کو مرتد فی الطریق سمجھتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں مصر میں جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ لوگ ایک نوجوان کو پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا وجہ ہے جو اسے پتھر مارے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ دیوانہ ہے میں نے کہا۔ اس پر جنون کی علامت کیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ کہتا ہے میں خدا کو دیکھتا ہوں۔

میں نے اس سے پوچھا کہ فی الواقع تو ایسا کہتا ہے یا تجھ پر لوگ اتہام رکھتے ہیں۔ اس نے کہا لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں خدا کو دیکھتا ہوں اور اگر میں ایک لحظہ جمال حق نہ دیکھوں تو محجوب ہو جاتا ہوں اور پھر طاعت بھی بیکار ہوتی ہے۔ لیکن اس شہر کے لوگ غلطی پر ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ دلوں کا دیکھنا اور مشاہدہ میں رہنا ایک ہی صورت میں ہے۔ حالانکہ دل میں اس کا وہم یا ذکر یا فکر محض تشبیہہ ہے اور گمراہی اسی کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی اندازہ میں نہیں آ سکتا اور اس کا وہم رکھنا بھی ایک اندازہ ہے اور وہ عقل اور وہم و گمان سے بالا ہے۔ اور جتنا وہ وہم میں آتا ہے یہ بھی وہم کی جنس ہے۔ اور اگر وہ معقول ہو تو عقل کی جنس سے ہے اور اللہ تعالیٰ جنسوں کا ہم جنس نہیں۔

چشم بد دور از غیر تو دیدن نہ دہم گر گوش مرا غیر حدیث تو شنیدن نہ دہم
گریا ان آنکھوں سے دیکھنے میں دریغ اس لیے ہے کہ آنکھ بیگانہ ہوتی ہے۔ (از مترجم)

اسی طرح لطیفہ اور مکاشفے سب ایک دوسرے کی جنس ہیں اور ضد کی حالت میں بھی ایک دوسرے کی جنس ہوتے ہیں۔

اس لیے کہ توحید کی تحقیق میں جنس قدیم کے مقابلہ میں ضد جنس ہوتی ہیں اور ضدیں حادث نہیں اور حادث خود حادث تو اللہ تعالیٰ ازلی ابدی قدیم کو اس سے کیا واسطہ۔ تعالی اللہ عن ذالک وعما یصفہ الملاحدۃ علوا کبیرا۔ تو دنیا میں شاہد عاقبت کے دیدار کی مانند ہے۔ اور جب اتفاق مشائخ عاقبت میں دیدار روا ہے تو دنیا میں شاہد بھی روا ہے تو جو دنیا میں شاہد ہونے کی خبر دیتا ہے اور جو عاقبت میں دیدار کی خبر دیتا ہے۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔ اگر ان دونوں معنوں میں جواز کی خبر دے اور کہے کہ دیدار اور شاہد جائز ہے اور یہ نہ کہے کہ مجھے دیدار ہوا ہے تو کیا خلاف ہے۔

اس لیے کہ شاہد صفت سر ہے اور خبر دینا سر سے خود خبر ہے۔ اور وہ مشاہدہ نہیں بلکہ ایک دعویٰ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جس خبر کی حقیقت عقل میں نہ آئے زبان اس کا بیان کیسے کر سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ معنی مجاز میں کہا جائے۔ لان المشاهدة قصور للسان بحضور الجنان۔ تو اس حال میں خاموش رہنا بولنے سے زیادہ بہتر ہے اور خاموش رہنا شاہد کی علامت ہے اور گفتگو شہادت کا نشان اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی شہادت دینا اور اس چیز کا شاہد کرنا اس میں بڑا فرق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام اعلیٰ اور درجۂ قرب میں حق تعالیٰ کے لیے فرمایا۔ وہ لا احصی ثناء علیک تھا۔ یعنی میں تیری ثناء کا احصا نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ بحالت شاہد تھی اور دوستی کے درجہ میں شاہدہ کمال یگانگت ہے اور بیگانگی میں بیان کرنا بیگانگی ہوتی ہے چنانچہ فرمایا۔ انت کما اثنیت علی نفسک۔ تو وہ ذات ہے جیسا تو نے اپنی شان میں فرمایا۔ تو آپ کا کہنا میرا کہنا ہو گیا اور تیری ثنا میری طرف سے تیری ہی طرف سے ہے اس لیے کہ میں اپنی زبان کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ تیرے کمال کا بیان کرے۔ اور بیان کو اس لائق نہیں جانتا کہ تیرا بیان کرے اس پر کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

تمنیت من اهوی فلما رایته ... بهت فلم املک لسانا ولا طرفا

آرزو کی میں نے اس کی جسے میں دوست رکھتا ہوں تو جب میں نے اسے دیکھا تو مبہوت ہو گیا اور زبان و اعضا پر اپنے اختیار ہی نہ رہا۔ یہ تمام شاہدے کے احکام ہیں جو بطور اختصار بیان ہوتے۔

کشفِ حجاب نہم صحبت اور اس کے آداب و احکام

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا ای ادبوھم (اے ایمان والو اپنی جان اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ یعنی انہیں ادب سکھاؤ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن الادب من الایمان۔ ادب شائستہ ہونا ایمان سے ہے اور فرمایا ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور خوب تادیب فرمائی۔

یہ جاننا ضروری ہے دین اور دنیا کے سب کاموں کی زیب و زینت ادب سے ہے اور مخلوقات کے ہر مقام پر ادب کی ضرورت ہے۔ اس اصول میں کافر، مسلمان، ملحد، سنی، بدعتی سب متفق ہیں۔ اور تسلیم کرتے ہیں کہ کاروبار میں ادب کی خوبی ہی لازمی ہے اور دنیا میں کوئی رسم بغیر ادب مقبول نہیں۔ لوگوں میں ادب ہی حفظِ مراتب کا ضامن ہے اور دین میں حفظِ سنت اور عزت باہم دست بگریبان ہیں۔ اس لیے کہ جس میں مروت اور ادب نہیں اس میں متابعتِ سنت نہیں ہو سکتی اور جس میں متابعتِ سنت نہ ہو گی وہ رعایتِ عزت نہیں کر سکتا اور کاروبار میں حفظِ ادب اور تعظیم اسی کی بدولت ہوتا ہے۔ جب دل میں ادب قرار پذیر نہ ہو تو انسان ادب کی بہبود و شرور سے محروم رہتا ہے اور تعظیم حق اور شفا اتقاء سے ہوتی ہے جو شخص بلا لحاظ تعظیم شاہد حق زبان پر لائے اسے طریقتِ صوفیہ میں سے کچھ حصہ نہیں ملتا اور سکر و غلبہ کسی حالت میں طالب کو حفظِ ادب سے منع نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہ لوگ عادت پذیر ادب ہوتے ہیں اور عادت طبیعت کا قرینہ ہوتی ہے اور امورِ طبعی کا ساقط ہونا کسی حیوان سے بھی کسی حال میں متصور نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک زندگی قائم ہے اس کا سقوط ہونا محال ہے اسی طرح جب تک شخصیتِ انسان قائم ہے۔ ہر حالت میں آدابِ متابعت اس پر جاری ہیں خواہ تکلف سے ہوں یا بلا تکلف۔ جب انسان پر صحو یعنی ہوش کی حالت ہوتی ہے تو وہ تکلف سے حفظِ ادب کرتا ہے اور جب سکر کی حالت ہوتی ہے تو منجانب اللہ ان میں ادب ملحوظ رہتا ہے اور تارکِ ادب کسی صورت میں ولی نہیں ہو سکتا۔ لان المودۃ عند الآداب وحسن الادب صفت الاحباب۔ دوستی کا رابطہ حسنِ ادب کے ساتھ ہے اور حسنِ ادب محبوں کی صفت ہے

جسے اللہ تعالیٰ کرامت عطا فرماتا ہے اس کی علامت میں یہ ہے کہ وہ آداب دین محفوظ رکھتا ہے۔ جو طحدین لعنہم اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ہے وہ بیشک اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بندہ محبت میں مغلوب ہوتا ہے تو متابعت کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس مسئلہ کو دوسری جگہ بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آداب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک توحید میں جو جناب حق تعالیٰ سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن اپنے آپ کو بے ادبی سے محفوظ رکھے اور اس طرح رہے جیسے دربار شاہی میں رہا کرتے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار زانو تشریف فرما تھے کہ روح الامین حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا محمد اجلس جلسۃ العبد حضور نشست میں بندوں کی نشست پر تشریف رکھیں۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے چالیس سال دیوار سے تکیہ نہ لگایا اور آپ ہمیشہ دو زانو بیٹھتے تھے۔ لوگوں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ حضور حق کے مشاہدہ میں بندوں کی طرح نہ بیٹھوں۔

اور میں علی بن عثمان جلابی ہوں۔ میں خراسان کے ایک قصبہ پہنچا جسے کمند کہتے ہیں۔ وہاں ایک بزرگ تھے جنہیں ادیب کمندی کہتے تھے یہ وہاں کے مشہور بزرگ تھے۔ یہ بیس سال برابر قیام میں رہے۔ سوائے تشہد کے نماز میں کبھی نہ بیٹھے۔ ان سے میں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا ابھی میرا وہ درجہ نہیں کہ حضور حق کا مشاہدہ بیٹھ کر کروں۔

اور حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ بم وجدت ما وجدت آپ نے جو کچھ پایا کس طرح پایا۔ فرمایا بحسن الصحبۃ مع اللہ تعالیٰ عزوجل حق تعالیٰ کی خدمت میں باادب رہنے سے۔ میں ظاہر باطن میں یکساں رہا۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنے معبود کے حضور میں رہنے کا حسن ادب زلیخا سے سیکھیں کہ جب وہ یوسف علیہ السلام کی خلوت میں جا کر اپنی آرزو کی خواستگار ہوئی تو پہلے اپنے بت کو پردہ سے چھپایا۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ پردہ کیوں ڈال رہی ہے۔ زلیخا بولی۔ اپنے معبود سے اپنے کو چھپاتی ہوں تاکہ وہ مجھے تیرے ساتھ ایسی حالت میں نہ دیکھے کیونکہ اس کے آگے ایسا کام شرط ادب کے خلاف ہے۔

اور جب یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے ملایا اور اللہ تعالیٰ

نے انہیں دولت وصل سے سرفراز فرمایا اور زلیخا کو پھر شباب بخشا اور وہ مشرف باسلام ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی تو یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف امان فرمایا تو زلیخا آپ سے بھاگتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ زلیخا میں تیرا وہی محبوب ہوں۔ مجھ سے کیوں بھاگتی ہے۔ شاید میری دوستی تیرے دل میں نہیں رہی۔ زلیخا بولی نہیں قسم بخدا دوستی قائم ہے بلکہ پہلے سے زیادہ ہے لیکن مجھے اپنے معبودِ حقیقی کا پاس ادب ہے۔ جس دن میں نے آپ کی طرف خلوت چاہی تھی وہاں ایک بت معبود تھا جو تم نے نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ اس کی دونوں آنکھیں اندھی تھیں۔ میں نے اس پر پردہ ڈالا تاکہ بے ادبی نہ ہو۔ اب جب کہ میرا معبود دانا و بینا ہے۔ بلا بصر بصیر ہے اور بلا آلہ سب کچھ جانتا ہے۔ میں جس حال میں بھی ہوں۔ وہ مجھے دیکھتا ہے اس لیے میں تارکِ ادب ہونا نہیں چاہتی۔

اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے گئے تو انھوں نے پاس ادب سے دونوں جہان کی طرف نگاہ نہ فرمائی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ما زاغ البصر وما طغیٰ۔ یعنی دنیا دیکھنے کے لیے آنکھ مائل نہ ہوئی اور نہ حد سے متجاوز ہوئے۔

دوسری قسم ادب باہمی کاروبار میں ہے کہ سب حالات میں اپنے نفس سے مروت کی رعایت کرے تاکہ خلقت میں طوہا حضورِ حق بندہ قطعی بے ادب نہ ہو۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ سوا سچ کے نہ بولے۔ حتیٰ کہ جو کچھ اپنے حق میں خلاف جانے وہ زبان پر نہ لائے کیونکہ اس میں بے مروتی ہوتی ہے۔ دوسرے کم کھائے تاکہ قضاء حاجت میں جانے کی ضرورت نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اپنے اس عضو کو نہ دیکھے جو اس کے غیر کو دیکھنا ناجائز ہو۔

کیونکہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنی شرم گاہ کو کبھی نہ دیکھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا۔ اپنی اس چیز کو دیکھنے سے میں شرم کرتا ہوں جس کی جنس کا دیکھنا حرام ہو۔ دوسرا آدابِ صحبت خلق میں یہ بہترین چیز ہے کہ سفر و حضر میں خلق کے ساتھ خوبی معاملہ میں سلوک کیا جائے اور ہر سہ اقسام ادب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔

اب میں اپنے مقدور کے مطابق انہیں بالترتیب بیان کرتا ہوں تاکہ تم پر اور لوگوں پر آسان ہو۔ انشاء اللہ عزوجل۔

بیسواں باب

صحبت اور متعلقاتِ صحبت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودّا (ای یحسن دعایتھم الاخوان۔) یعنی وہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے تو کر دیتا ہے ان کی لیے اللہ تعالیٰ ان کا چاہنے والا یعنی ان کے حسن رعایت کے صلہ میں لوگوں کو ان کا بھائی بنا دیتا ہے۔

اس لیے کہ وہ دلوں کو خوش کرتے اور بھائیوں کے حق ادا کرتے ہیں اور انہیں اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ثلث تصفین لک ود اخیک ان تسلم علیہ اذا لقیتہ وتوسع لہ فی المجلس و تدعو باحب اسمائہ۔ تین چیزیں تجھ میں صفائی کرتی ہیں۔ از روئے محبت اور اخوت کے یہ کہ سلام کرے اس پر جب تجھے ملے۔ دوسرے یہ کہ مجلس میں اس کے لیے فراخی دے۔ تیسرے یہ کہ اسے ایسے نام سے پکارے جو اسے پسندیدہ ہو۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ۔ یعنی مومن تو مومنوں کے بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح رکھو اور دونوں آپس میں بہر رعایت سے پیش آؤ تاکہ ایک دوسرے کا دل آزردہ نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اکثروا من الاخوان فان ربکم حی کریم یستحیی ان یعذب عبدہ بین اخوتہ یوم القیمۃ۔ بھائی زیادہ بناؤ اور حفظ ادب اور معاملت سے اچھی طرح پیش آؤ کہ اللہ تعالیٰ حی و کریم ہے اور حیا کرم سے اپنے بندہ کو اس کے بھائی اور برادری میں بروز قیامت عذاب نہیں کرنا چاہتا لیکن ہمیں یہ چاہیے کہ محبت و صحبت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ ہوائے نفس اور کسی دنیاوی غرض کے لیے تاکہ بندہ اس کے حفظ ادب سے مشکور ہو جائے

اور حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اپنے داماد مغیرہ بن شعبہ کو کہا۔ یا مغیرۃ کل اخ وصاحب لم یستفد منہ فی دینک خیرا فانبذ عن صحبتہ حتی تسلم
اے مغیرہ جس بھائی اور یار سے تجھے اس کی صحبت میں فائدہ اخروی نہ ہو اس کے پاس نہ بیٹھ ایسے شخص کی صحبت تجھ پر حرام ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ یا تو اپنے سے اچھے کے پاس بیٹھ یا اپنے سے ادنیٰ کے پاس۔ کیونکہ اگر تو اپنے سے اچھے کے پاس بیٹھے گا تو تجھے اس سے دین کا فائدہ ہوگا۔ اور اگر اپنے سے ادنیٰ کے پاس بیٹھے گا تو اسے تجھ سے دین کا فائدہ ہوگا۔

کیونکہ جب وہ تجھ سے کچھ سیکھے گا تو دینی فائدہ ہوگا۔ اور اگر تو اس سے کچھ سیکھے گا تو تجھے دینی فائدہ پہنچے گا۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان من تمام التقوی تعلیم من لم یعلم۔ کمال پرہیزگاری یہ ہے کہ جو جاہل ہو اسے تعلیم دے۔

اور یحییٰ بن معاذ رضی اللہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ بئس الصدیق صدیق یحتاج ان تقول لہ اذکرنی فی دعائک و بئس الصدیق یحتاج ان تعیش معہ بالمداراۃ وبئس الصدیق صدیق یلجئک الی الاعتذار فی ذلۃ کانت منک۔ وہ دوست بہت بُرا ہے جس کا دوست دوست سے اس امر کی احتیاج کرے کہ اس سے کہا جائے کہ اپنی دعا میں مجھے یاد رکھنا اس لیے کہ ایک ساعت کی بھی صحبت ہوشیار کی دعا کا مقتضی ہے اور وہ دوست بہت بُرا دوست ہے جو زندگی میں ایسا ہے کہ اس کے ساتھ خوشامد ہو۔ اس لیے کہ صحبت کا سرمایہ خوشی ہے اور وہ دوست بہت بُرا ہے جس سے گناہ پر اعتذار کرنا پڑے اور اپنی ذلت اس کے آگے ظاہر ہو۔ اس لیے کہ عذر بیگانگی میں ہوتا ہے اور صحبت میں بیگانگی بُری ہوتی ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل۔ یعنی انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ تو دیکھنا چاہیئے تمہیں کہ کون کس سے محبت رکھتا ہے[1]۔ اگر نیکوں سے اس کی محبت ہے تو وہ اگرچہ بُرا ہو مگر نیک ہے اس لیے کہ وہ صحبت اسے نیک کر دے گی۔ اور اگر بدوں کو صحبت میں رہتا ہے۔ تو اگرچہ نیک ہو مگر وہ بُرا ہے۔ اس لیے کہ بُری صحبت اُسے بُرا بنا دے گی۔

---

[1] از مترجم۔ صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

اور حکایتوں میں ہے کہ ایک مرد کعبہ کے طواف میں کہہ رہا تھا۔ اللھم اصلح اخوانی فقیل لہ لم تدع لک فی ھذا المقام۔ الٰہی میرے بھائیوں کو صالح کر دے۔ اسے لوگوں نے کہا۔ اس مقام پر تو اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتا بلکہ بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ ان لی اخوانا ارجع الیھم فان صلحوا صلحت معھم و ان فسدوا فسدت معھم۔ اے بھائی جب ان میں جاؤں گا۔ اگر وہ صالح ملے تو میں بھی ان کی صلاحیت سے صالح ہوں گا اور اگر وہ فسادی رہے تو میں بھی ان کے فساد سے مفسد ہو جاؤں گا۔ جب صحبتِ صالحاں میرا قاعدہ ہے تو میں بھی ان کی صحبت سے صلاحیت اختیار کروں گا۔ اس لیے اپنے بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہوں تاکہ ان کے ذریعہ میرا مقصد حاصل ہو جاتے اور اس کی اصل یہ ہے کہ نفس کو سکون عادتوں سے حاصل ہوتا ہے اور انسان جس گروہ میں رہیگا۔ اسکی عادت و خصلت اختیار کرے گا۔ اس لیے کہ عمل و ارادہ صحبت سے پیدا ہوتا ہے جیسے عمل والے کی صحبت ملے گی ویسی عادت اس میں پرورش ہوگی اس لیے کہ صحبت کا اثر طبیعت پر خاص اثر رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ صحبت عالم سے ایک جاہل عالم ہو جاتا ہے۔ طوطے کو دیکھو کہ آدمی کی صحبت اور تعلیم سے انسان کی زبان بولنے لگتا ہے۔

مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ اسی وجہ میں پہلے صحبت و مصاحبت کرتے ہیں۔ پھر مرید کو تعلیم دیتے ہیں۔ اس پر مشائخ صوفیہ نے بحث صحبت میں بہت کتابیں تصنیف کی ہیں اور صحبت کی بحث کو واضح فرمایا ہے۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے تصحیح الارادت کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ احمد بن خضرویہ نے الرعایت بحقوق اللہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ محمد بن علی ترمذی کی ایک کتاب آداب المریدین ہے۔

ابوالقاسم الحکیم اور ابوبکر وراق اور سہل بن عبداللہ اور ابوعبدالرحمٰن سلمی اور استاذ ابوالقاسم قشیری رحمہم اللہ سب نے اس بحث میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اور یہ لوگ اس فن میں امام ہو گئے ہیں۔

اس کتاب میں میرا مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اُسے دوسری کتابوں کی حاجت نہ رہے۔ جیسا کہ میں اس کتاب کے مقدمہ میں اور تیسرے سوال کے جواب میں کہہ چکا ہوں۔ بہرحال یہ کتاب طالب طریقت کو کافی ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔

اکیسواں باب

آدابِ صحبت

جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ مرید کے لیے سب سے بہترین چیز صحبت ہے تو لازمی طور پر آدابِ صحبت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ بلا صحبت مرید کا تنہا رہنا اُسے ہلاک کر دیتا ہے پیغمبر اعظم سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد۔ شیطان تنہا کے ساتھ رہتا ہے اور دو آدمی جہاں ہوں ان سے شیطان دور رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ۔ نہیں ہوتے تین رازدار مگر چوتھا ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ تو مرید کے لیے تنہا رہنے سے بڑی آفت کوئی نہیں۔

ایک حکایت ہے کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو خیال آیا کہ میں مرتبہ کمال کو پہنچ گیا ہوں اور اب مجھے صحبت کی بہ نسبت تنہا رہنا اچھا ہے چنانچہ وہ گوشہ نشین ہو گیا اور صحبت ترک کر دی۔ جب رات ہوئی تو کوئی جماعت آئی اور اونٹ لائی اور اس صوفی کو کہا۔ تجھے بہشت میں جانا چاہیئے۔ یہ اس بشارت پر فوراً اونٹ پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں یہ ایسے مقام پر پہنچا جہاں باغ و بہار تھا اور خوبصورت لوگوں کا گروہ تھا اور عمدہ عمدہ لذیذ و نفیس کھانے اور بہتی نہریں۔ شب بھر یہ وہاں رہا۔ صبح جو ہوئی تو اپنے اس عبادت خانہ میں پایا جہاں تھا۔ چند روز ایسا ہوتا رہا حتی کہ اس میں رعونت بشری سرایت کر گئی اور غرور جوانی غالب آیا۔ آخرش اس نے لوگوں پر اپنی کیفیت ظاہر کرنی شروع کر دی اور دعویٰ ولایت کرنے لگا۔ یہ خبر جب لوگوں نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کو پہنچائی۔ آپ اس کے حجرۂ عبادت پر تشریف لائے اور اس سے دریافتِ حال کیا اس نے سب کیفیت عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔

آج رات جب تو یہ حال دیکھے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم تین بار پڑھ لینا۔ مختصر یہ کہ جب شام ہوئی اور وہ اسے حسب معمول لے کر چلے تو اس کے دل میں حضرت جنید کی تعلیم سے بدگمانی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد تجربہ کے خیال سے اس نے تین بار لاحول پڑھا تو وہ گروہ شور کرتا ہوا غائب ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو ایک مزبلہ پر پایا جہاں گندگی اور جھوٹی ہڈیوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا تو یہ اپنی غلطی سے واقف ہوا اور تنہا بیٹھنے سے تائب ہوا اور صحبتِ اولیاء میں حاضری دینے لگا بہر حال یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مرید کو تنہائی کی آفت سے زیادہ کوئی آفت نہیں اور صحبتِ مشائخ کی یہ بھی شرط ہے کہ جن کے پاس بیٹھے انہیں ان کے درجہ کے مطابق پہچانے۔ بوڑھوں سے باادب رہے اور ہم جنسوں سے عشرت میں زندگی بسر کرے۔ بچوں سے شفقت کے ساتھ پیش آئے۔ بلکہ معمر لوگوں کو باپ کی جگہ اور ہم عمروں کو بھائی کے برابر، بچوں کو اولاد کی جگہ جانے۔ ہر گناہ سے اجتناب کرے۔ حسد سے بچتا رہے۔ عداوت سے روگردانی کرے اور نصیحت کرنے میں دریغ نہ کرے۔ مجلس میں دوسرے کی غیبت کرنا اور خیانت کرنا، ایک دوسرے کی عقل اور فعل پر حرف زنی کرنا بھی آدابِ صحبت میں ممنوع ہے۔

اس لیے کہ جب ابتداء میں صحبت حق تعالیٰ کے لیے ہو تو کسی قسم کا قول و فعل نا ملائم کسی بندے کے ساتھ نہیں کرنا چاہیئے اور مصنف کتاب کہتا ہے رحمۃ اللہ علیہ کہ شیخ المشائخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے پوچھا کہ شرطِ صحبت کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ تجھے صحبت میں اپنی حفاظت چاہیئے کیونکہ اس میں ہر قسم کی آفات موجود ہیں۔ اس لیے کہ ہر ایک اپنے مطلب کا خواہاں ہوتا ہے اور آسائش طلب کو صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔ جب بندہ اپنا خط ترک کرے گا تو اپنے مصاحب کے خط کی رعایت کرے گا اور اس صحبت سے فائدہ لے گا۔

ایک درویش فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں نے کوفہ سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا۔ راستہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔ میں ان کی صحبت میں رہنے کا خواستگار ہوا آپ نے فرمایا صحبت کے لیے امیری اور فرمانبرداری چاہیئے۔ تو کیا چاہتا ہے۔ میں امیر ہوں یا فرمانبردار۔ میں نے عرض کیا۔ آپ امیر بنیں۔ آپ نے فرمایا تو میرا فرمانبردار ہو گا۔ اگر ایسا ہے تو اب تو میرے حکم سے باہر نہ آ۔ میں نے تسلیم کر لیا۔

جب ہم منزل پر پہنچے تو انہوں نے مجھے حکم دیا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ اُنھوں نے کنوئیں سے پانی نکالا جو نہایت سرد تھا۔ آپ نے لکڑیاں جمع کیں۔ پانی گرم کیا اور جب میں ارادہ کرتا کہ یہ کام میں کروں تو حکم ملتا۔ بیٹھ جا۔ میں بیٹھ جاتا اور شرطِ حکم بجا لاتا۔

شام ہوئی۔ اتفاق سے سخت بارش ہوگئی۔ آپ نے اپنی گدڑی مجھ پر ڈال دی اور صبح تک میرے سر پر کھڑے رہے۔ مجھے شرم آتی تھی مگر شرطِ صحبت کے ماتحت کچھ نہ کر سکتا تھا۔ جب صبح ہوئی۔ میں نے عرض کیا۔ اے شیخ آج میں امیر بنتا ہوں۔ ابراہیم خواص نے فرمایا اچھا۔ جب ہم دوسری منزل پر پہنچے۔ حضرت نے وہی خدمات اپنے ذمہ لیں۔ میں نے عرض کیا حضرت اب میں امیر ہوں۔ میرا حکم مانئے۔ آپ نے فرمایا۔ نافرمان وہ ہوتا ہے جو امیر کو اپنی خدمت کا حکم دے۔

حتیٰ کہ اسی طرح مکہ معظمہ تک پہنچے۔ آخر کار شرم کی وجہ سے میں حضرت کے پاس سے بھاگ آیا۔ منا میں حضرت نے مجھے دیکھ لیا۔ فرمایا۔ بیٹا تجھے لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی مصاحبت کرے جیسے میں نے تیرے ساتھ کی۔ اسے یاد رکھو۔

انس بن مالک رضی اللہ سے مروی ہے۔ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وخدمتہ عشر سنین فواللہ ما قال لی اف قط وما قال لی شیٔ فعلت لم فعلت کذا ولا شیٔ لم افعلہ لم لا فعلت کذا۔ حضور کی خدمت میں میں نے دس سال گزارے خدا کی قسم آپ نے مجھے کبھی اُف نہ فرمایا اور جو کام میں نے کیا کبھی مجھے نہ فرمایا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا اور جو کام میں نے نہ کیا کبھی نہ فرمایا کہ فلاں کام تو نے کیوں نہ کیا۔

تو درویش دو قسم پر ہیں۔ ایک مقیم دوسرا مسافر۔ اور مشائخ فرماتے ہیں کہ مسافر کو چاہیئے کہ مقیموں کی صحبت میں رہ کر ان کی خدمت کو اپنے لیے اچھا جانے۔ اس لیے کہ یہ اپنے نصیب پر چلتے ہیں اور مقیم خدمت حق میں بیٹھے ہیں۔ اس لیے کہ مسافروں میں طلب کا نشان ہوتا ہے اور مقیموں میں حصول کا اشارہ ہے۔ تو جس نے پا لیا وہ بیٹھ کر مقیم ہوگیا۔ یہ اس سے افضل ہے جو ابھی طلب میں ہے اور مسافر ہے۔ اور مقیم کو چاہیئے کہ مسافر کو اپنے سے اچھا جانیں۔ اس لیے کہ یہ صاحبِ تعلق ہیں اور مسافر تعلق سے مبرا اور مقیم ایک طرف قائم ہیں اور مسافر طلب میں ہیں۔ مقیم اپنے موقف میں ہیں اس اعتبار سے انہیں چاہیئے کہ بوڑھے جوانوں کو بہتر

سمجھیں۔ اس لیے کہ یہ دنیا میں تھوڑی دیر رہنے والے ہیں اور ان کے گناہ کم ہیں۔ اور جوانوں کو چاہیئے کہ بوڑھوں کو افضل جانیں۔ اس لیے کہ یہ عبادت میں پیشرو ہیں اور خدمت میں مقدم۔ جب ہمارے بیان کے مطابق دونوں رہیں تو ایک دوسرے سے نجات پائیں گے ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔

فصل اصل آداب کی اجتماع خصائل خیر ہے اور اسی وجہ سے ادب و بندہ کو ادیب کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے۔ وہ بہتر ہوتا ہے۔ فالذی اجتمع فیہ خصال الخیر فھو ادیب تو وہ جس میں یہ اچھی خصلتیں جمع ہوں وہی ادیب ہے اور علمی رواج میں جو علم لغت اور نحو جانتا ہے اس کو ادیب کہتے ہیں۔ اور گروہ صوفیہ کے نزدیک الادب ھو الوقوف مع المستحسنات ومعناہ ان تعامل اللہ فی الادب سراً وعلانیۃ واذا کنت کذالک کنت ادیبا وان کنت اعجمیا وان لم تکن کذالک تکون علیٰ ضدہ۔ ادب نیکیوں پر قائم رہنا ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تمام عمل ادب سے کرے۔ خفیہ ہو یا اعلانیہ تو جب تو ایسا ہو جائے تو تو ادیب ہے۔ اگرچہ تو عجمی ہو اور اگر تو ایسا نہیں تو پھر اس کی ضد تجھ میں ہے۔ اس لیے کہ زبان کے معاملات میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور ہر حال میں عالم عاقلوں سے زیادہ بزرگ ہیں۔

مشائخ میں سے ایک کو لوگوں نے پوچھا کہ شرطِ ادب کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ ایک جملہ میں تیرا جواب کہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ادب وہ ہے کہ جب تو بات کرے تو تیرا کلام صادق ہو۔ اگر معاملہ کرے تو معاملہ حق ہو اور کلام صادق اگرچہ سخت ہو نمکین ہوتا ہے اور معاملہ نیک اگرچہ مشکل ہو خوب ہوتا ہے۔ تو جب بات کرے تو تیرا کلام سچ ہو اور جب خاموش رہے تو خاموشی حق پر ہو۔

ابو نصر سراج صاحب لمع اپنی کتاب بیانِ ادب میں بہت وضاحت سے فرماتے ہیں۔

الناس فی الادب علی ثلث طبقات اما اھل الدنیا فاکثر آدابھم فی الفصاحۃ والبلاغۃ وحفظ العلوم و اسمار الملوک واشعار العرب و اما اھل الدین فاکثر ادابھم فی ریاضۃ النفس وتادیب الجوارح و

حفظ الحدود و ترک الشہوات و اما اہل الخصوصیۃ فاکثر آدابھم فی طہارۃ القلب و مراعاۃ الاسرار والوفاء بالعھود و حفظ الوقت و قلت الالتفات الی الخواطر و حسن الادب فی مواقف الطلب و اوقات الحضور و مقامات القرب۔

لوگ ادب میں تین قسم پر ہیں۔ ایک اہلِ دنیا کہ ان کے نزدیک ادب فصاحت و بلاغت اور حفظِ علوم اور اذکارِ ملوک اور اشعار عرب ہیں۔ دوسرے اہلِ دین کہ ان کے نزدیک ادب نفس کی ریاضت اور اعضا کی تادیب اور حدود اللہ کی نگہداشت اور ترکِ شہوات۔

تیسرے اربابِ خصوصیت ان کے نزدیک ادب دل کا پاک رکھنا اور اسرار کی رعایت اور ایفاءِ عہد اور وقت کا محفوظ رکھنا پراگندہ خیالات سے نظر روکنا اور طلب میں نیک کام اور موافق دل میں نیک اور مقامِ قرب میں مؤدب رہنا اور حضوری کے موقع پر نیک عمل اور یہ جامع کلام ہے۔ اس کی تفصیل اس کتاب میں متفرق جگہ پر آئے گی۔ واللہ ولی التوفیق۔

بائیسواں باب

آدابِ صحبتِ اقامت

جب درویش اقامت اختیار کرے۔ بدلے سفر اس کے آداب میں یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اس کے پاس آئے تو نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اسے باعزت بٹھائے اور یہ سمجھے کہ بضیف ابراہیم علیہ السلام ہے اور یہ نہیں کہ مہمان ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے اور وہی تواضع کرے جو ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے ساتھ کرتے تھے۔ جو کچھ احضر ہو بے تکلف انہیں پیش کرے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فجاء بعجل

حنیفہ اور یہ دپوچھے کہ کہاں سے آئے ہو یا کہاں جا رہے ہو یا کیا نام ہے۔ یہ آداب صحبت کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کا آنا حق کی طرف سے سمجھے اور ان کا جانا بھی حق کی جانب سے اور ان کا نام بندہ حق خیال کرے۔ پھر اندازہ کرے کہ وہ خلوت میں راضی ہے یا جلوت میں۔ اگر وہ تنہائی پسند ہو تو اس کے لیے جگہ خالی کر دے۔ اگر وہ جلوت پسند ہے تو ویسا انتظام کرے تاکہ اسے انس و عشرت حاصل ہو۔ اور جب مسافر رات کو تکیہ پر سر رکھے اور لیٹ جائے تو مقیم کو چاہیئے کہ اس کے قدم پر ہاتھ رکھے۔ اگر وہ منع کرے اور کہہ دے کہ مجھے عادت نہیں تو اس پر اصرار نہ کرے۔ تاکہ اس پر گراں نہ ہو۔ دوسرے روز حمام میں لے جائے مگر حمام صاف ستھرا ہو۔ اس کے کپڑے حمام میں خراب نہ ہوں اور اس کی خدمت اجنبی خادموں سے نہ کرائے اس کی خدمت میں ایسے خادم مقرر کرے جو اس کی خدمت دل سے کرنے والا ہو۔ تاکہ اس کے پاک ہونے اور صاف ہونے میں تمام آفتوں سے پاک ہو۔ میزبان کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کی تواضع میں اس کی پشت ملے۔ اس کے گھٹنوں، پاؤں، تلووں اور ہاتھوں کو ملے اس سے زیادہ خسرطِ ادب نہیں۔ اور اگر اس کے لیے نیا کپڑا پہنانے کی توفیق ہو تو دریغ نہ کرے اور اگر نہ ہو تو تکلف بھی نہ کرے اور وہی اس کے کپڑے پاک کر کے جب وہ حمام سے نکلے پہنا دے۔

وہ مہمان اگر دو تین روز ٹھہرے اور اس شہر کے کسی بزرگ یا امام اسلام سے ملنا چاہے تو اگر وہ مقیم ہو تو ملا دے اور اگر وہ ملنا نہ چاہے تو اس پر اصرار و اجبار نہ کرے۔

اس لیے کہ طالبانِ حق پر ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ اپنے دل سے اختیار میں نہیں رہتے۔ کیا تُو نے دیکھا کہ ابراہیم خواص کو لوگوں نے پوچھا کہ اپنے سفر کے عجائبات سناؤ۔ آپ نے فرمایا خضر علیہ السلام نے مجھ سے مصاحبت چاہی میں نے منظور نہ کی کیونکہ میرا دل نہیں مانا اس لیے کہ ماسوائے حق تعالیٰ کسی کی میرے دل میں قدر و عظمت ہو۔ لیکن یہ بھی نہ چاہیئے کہ مقیم آدمی مسافر کو کسی دنیادار کے سلام کے لیے لے جائے یا ان کی دعوتِ میں شریک کرے یا کسی دنیا دار کی بیمار پرسی کو لے جائے۔

جس مقیم کو مسافروں سے یہ طمع ہو کہ انہیں اپنی گدائی کا ذریعہ بنائے اور ایک گھر سے دوسرے گھر لے جائے ایسے مقیم کو مسافروں کی خدمت نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس میں ان کی ذلت ہے اور میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں مجھے اپنے سفروں میں جو مشقت اور رنج زیادہ سخت یہ نہیں

کہ جاہل خادم ناپاک ہیں کبھی مجھے خواجہ کے گھر کبھی کسی دہقان کے گھر لے جاتے اور میں باطن میں ان کے ساتھ کراہت سے جاتا اور بظاہر جوانمردی کرتا اور جو بے طریقہ مقیم میرے ساتھ ایسا کرتا میں دل میں عہد کرتا کہ جب میں مقیم ہوں گا تو اپنے مہمان کے ساتھ ایسا نہ کروں گا۔ اور بے ادبوں کی صحبت سے اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا جو اس سے زیادہ تجھے ناخوش معلوم ہو وہ نہ کرے۔

اور اگر کوئی درویش پاؤں پھیلائے تو چند روز اُسے رکھ کر اس کی دنیاوی ضرورت فوراً رفع کر دے۔ اور اگر یہ مسافر بے ہمت ہو تو مقیم کو نہ چاہیئے کہ محالات ضروری میں بے ہمتا کرے اور اس کے تابع ہو جائے کیونکہ یہ طریق آزادوں کا نہیں۔ جب ضرورت ہو تو بازار میں لین دین کو جانا چاہیئے یا بادشاہوں کے حضور میں سپہ گری کو۔ اس کو آزادوں کی صحبت سے کیا کام ہے۔

روایت ہے کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے اصحاب کے ساتھ ریاضت کے لیے بیٹھے تھے ایک مسافر آیا۔ اس کی مہمانداری میں انہوں نے تکلیف کیا اور کھانا لائے اس نے کہا مجھے علاوہ اس کے فلاں چیز درکار ہے۔ جنید نے فرمایا تجھے بازار میں جانا چاہیئے تو بازاری آدمی ہے صاحب مسجد و حجرہ نہیں۔

ایک دفعہ میں نے دمشق کے درویشوں کے ساتھ ابن العلا کی زیارت کے لیے جانے کا قصد کیا۔ یہ رملہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ راستے میں ہم نے آپس میں باتیں کیں کہ کچھ دل میں سوچ کر چلو تاکہ وہ حضرت ہمیں ہمارے باطن سے مطلع کریں۔ اور ہماری مشکل حل ہو۔

میں نے دل میں سوچا کہ مناجات ابن حسین کے اشعار ان سے سنوں۔

دوسرے نے سوچا مجھے طحال کا مرض ہے یہ اچھی ہو جائے۔

تیسرے نے کہا مجھے حلوہ صابونی ان سے لینا ہے۔

جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے ایک جزو کاغذ جس میں اشعار مناجات ابن حسین لکھے تھے میرے آگے رکھ دیئے اور دوسرے کے طحال پر ہاتھ پھیرا وہ جاتی رہی۔ تیسرے کو کہا۔ حلوہ صابونی سپاہیوں کی غذا ہے اور تو اولیا کا لباس رکھتا ہے اور اولیا کے لباس والے [illegible] ایک بات اختیار کر

غرضیکہ مقیم کو اس شخص کے حق کی رعایت ضرور چاہیئے جو اپنے حق کی رعایت میں مشغول ہو اور حظ کا تارک ہو۔ جب کوئی حظ پر قائم ہو تو محال ہے کہ دوسرا شخص اس کے حظ حاصل ہونے میں اس سے متفق ہو کیونکہ درویش ایک دوسرے کو راستہ دکھانے والا ہوتا ہے نہ گمراہ کرنے والا۔ جب کوئی اپنے حظ پر قائم ہو تو دوسرے کو چاہیئے کہ اس کے برخلاف ہو اور جب وہ اپنے حظ کو ترک کر دے تو اس کے حظ پر قائم ہونا چاہیئے تاکہ دونوں حال میں بامراد ہو اور گمراہ نہ ہو۔

ایک خبر مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان اور ابوذر غفاری میں رشتہ داری کی تھی اور دونوں سرگروہان اہل صفہ تھے اور صاحب باطن۔ ایک روز سلمان ابوذر کے گھر زیارت کو آئے۔ ابوذر کے عیال نے سلمان سے شکایت کی کہ تمہارے بھائی دن میں کچھ نہیں کھاتے اور رات میں سوتے نہیں۔ سلمان نے کہا کچھ کھانے کی چیز لاؤ۔ چنانچہ لائی گئی۔ حضرت سلمان نے ابوذر کو کہا بھائی میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کھائیں کیونکہ یہ روزہ آپ پر فرض نہیں ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد سلمان کی اور کھایا۔

جب رات ہوئی تو فرمایا۔ بھائی آپ کو اب بھی میرے ساتھ موافقت کرنی چاہیئے اور سونا بھی اختیار فرمائیں اس لیے کہ ان لجسدك عليك حق و ان لزوجك عليك حق و ان لربك عليك حق ۔ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوذر حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا۔ میں بھی وہی کہتا ہوں جو کل تجھے سلمان نے کہا۔ ان لجسدك عليك حق ۔

چونکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنے حصہ کو چھوڑے ہوئے تھے۔ حضرت سلمان نے ان کے حظ یعنی حصہ کو قائم فرمادیا۔ چنانچہ حضرت ابوذر نے اپنا معمول چھوڑ دیا۔ اس اصل پر جو کچھ کوئے وہ صحیح و محکم ہے۔ ایک وقت میں عراق میں دنیا کی طلب اور خرچ میں جسارت کر رہا تھا۔ حتی کہ مجھ پر قرض بہت ہو گیا۔ جس کسی کو ضرورت ہوتی وہ میری طرف آتا اور میں ان کی خواہشیں پوری کرتے کرتے تھک گیا۔ وقت کے ایک سردار نے مجھے لکھا۔ اے بیٹا دیکھ اپنا دل خدا تعالیٰ سے نہ ہٹانا۔ اس دل کی فراغت کے سبب جو حرص و حرص میں مشغول ہو تو اگر

کوئی اپنے دل سے اپنے کو عزیز پائے وہ جائز ہے۔ اس لیے کہ اس دل کے فارغ کرنے میں دل کو مشغول کرے اور یہ کام چھوڑ دے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو کافی ہے۔

اب یہ مقیموں کے حکم ہیں جو مسافروں کی صحبت میں بیان ہوتے ہیں۔

تئیسواں باب

آدابِ صحبتِ سفر

جب کوئی درویش سفر اختیار کرے اور اقامت ترک کرے تو اس کے لیے شرط ادب یہ ہے کہ اول وہ سفر خدا کے لیے کرے نہ اتباعِ خواہش کے لیے جیسے ظاہر میں سفر کرے اور باطن کو بھی خواہش نفسانی سے پاک کرے ہمیشہ با طہارت رہے اور اپنے معمولات و اوراد کو ضائع نہ کرے۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس سفر میں حج یا جہاد یا طلبِ علم یا زیارتِ شیخ یا قبرِ ولی پیشِ نظر ہو ورنہ اس سفر میں خطادار ہوگا۔

سفر کرتے وقت اپنے ساتھ کملی، مصلّے، کوزہ اور جوتا، رسی، عصا ضرور ساتھ رکھے تاکہ کملی سے سترِ عورت کر سکے۔ مصلّے پر نماز پڑھ سکے۔ کوزہ سے طہارت کے قابل پانی لے سکے عصا کے ذریعے آفات سے محفوظ رہے۔ مسافر کے اس میں اور بھی مقصد ہوتے ہیں۔ جوتا اور پاتابہ تو اس لیے کہ وضو کر کے مصلّے تک آ سکے۔ اور اگر اس سے زیادہ چیزیں اس نیت سے رکھے کہ سنّت کامل ادا کر سکے جیسے کنگھی، ناخن گیر، سوئی دھاگہ، سرمہ دانی، مسواک تو بھی بہتر ہے۔

پھر اگر کوئی اس سے زیادہ چیزیں اپنی آرائش کے لیے رکھے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ کس مقام میں ہے۔ اگر وہ ان اشیاء کی محبت رکھتا ہے تو ہر ایک چیز اس کے لیے گرفتاری کا موجب ہے اور بمثل بت اور دیوار اور حجاب کے ہے اور اس سے رعونتِ نفس پیدا ہوگا۔ اور اگر تمکین و استقامت کے مقام میں ہے تو اس کے لیے یہ اور اس کے علاوہ اور بھی درست ہے۔

میں نے [illegible] کہ ایک مدت شیخ ابو سعید

ابوالخیر فضل اللہ بن محمد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تاکہ ان کی زیارت کریں۔ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ
ایک تخت پر چاروں طرف تکیہ لگائے اور پیروں کے نیچے علیحدہ تکیہ رکھے آرام کر رہے ہیں اور دو دار
مصری اوڑھے سو رہے ہیں اور میں ایک میلا کمل شل چرم گاڑھا چرک آلودہ کے اوڑھے بیٹھا اور ریاضت
مجاہدہ سے رنگ زرد کئے ہوئے تھا۔ ان کا یہ مال و منال اور جاہ و جلال دیکھ کر اپنے دل میں بداعتقاد
ہوا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں بھی ایک درویش ہوں اور یہ بھی ایک درویش ہے کہ اس قدر آرام
میں ہے اور میں اس قدر ریاضت میں ہوں۔

وہ اس وقت میرے باطن سے واقف ہوئے اور میرے غرور اور بددلی کو دیکھا۔ مجھ سے فرمایا۔
اے ابو مسلم تو نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ مغرور آدمی درویش ہوتا ہے۔ جب میں نے تمام کائنات
میں حق ہی حق دیکھا تو حق تعالیٰ نے مجھے تخت نشین کیا اور جب تو نے صرف اپنے کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ
نے تجھے نیچے رکھا۔ ہمارے حصہ میں مشاہدہ آیا اور تیرے حصہ میں مجاہدہ۔ اور یہ دونوں مقام مقامات
حق سے ہیں اور حق تعالیٰ اس سے پاک ہے اور درویش مقامات سے فانی اور حالات سے بچا
ہوا ہوتا ہے۔

شیخ ابو مسلم فرماتے ہیں کہ میرے ہوش جاتے رہے اور مجھ پر اندھیرا چھا گیا۔ جب ہوش آیا
تو میں نے توبہ کی۔ انھوں نے توبہ منظور فرمائی۔ پھر میں نے عرض کیا۔ اے شیخ مجھے اجازت ہو کہ
میں چلا جاؤں۔ اس لیے مجھ میں آپ کی زیارت کی تاب نہیں۔ فرمایا اے ابو مسلم تو سچ کہتا ہے۔ پھر
بطور تمثیل یہ شعر پڑھا ؎

آنچہ گوشم نتوانست شنیدن بخبر ہمہ چشم بعیان یکسرہ دیدآں بصر

جس کی خبر میرے کان نہ سن سکیں وہ میری آنکھوں نے ظاہرا دیکھ لیا۔

تو مسافر کو چاہیے کہ ہمیشہ حافظ سنت رہے۔ جب کسی مقیم کے پاس جائے تو ادب سے اس
کے پاس آئے اور سلام کرے پہلے بایاں پاؤں دروازے سے نکالے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔ جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے۔ پھر بائیں میں اور جب پاؤں
دھوئے تو پہلے داہنا پاؤں دھوئے پھر بایاں پاؤں۔ پھر دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھے۔ پھر رعایت
حقوق درویشاں میں مشغول ہو اور مقیموں کے حال پر اعتراض نہ کرے۔ اور نہ کسی سے زیادتی کرے
نہ اپنے سفر کی سختیاں بیان کرے۔ اور لوگوں میں جب بات کرے بزرگوں کی حکایتیں روایتیں اور

علم کی باتیں کرے اور چاہیئے کہ جاہلوں سے تکلیف برداشت کرے اور بنام خداوند ان کا بوجھ اٹھائے کیونکہ اس میں بہت سی برکتیں ہیں۔ اگر مقیم یعنی میزبان یا اس کے ذکر اس پر حکم کریں اور اس کو اہل کوچہ کے سلام یا کسی کی زیارت کے واسطے بلائیں تو اگر ہو سکے تو خلاف نہ کرے لیکن دل سے دنیا داروں کی رعایت سے منکر ہونا چاہیئے۔

یہ بھی لازم ہے کہ اپنی غرض حاصل ہونے کے لیے میزبانوں کو تکلیف نہ دے اور ان کو اپنے آرام و خواہشات کے لیے امیروں اور ملازمان شاہی کے حضور میں نہ لے جائے۔ غرضیکہ مقیم اور مسافر کو صحبت میں رضاء الٰہی کا طالب رہنا چاہیئے اور ایک دوسرے سے حسن ظن رکھ کر آپس میں منافرت سے محترز رہیں اور غیبت نہ کریں۔ اس لیے کہ صاحب حق پر خلقت کی بات کرنا بڑا ہے۔ کیونکہ محقق جب دیکھتے ہیں تو فاعل کا فعل دیکھتے ہیں اور جب خلقت کو جس صفت پر دیکھا جائے تو خالق عالم کی صنعت سمجھے۔ کوئی عیب دار یا بے عیب یا محجوب یا اہل کشف ہو تو اس کے فعل پر جھگڑنا اس کے فاعل سے جھگڑنا ہے۔

اور جب بشریت کی آنکھ سے خلقت کی طرف نگاہ کی جائے تو سب کو ترک کرے اور جانے کہ سب خلقت مقہور و مغلوب ہے اور عاجز محض ہے۔ ہر ایک یہی کام کر سکتا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی پیدائش ہی ایسی ہے اور خلقت کو اس کے ملک میں حق تصرف نہیں اور بدون اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی حالت سے بدلنے کی طاقت نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

چوبیسواں باب

کھانے کے آداب

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو غذا کے بغیر چارہ نہیں۔ اس لیے کہ قوامِ بدن اور ترکیبِ طبیعت طعام و شراب کے سوا نا ممکن ہے لیکن شرطِ مروت یہ ہے کہ اس میں زیادتی نہ کرے اور دن رات کھانے کی فکر میں ہی مشغول نہ ہو۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ مَنْ کان همته ما یدخل فی جوفه کان قیمة ما یخرج منه۔ جو اس بات کی ہمت کرے کہ جو کچھ اسے پیٹ میں بھرے۔ اس کی قیمت وہی ہے جو پیٹ سے نکلی ہوئی چیز کی ہوتی ہے اور مزید راہِ حق کے لیے کھانے سے زیادہ مضرت رساں کوئی چیز نہیں ہے اور اس سے زیادہ اس کتاب کے باب الجوع میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اسی قدر مناسب ہے اور حکایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابویزید سے پوچھا کہ آپ بھوک کی زیادہ تعریف کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر فرعون بھوکا رہتا تو ہرگز انا ربکم الاعلیٰ نہ کہتا۔ اور اگر قارون بھوکا ہوتا تو نافرمانی نہ کرتا اور ثعلبہ جب تک بھوکا رہا لوگ اس کی تعریف کرتے تھے۔ جب سیر ہوا تو اس نے نفاق ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی صفت میں ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ۔ فرما رہا ہے یعنی انہیں چھوڑ دو کھائیں اور چند دن متمتع ہو لیں تو عنقریب وہ جان لیں گے اور فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۔ جو کافر ہوئے اور دنیا سے تمتع حاصل کر کے کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ شراب سے پیٹ بھرنا حلال کھانے سے پیٹ بھرنے کی نسبت مجھے زیادہ پسند ہے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسے صحیح ہے فرمایا۔ جب شراب سے پیٹ بھرتا ہے تو عقل آرام کرتی ہے اور شہوت کی تسکین ہوتی ہے اور خلقت اس کے ہاتھ اور زبان سے امن میں ہوتی ہے۔ لیکن جب حلال کھانے سے پیٹ پُر ہوتا ہے تو بیہودہ گوئی چاہتا ہے اور شہوت زور پکڑتی ہے اور نفس اپنے

نصیب کی طلب میں سر اٹھاتا ہے کیونکہ مشائخ نے ان کی صفت میں کہا ہے۔ اکلھم اکل المرضی ونومھم نوم الغرقی وکلامھم کلام الثکلی۔ ان کا کھانا بیماروں کا سا کھانا ہے۔ ان کی نیند غرق ہونے والوں کی سی نیند اور کلام ان کا مرے ہوئے بچے کی ماں کا سا بولنا ہے۔

کھانے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ جب کھائے تو تنہا نہ کھائے بلکہ اپنے کھانے میں سے ایثار کرے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شَرُّ النَّاسِ مَنْ اَکَلَ وَحْدَہٗ وَضَرَبَ عَبْدَہٗ وَمَنَعَ رِفْدَہٗ بدترین انسان وہ ہے جو تنہا کھائے اور غلام کو مارے اور بخشش و جود سے روکے۔ اور جب دسترخوان پر بیٹھیں تو خاموش نہ بیٹھیں۔ کھانا شروع کریں تو بسم اللہ سے شروع کریں اور دسترخوان پر کوئی ایسی چیز نہ رکھیں اور نہ دکھائیں جس سے ساتھی کراہت کریں۔ اور شروع لقمہ نمکین سے ہونا چاہیئے اور اپنے ساتھی کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ سے لوگوں نے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا کہ عدل یہ ہے کہ اپنے رفیق کے لقمہ میں رفیق سے انصاف کرے۔ اور احسان یہ ہے کہ رفیق کو لقمہ میں زیادہ حق دار سمجھے۔

اور میرے شیخ فرماتے ہیں کہ میں اس مدعی سے تعجب کرتا ہوں جو کہے کہ میں تارک الدنیا ہوں اور لقمہ کی فکر میں ہو اور کہا کہ اپنے ہاتھ سے کھائے اور دوسرے کے لقمے کی طرف نظر نہ ڈالے اور کھانے میں پانی کم پیوے۔ مگر جب پیاس پوری لگ رہی ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور جب کھائے تو کم کھائے تاکہ جگر تر ہو جائے اور لقمہ بڑا نہ اٹھائے اور اچھی طرح چبا کر کھائے۔ جلدی نہ کرے کیونکہ جلدی کھانے سے بدہضمی کا خوف ہوتا ہے اور سنت کے خلاف ہے۔ جب کھانے سے فارغ ہو تو الحمد للہ کہے اور ہاتھ دھوئے۔ اور جو لوگ ساتھیوں سے خفیہ دعوت میں جائیں اور کھائیں تو بعض مشائخ فرماتے ہیں یہ حرام ہے اور یہ مجلس کے ساتھ خیانت ہے اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ یعنی یہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھرتے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ جب جماعت ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو تو تنہا دعوت جانا جائز ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر ایک ہو تو جائز ہے اور اگر چند مصاحب ہوں تو انصاف سے جو حقدار ہو اُسے بھیجا جائے۔ اس لیے کہ تنہا پن سے حکم مجلس اُٹھ جاتا ہے۔ اس سے مضائقہ نہیں ہوتا۔

اور سب سے بڑی بات مذہب صوفیاء میں یہ ہے کہ درویش کی دعوت رد نہ کرے اور دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے۔ ان کے گھر نہ جائے اور ان سے کچھ نہ مانگے کیونکہ اہل طریقت کی اس میں توہین ہے۔ اس لیے کہ دنیا دار درویش کے محرم نہیں۔ حتیٰ کہ مردانِ طریقت دنیا دار سے نفع میں نہ ہوں اور اس کی قلت سے درویش نہیں۔ اور جو فقر کو غنا پر فاضل ہونے کا معترف ہو وہ دنیا دار نہیں ہوتا اگرچہ بادشاہ ہو اور جو فقر کا منکر ہو وہ دنیا دار ہے اگرچہ بھوکا ننگا ہو اور جب دعوت میں جائے تو کھانے زیادہ کھانے میں تکلف نہ کرے بمطابق ضرورت اور وقت کے بسر کرے اور جب دعوت محرم ہو تو جائز ہے کہ قبیلے کو لے جائے اور اگر محرم نہ ہو تو اس کے گھر جانا جائز نہیں۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ ذلۃٌ مہمانی کرنا ہی ذلت ہے۔

وباللہ التوفیق

پچیسواں باب

چلنے پھرنے کے آداب

اللہ عزوجل فرماتا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا الآیہ اللہ تعالیٰ کے بندے زمین پر باتمکین اور آہستہ چلتے ہیں۔ بندے پر یہ لازم ہے کہ طالب حق ہو کر اپنی رفتار میں جو قدم رکھے وہ ایسے رکھے کہ اس میں یہ نہ جانے کہ یہ قدم کس چیز پر چلتا ہے اور وہ قدم اس پر ہے یا اس کا ہے۔ اگر اس پر ہے تو استغفار کرے اور اگر اس کا ہے تو کوشش کرے تاکہ زیادہ ہو جائے۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک روز انہوں نے کچھ دوا کھائی تھی۔ لوگوں نے کہا۔ کچھ دیر گھر کے صحن میں ٹہلئے تاکہ دوا کا فائدہ ظاہر ہو جائے۔ آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ چند قدم اپنے نفس کی خواہش سے چلا۔ چنانچہ جبار جلیل فرماتا

ہے وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ اور گواہی دیں گے ان کے قدم جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تو درویش کو چاہیئے کہ ہوشیاری سے مراقبہ میں جائے اور سر جھکا کر بیٹھے اور کسی طرف نہ دیکھے اور راستہ میں اگر کوئی تنہا ہے تو اپنے آپ اس سے نہ کھینچے اور کسی سے اپنے کپڑے کو مس نہ کرے کیونکہ مومن اور اس کا کپڑا پاک ہے اور یہ رعونت اور خود نمائی ہے البتہ اگر سامنے ملنے والا کافر ہے اور اس پر پلیدی ظاہر ہے تو اجتناب جائز ہے تاکہ اس سے اپنے کو بچائے اور جب جماعت کے ساتھ چلے تو آگے چلنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ نمائش چاہنا متکبر کا کام ہے اور سب سے پیچھے چل کر تواضع کا ارادہ بھی نہ کرے اس لیے کہ اپنے اندر تواضع پیدا کرنا بھی عین تکبر ہوتا ہے۔ چلنے میں بحد امکان اپنا جوتا چپل پلیدی سے بچائے تاکہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شب میں اسے گندگی سے محفوظ رکھے۔ اور جب جماعت یا ایک درویش راستہ میں اس کے ساتھ ہو تو کسی کے واسطے کھڑا نہ ہو اور اپنے ساتھیوں کو زحمت انتظار میں تکلیف نہ دے۔ جب چلے آہستہ چلے تیز رفتاری نہ کرے کہ یہ حریصوں کی رفتار ہے اور آہستہ خرامی میں سعی نہ کرے کہ یہ بھی متکبروں کی رفتار ہے اور قدم ثابت رکھے اور لازم ہے کہ طالب کی چال ایسی صفت سے ہو کہ اگر کوئی اسے پوچھے کہ کہاں جا رہا ہے تو وہ کہہ سکے اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ مجھے ہدایت فرمائے گا۔ اور اگر اس چال کے علاوہ چلے گا تو یہ چلنا اس کے لیے وبال ہوگا۔ اس لیے کہ قدم حقیقت کے خیال سے ہے تو جس کا اندیشہ جمع ہوتا ہے اس کا حق پر چلنا اس کے اندیشہ کے تابع ہوتا ہے۔

حضرت ابو یزید سے روایت ہے کہ درویش کا بے مراقبہ چلنا نشانِ غفلت ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ حاصل ہوتا ہے دو قدم میں ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ایک قدم نصیب پر رکھا جاتا ہے دوسرا فرمانِ حق کے ساتھ۔ ایک قدم اٹھاتا ہے دوسرا اس کی جگہ رکھتا ہے اور طالب کی چال قطع سفر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ قریب سفر سے نہیں اور جب اس کا قرب سفر سے نہیں تو طالب کا کام ہے کہ محل سکون میں قدم پریدہ ہو کر رہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

چھتیسواں باب

سفر و حضر میں سونے کے آداب

مشائخ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا سفر و اقامت میں سونے پر بہت اختلاف ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک مرید کا سونا مسلم نہیں مگر جب نیند غلبہ کرے تو مضائقہ نہیں کیونکہ نیند دفع نہیں ہو سکتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ۔ نیند موت کا بھائی ہے۔ اور زندگی نعمت خداوندی ہے اور موت بلا ہے اور ظاہر ہے کہ نعمت بلا سے افضل ہے۔

شبلی علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اطلع الحق علی فقال من نام غفل ومن غفل حجب مجھے اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا کہ جو سویا غافل ہوا اور جو غافل ہوا وہ محجوب ہوا۔

ایک جماعت کہتی ہے مرید کو بحالت اختیار سونا جائز ہے اور خواب میں تکلف نہ کرے مگر جب کہ بہر امر کا حق بجا لایا ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رفع القلم عن ثلث عن النائم حتی ینتبہ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یفیق تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھ جاتی ہے اور مرفوع القلم ہو جاتا ہے یعنی اس سے مواخذہ نہیں۔ ایک سویا ہوا جب تک بیدار نہ ہو۔ دوسرا بچہ جب تک بالغ نہ ہو تیسرا دیوانہ جب تک ہوش میں نہ آجائے۔ کیونکہ مخلوقات اس کی بدی سے امن میں رہتی ہے اور اس کا اختیار رکا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس کا نفس مردوں جیسے بے خبر ہوتا ہے اور کراماً کاتبین اس کے اعمال لکھنے سے آرام میں رہتے ہیں اور اس کی زبان دعویٰ سے کوتاہ اور دروغ باقی اور غیبت سے محفوظ رہتی ہے اور اس کی عبادت تکبر وریا سے جدا ہوتی ہے۔ لا یملک لنفسہ ضراً ولا نفعاً ولا موتاً ولا حیوٰتاً ولا نشوراً۔ وہ اپنے نفس کے نقصان اور نفع اور موت وحیات کا مالک نہ ہوگا اور نہ نشر کا مختار ہوگا۔ لا شیٔ اشد علی ابلیس من نوم العاصی فاذا نام العاصی یقول متی

ینتبہ ویقوم حتی یعصی اللہ شیطان پر گنہگار کی نیند سے کوئی چیز زیادہ سخت نہیں تو جب
گنہگار سو جاتا ہے تو شیطان کہتا ہے کب بیدار ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

اس میں جنید اور علی بن سہل اصفہانی خلاف ہیں اور اس کے متعلق علی بن سہل نے جنید
کو ایک لطیف خط لکھا ہے۔ علی بن سہل نے جنید کو جو لکھا وہ سننے میں نہیں آیا بلکہ اس سے مقصود
یہ ہے کہ علی بن سہل نے جنید کو فرمایا اور اس نامہ میں یہ لکھا کہ خواب غفلت ہے اور حوادث کا
قرار اور محب کو لازم ہے کہ غفلت و قرار سے اعراض کرے۔ اور محب کو چاہیئے کہ روز و شب میں قرار
نہ ہو اور اگر اسے غنودگی بھی ہوئی تو اس کا حال مقصد سے مفقود ہو گیا۔ اور وہ اپنے حال سے
غافل ہو کر حق تعالیٰ کی طرف سے رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی یا
داؤد کذب من ادعی محبتی فاذا جنہ اللیل نام۔ اے داؤد وہ جھوٹا ہے جو دعویٰ
کرے میری محبت کا اور جب رات ہو تو سو جائے اور میری محبت سے بے تعلق ہو جائے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب لکھا۔ ہمارا بیدار رہنا راہ حق میں ہمارا عمل ہے اور
ہمارا سونا فعل الٰہی ہے تو ہم سے جو راہِ حق میں بے اختیار ہو جائے وہ اس سے زیادہ کامل ہوتا ہے
جو ہمارے اختیار سے حق کے ساتھ ہو۔ والنوم موھبۃ من اللہ تعالیٰ علی المحبین
اور نیند حق تعالیٰ کی طرف سے محبین پر عطا ہے اور اس کا مسئلہ کا تعلق صحو اور سکر سے ہے اور اس کا مفصل
بیان ہو چکا ہے لیکن یہ بیان عجیب ہے کہ جنید رضی اللہ عنہ صاحبِ صحو تھے اور یہاں انھوں نے
سکر کی قوت دی اور وہ اس وقت مغلوب ہوتے ہیں اور ان کی زبان وقت پر ناطق ہو گئی۔ اور یہ
بھی ممکن ہے کہ اصلیت اس کے برخلاف ہو کیونکہ خواب خود عین صحو ہے اور بیداری عین سکر۔
اس لیے کہ خواب آدمی کی صفت ہے۔ جب تک آدمی اپنے اوصاف کے اندھیرے میں ہو صحو
ہے اور صحو سے ہی اُسے منسوب کرتے ہیں اور نہ سونا حق کی صفت ہے اور جب آدمی اپنی صفت
سے مراد ہو تو مغلوب ہوتا ہے۔

میں نے ایک جماعتِ مشائخ کو دیکھا کہ خواب کو بیداری سے افضل جانتی ہے۔ جیسے جنید افضل
جانتے ہیں۔ اس لیے کہ تمام بزرگوں، ولیوں اور اکثر پیغمبروں کے خواب سے تعلق رکھتی ہے۔
یعنی خواب دیکھتے ہیں اور اپنا مقصد پاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا۔ ان اللہ
یباھی بالعبد الذی ینام فی سجودہ ویقول اللہ انظروا یا ملائکتی الی

عبدی روحہ فی محل النجوی و بدنہ علی بساط العبادۃ ۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے جب بندہ کو سجدہ میں سویا ہوا پاتے ۔ فرماتا ہے۔ اے میرے فرشتو! اس بندہ مومن کو دیکھو کہ اس کی جان راز گوئی میں ہے اور اس کا بدن بساط عبادت پر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من نام علی طہارۃ یوذن لروحہ ان یطوف بالعرش ویسجد للہ تعالیٰ جو باطہارت سو جائے اس کی روح کو اجازت ہے کہ عرش کا طواف کرے اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ اور میں نے حکایتوں میں معلوم کیا ہے کہ شاہ شجاع کرمانی چالیس سال بیدار رہے۔ جب ایک رات سو گئے تو لقاء ربانی نصیب ہوا۔ پھر وہ ہمیشہ لقاء کی امید میں سو جاتے۔

ایک جماعت کو میں نے دیکھا کہ وہ بیداری کو سونے سے افضل جانتی ہے۔ جیسے علی بن سہل رضی اللہ عنہ۔ اس لیے کہ وحی کا رسولوں پر آنا اور اولیاء کی کرامتیں بیداری میں ہوتی ہیں۔

ایک شیخ فرماتے ہیں۔ لو کان فی النوم خیر الکان فی الجنۃ ۔ اگر نیند میں بہتری ہوتی تو وہ جنت میں بھی ہوتی کیونکہ جنت مقام قرب کا نام ہے اور قرب میں نیند ہوتی اور نیند چونکہ حجاب ہے تو معلوم ہوا حجاب جنت میں نہیں۔ اور ارباب لطائف فرماتے ہیں کہ جب آدم صفی اللہ بہشت میں سو گئے تو ان کے بائیں پہلو سے حضرت حوا پیدا ہوئیں اور سب بلائیں جو آپ پر وارد ہوئیں حضرت حوا کے باعث ہوئیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فرمایا۔ یابنی انی اری فی المنام انی اذبحک ۔ بیٹا میں نے خواب میں دیکھا کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا۔ ابا جان !

ھذا جزاء من نام عن حبیبہ لو لم تنم لما امرت بذبح الولد

یہ جزا ہے اس کی جو اپنے حبیب سے غافل ہو کر سو جائے۔ اگر آپ نہ سوتے تو بیٹا ذبح کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ تو آپ کے خواب نے آپ کو بے پسر کیا اور مجھے بے جان لیکن میرا درد تو ایک ساعت ہوگا مگر آپ کا درد دوامی ہے۔

جمیل بن عامر نے خوب کہا ہے ؎

وانی لاستنعس ومالی نعسۃ لعل خیالا منک یلقی خیالیا

(میں بیشک نیند چاہتا ہوں اور مجھے نیند نہیں شاید کہ خواب میں تیرے خیالات میرے خیالات سے ملیں) ۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہر رات آپ نمک کا پانی سکورے میں بھر کر اپنے سامنے رکھتے اور ایک سلائی۔ جب غلبہ خواب ہوتا تو سلائی بھر کر آنکھوں میں ڈالتے۔

اور میں علی بن عثمان جلابی نے ایک پیر مرد کو دیکھا کہ جب ادائے فرض سے فارغ ہوتا سو جاتا اور شیخ احمد سمرقندی کو دیکھا۔ آپ بخارا میں تھے کہ چالیس رات خواب نہ فرماتے اور دن میں تھوڑی دیر سوتے۔ یہ مسئلہ اس طرف راجع ہے کہ جب کسی کے خیال میں موت زندگی سے بہتر ہو اُسے چاہیئے کہ زیادہ سوئے اور جس کے نزدیک زندگی موت سے محبوب ہو اُسے چاہیئے کہ جاگے تو قدر و قیمت اُسے بیداری کی نہیں ہو سکتی جو تکلیف سے بیدار رہا بلکہ بیداری کی قدر اُسے ہے جسے بیدار رکھنے والا بیدار رکھے۔

جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرما کر ود جو حال پر پہنچایا۔ آپ نہ خواب میں تکلف فرماتے نہ بیداری میں۔ پھر جب فرمان حق آیا۔ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا۔ شب میں بیدار رہو مگر تھوڑے۔ آدھی رات یا اس سے کم۔ تو قدر و قیمت اسے کیا ہو جو بتکلف سوئے۔ قدر و قیمت اُسے ہی ہو سکتی ہے جسے سُلانے والا سُلاتے جیسے اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو برگزیدہ فرما کر اعلیٰ مقام بخشا اور بیانِ کفر ان کی گردن سے اُتارا۔ وہ نہ سونے میں تکلف کرتے ہیں نہ بیداری میں۔ حق تعالیٰ نے انہیں خواب ہی میں رکھا اور وہ بے اختیار غیر حق تعالیٰ میں پرورش پا رہے ہیں جیسا کہ فرمایا وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ۔ یہ دونوں بے اختیاری کے حال میں ہیں۔ اور جب بندہ کسی ایسے درجے پر پہنچ جائے کہ بے اختیار ہو اور سب سے بے تعلق ہو جائے اور اس کا رابطہ غیر سے منقطع ہو جائے تو اگر سو جائے یا بیدار رہے جس حال حال میں بھی ہو عزیز حق ہوتا ہے۔ تو مرید کا سونا ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ اس سونے کو آخری سونا سمجھے اور گناہوں سے توبہ کرے اور دشمنوں کو خوش کرتا ہوا پاکیزہ لباس میں رو بہ قبلہ ہو کر دنیاوی کاروبار سے دست بردار اور نعمت اسلام پر شکر گزار ہو۔ اور یہ عہد کرے کہ اگر بیدار ہوگا تو پھر گناہ نہ کرے گا۔ تو جس نے بحالت بیداری اپنا کام تمام کیا۔ اُسے نہ خواب کا خوف اور نہ موت کا خطرہ

مشہور حکایتوں میں ہے کہ ایک پیر اس امام کے پاس جایا کرتا تھا جو تبر اور کلاہ پوشی اور دعوت میں رہ چکا تھا [illegible] اس سے [illegible] پہنچا کہ

یہ مرد ہر وقت مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔ ایک روز اس نے امام سے کہا کہ آج میں تمام عیب ترک کر کے اطاعت شروع کروں گا۔

جب دوسرے دن وہ آیا تو امام نے کہا اسے پیر اب مرنا چاہیئے۔ اس نے مصلیٰ بچھایا اور سر رکھا لیٹ گیا اور کہا میں مرتا ہوں اور جان دے دی۔ امام کو اس سے آگاہی ہوئی۔ اس نے کہا یہ پیر مجھے کہا کرتے تھے کہ موت کے لیے تیار رہو۔ اور آج خود رخصت ہو گئے۔ اور مریدوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ جب تک نیند غالب نہ ہو سونا نہ چاہیئے اور جب بیدار ہو تو اسے دوبارہ سونا حرام ہے۔ اس بحث میں بہت طویل کلام ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

ستائیسواں باب

بولنے اور چپ رہنے کے آداب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا اور فرمایا قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا اور فرمایا قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔ اور کون اچھا ہے بات میں جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور نیک عمل کئے۔ اور کہو تم سب ہم ایمان لائے۔ اور قول معروف۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اچھے کام کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جیسے اس کی خداوندی کا اقرار اس کی ثنا و صفت مخلوق کو اس کی طرف آنے کی دعوت دینا اور بندہ کلام حق تعالیٰ کی روشنی میں تمیز اور منتخب کیا ہوا ہے جیسے فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔ ایک جماعت مفسرین اس معنی میں اعزاز بہ کلام حق مراد لیتی ہے۔ اور اگرچہ کلام حق بندہ پر بہت بڑی زبردست نعمت ہے لیکن اس کی ذمہ داری کی آفت بھی بہت بڑی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ... ف ما اخاف علی امتی اللسان زیادہ جو بے ...

میں اپنی آفات پر خوب کرتا ہے اور وہ مغرور بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ کلام مثل شراب ہے کہ عقل کو مست کرتی ہے۔ انسان جب اس کے پینے میں مبتلا ہوتا ہے بچ نہیں سکتا۔

جب اہل طریقت پر یہ امر منکشف ہوا کہ کلام بھی ایک آفت ہے تو انہوں نے بلا ضرورت کلام ترک کر دیا اور اپنے ہر کلام کی ابتدا و انتہا پر خاص نگران رہے اور اگر وہ تمام کلام حق ہوا تو کہہ دیتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں اس لیے کہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ راز دان ہے۔ اور وہ بہت بڑے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو راز دان نہیں جانتے چنانچہ فرمایا۔ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ۔ کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کے رازہائے نہاں نہیں جانتے۔ یہ غلط ہے بلکہ ہم بھی جانتے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس ہو کر لکھتے ہیں۔ اور ہم عالم الغیب ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ تو خاموشی میں جو فائدہ ہے وہ کلام کرنے میں نہیں۔ اس لیے کہ بولنے میں بہت آفتیں ہیں۔

ایک جماعت مشائخ کرام رحمہم اللہ تو خاموشی کو بولنے پر فضیلت دیتی ہے اور ایک جماعت کلام کو خاموشی پر ترجیح دیتی ہے۔ ان میں سے حضرت جنید نے فرمایا کہ عبارتیں تمام دعوے ہیں اور جہاں معنی ثابت ہوں وہاں دعوے بے فائدہ ہوتا ہے اور ایک وقت ہوتا ہے کہ بحالتِ اختیار قول ساقط کرنے میں معذور ہوتا ہے اور جب حالتِ خوف میں ہو تو باوجود قدرت کلام نہ کلام کرنے کا عذر ہوتا ہے لیکن معنی ساقط نہیں ہوتے اور اگر حقیقتِ معرفت کا انکار کرے تو جب معنی باقی ہوں تو بلا زبان کہنا موجود ہوتا ہے۔ اور کسی وقت بندہ بغیر معنی کے صرف دعوے سے معذور نہیں ہوتا۔ اس کا حکم منافق کا ہے اس لیے کہ بے معنی دعویٰ نفاق ہے اور بلا دعویٰ اور بے معنی اخلاص لان من اسس بنیانه علی بیان استغنی فیما بینه وبین ربه من اللسان اس لیے کہ جو بنیاد ڈالے اس پر کہ ایک راز جناب ربانی میں ظاہر ہے۔ اس کے عرض کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یعنی جب بندہ پر راستہ کھلے تو وہ گفتگو کرنے سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور عبارت کے معنی بتانے کو غیر کی خبر دینا سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ تغیر احوال سے بے نیاز ہے۔ اسے پرواہ نہیں کہ بیانِ غیر سے اس کی طرف مشغول ہو اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول من عرف اللہ کل لسانه اس کی تائید کرتا ہے یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کا عرفان دل سے کر لیا۔ اس کی

زبان بیان سے گونگی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عبارت کا بیان حجاب ہے۔

اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر آواز بلند فرمایا یا مراد دی اور اس میں اشارہ حق تعالیٰ کی طرف کیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اے ابا بکر شبلی اگر تیری مراد حق تعالیٰ سے ہے تو تو نے یہ اشارہ کیوں کیا۔ کیونکہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور اگر تیری مراد یہ نہیں تو تو نے کیوں کہا۔ حق تعالیٰ تیرے کہنے پر آگاہ ہے۔ تو حضرت شبلی نے اپنے کہنے پر استغفار کی۔

اور جس جماعت نے کلام کو چپ رہنے پر فضیلت دی وہ کہتے ہیں کہ اپنی حالت حق سے بیان کرنا لازم ہے کیونکہ دعویٰ بھی قائم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی ہزار سال دل اور سر کا عارف ہو اور ضرورت مانع نہ ہو تو اس کا اقرار معرفت سے متعلق نہ ہو اور اس کا حکم کافروں کا ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو شکرِ نعمت اور حمد و ثنا کہنے کا حکم دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واما بنعمت ربک فحدث اپنے رب کی نعمتوں کا بیان کر فرمایا اور تحدیث نعمت یہ کلام ہے اور ہماری طرف سے شنا و حمد یہ بھی کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا بھی فرمایا اور اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں پکارنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ پکارتا ہے اور اس طرح کے اور بیان بھی ہیں۔

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ جس کا حال اپنے وقت سے بیان نہ ہو اس کا وقت وقت ہی نہیں۔ کیونکہ تیرا وقت بیان کرنے والا تیری ذات ہے ؎

لسان الحال افصح من لسانی   وصمتی عن سوالی ترجمانی

میری زبانِ حال میری زبان سے فصیح تر ہے اور میری خاموشی میرے سوال کا ترجمہ ہے۔

میں نے حکایتوں میں دیکھا ہے کہ ایک روز ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے ایک محلہ میں جا رہے تھے کہ ایک مدعی کو دیکھا کہ کہہ رہا تھا۔ السکوت خیر من الکلام فقال الشبلی سکوتک خیر من کلامک وکلامی خیر من سکوتی لان کلامک لغو وسکوتک ہزل وکلامی خیر من سکوتی لان سکوتی حلم وکلامی علم۔ خاموش رہنا بولنے سے اچھا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تیرا خاموش رہنا بولنے سے اچھا ہے اور میرا بولنا خاموش رہنے سے بہتر ہے اس لیے کہ تیرا بولنا لغو اور تیری خاموشی ہزل ہے۔ اور میرا کلام میرے سکوت سے یوں بہتر ہے کہ میرا سکوت بھی حلم ہے اور میرا کلام علم ہے۔ اگر میں علم نہ کہوں تو حلم اس پر

ہے اور کہوں تو علم ہے۔ اگر نہ کہوں تو حلیم ہوں اور کہوں تو علیم۔

اور میں علی بن عثمان کہتا ہوں کہ کلام کی دو قسمیں ہیں اور سکوت بھی دو قسم کے ہیں۔ کلام ایک حق ہے ایک باطل اور سکوت ایک حصولِ مقصود کے لیے۔ دوسرے غفلت میں۔ تو جسے اپنا بیان کرنا در پیش ہو تو اس کی گفتگو اور خاموشی میں دیکھا جائے گا۔ اس کا کہنا حق ہے تو بولنا چپ رہنے سے اچھا ہے اور اگر کلام باطل ہے تو بولنے سے چپ رہنا اچھا ہے اور اگر حجاب اور غفلت سے خاموش ہے تو بولنا چپ رہنے سے بہتر ہے۔ اور بہت لوگ اس پر حیران ہیں۔ ایک گروہ مدعیوں سے بیہودہ اور ہوس کا شکار ہے۔ وہ جو کہتا ہے کہ بولنا چپ رہنے سے افضل ہے۔ اور جاہلوں کا گروہ جو منارہ اور کنوئیں میں فرق نہیں کرتا وہ خاموشی کو بولنے سے اچھا کہتا ہے۔ یہ دونوں کسی کو بلائیں یا خاموش کرائیں ایک سے ہیں۔ الا من نطق اصاب او غلط و من نطق عصم من الشیطٰن جو کلام کرتا ہے یا خطا کرتا ہے یا صحیح بولتا ہے اور جو بلوایا جاتا ہے وہ خطا و خلل سے بچا ہوا ہے۔ جب کہ ابلیس لعنۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ میں اس سے بہتر ہوں اور آدم علیہ السلام بولے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جان پر۔ یہ مدعیانِ طریقت اپنے کلام میں اجازت یافتہ ہو کر اضطرار میں ہوتے ہیں اور خاموشی میں شرم زدہ اور بیچارہ ہوتے ہیں۔ من کان سکوتہ حیاء کان کلامہ حیوٰۃ۔ جو حیا کے باعث خاموش رہا۔ اس کا سکوت دل کو زندہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دیکھ کر کلام کرتا ہے اور بغیر دیکھے کلام کرنا معیوب جانتا ہے اور نہ بولنا بولنے سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ جب تک ہوش میں ہو اور جب بیخود ہو جاتا ہے تو لوگ اس کا بولنا جان پر لکھتے ہیں۔ اسی بنا پر پیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ من کان سکوتہ ذهبا کان کلامہ لغیرہ مذهبا۔ جس کا چپ رہنا بحالت بیخودی ہو اس کا کلام غیر کے لیے مذہب ہوتا ہے تو طالب ربانی کو چاہیئے کہ عبودیت میں محو ہو کر چپ رہے تا کہ ربانی آدمی جس کا کلام ربوبیت سے ہو کلام کرے اور اس کا کلام مریدوں کے دل شکار کرے۔ اور کلام میں یہ ادب ہے کہ بدون امر کے نہ کہے اور امر سے باہر بھی نہ کہے۔ اور چپ رہنے میں یہ ادب ہے کہ جاہل نہ ہو اور نہ جہالت پر راضی اور نہ غافل ہو۔

مرید کو لازم ہے کہ پیروں کی بات میں دخل اور تصرف نہ کرے اور عبارت عجیب اور پراگندہ نہ رہے۔ [illegible] کا شہادت کا [illegible] اقرار توحید کا ہے اسی طرح جھوٹے اور غیبت نہ

کرے اور مسلمانوں کو رنج نہ دے اور درویشوں کو صرف نام سے نہ بلائے۔ اور درویش کے چھپ رہنے کی شرط یہ ہے کہ حق کے سوا کچھ نہ کہے اور اس کی بہت شاخیں ہیں اور بیشمار لطیفے لیکن میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اٹھائیسواں باب

آدابِ سوال و ترکِ سوال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ الحاجت کے ساتھ لوگوں سے سوال نہیں کرتے اور جب ان سے کوئی سوال کرے تو رد نہیں کرتے۔ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ سوال کو نہ جھڑک۔ اور چاہیئے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہ کرے اور غیر کو محل سوال بھی نہ بنائے۔ اس لیے کہ غیر سے سوال جب ہی کیا جائے گا جب اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر غیر خدا کی طرف متوجہ ہو۔ تو جب بندہ اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہو تو وہ رد کر دیا جاتا ہے۔ یعنی پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ نہیں فرماتا۔

مجھے معلوم ہوا کہ ایک دنیا دار نے حضرت رابعہ عدویہ سے عرض کی آپ مجھ سے کچھ مانگیں تاکہ میں آپ کو پیش کروں۔ آپ نے فرمایا مجھے تو خالق دنیا سے مانگتے شرم آتی ہے تو کیا مجھے اپنے جیسے سے سوال کرتے شرم نہ آئے گی۔ کہتے ہیں ابو مسلم صاحب دعوت کے عہد میں ایک بے گناہ درویش پر چوری کی تہمت لگی۔ انہیں قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ جب رات ہوئی ابو مسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔ اے ابو مسلم مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے کہ میرے دوست کو بے گناہ قید خانہ میں بند کیا ہے۔ اٹھ اور اسے نکال۔

ابومسلم خواب سے چونک پڑا: رنگے سر ننگے پیر قید خانہ کے دروازہ پر آیا اور حکم دیا کہ دروازہ کھولو اور اس درویش کو باہر نکالو۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو ابومسلم نے معذرت کی اور عرض کیا حضور کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اے امیر جس کا ایسا خداوند ہو کہ آدھی رات کے وقت ابومسلم کو بستر سے اٹھا کر میری رہائی کیلئے بھیجدے اور اسے قید سے آزاد کرائے اسے کیا یہ جائز ہے کہ اپنی ضرورت غیروں سے پوری کرائے یہ سن کر ابومسلم رو پڑا اور وہ درویش چلے گئے۔

پھر ایک جماعت کہتی ہے کہ درویش کو خلقت سے سوال کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ الحافا فرماتا ہے یعنی لجاجت کئے بغیر وہ لوگوں سے سوال کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام کی ضرورت کے وقت سوال فرمایا اور ہمیں بھی حکم دیا۔ اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوہ۔ اچھی صورت والوں سے حاجتیں طلب کرو۔

دوسرے مشائخ کرام نے سوال تین وجوہ سے جائز رکھا ہے۔ ایک فراغتِ دل کے لیے جو ضروری ہو اور کہتے ہیں کہ ہم دونوں جہان کی وہ قیمت نہیں سمجھتے کہ دن رات اس کے انتظار میں گزاریں اور بحالتِ اضطرار اللہ تعالیٰ کے سوا حاجت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ کوئی شغل کھانے کا جو اس کے انتظار کا ہو کچھ نہیں اور اسی قسم پر حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے شقیق کے مرید کو فرمایا جب وہ آپ کی زیارت کے لیے آیا۔ اول آپ نے حضرت شقیق کا حال پوچھا مرید نے عرض کیا وہ فارغ از خلقت ہو کر توکل میں بیٹھے ہیں۔

حضرت ابویزید نے فرمایا۔ تو واپس جا اور شقیق سے کہہ کہ اللہ تعالیٰ کو دو روٹی پر نہ آزما۔ جب تجھے بھوک ہو تو دو روٹی ہم جنسوں سے مانگ لے اور توکل چھوڑ تاکہ شہر و ولایت تیرے عمل کی نحوست سے غرق نہ ہو اور دوسرے لوگوں نے ریاضتِ نفس کے لیے سوال اختیار کیا ہے تاکہ نفس کو ذلیل کریں اور اپنے دل کو رنج کریں اور اپنی حیثیت سمجھیں کہ ہر ایک ان کی کتنی قدر کرتا ہے۔ پھر تکبر نہ کریں اور کسی کو رنج نہ دیں۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ جب شبلی رحمۃ اللہ علیہ جنید کے پاس آئے۔ جنید نے فرمایا اے ابوبکر شبلی جب تک تیرے سر میں یہ غرور ہے کہ میں خلیفہ صاحب الحجاب کا بیٹا ہوں اور سامرہ کا امیر ہوں تو تجھ سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ جب تک تو بازار میں ہر کس و ناکس سے سوال نہ کرے گا۔ تجھے اپنی قیمت معلوم نہ ہوگی

چنانچہ حضرت شبلی نے ہدایت کے موافق عمل کیا۔ بہر حال ان کی قدر و منزلت کم ہو تی گئی۔ چہ سال میں یہ حال ہو گیا کہ تمام بازار میں پھرے اور کسی نے انہیں کچھ نہ دیا۔ پھر یہ جنید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حال کہنایا۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ اے ابا بکر اب اپنی قدر جان لے کہ خلقت تجھے کس نظر سے دیکھتی ہے۔ تو کبھی اب ان سے دل نہ لگا اور ان کی قدر نہ کر۔ یہ معنی ریاضت کے لیے ہیں کسب کے لیے نہیں۔

اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ایک رفیق موافق رکھتا تھا۔ اسے موت آگئی اور وہ دنیا کی محنت سے عاقبت کی نعمت پر پہنچ گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس نے جواب دیا۔ میں بخشا گیا۔ آپ نے پوچھا کس خصلت کے سبب۔ اس نے عرض کیا مجھے کیا۔ مجھے کھڑا کیا گیا اور مجھ سے کہا گیا اے میرے بندے چونکہ تو بہت ذلیل رہا اور سفلہ لوگوں اور بخیلوں سے تو نے طمع اٹھایا اور ان کے آگے ہاتھ پھیلایا اور صبر کیا۔ تجھے اس سبب سے بخشا گیا۔

تیسرے لوگوں نے ادب حق کے لیے خلقت سے سوال کیا اور دنیا کا سب حال حق تعالیٰ کا سمجھا اور عاریۃً خلائق کو اس کا وکیل سمجھا اور جو چیز ان کے نفس کے نصیب میں آئی اس کی حق تعالیٰ سے درخواست نہ کی بلکہ اس کے وکیل سے طلب کی اور اپنی بات وکیل سے کہی اور شاہد کے روبرو اپنی ضرورت جو بندہ وکیل کے پیش کرتا ہے۔ وہ زیادہ ادب و اطاعت سے بہ نسبت اس کے کہ شاہد سے طلب کرے۔ پس ان کا غیر سے سوال کرنا جناب حق میں حضور اور توجہ کی اطاعت ہے اس میں اعراض نہیں پائے جاتے۔

مجھے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معاذ کی ایک بیٹی تھی۔ ایک روز اس نے اپنی ماں کو کہا۔ مجھے فلاں چیز درکار ہے۔ اس کی ماں نے کہا بیٹی خدا سے مانگ۔ لڑکی نے جواب دیا۔ اماں مجھے شرم آتی ہے کہ نفسانی ضرورت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کروں۔ اور جو کچھ تو دے گی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہو گی اور میری روزی مقرر ہو گی۔

تو آداب سوال یہ ہے کہ اگر تجھے مقصود مل جائے تو نہ ملنے کی نسبت زیادہ خوش نہ ہو اور خلقت کو درمیان نہ دیکھے اور عورتوں اور بازاریوں سے سوال نہ کرے۔ اپنا راز صرف اس پر ظاہر کرے جس کا مال حلال ہونے پر وثوق رہو۔

اور جہاں تک ہو سکے اپنا نصیب سمجھ کر سوال نہ کرے اور اس سے شانِ خانہ داری مطلوب نہ ہو اور اس چیز کو اپنی ملک نہ سمجھے اور وقت چلانے کا ارادہ نہ کرے۔ کل کا خیال دل پر نہ لاوے۔ تاکہ ہمیشہ کی ہلاکت میں گرفتار نہ ہو اور اللہ کا نام اپنی گدائی کے پلہ میں نہ باندھے۔ یعنی خدا کے واسطے کچھ طلب نہ کرے۔ اور اپنی پارسائی نہ جتاوے تاکہ پارسائی کے خیال سے کچھ زیادہ دیں میں نے معلوم کیا کہ صوفیان صاحب رتبہ سے ایک شخص جنگل سے بھوکا اور سفر طے کرنے کا رنج اٹھاتے ہوئے کوفہ کے بازار میں آیا اور ایک چڑیا ہاتھ پر بٹھاتے ہوئے کہتا تھا کہ اس چڑیا کے واسطے کچھ مجھے دو۔ لوگوں نے کہا تو کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا یہ محال ہے کہ میں کہوں۔ خدا کے واسطے کچھ مجھے دو دنیا کے لیے حقیر چیز کے سوا سفارش کرنے والا نہ چاہیئے۔ یہ بیان بہت ہے۔ بخوف طوالت مختصر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

انتیسواں باب

آدابِ نکاح و تجرّد

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تناکحوا تکثروا فانی اباھی لکم الامم یوم القیامۃ ولو بسقط۔ آپس میں نکاح کرو اور بڑھ جاؤ (اپنی نسلیں) میں تمہاری کثرت سے امتوں پر فخر کروں گا۔ بروز قیامت اگرچہ ساقط شدہ ہی بچہ ہو۔

اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اعظم النساء برکۃ اقلھن مؤنۃ و احسنھن وجوھا و اخصھن مھورا۔ برکت میں زیادہ وہ عورت ہے۔ جس کی تکلیف کم ہو اور خوبصورت ہو اور مہر کم ہو۔ اور یہ صحیح خبروں میں ہے کہ نکاح ہر مرد و عورت پر مباح ہے۔ اور اس پر فرض ہے جو حرام سے نہ بچ سکے۔ اور جو حق عیالداری پورا کر سکے اس کو سنت ہے۔ اس قصہ میں ایک جماعت کہتی ہے کہ نکاح دفع شہوت کے لیے اور فراغ دل کے لیے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نکاح نسل بڑھانے کو کرنا چاہیئے اس لیے کہ جب فرزند ہو کر بچپن کی حالت میں فوت ہو جائے تو وہ شفیع ہوگا۔ اور اگر یہ فرزند ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ بچہ اس کا دعا گو رہے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت سیدہ زہرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی درخواست ان کے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ وہ صغیرہ ہے اور آپ معمر ہیں اور میرا خیال ہے کہ میں اپنے بھتیجے عمر بن جعفر سے اس کا نکاح کروں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیجا اور کہلوایا

کہ ابوالحسن دنیا میں بہت عورتیں ہیں۔ ام کلثوم سے میری نیت دفع شہوت نہیں بلکہ نسب ثابت کرنا مراد ہے۔ اس لیے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کل نسب و حسب ینقطع بالموت الا نسبی وحسبی۔ تمام نسب وحسب منقطع ہو جائیں گے موت سے مگر میرا نسب وحسب اور ایک روایت میں ہے۔ کل سبب ونسب ینقطع الا سببی ونسبی۔ ہر نسب اور حسب قطع ہو جائیں گے مگر میرا سبب اور نسب۔ اب مجھے سبب تو حاصل ہے نسب آپ کے ذریعے حاصل کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی برکت سے میں محکم ہو جاؤں۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم آپ کی عقد میں دیدی پھر آپ سے حضرت زید بن عمر رضی اللہ عنہ تولد ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تنکح النساء علی اربعة علی المال والحسب والحسن و الدین فعلیکم بذات الدین فانه ما استفاد امرء بعد الاسلام خیرا من زوجة مومنة من تسرہ اذا نظر الیھا۔ عورتیں چار وجہ سے نکاح میں لائی جاتی ہیں۔ مال کی وجہ سے حسب کی وجہ سے، حسن کی وجہ سے، دین کی وجہ سے۔ تو تم دین پر لازم پکڑنا کرو۔ تمہیں فائدہ دے گی۔ اور اسلام کے بعد بہتر بیوی مومنہ ہے جو موافق ہو گی جس کے دیکھنے سے دل خوش ہو جب اس کی طرف نظر ڈالو۔ اس کی صحبت سے دین قوت پائے اور دنیا انس رحمت سے گذرے کیونکہ تنہائی میں وحشت ہے اور صحبت میں خوشی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الشیطان مع الواحد مرد عورت جب تنہا ہوں تو ان کا مصاحب شیطان ہوتا ہے کہ شہوت کو اس کے دل میں ابھارے۔ اور کوئی صحبت امان اور حرمت کے حکم میں عورت اور خاوند سے زیادہ نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اتفاق اور موافقت ہو اور نا جنس عورت سے زیادہ عذاب اور کسی چیز کا نہیں۔

تو درویش کو لازم ہے کہ پہلے اپنے معاملے میں غور کرے اور تجرد کی آفتوں اور نکاح کی نقصانوں کا خیال کرے کہ ان میں سے کس کا دفع اس کے دل پر آسان ہے۔ جو آسان ہو اس کی پیروی کرے غرضیکہ مجرد رہنے میں دو آفتیں ہیں۔ ایک ترک سنت۔ دوسرا شہوت کا دل میں پرورش پاتا اور حرام کے خطرے میں پڑنا اور نکاح میں دو آفتیں ہیں۔ ایک غیر کی طرف دل کا مشغول رہنا۔ دوسرے بدن کو حظ نفس میں مشغول کرنا

اس مسئلہ کی اصل گوشہ نشینی اور مجلس گزینی کی طرف رجوع کرتی ہے اور جو خلقت میں صحبت اختیار کرے اس کے لیے نکاح ضروری ہے اور خلقت سے گوشہ نشینی چاہے اسے مجرد رہنا سود مند ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیروا اسبق المفردون سفر کرو مجرد لوگ تم سے آگے بڑھے ہیں اور حسن بن عیسیٰ بصری فرماتے ہیں نجا المخففون وھلک المثقلون ہلکے بوجھ والے نجات پا گئے اور بھاری بوجھ والے ہلاک ہو گئے۔

حضرت ابراہیم خواص کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں ایک گاؤں میں ایک بزرگ کی زیارت کو گیا جب میں وہاں پہنچا اور اس کا گھر دیکھا تو اولیاء اللہ کے گھروں کی طرح متبرک تھا۔ اس میں دو محراب بنے ہوئے تھے۔ ایک محراب میں وہ بزرگ بیٹھے تھے دوسری محراب میں ایک بڑھیا پاکیزہ اور منور چہرہ بیٹھی ہوتی تھیں۔ دونوں ریاضت کی وجہ سے ضعیف ہو چکے تھے۔ میری حاضری سے بہت خوش ہوئے۔ تین روز میں وہاں رہا۔ جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو چلتے ہوئے میں نے پوچھا کہ یہ پاک دامن آپ سے کیا تعلق رکھتی ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک جہت سے تو چچا کی بیٹی ہیں اور ایک جہت سے میری بیوی ہیں۔

میں نے کہا تین دن میں میں نے تمہیں آپس میں بہت بیگانہ دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پینسٹھ سال سے ہم دونوں اس حال میں ہیں۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا ہم بچپن میں باہمی عاشق تھے۔ ان کے والد مجھ سے اس کا نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور انہیں ہماری محبت معلوم ہو چکی تھی۔ ایک مدت تک میں رنجیدہ رہا۔ حتیٰ کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ آخر کار میرے والد نے اس کے ساتھ میرا عقد کر دیا۔

جب پہلی رات ہم دونوں یکجا ہوئے تو انہوں نے مجھ سے کہا تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنا انعام فرمایا کہ ہمیں تمہیں ملا دیا اور ہمارے دلوں کو خوف و غم سے صاف کیا میں نے کہا بیشک یہ ہم پر بڑا فضل ہوا ہے۔

تو بیوی نے کہا۔ اب ہمیں چاہیے کہ اپنے کو خواہش نفسانی سے روکیں اور آج رات میں سب سے پہلے اپنے نفس کو روک کر اپنی خواہش کو زیر پا روندتی ہوں اور اس نعمت کے شکریہ میں عبادت کرتی ہوں۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا۔

دوسری رات جب آئی تو اُس نے وہی کہا اور ویسے ہی رات عبادت میں گزار دی۔
تیسری شب میں نے کہا کہ دو رات تو تمھاری خاطر سے گزاریں۔ آج کی شب میری خاطر شب بیداری ہونی چاہیئے: آج پینسٹھ سال گزر گئے ہیں کہ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں اور مس بھی نہیں کیا اور تمام عمر اس نعمت کے شکر میں گزار رہے ہیں۔
تو درویش جب نکاح کرے تو چاہیئے کہ اس پردہ نشین کی خوراک حلال سے کمائے اور اس کا مہر مالِ حلال سے ادا کرے اور جب تک حقوقِ الٰہی اور ایا بہج امر سے اس کے ذمہ باقی رہے حظِ نفس کی طرف مشغول نہ ہو۔ پھر جب اپنے اوراد و معمولات سے فارغ ہو جائے اور اس سے ہمبستری کا ارادہ کرے تو بارگاہِ حق میں مناجات کرے۔ الٰہی تو نے مشتِ خاکِ انسان میں شہوت پیدا کی ہے تاکہ دنیا آباد ہو اور تو نے اپنے علم میں ارادہ فرمایا کہ مجھے یہ صحبت ملے۔ یارب میری اس صحبت سے دو چیز بدل دے۔ ایک حرام حرص کو حلال سے دوسرے فرزند دل پسندیدہ مجھے عطا ہو نہ ایسا فرزند کہ میرے دل سے تیری یاد فراموش کرے۔
حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے روایت ہے کہ آپ کے یہاں فرزند تولد ہوا۔ بچپن میں وہ جب اپنی والدہ سے کھانا مانگتا۔ والدہ کہتی بیٹا اپنے رب سے مانگ۔ وہ بچہ محراب میں جاتا اور سجدہ کرتا۔ آپ کی والدہ خفیہ طور سے اس کی مطلوبہ چیز دے دیتیں اور صاحبزادے پر یہ ظاہر نہ ہونے دیتیں کہ والدہ نے دیا ہے۔ حتیٰ کہ انہیں اپنے رب سے مانگنے کی عادت پڑ گئی۔
ایک روز جب وہ مکتب سے آئے۔ دیکھا کہ اماں موجود نہیں ہیں۔ انھوں نے حسبِ معمول سجدہ کیا اور کھانا مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔ جب آپ کی والدہ آئیں تو دیکھا صاحب زادے کھانا کھا رہے ہیں۔ فرمایا بیٹا یہ کھانا کہاں سے آیا۔ فرمایا جہاں سے ہمیشہ آتا تھا۔
جب حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آتے تو موسم گرما میں سرما کے پھل اور سرما میں موسم گرما کے پھل دیکھتے تو متعجب ہو کر پوچھتے اَنّٰی لَكِ هٰذَا یہ تمہیں کس جگہ سے ملے وہ فرماتیں من عند اللہ اللہ کے پاس سے۔
تو درویش پر لازم ہے کہ کسی سنت کا استعمال دنیا اور حرام اور شغلِ ذلیل میں نہ کرے کیونکہ درویش کی ہلاکت اس کے دل کی خرابی میں ہوتی ہے۔ جس طرح مال دار کی خرابی خاناں اور گھر کی خرابیوں سے ہوتی ہے۔ مگر جو کچھ مال دار کا نقصان ہو اس کی تلافی ہو سکتی ہے لیکن جو درویش پر آفت

آتی ہے اس کی تلافی نہیں ہوتی۔ ہم اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ عورت کتنی ہی موافق ہو مگر لازمی طور پر وہ بلاضرورت زیادہ اور فضول اشیاء کی طالب ہوتی ہے۔

اس سبب سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مجرد رہنے میں ہلکا رہا جاتا ہے اور انہوں نے تجرد ہی اختیار کیا ہے اور اس حدیث پر وہ عامل ہیں۔ جو حضور نے فرمایا خیر الناس فی آخر الزمان خفیف الحاذ قیل یا رسول اللہ ما خفیف الحاذ قال الذین لا اھل لہ ولا ولد لہ۔ آخر زمانہ میں بہترین آدمی وہ ہوگا جو خفیف الحاذ ہو عرض کیا گیا۔ حضور خفیف الحاذ کیا ہے۔ فرمایا وہ لوگ جن کے بیوی بچے نہ ہوں۔

اور یہ بھی فرمایا۔ سیروا فقد سبق المفردون۔ سیر کرو بیشک مجرد لوگ سبقت لے گئے ہیں۔ اور اس طریقت کے مشائخ اس امر پر متفق ہیں کہ اس طریقت میں بہت اچھے اور فاضل مجرد لوگ ہیں کہ ان کا دل آفات سے خالی ہے اور ان کی طبیعت معصیت کے ارادے اور شہوت سے روگرداں ہے۔

عام لوگ شہوات پرستی کے لیے اس حدیث کو دلیل لاتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے حبب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند کرائی گئیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی۔ اور کہتے ہیں کہ جب عورتیں حضور کو پیاری ہوئیں تو نکاح کرنا تجرد سے افضل ہوا۔

میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لی حرفتان الفقر والجھاد۔ میرے لیے دو حرفے ہیں فقر اور جہاد۔ تو اسے بھی اختیار کرنا چاہیئے اور اس پیشہ کے علاوہ تمام پیشے ترک کرنے چاہئیں۔ اگر عورت بموجب حدیث پسند ہے تو بموجب حدیث پیشے بھی یہی دو پسند ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ عورت کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے تو اس پر حدیث سند میں لانا آسان ہوگیا اور فقر چونکہ مشکل ہے۔ جہاد چونکہ تکلیف، لایطاق ہے۔ لہٰذا اس طرف میلان دشوار ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی پچاس سال اتباع شہوت میں گزارے اور خیال کرے کہ میں سنت کا تابع ہوں وہ بڑی سخت غلطی پر ہے۔

غرضیکہ پہلے فساد کا فتنہ جو آدم علیہ السلام پر ظہور آیا اس کا سبب عورت تھی اور پہلا فساد جو

دنیا میں ہوا اس کا سبب بھی عورت تھی۔ یعنی فتنہ ہابیل و قابیل۔ یہ بھی عورت کی وجہ سے ہوا اور جب اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو عذاب کرنا چاہا۔ اس کی بنا بھی عورت ہوئی اور ہماری اس دنیا میں آج تک دین و دنیا کے سب فسادوں کی باعث عورتیں ہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا۔ ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء۔ میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کو زیادہ ضرر رساں ہو عورتوں کے سوا۔ تو جب ان کا فساد ظاہر میں اتنا ہے تو باطن میں کیسا ہوگا۔

اور میں علی بن عثمان جلابی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے گیارہ سال آفت نکاح سے محفوظ رکھا پھر اس کی تقدیر سے میں فساد میں مبتلا ہوا تو میرا ظاہر و باطن حیا الداری کے باعث ایسے حال میں گرفتار ہوا جو میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی دکھایا اور ایک سال میں اس میں مستغرق رہا۔ حتیٰ کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے پاکدامنی کو مجھ بیچارے کی پیشوائی کے لیے بھیجا اور اپنی رحمت سے خلاصی عطا فرمائی۔ الحمد للہ علی جزیل نعمائہ۔

غرضکہ اس طریقت کا قاعدہ مجرد رہنے پر رکھا گیا ہے۔ جب نکاح کا وقت آتا ہے۔ حال دگرگوں ہو جاتا ہے اور کوئی لشکر ایسا نہیں ہوتا جو حساکر شہوت کا مقابلہ کر سکے۔ مگر آتش ہدرد یقین سے ہی اسے بجا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ جو آفت ہو اس کے دفع کا آلہ بھی تیرے ساتھ ہوگا۔ غیر سے ہرگز تیری حالت نہیں بدل سکتی۔ شہوت دو چیز سے زائل ہوتی ہے۔ ایک تکلیف سے دوسرے کسب مجاہدہ سے لیکن تکلیف وہ آدمی کے مقدر میں ہے جو بھوک ہے۔

اور جو تکلف سے بالاتر ہے وہ خوف الٰہی اور بے قرار کر دینے والی سچی محبت ہے۔ جو متفرق ہمتوں سے جمع ہوتی ہے اور محبت اپنا غلبہ اجزاء بدنی پر کرتی ہے اور تمام حواس کو اپنے وصف سے معزول کر دیتی ہے اور بندہ کو سب سے جدا کر دیتی ہے اور واہیات کو اس سے فنا کر دیتی ہے

حضرت احمد حماد سرخسی جو ماوراء النہر میں میرے رفیق تھے اور صاحب شان مرد تھے لوگوں نے انہیں مجبور کیا کہ آپ کو نکاح کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں۔ آپ نے فرمایا اس لیے کہ میں اپنے حال میں آپ سے غائب ہوتا ہوں یا حاضر۔ جب غائب ہوتا ہوں تو دو جہان سے بے خبر ہوتا ہوں اور جب حاضر ہوتا ہوں تو میں اپنے نفس کو اتنا قابو میں

دکھا ہوں کہ جب اسے دو روٹی ملتی ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے ہزار حوریں ملیں۔ تو دل کا شغل بڑا کام ہے جس چیز سے ہو سکے بہتر ہے۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم بھی اپنا اختیار دونوں حال سے جدا کرتے ہیں تاکہ دیکھیں پردۂ غیب سے حکم تقدیر کیا ہوتا ہے۔ اگر مجرد رہنا ہمارے نصیب میں ہو تو اس میں پاکدامنی کی کوشش کریں گے اور اگر نکاح کرنا نصیب میں ہو تو سنت کے تابع ہو جائیں گے اور فراغت دل کی کوشش کریں گے۔

جب اللہ تعالیٰ کی حفاظت قائم ہوتی ہے تو بندہ کا مجرد رہنا ایسا ہوتا ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا کی بلا میں پہاڑ کی طاقت رکھتے ہوئے اپنی مراد سے روگردانی رہی اور خواہش کو مغلوب کرنے اور نفس کو عیب سے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب زلیخا نے ان سے خلوت چاہی اور نکاح کی خواہش کی تو یہ نکاح مثل نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہوا جو حق تعالیٰ کے بھروسہ پر تھا اور مشاغل خانگی کو مشاغل نہ سمجھا حتیٰ کہ جب حضرت سارہ کو رشک ہوا اور غیرت بڑھی تو ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو ہمراہ لیا اور ایسے جنگل میں لے گئے جہاں کھیتی باڑی بھی نہ تھی جیسا ارض غیر ذی زرع فرمایا گیا اور ہاجرہ کو حفاظت حق میں چھوڑ کر ان سے منہ موڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی حفاظت میں رکھا جیسے چاہا۔ تو بندہ کا ہلاک ہونا نکاح کرنے اور مجرد رہنے میں نہیں بلکہ اس کی بلا اپنے اختیار اور اتباع خواہشات پر ہے اور ہر متاہل کی شرط ادب یہ ہے کہ اس رشد کے بعد کوئی ورد اس کے اوراد سے فوت نہ ہو۔

اور جس حال میں وہ تھا وہ ضائع نہ ہو اور اس کا تباہ نہ ہو اس کے ساتھ اپنی اہل کے ساتھ شفقت بھی رہے اور حلال نان و نفقہ کی رعایت بھی رکھے اور ظلم و جور بھی نہ کرے حتیٰ کہ فرزند بھی اگر ہو تو انہیں شرائط ادب میں ہو۔

حکایت مشہور ہے کہ حضرت احمد بن حرب نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک روز رؤسا و سادات نیشاپور سے ملے۔ وہ سلام کرنے حاضر آئے تھے۔ سب ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکا شراب سے بدمست گاتا ہوا آیا اور بلا خوف ان میں سے گزر گیا۔ تمام حضار مجلس کو ناگوار گزرا شیخ احمد نے لوگوں سے کہا۔ تمہیں کیا ہوا کہ یک لخت متغیر ہو گئے۔

سب نے عرض کیا۔ حضرت اس لڑکے کی بے حجابی سے صحبت پراگندہ ہو گئی شیخ احمد نے

فرمایا۔ وہ معذور ہے اس لیے کہ ایک رات ہمارے پاس ہمسایہ نے کچھ کھانا بھیجا اور اسے ہم نے کھایا اور اس رات ہم بستری ہوئی۔ اس کھانے سے اس لڑکے کا نطفہ قرار پایا۔ اس رات نیند بھی اس قدر آئی کہ شب کے اوراد بھی رہ گئے۔ ہم نے جستجو کی۔ ہمسایہ سے پوچھا کہ جو کھانا تو نے بھیجا تھا۔ وہ کہاں سے آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ شادی والے گھر سے۔ جب مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا وہ کھانا بادشاہ کے یہاں سے آیا تھا۔

اور شرطِ آداب پھر یہ ہے کہ آنکھ نامناسب جگہ نہ ڈالے اور جو نہ کہنے کی بات ہو نہ کہے اور جو سوچنے کی بات نہ ہو نہ سوچے۔ شہوت کی آگ کو بھوک کے پانی سے بجھائے اور دل کو دنیا و حوادثات کی مشغولیت سے نگاہ رکھے اور محض خواہشاتِ نفسانی کو الہام اور علم نہ کہے اور شبہاتِ شیطانی کی تاویل نہ کرے تاکہ طریقت میں مقبول ہو۔ یہ آدابِ صحبت اور عمل کا مختصر بیان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کشفِ حجابِ دہم۔ اصطلاحاتِ صوفیاء

جان لے تو اللہ تجھے سعید فرمائے کہ ہر اہلِ صنعت و معاملت نے باہمی کلام کرنے کو الفاظ و کلمات وضع کیے ہیں۔ جن سے عوام واقف نہیں ہوتے لیکن اہلِ فن سمجھ لیتے ہیں اور ان اصطلاحات و کلمات کے وضع کرنے سے دو چیز مراد ہوتی ہیں۔ ایک سمجھانے میں خوبیوں اور باریکیوں کا آسان ہونا ہے تاکہ پوشیدہ راز آسان ہو جائیں۔ دوسرے فن والا فن والے سے سمجھ سکے اور نا اہل لوگ اس بھید سے محروم ہی رہیں۔

اس کے دلائل واضح ہیں جیسے صرف والے ماضی مستقبل صحیح معتل اجوف لفیف ناقص وغیرہ بولتے ہیں۔ نحوی لوگ رفع ضم، نصب فتح، خفض کسر جزم، منصرف، غیر منصرف وغیرہ بولتے ہیں۔ اہلِ عروض بولتے ہیں بحور، دوائر، سبب، وتد، فاصلہ وغیرہ۔ اہلِ حساب اپنی مخصوص اصطلاحات میں فرد، زوج، ضرب، قسمت، کعب، جذر، اضافت، تضعیف و تنصیف، جمع تفریق بولتے ہیں۔

فقہا کی اصطلاحات مخصوص ہیں۔ جیسے علت، معلول، قیاس، اجتہاد، دفع الزام، وغیرہ۔ محدثین بھی مخصوص اصطلاح میں مسند، مرسل، احاد، متواتر، جرح، تعدیل وغیرہ کہتے

ہیں۔ متکلمین نے بھی اپنے لیے اصطلاحات وضع کر رکھی ہیں جیسے عرض، جوہر، کل، جزو، جسم، حدث، تحیز و توالی۔

اسی طرح اس طائفہ صوفیاء کی بھی اصطلاحات ہیں تاکہ اس راہ میں کوئی ناواقف تصرف نہ کر سکے اور ارباب طریقت اپنا مقصد پیدا اور ادا کر سکیں۔ چنانچہ ان کی اصطلاحات میں سے کچھ بیان کرتا ہوں تاکہ واضح ہو سکے کہ اس کی مراد اس بیان سے کیا ہوتی ہے اور اس کتاب کے پڑھنے والے فائدہ حاصل کر کے میرے حق میں دعا کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی میں سے حال اور وقت اور دونوں کا فرق بیان کرتا ہوں۔

حال اور وقت

طائفہ صوفیاء میں یہ لفظ بہت مشہور ہے اور مشائخ کرام کے اس میں بہت اقوال ہیں۔ میری مراد اس سے اثبات تحقیق ہے نہ کہ طویل بیان۔ وقت اسے کہتے ہیں کہ بندہ اس کی وجہ سے ماضی و مستقبل سے فارغ ہوتا ہے۔ یعنی ایک کیفیت جو وارد ہوتی ہے۔ وہ حق کی طرف سے اس کے دل پر پہنچے اور اس کے سر کو اس سے جمع کرے جیسے کشف میں جمع ہوتی ہے تو اس حال میں اسے نہ تو گزشتہ حال یاد آتا ہے اور نہ آئندہ۔ تو یہ تمام مخلوق کو حاصل نہیں ہوتا اور وہ نہیں جانتے کہ ہمارا سابقہ حال کیا تھا اور ہمارا انجام کیا ہوگا۔

لیکن خداوندان وقت کہتے ہیں کہ ہمارا علم اول آخر کو معلوم کر سکتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا اچھا وقت حاصل ہوتا ہے کہ ہم آئندہ کی طرف مشغول ہو جائیں یا اس کا اندیشہ دل پر لائیں تو وقت سے محجوب ہو جائیں اور حجاب بڑی پریشانی ہوتی ہے تو جو چیز حاصل نہ ہو سکے، اس کا اندیشہ محال ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خراز نے فرمایا کہ اپنے وقت کو زیادہ عزیز چیزوں کے سوا مشغول نہ کرو اور بندہ کی عزیز چیز ماضی و مستقبل کا شغل ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لا يسعني فيه مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کو گنجائش نہیں۔ اس میں اٹھارہ ہزار عالم کا دل پر گزر نہیں ہوتا اور میری نظر میں اس کی کچھ قدر نہیں۔ اسی سبب سے جب شب معراج آسمان و زمین کی زینت حضور پر آشکارا

کی گئی تو آپ نے کسی چیز کو نہ دیکھا۔ حتیٰ کہ جناب رب العزت نے فرمایا۔ ما زاغ البصر و ما طغیٰ۔ ہمارے حبیب کی نظر نہ پھری۔ نہ حد سے گزری۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عزیز تھے اور عزیز کو عزیز کے سوا شغل نہیں ہوتا تو وجد کے دو وقت ہوتے ہیں۔ ایک از خود رفتگی کی حالت میں دوسرا وجد کی حالت میں۔ ایک وصال کے مقام میں ایک فراق کے محل میں اور وہ دونوں وقت میں مقہور ہوتا ہے اس لیے کہ وصل میں اس کا وصل حق ہوتا ہے اور فصل میں اس کا فصل حق ہوتا ہے اور اس میں اختیار و کسب نہیں ہوتا کہ اس کا وصف کیا جائے۔ جب بندہ کا اختیار اس کے وقت سے قطع ہو جائے تو وہ جو کچھ کرتا ہے وقت کو دیکھ کر نہیں کرتا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے جنگل میں ایک درویش کو دیکھا۔ خارِ مغیلاں پر بیٹھا تھا اور وہ جگہ سخت تکلیف دہ تھی میں نے اس سے دریافت کیا کہ بھائی تو یہاں ایسی سخت جگہ ایسے آرام سے کیوں بیٹھا ہوا ہے۔

اس نے جواب دیا کہ میرا ایک وقت تھا جو یہاں ضائع ہوا ہے۔ اب یہاں بیٹھا ہوں اور غم کھاتا ہوں میں نے پوچھا یہاں تو کتنی مدت سے ہے۔ اس نے کہا بارہ سال سے اب اگر شیخ مجھ پر توجہ کرے تو میں کامیاب ہو جاؤں اور اپنا وقت حاصل کروں۔

جنید فرماتے ہیں میں چل دیا اور حج ادا کر کے اس کے لیے دعا کی۔ اللہ نے قبول فرمائی۔ وہ کامیاب ہو گیا۔ جب میں واپس آیا تو اسے وہیں بیٹھا دیکھا میں نے کہا۔ اے جوانمرد اب تجھے وقت مل گیا اب یہاں سے کیوں نہیں گیا۔ عرض کی اے شیخ میں نے قدامت اختیار کی ہے جو جائے وحشت تھی اور میں نے جہاں سرمایہ گم کیا تھا۔ وہ مل گیا تو اب کیا یہ جائز ہے کہ جہاں سے سرمایہ ملا۔ اس جگہ کو چھوڑ دوں۔ یہ تو میرے انس کا مقام ہے۔ آپ تشریف لے جائیں کیونکہ میں اپنی خاک یہاں کی خاک میں ملاؤں گا اور روز قیامت اسی خاک سے سر اٹھاؤں گا کہ میرے انس کا سرمایہ اور سرود کا مقام یہی ہے۔

لِکُلِّ اٰمْرَاءٍ یَوٰی الْجَمِیْلَ مُحِبُّ ۔۔۔۔ وَکُلُّ مَکَانٍ یُنْبِتُ الْعِزَّ طَیِّبُ

ہر انسان خوبصورت دوست کو قبول کر نیوالا ہے اور جس مکان میں عزت پیدا ہو وہ پسند آتا ہے۔ تو جو چیز بلا کسب آدمی کو حاصل ہو۔ یعنی تکلیف سے نہ ملے ایسی چیز بازار میں نہیں بکتی جاتی گر اس کے عوض جان دیدی جاتے۔

اور بعض کو حاصل کرنے یا دور کرنے میں ارادہ نہیں ہوتا۔ اس کی رعایت میں دونوں پہلو برابر

ہوسکتے ہیں اور اس کی تقدیر میں بندہ کا اختیار باطل ہے۔ اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے۔
اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ۔ وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔

چونکہ تلوار کی صفت کاٹنا ہے اور وقت کی صفت بھی وقت کا کاٹنا یعنی ماضی و مستقبل کا کاٹنا اور گزشتہ اور کل آئندہ کو دل سے دور کر دینا ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ تلوار کی صحبت باخطر ہے۔ اَمَّا مَلَکَ اَوْ اَمَا مَلَکَ یا ہلاک ہوا یا مالک ہوا۔ اگر کوئی ہزار سال تلوار کی خدمت کرے اور اپنے عزیز کندھوں پر اٹھائے پھرے تو بھی کاٹنے کے وقت اپنے صاحب اور غیر میں فرق نہ کرے۔ اس لیے کہ اس کی صفت ہی قہر ہے۔ اور مصاحبت اختیار کرنے سے صفت اس کی زائل نہیں ہو جاتی اور حال ایک وارد وقت ہوتا ہے جو وقت کو ہی زیبا ہے جیسے روح بدن کو زیبا ہے اور وقت لازماً محتاج حال ہوتا ہے۔ اس میں وقت کی صفائی حال کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کا قیام اسی سے ہوتا ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ صاحبِ وقت جب صاحبِ حال ہو جاتا ہے تو تغیر اس سے قطع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے وقت میں قائم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وقت بے حال محض زوال ہوتا ہے۔ جب حال اس سے ملا تو اس کا سب زمانہ حال ہوتا ہے۔ اس پر زوال روا نہیں ہوتا اور جب آمد و شد معلوم ہو تو وہ وارد ہونے والا ظہور ہوتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے صاحب وقت پر وارد تھا۔ اور ممکن کہ غفلت جائز ہے اور صاحبِ غفلت پر جب حال نازل ہو تو وہ متمکن وقت ہو جاتا ہے اور اس پر بوجہ صاحبِ حال ہونے کے غفلت روا نہیں ہوتی۔ اور کہتے ہیں الحال سکوت اللسان فی فنون البیان۔ حال کیا ہے زبان کا خاموش سے فنونِ بیان میں بولنا۔

چنانچہ صاحبِ حال کی زبان بیانِ حال سے ساکت ہوتی ہے اور اس کی تمام کیفیت اور تحقیق حال کی گویا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے پیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ السُّوَالُ عَنِ الْحَالِ مُحَالٌ یعنی حال سے سوال کرنا محال ہے۔ اس لیے کہ حال کلام فنا کرنے کا ہی نام ہے اور استاد ابو علی دقاق نے فرمایا اگر دنیا یا عاقبت میں سرور ہے یا ہلاکت۔ وہ اس کے وقت کو نصیب ہے جس میں تو ہے۔ پھر حال ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ بندہ پر حق تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔ تو جب وہ آتا ہے سب کے دل سے نفی کرتا ہے۔

جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام صاحبِ وقت تھے۔ کبھی فراق و دوری میں آنکھیں سفید کرتے تھے اور کبھی وصال و وصال ہونے سے آنکھیں روشن فرماتے تھے۔ کبھی گریہ و زاری فرماتے بال

کی طرح لاغر، کبھی نالا کرتے کرتے ریشہ قلم کی طرح مضمحل کبھی خوشی سے شبل رو تر و تازہ کبھی خوشی سے مجسمہ سرور۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحب حال تھے۔ نہ تو فراق سے غمناک نہ وصال سے خوش حال۔ ستارہ، چاند، آفتاب سب اس کے حال کے معاون تھے اور وہ رویت میں سب سے فارغ حتیٰ کہ جو دیکھتے سب حق دیکھتے اور صاف فرماتے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ میں غروب ہونے والوں کو پیار نہیں کرتا۔ کبھی جہان صاحب وقت کے لیے جہنم ہوتا ہے کیونکہ مشاہدہ غیبت میں ہوتا ہے اور حبیب کے اوجھل ہونے سے اس کا دل خانۂ وحشت ہوتا ہے۔ اور کبھی خوشی سے اس کا دل بہشت بریں ہوتا ہے اور نعمتِ مشاہدہ سے ہر آن اسے حق کا تحفہ ملتا ہے پھر صاحب حال کو حق سے بشارت رہتی ہے۔ اسی وجہ سے اس پر حجاب ہو یا کشف نعمت ہو یا بلا سب اس پر یکساں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ محل حال میں ہوتا ہے اور حال صفت مراد ہے اور وقت درجہ مرید ایک شخص وقت میں خوش ہوتا ہے اور حال میں بھی خوش کیونکہ وہ ہر حال ہے باقی ہوتا ہے اور ایک شخص وقت کی خوشی میں باخوف رہتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مقام اور تمکین

مقام سے مراد ادائے حقوق مطلوب میں طالب کا قیام بہ شدت اجتہاد و صحت نیت ہے اور ہر ایک مریدانِ حق سے اس کے لیے ایک مقام رکھتا ہے جو ابتداء طلب میں اس کے لیے وہ سبب ہوتا ہے۔ اگرچہ طالب ہر مقام سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ہر ایک مقام پر گزرتا ہے لیکن ان میں سے ایک رہنے کے وقت تک قائم ہونا مقام ہے۔ اس لیے کہ مقام اور اس کا ارادہ سرشت اور اصل میں ہوتا ہے۔ عمل کی روش سے نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ہم میں سے کوئی طالب نہیں مگر اس کے لیے مقام مقرر ہے۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا اور نوح علیہ السلام کا مقام زہد۔ ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا مقام انابت بعیز عاجزی اور داؤد علیہ السلام کا مقام غم اور عیسےٰ علیہ السلام کا مقام رضا تھا۔ یحییٰ علیہ السلام کا مقام خوف تھا تو ہمارے حضور سید دوم القشود صلی اللہ

علیہ وسلم کا مقام ذکر۔

اگرچہ ہر ایک محل و مقام ایک سفر ہوتا ہے لیکن آخرکار رجوع اپنے اصلی مقام کی طرف ہی ہوتا ہے اور مذہب محاسبیان میں جو مقام ہیں میں نے ان کا مختصر سا بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ حال اور مقام میں کیا فرق ہے لیکن یہاں اس قدر ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی راہ تین اقسام پر ہے۔

اول مقام، دوسرے حال، تیسرے تمکین۔

اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اپنا راستہ بیان فرمانے کے لئے مبعوث فرمایا ہے تاکہ وہ مقامات کے حکم بیان فرمائیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تشریف لائے اور ان سب کے مقامات علیحدہ علیحدہ تھے۔

پھر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے ہر اہل مقام کے لئے حال ظاہر ہوا اور وہ وہاں تک پہنچا کر مخلوق کا کسب وہاں سے آگے بند ہو۔ حتیٰ کہ مخلوقات کا دین کامل ہوا۔ اور نعمت اپنی حد کو پہنچی۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ آج کے دن کامل کر دیا میں نے تمہارا دین اور تم پر اپنی نعمت پوری کی۔ پھر مکان گیروں کا مقام ظاہر ہوا۔

اگر میں سب حالات شمار کروں اور مقامات کی تشریح کرنے پر آؤں تو مقصد بیان سے رہ جاؤں پس اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ تمکین سے محل کمال اور تحقیق کا اعلیٰ مقام مراد ہے اور اس مقام کو مقامات سے گذرنا ممکن ہے مگر درجہ تمکین سے گزرنا محال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مقام مبتدی کا درجہ ہے اور تمکین منتہیوں کا ٹھکانا ہے جو ابتداء سے چل کر یہاں تک پہنچتا ہے۔ مگر یہاں سے گذرنا صورت پذیر نہیں۔ اس لئے کہ مقامات منازلِ راہ ہیں اور تمکین حضور میں قرار لینا ہے۔

چنانچہ محبانِ حق کے راستہ میں مقام عارض ہوتے ہیں اور منزل میں مثل مسافر بیگانہ ہوتے ہیں۔ اس کا سر جناب حق میں ہوتا ہے اور حضور میں آلہ اکتساب آفت ہوتا ہے اور غیبت اور علت کا راز اور زمانہ جہالت میں شاعر جیسے اپنے ممدوحوں کی تعریف ان کی حرکات و سکنات سے کرتے ہیں مگر جب تک کچھ عرصہ قیام نہ کریں مقام متقرر نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایک شاعر اپنے ممدوح کے حضور پہنچ کر تلوار سونت کر اپنے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ دیتا ہے اور پھر تلوار بھی توڑ دیتا ہے۔ اس سے اس کا

یہاں یہ مقصود ہوتا ہے کہ مجھے ایک گھوڑا ایسا چاہیے تھا جو تیرے حضور کا راستہ طے کرے اور تلوار ایسی درکار تھی جو ان حاسدوں کا سر کاٹے جو تیری خدمت میں حاضر ہونے سے مانع ہیں۔ اب میں سب کو دور کرتا ہوں اس لئے کہ تیرے حضور آ پہنچا ہوں۔ اب آلۂ سفر میرے لئے بیکار ہے۔ اس لئے میں نے گھوڑا لنگڑا کر دیا کیونکہ اب مجھے تیرے حضور سے جدا ہونا گوارا نہیں اور تلوار اس لئے توڑ دی کہ تیرے منہ پھیر جانے کا مجھے خیال ہی نہیں۔ جب چند روز گزرتے ہیں تو پھر شعر پڑھتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح جب کہ وہ منزلیں قطع کر چکے اور مقامات سے گذر کر محل تمکین میں پہنچے اور اسباب تلوین ساقط ہو گئے تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ وَاَلْقِ عَصَاكَ۔ اپنی جوتیاں اُتار دو اور عصا ڈال دو کیونکہ یہ سفر آلہ سے تھا اور مقام وصل میں کالاجاہل ہو جاتا ہے اور ابتداء دوستی میں طلب ہوتی ہے مگر انتہا میں قرار ہو جاتا ہے۔ پانی جب تک ندی میں ہوتا ہے جاری ہوتا ہے جب سمندر میں پہنچ جاتا ہے قرار پالیتا ہے اور جب قرار پکڑ لیتا ہے اس کا مزہ بھی بدل جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جسے پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اس کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ البتہ اس کی طرف وہ مائل ہوتا ہے جس کو جواہر اور موتی کی ضرورت ہو۔ وہ جان پر کھیل کر طلب کا بار پاؤں پر باندھتا ہے اور سر کے بل اس دریا میں کود پڑتا ہے۔ پھر یا تو جواہر موتی لاتا ہے یا جان عزیز فنا کر ڈالتا ہے۔

ایک مشائخ میں سے فرماتے ہیں۔ التمکین رفع التلوین۔ تمکین رفع تلوین کو کہتے ہیں۔ یہ تلوین اس جماعت کے نزدیک ہے جو حال اور مقام کو ایک معنی میں مانتی ہے۔ اور تلوین نام ہے ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنے کا مراد یہ ہے کہ متمکن متردد نہیں ہوتا اور حضور میں فائز ہو چکا ہوتا ہے اور غیر کا اندیشہ اپنے دل سے صاف کئے ہوئے ہوتا ہے اور نہ اس پر ایسا معاملہ آتا ہے کہ اس کے ظاہر کو بدل دے اور نہ ایسا حال ہوتا ہے کہ اس کے باطن کے حکم کو بدل دے جیسے موسیٰ علیہ السلام متلون تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک نظر طور پر متجلی ہونے سے بیہوش ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم متمکن تھے۔ مکہ معظمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں رہے۔ اور اپنی اصل حال نہ بدلی نہ متغیر ہوئے اور یہ درجہ اعلیٰ تھا۔[1] واللہ اعلم۔

تو تمکین دو قسم پر ہے ایک یہ کہ شاہد کی وضاحت اپنی طرف ہو اور وہ محول بہ شاہد حق ہو کر

---

[1] موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو جمال ۔ تو عین ذات می نگری در تبسمی (مترجم)

فانی الصفت ہو اور فانی الصفت کو کراماً صحو و سکر و فنا و بقا و وجود و عدم کچھ بھی نظر آتی ہو اس لئے
کہ ان اوصاف کی اقامت موصوف سے ہونی چاہئے۔ جب موصوف مستغرق ہو تو حکم اقامت وصف
اس سے ساقط ہے اور اس معنی میں بہت باتیں ہیں۔ میں نے اس پر اختصار کیا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق
اور اس سے محاضرہ و مکاشفہ ہے۔ ان دونوں کا فرق یہ ہے۔

محاضرہ اور مکاشفہ اور ان کا فرق

اچھی طرح جان لے کہ محاضرہ حضورِ دل کے لئے بولا جاتا ہے۔ لطائف بیان میں اور مکاشفہ حضورِ سر پر ہوتا ہے جو حظیرہ میں عیاں ہو۔ تو محاضرہ شواہدِ آیات پر ہوتا ہے اور مکاشفہ شواہدِ مشاہدات میں اور محاضرہ کی علامت دوام فکر کرنا ہے کنہ ذات میں جب تک فکر باقی رہے رویتِ آیت کے ساتھ اور مکاشفہ دوام تحیر میں ہوتا ہے جو کنہ ذات میں ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ افعال میں متفکر ہو اور جلال میں متحیر ہو۔ ان دو میں سے ایک خلت ہے دوسرا قرینِ محبت۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے ملکوتِ سما میں نگاہ فرمائی کہ اس کی حقیقتِ وجود میں تامل و تفکر کیا اور ان کا دل رویتِ فعل طالب کے ساتھ حاضر ہو کر فاعل ہوا تاکہ اس کے حضورِ فعل میں دلیل فاعل ہو جائے۔ حتیٰ کہ کمالِ معرفت میں فرمایا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا۔ یعنی میں متوجہ ہوتا ہوں اس جناب کی طرف جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور حبیبِ خاص کو جب ملکوت میں لے گئے تو ان کی نظر سب اشیاء موجود سے بلند ہو گئی اور نہ فعل اور مخلوق کو نہ دیکھا اور نہ خود کو دیکھا تاکہ فاعل کا مکاشفہ ہو تو کشف میں شوق پر شوق زیادہ ہوا اور اس کی بیقراری پر بیقراری طلب رویت میں بڑھے۔ نہ منہ دیکھنا قریب کی قربت سے ممکن ہو نہ امکان اقبال میں متحیر ہو۔ پس اس جگہ کہ خلت ہو وہاں حیرت کفر دکھاتی ہے اور اس جگہ کہ محبت ہو خلت شرک ہوتا ہے اور حیرت اس کا سرمایہ اس لئے کہ خلت کی ہستی میں حیرت تھی اور وہ شرک تھا اور محبت میں حیرت اس کی یگونگی ہوتی ہے اور یہ توحید ہے۔

اس سے ملتا ہوا قول حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا اے متحیروں کے راہنما مجھے حیرت میں زیادہ کر۔ اس لئے کہ تحیر کا زیادہ ہونا مشاہدہ میں درجہ کی زیادتی کا

موجب ہوتا ہے۔

اور مشہور حکایتوں میں ہے کہ جب حضرت ابوسعید خراز اور سعد علوی نے دریا کے کنارے انس دوست خدا کو دیکھا۔ پوچھا۔ خدا کی طرف راستہ کس طرف سے جاتا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دو راستے ہیں۔ ایک عام ایک خاص۔ انھوں نے فرمایا۔ اس کی شرح فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا۔ عام راہ تو یہ ہے جس پر تم ہو کہ ایک علت سے قبول کئے ہوئے ہو اور ایک علت سے رد کر رہے ہو اور خواص کا راستہ یہ ہے جو نہ معلل علت کو دیکھے اور نہ علت کو۔

اور اس حکایت کی شرح گذر چکی ہے اور مراد سوا اس کے نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

قبض اور بسط اور ان میں فرق

اور اس سے قبض والبسط ہے اور اس کا فرق جاننا چاہئے کہ قبض اور بسط دو حال ہیں اور یہ بندہ کی سعی سے بالا ہیں۔ اس کا آنا کسبی نہیں اور جانا کوشش سے نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ اللہ قبض کرتا ہے اور کھولتا ہے۔ قبض کہتے ہیں حجاب کی حالت میں دل کا منقبض ہونا اور بسط کہتے ہیں حالت کشف میں دل کا کشادہ ہونا۔ یہ دونوں حالتیں بلا تکلف دحمت بندہ پر عائد ہوتی ہیں من جانب اللہ۔ اور قبض عارفوں کے وقت میں ایسا ہے جیسے مریدوں کے وقت میں خوف اور یہ ایک گروہ ہے جو قبض وبسط کو اس معنی میں حمل کرتا ہے اور مشائخ سے ایک گروہ اس طرف ہے کہ قبض رتبہ میں بسط سے زیادہ بلند ہے اور اس کے وہ دو سبب کہتا ہے ایک یہ کہ اس کا ذکر کتاب میں مقدم ہے دوسرے یہ کہ قبض میں گدازش اور قہر ہے اور بسط میں نوازش اور لطف ہے۔ اور لامحالہ گدازش بشریت اور قہر نفس فاضل تر ہے۔ پرورش اور لطف سے اس لئے کہ وہ حجاب اعظم ہے اور ایک گروہ اس طرف ہے کہ بسط قبض سے فائق ہے۔ اس لئے کہ کتاب میں قبض کا مقدم ہونا بسط کی فضیلت کی علامت ہے۔ اس لئے کہ عرب کا طریقہ ہے کہ مؤخر میں اول اُسے لاتے ہیں جو کم ہو جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّمِنْھُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ یعنی بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم ہیں اور بعض ان میں سے میانہ رو اور بعض ان میں سے بھلائی میں سبقت کرنے والے ہیں اور یہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ

يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور یہ بھی فرمایا یَا مَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ - اے مریم اپنے رب کے لئے عاجزی کر اور سجود و رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور یہ بھی فرمایا کہ بسط میں سرور اور قبض میں ہلاکت ہے اور سرور عارفین سوا وصل و معرفت کے نہیں ہوتا اور ان کی ہلاکت فضل کے سوا مقصود نہیں تو محل وصل بہ نسبت محل فراق بہتر ہے۔

اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبض و بسط سے ایک ہی مراد ہے جو حق تعالیٰ سے بندہ کو ملتا ہے اور جب دوستی میرے دل کو پریشان کرتے یا اس کے سر سے مسرور ہوتا ہوں تو اور نفس مقہور یا سر مقہور ہوتا ہے اور نفس مسرور تو قبض میں سر ایک بسط نفس ہوتا ہے اور بسط میں دوسرا سر اس کا قبض نفس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس مسئلہ میں اور کچھ بتانا تضیع اوقات ہے۔

اسی سبب بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قبض القلوب فی بسط النفوس وبسط القلوب فی قبض النفوس۔ دلوں کا تنگ ہونا نفوس کی کشادگی ہے اور دلوں کا کشادہ ہونا نفوس کی تنگی ہے تو نفس سے تنگ شدہ خلل سے محفوظ ہوتا ہے اور کشادہ ذلت سے ضبط میں۔ اس لئے کہ غیرت سے دوستی کرنے میں ندامت ہے اور قبض غیرت حق تعالیٰ کی علامت ہے اور دوست کو دوست سے عتاب شرط ہے اور کشائش نشانِ عتاب ہے اور آثار میں مشہور ہے کہ جب تک یحییٰ علیہ السلام روتے رہے جب تک عیسیٰ علیہ السلام ہنستے رہے۔ اس لئے کہ یحییٰ علیہ السلام قبض میں رہے اور عیسیٰ علیہ السلام بسط میں اور جب ایک دوسرے سے ملتے تو یحییٰ علیہ السلام کہتے اے عیسیٰ تم جدائی سے بے غم ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام فرماتے یحییٰ تم رحمت سے مایوس ہوئے تو تمہارا رونا حکم ازل کو نہیں مٹا سکتا۔ قضاء الٰہی کو نہیں روک سکتا - لا قبض ولا بسط ولا طمس ولا انس ولا محو ولا صحو ولا سکر ولا عجز ولا جهل الا من الله تنگی کشائش مٹنا اور سانس اور محو اور بیہوش اور عاجز ہونا، جاہل ہونا بدونِ حکم اللہ تعالے کے نہیں اور وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

محبت اور ڈر اور ان میں فرق

اور اسی سے اُنس و ہیبت ہے اور ان کا فرق یہ ہے۔ جان لینا چاہئے کہ ہیبت اور انس یہ دو حالتیں ہیں جو رہروانِ طریقت کے اوپر آتی ہیں۔ اس میں سے یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کے دل پر تجلی فرماتا ہے تو اگر وہ شہودِ جلال ہو تو ہیبت ہوتی ہے اور اگر شہودِ جمال ہو تو بندہ پر انس ہوتا ہے تو اہلِ ہیبت اس کی جلالت سے سختی میں ہوتے ہیں اور اہلِ انس اس کے جمال سے خوش ہوتے ہیں۔

تو جو دل اس کی جلالتِ شان کی آگ میں جلتا ہوا اور وہ جو اس کے مشاہدۂ جمال کے نور سے روشن ہو۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ ہیبت عارفوں کا درجہ ہے اس لئے کہ جیسے حضورِ حق اور تنزیہِ اوصاف میں ثابت قدم کرتا ہو۔ اس کے دل پر ہیبت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اور انس سے اس کی طبیعت نفرت کرتی ہے۔ اس لئے کہ انس جنس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب بندہ کا حق تعالیٰ سے ہم جنس ہونا محال ہے تو حق سے اُنس نہیں ہو سکتا اور حق سے مخلوق کا انس محال ہوتا ہے۔ البتہ اگر اُنس ممکن ہے تو ذکرِ حق سے ہے۔ اس لئے کہ اس کا ذکر اس سے غیر ہے کیونکہ وہ بندہ کی صفت ہے اور محبت میں کسی غیر کے ساتھ آرام کرنا محض دعویٰ اور غرور ہے۔ پھر ہیبت مشاہدہ عظمت سے ہوتی ہے اور عظمت صفتِ حق ہے تو اس بندہ میں کہ اس کا کام آپ ہی ہوا اور اس بندہ میں کہ جس کا کام فنا سے بقاءِ حق پر ہو بڑا فرق ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ آپ نے فرمایا مدت مدید تک خیال کرتا تھا کہ میں محبت میں خوش ہوں اور مشاہدۂ حق سے اُنس رکھتا ہوں لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ انس انسان کی جنس کے سوا نہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ ہیبت فراق اور عذاب سے قرینے ہیں اور انس وصل رحمت کے نیچے۔ محب کو چاہئے کہ ہیبت کی باتوں سے پرہیز کرے اور محفوظ رہے اور انس کے قریب ہو اس لئے کہ انس ضرور محبت کا تقاضا کرتا ہے اور جیسے محبت کو مجانست محال ہے انس کو بھی محال ہے۔

اور میرے شیخ فرماتے ہیں کہ میں متعجب ہوں ان پر جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے انس محال ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ۔ قُلْ لِعِبَادِیْ اور اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ۔ یَا عِبَادِ لَا

خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔ بے شک میرے بندے۔ زیادہ کئے میرے بندوں سے اور جب میرے بندے پوچھیں آپ سے۔ اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم پر خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔

جب بندے اپنے رب کا ایسا فضل دیکھتے ہیں تو اُسے دوست پکڑتے ہیں اور جب دوست پکڑتے ہیں تو لازمی اُنس اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہیبت دوست سے بیگانگی ہے اور اُنس متقضیٰ یگانگت ہے اور آدمی کی صفت یہ ہے کہ نعمت دینے والے سے اُنس کرے۔ تو جب حق تعالیٰ ہمیں اس قدر نعمتوں سے نوازتا ہے اور ہم اسے منعم جانتے ہیں تو پھر محال ہے کہ اس سے ہیبت محسوس کریں۔

اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ دونوں گروہ اختلاف کی وجہ سے مصیبت میں ہیں۔ اس لئے کہ غلبہ ہیبت نفس اور اس کی خواہش اور بشریت کے فنا کرنے سے ہے اور اس میں غلبہ سِر ہے اور سِر میں معرفت حاصل ہو جانے سے حق تعالیٰ شانہٗ کی جلالت اپنی تجلی سے محب کے نفس کو فنا کر دیتی ہے اور جلوۂ جمال ان کے سر کو باقی کر دیتی ہے۔ تو جو اہلِ فنا ہیں وہ ہیبت کو مقدم کرتے ہیں۔ اور جو اصحاب بقا ہیں وہ اُنس کو فضیلت دیتے ہیں۔ اور اس سے قبل فنا و بقا کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔

قہر اور لطف اور ان میں فرق

اس میں لطف اور قہر ہے۔ ان کا فرق یہ ہے کہ مشائخ کی جماعتیں یہ دونوں لفظ اپنے زمانہ میں بیان کرتی ہیں۔ چنانچہ قہر سے ان کی مراد تائیدِ حق ہے جو مرادوں کو فنا کرنے اور نفس کی آرزو سے علیحدہ کرنے میں ہوتی ہے اور لطف وہ تائیدِ حق ہے جو بقائے سِر اور دوامِ مشاہدہ اور استقامت کے درجہ میں قرارِ حال سے ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک گروہ کہتا ہے کہ کرامتِ حق تعالیٰ ہی حصول مراد ہے اور یہ گروہ اربابِ لطف سے ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ کرامت وہ ہے جو حق تعالیٰ اپنی مرضی سے بندہ کو نامراد رکھے اور اس نامرادی میں مقہور فرمائے حتیٰ کہ اگر وہ پیاس کے سبب دریا میں جائے تو دریا خشک ہو جائے[1]

روایت ہے کہ بغداد میں دو بڑے شاندار فقیر تھے۔ ایک صاحب قہر دوسرے صاحب لطف،

---

[1] مقول شاعر: ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے ٭ موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے (مترجم)

یہ ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف رہتے اور ہر ایک اپنے زمانہ کو دوسرے کے زمانہ پر فضیلت دیتا۔ ایک کہتا حق تعالیٰ کا لطف بندہ پر تمام نعمتوں سے افضل واشرف ہے۔ اس لئے کہ ارشاد ہے اَللّٰہُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِہٖ۔ اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

دوسرا کہتا ہے کہ قہر حق بندہ کے لئے بڑی کامل نعمت ہے۔ اس لئے کہ اس نے فرمایا ہے۔ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر قہار ہے اور یہ اختلاف دونوں میں بہت طول پکڑ گیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے صاحب لطف نے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور جنگلوں میں پھرتا پھرتا گم ہو گیا اور کسی کو ان کا پتہ نہ چلا۔ ایک شخص مکہ سے بغداد آ رہا تھا۔ اس نے انھیں راستہ میں دیکھا۔ انھوں نے اس سے کہا۔ بھائی تم عراق پہنچو تو ہمارے ساتھی کو کہنا کہ اگر تم صحرا اور جنگل کو عجائبات کرخ اور بغداد کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ میرے لئے یہ جنگل کرخ اور بغداد سے اچھا ہے۔

غرضکہ جب یہ سیاح کرخ اور بغداد آئے تو انھوں نے ان کے رفیق کو پیام دیا اور کہہ دیا جو انھوں نے کہا تھا۔ یہ سن کر فرمایا۔ جب تم واپس جاؤ تو کہہ دینا اگر جنگل تیرے حق میں کرخ اور بغداد ہیں تو اس میں شرف نہیں۔ اس لئے کہ تو حضور سے دور ہے بلکہ شرف اس میں ہے کہ کرخ اور بغداد باوجود عجائبات کے ایک کے حق میں جنگل بیابان ہو اور وہ اس میں خوش ہو۔ اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی مناجات میں فرمایا۔

"الٰہی اگر میرے گلے میں آسمان کا طوق ڈالا جائے اور زمین کو زنجیر پا کر دیا جائے اور تمام جہان میرے خون کا پیاسا ہو جائے تو بھی میں تیرے جناب سے نہ ہٹوں گا۔

اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک سال اولیاء اللہ کا جنگل میں اجتماع تھا اور میرے شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ مجھے بھی وہاں لے گئے۔ میں نے دیکھا ایک گروہ تخت کے نیچے ہوا پر جا رہا ہے اور ایک گروہ تخت کے اوپر علیحدہ اُڑ رہا ہے اور ہر ایک گروہ علیحدہ علیحدہ رتبہ میں تھا۔

حضرت حصری ان کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ لیکن ایک جوان ٹوٹی جوتی پھٹے لباس میں چلنے سے تھکا سر سے ننگا، بدن جھلسا ہوا، تن لاغر ظاہر ہوئے تو حضرت حصری کو دے اور ان کے آگے پہنچے۔ انھیں بلند درجہ پر بٹھایا۔ میں متعجب ہوا اور عرض کی کہ حضور یہ کس پایہ کے بزرگ ہیں فرمایا یہ اولیاء اللہ میں سے ایک ولی ہے کہ یہ طلبگار ولایت نہیں بلکہ ولایت اس کی طلبگار ہے اس کا میلان کرامت کی طرف نہیں۔

اور جو کچھ ہم اپنے واسطے اختیار کرتے ہیں وہ ہماری بلا ہوتی ہے اور میں وہی چاہتا ہوں جو حق تعالےٰ میرے واسطے چاہتا ہے۔ اس صورت میں مجھے اس کی آفت سے بچا رکھتا ہے اور مجھے نفس کی شرارت سے رہائی دیتا ہے اور اگر قہر کرے تو میں لطف نہیں چاہتا اور اگر لطف فرمائے تو مجھے قہر کا ارادہ نہیں ہوتا کیونکہ ہمیں اس کے اختیار میں اختیار نہیں۔

نفی اور اثبات اور ان میں فرق

اور اس سے نفی و اثبات ہے۔ ان میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین تائید حق تعالیٰ ثابت کرنے میں صفت آدمیت محو کرنے کو نفی و اثبات کہتے ہیں اور نفی صفت بشریت کی نفی کو کہتے ہیں اور اثبات اثبات غلبہ حقیقت کو اس لئے کہتے ہیں کہ محو کل ہو جاتا ہے اور نفی کل اثبات کے سوا نہیں۔ اس لئے کہ بقا بشریت کی حالت میں نفی فات نہیں ہو سکتی۔ تو لازم ہے کہ فضائل محمود کے قائم رکھنے سے بری صفات کی نفی ہو۔ اور معنی ثابت ہونے سے دعویٰ محبت حق تعالیٰ کی نفی کرتا ہے۔ اس لئے کہ دعویٰ رعونت نفس سے ہوتا ہے اور یہ عادت جاریہ ہے کہ صفات سلطان حقیقت کی مقہور ہو جائیں اور کہتے ہیں کہ اثبات بقا حق صفات بشریت کی نفی کرتا ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل اس سے پہلے فقر اور صفوت' بقا و فنا کے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں میں نے اسی پر اختصار کیا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے اختیار حق سے اختیار بندہ کا ثبوت کرتا ہے۔ اور اس سبب سے موفق نے کہا۔ اِخْتِیَارُ الْحَقِّ بِعَبْدِہٖ مَعَ عِلْمِہٖ بِعَبْدِہٖ خیر من اختیار عبدہ لنفسہ مع جھلہ بربہ۔ حق تعالیٰ بندہ کو جانتا ہے۔ وہ جو کچھ بندہ کے حق میں اختیار فرمائے اور اس سے نسبت بندہ باآنکہ اپنے رب سے بے خبر ہے اپنے نفس کے لئے جو اختیار کرے بہتر ہے۔ اس لئے کہ دوستی اس کا نام ہے جو اختیار محبوب کو ثابت کر کے محبت سے اختیار کی نفی کرے۔ اور یہ سب کے نزدیک مقرر ہے۔

اور میں نے حکایتوں میں معلوم کیا کہ ایک درویش دریا میں غرق ہو رہے تھے کسی نے اُن سے پوچھا۔ کیا آپ اس غرق سے رہائی چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا۔ نہیں۔ دریافت کیا کہ پھر ڈوبنا ہی پسند کرتے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا نہیں۔ تو سائل نے کہا عجیب بات ہے نہ آپ ڈوبنا چاہتے

ہیں نہ نجات پایا۔ درویش نے فرمایا۔ مجھے ہلاکت سے غرض نہ نجات سے مطلب۔ مجھے وہی منظور ہے جو اللہ تعالیٰ میرے لئے اختیار فرمائے۔ اس لئے کہ اختیار الٰہی ازلی ہے جس کی نفی ممکن نہیں اور بندہ کا اختیار عارضی ہے جس کی نفی جائز ہے تو ہمیں لازم ہے کہ عارضی اختیار کو پامال کریں تاکہ اختیار ازلی ہی باقی رہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام جب پہاڑ پر خوش ہوئے اور حق تعالیٰ کی رویت کی تمنا کی۔ گویا اپنا اختیار ثابت کرنے میں سعی کی اور جناب حق میں رَبِّ اَرِنِیْ کہہ دیا تو لَنْ تَرَانِیْ حکم ہوا۔ یعنی آپ نے عرض کی الٰہی اپنا دیدار دے تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ہرگز ہرگز تم نہیں دیکھ سکتے اور بتایا کہ دیدار حق ہے لیکن محبت میں اختیار باطل ہے اور اس میں بہت کلام ہے۔ لیکن میری مراد اس سے زیادہ نہ تھی تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اس طبقہ کی کیا مراد ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اور اس کا بیان جمع اور تفرقہ فنا اور بقا، غیب اور حضور مذاہب صوفیہ گذر چکا ہے وہاں صحو اور سکر اس کی مانند ذکر ہو چکا ہے۔ وہاں دیکھیں جہاں جہاں اس بیان کا موقع تھا وہاں لکھا گیا اور ضرورت کے موافق یہاں بھی کچھ بیان کیا ہے۔ تاکہ ہر مذہب کا مشاہدہ ہو سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسامرہ اور محادثہ اور ان میں فرق

اور اس سے مراد مسامرۃ اور محادثہ ہے ان کا فرق یہ ہے کہ ان دونوں جملوں میں دو حال کا طالب طریقت کے بیان کرنے مراد اور حقیقت محادثہ یہ ہے کہ وہ حدیث سر ہے جو سکوت زبان سے مقرون ہے یعنی محادثہ زبان سے متعلق نہیں اور حقیقت مسامرہ سر کے چھپانے سے ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ اس کے خلاصہ معنی یہ ہیں کہ بندہ کا شب تنہائی میں ایک وقت خاص ہوتا ہے۔ اور محادثہ دن میں ایک وقت ہوتا ہے۔ اس میں سوال جواب ظاہری و باطنی ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے شب کی مناجات کو مسامرہ کہتے ہیں اور دن کی دعاؤں کو محادثہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مسامرہ کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے چاہا اور وقت خاص ہوا تو روح الامین کو معہ براق بھیجا تاکہ مکہ معظمہ سے قاب قوسین تک پہنچایا جائے اور اپنے رب سے راز کی گفتگو بلا صوت و حرف سنی۔ جب حد کو پہنچے تو کشف کی جلالت سے آپ کی زبان مبارک بند ہوئی اور دل کنہ عظمت میں حیران اور آپ کا

علم ادراک رہ گیا اور زبان بیان سے بند ہوئی۔ چنانچہ عرض کیا لا احصی ثناءً علیک اور محادثہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے ہے جب آپ نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ سے ایک وقت خاص حاصل کریں۔ چالیس روز کے انتظار اور روزہ کے بعد دن میں کوہ طور پر آئے۔ اور کلام الٰہی سنا اور فرطِ شوق میں دیدار کا سوال کر ڈالا مگر کامیابی نہ ہوئی اور ساری مسرتیں ختم ہو گئیں۔ جب پھر ہوش میں آئے تو عرض کیا تُبْتُ اِلَیْكَ تاکہ فرق ظاہر ہو جائے۔ اس ہستی کے مابین جنہیں لے جایا گیا اور سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا فرمایا گیا۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گیا رات کے اقل قلیل حصہ میں اور کلیم اللہ کے لئے فرمایا۔ وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا۔ جب موسیٰ ہماری میقات کے لئے آیا۔ تو معلوم ہوا کہ رات خلوتِ محبوب کا وقت ہے اور دن بندہ کی خدمت کا اور جب بندہ اپنی حد مقررہ سے تجاوز کرے تو لَنْ تَرَانِیْ سے جواب مل جاتا ہے مگر محبوبِ خاص کے لئے کوئی حد نہیں ہوتی جس کے آگے گزرنے کی ممانعت ہو اس لئے کہ دوست جو کرتا ہے وہ دوست کو پسند ہوتا ہے۔

علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین

اور ان کے درمیان فرق

اور اس سے علم الیقین حق الیقین اور عین الیقین میں ان کا فرق یہ ہے کہ علم اصولِ صوفیہ میں سب اپنے معلوم کو جاننے سے یہ الفاظ بیان ہوتے ہیں۔ چنانچہ صحت کا علم ہو جانے یقین کے بغیر علم نہیں ہوتا۔ جب علم حاصل ہوتا ہے تو اس میں غیب عین کی مانند ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ فردائے قیامت جو مومنین لقاءِ ربانی سے مشرف ہوں گے تو ان کے دیکھنے کی صفت وہی ہو گی جو آج جاننے میں ہے اور اس کے برخلاف دیکھیں گے تو یا تو فردائے قیامت کا دیدار صحیح نہ ہو گا یا آج کا علم درست نہیں اور یہ دونوں صورت خلافِ توحید نہیں۔ اس لئے کہ اگر آج کے روز خلقت کا علم درست ہوا اور کل رویت اس کی رویت درست ہوئی تو علم الیقین عین الیقین ہو جاتا ہے۔ اور حق الیقین کو علم الیقین جن لوگوں نے رویت میں کہا ہے وہ عین الیقین کو استغراق کے طور پر لا

ہے وہ محال ہے۔ اس لئے کہ رویت مثل سماع کے حصول علم کا آلہ ہے اور ایسے ہی جب استغراق علم کا سماع میں محال ہے تو ان لوگوں کا اس علم الیقین سے علم معاملہ دنیا کے حکموں میں مراد ہے۔ اور علم عین الیقین سے علم بحالت نزع جب دنیا سے رخصت ہو اور عین الیقین سے بہشت میں کشف رویت مراد ہے اور مکاشفہ سے کیفیت حالات۔ تو علم الیقین عالموں کا درجہ ہے اس سبب سے کہ وہ احکام امور پر استقامت کرتے ہیں۔

اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے۔ اس حکم سے کہ وہ صورت کی استعداد رکھتے ہیں اور حق الیقین محبوں کا مقام فنا ہے کیونکہ وہ کل موجودات سے رُوگردان ہوتے ہیں تو علم الیقین مجاہدہ سے ہوتا ہے اور عین الیقین انس سے اور حق الیقین مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک عام ہے اور دوسرا خاص تیسرا خاص الخاص۔ واللہ اعلم۔

علم اور معرفت اور ان میں فرق

اور اس سے علم و معرفت ہے۔ ان کا فرق یہ ہے کہ ارباب اصول نے علم اور معرفت میں فرق نہیں کیا۔ وہ دونوں کو ایک کہتے ہیں۔ صرف اتنا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عالم کہا جاتا ہے عارف نہیں کہتے۔ اس سبب سے یہ دونوں مترادف نہیں۔

مشائخ صوفیا رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی تصریح یوں فرمائی کہ وہ علم جو حال کے نزدیک ہے اس کا عالم اپنے حال سے جو بیان کرتا ہے وہ معرفت ہے اور اس کے عالم کو عارف کہتے ہیں اور جو علم معنی سے جدا اور معاملات سے خالی۔ اسے علم کہتے ہیں اور اس کے جاننے کو عالم۔ تو جو کسی چیز کے معنی اور حقیقت کا عالم ہو اسے عارف کہا جائے۔

اور جو صرف عبارت اور اس کے حفظ میں مشغول ہو اور حفاظت معنی نہ جانتا ہو اس کو عالم کہیں گے اور یہی سبب ہے کہ اس گروہ کو لوگ اپنے نزدیک بے قدر سمجھتے ہیں اور بعض دانشمند کہتے ہیں اور عوام اُسے بُرا جانتے ہیں اور اس سے مراد ان کی خست ہے کیونکہ اس میں ترک معاملات ہے۔ لان العالم قائمٌ بنفسہ والعارف قائمٌ بربہ اس لئے کہ عالم بذات خود قائم ہے اور عارف قائم برب الارباب۔ اس میں اور بہت سی باتیں ہیں جو کشف

حجاب وقت میں ذکر ہو چکیں اور بیان اسی قدر کافی ہے۔ اور اسی سے شریعت وحقیقت سے
اور ان کا فرق یہ ہے کہ دونوں لفظوں کا استعمال صوفیا رکے لئے ہے۔ ایک صحت حال سے ظاہرا
کرتے ہیں اور ایک اقامتِ حالِ باطن کے ساتھ اور دو گروہ اس کے معنی میں غلطی پر ہیں۔
ایک گروہ علمار ظاہر کا ہے جو کہتا ہے شریعت وحقیقت میں فرق نہیں۔ اس لئے کہ
شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت شریعت ہے۔ ایک گروہ ملاحدہ کا ہے جو کہتا ہے ان دونوں میں
ہر ایک دوسرے کے سوا قائم ہو سکتا ہے اور کہتے ہیں جب حقیقت کا حال کھل گیا تو شریعت جاتی
رہی اور یہ خیال قرامطہ کا ہے اور شیعہ بھی انہیں میں سے ہیں اور موسویان بھی انہیں میں سے ہیں۔
اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ حکم میں شریعت طریقت سے جُدا ہے۔ کیونکہ ایمان میں تصدیق قول سے
جُدا ہے اور اس امر کی دلیل کہ اصل میں جدا نہیں ایک ہی ہیں یہ ہے کہ تصدیق بلا قول ایمان نہیں ہوتی
اور قول بلا تصدیق موجب ایمان نہیں تو قول اور تصدیق کا فرق ظاہر ہوگیا تو حقیقت کے معنی
جو مراد ہیں ان کا منسوخ ہونا جائز نہیں۔ اور ابتدار آفرینش آدم سے جہان فنا ہونے تک اس کا
حکم مساوی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور خلوص نیت سے معاملہ کی نیت مساوی ہے۔

شریعت اور حقیقت اور ان میں فرق

اور شریعت نام ہے اس کا جس پر نسخ و تبدل روا ہو۔ جیسے احکام و اوامر تو شریعت
فعل بندہ کا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی محافظت کرے تو معلوم ہوا کہ شریعت
کا قیام بلا وجودِ حقیقت محال ہے اور بلا شریعت وجود حقیقت بھی محال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے
کہ ایک شخص زندہ جان سے ہوتا ہے۔ جب جان جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہوتا ہے اور جان اس
کے ساتھ ایسے ہے کہ ان کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔ اسی طرح شریعت بلا حقیقت
ریاکاری ہے اور حقیقت بلا شریعت نفاق اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا
لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم ضرور انھیں اپنا راستہ دکھاتے
ہیں۔ اور مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت حقیقت۔ یہ ایک بندے کو احکام ظاہری کا پابند رکھتی ہے
اور دوسرے احوال باطنی میں بندہ پر قائم ہے۔ تو گویا شریعت مکاسب سے ہے اور حقیقت مواہب

سے یہ حدیں وہ حدیں کہ بطور استعارہ بولی جاتی ہیں اور اس کی تفصیل اور اس کے احکام کی تشریح بہت مشکل ہے۔ میں علی الاختصار اس نوع کا بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ الحق۔

الحق۔ اس سے مراد ان کی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے کہ اسمار الٰہی میں سے یہ ایک نام ہے جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے ذالك بانّ اللہ ھو الحق

الحقیقت۔ اس سے بندہ کا محل وصل الٰہی میں قائم ہونا مراد ہے اور اس کے وقوف کا سر محل تنزیہ ہے۔

الخطرات۔ جو کچھ احکام تفریق سے دل پر گذرے۔

الوطنات۔ جو اسرار الٰہی سے اس میں متوطن ہو۔

الطمس۔ وہ نفی عین مراد ہے جس کا اثر نہ رہے۔

الرمس۔ جو دل سے نفی عین ہو اور اس کا اثر رہے۔

العلائق۔ وہ اسباب جن سے طالب تعلق کرتے ہیں اور مراد سے رہ جاتے ہیں۔

الوسائط۔ وہ اسباب جن سے طالب تعلق کرتے ہیں اور مراد کو پہنچتے ہیں۔

الزوائد۔ دل پہ انوار زیادہ ہونا۔

الفوائد۔ اسرار ضروریہ کا ادراک کرنا۔

الملجاء۔ حصولِ مراد پر دل کا بھروسہ۔

المنجاء۔ محل آفت سے دل کا خلاصی پانا۔

الکلیت۔ اوصافِ آدمیت کا کلیۃً مستغرق ہونا۔

اللوائح۔ مراد کا ثابت ہونا اور اس کی نفی کا ورود۔

اللوامع۔ نور کا دل پر اظہار اور اس کے فوائد کی بقار

الطوالع۔ انوارِ معرفت کا دل پر روشن ہونا۔

الطوارق۔ رات کی مناجات میں بشارت یا زجر کا وارد ہونا۔

اللطیفہ۔ دقائق حال سے دل پر سِرّی طور پر درستی کا اشارہ

السنجوی۔ اطلاع غیر سے آفات کا مخفی کرنا

الاشارات: بے الفاظ و زبان اخبار غیر دینا۔

الایماء۔ تعریض خطاب بے اشارت و عبارت

الوارد۔ دل میں معنی کا حلول

الانتباہ۔ زوال غفلت دل سے۔

الاشتباہ۔ حکم حق اور باطل میں اشتباہ پیدا ہونا۔

القرار۔ حقیقت حال زوال و تردد

الانزعاج۔ حال وحدانیت میں تحرک دل سے بعض مختصر الفاظ کا ورود۔

نوع آخر۔ یہ وہ مددو الفاظ ہیں کہ توحید حق میں استعمال کرتے اور حقیقتوں میں ان کے اعتقاد کا بیان اس میں استعارہ نہیں اور ان میں سے ایک

العالم۔ یہ مخلوق الہٰی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اٹھارہ ہزار ہیں اور فلاسفہ پچاس ہزار عالم کہتے ہیں اور اس کے علاوہ ایک عالم سفلی اور ایک عالم علوی بھی ہے اور ارباب اصول کہتے ہیں کہ عرش سے تحت الثریٰ تک جو کچھ ہے وہ عالم ہے۔ بہرحال عالم مختلف چیزوں کا جمع ہونا ہے۔ اور اہل طریقت کے نزدیک عالم ارواح اور عالم نفوس ہے اور ان کی اس سے یہ مراد نہیں ہے جو فلاسفی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ارواح اور نفوس کا جمع ہونا ہے۔

المحدث۔ یہ وہ ہے جو متاخر وجود میں ہو یعنی پہلے نہ ہو پھر ہو جائے۔

القدیم۔ جو وجود میں سابق ا ہمیشہ ہو اور اس کی ہستی سب ہستیوں سے مقدم ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

الازل یا الاوّل۔ جس کی ابتدا نہ ہو۔

الابد۔ جس کے لئے انتہا نہ ہو۔

الذات۔ کسی شے کی ہستی اور اس کی حقیقت۔

الصفۃ۔ جو نعت میں ہو اور خود قائم نہ ہو۔

الاسم۔ مسمیٰ کا جو خبر ہو۔

التسمیہ۔ خبر مسمیٰ

النفی - جو عدم اور منفی کا مقتضی ہو۔

الاثبات - جو وجود مثبت کا مقتضی ہو

الشیئان - جب ایک کا وجود دوسرے پر وارد ہو۔

الضدان - یعنی ایک کا وجود دوسرے کی موجودگی میں ایک حال کے ساتھ روا نہ ہو۔

الغیران - ایک کا وجود دوسرے کے فنا کے ساتھ روا ہو۔

الجوھر - وہ چیز جو قائم بالذات ہو۔

العرض - جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔

الجسم - جو اجزا ء متفرقہ سے مرکب ہو۔

السّوال - طلب حقیقت

الجواب - سوال سائل پر خبر دینا۔

الحسن - جو موافق امر ہو۔

القبیح - جو مخالف امر ہو۔

السفہ - جو مخالف ترک امر ہو

الظلم - کسی شے کو غیر موقعہ رکھنا

العدل - کسی شے کو اس کے قابل جگہ رکھنا

الملک - جس کے لئے اعتراض نہ ہو سکے۔ یہ وہ حدیں ہیں کہ طالب کو ان سے چارہ نہیں۔
یہ بطور اختصار بیان کردی گئیں۔

نوعِ اٰخر - یہ ایسی بات ہے جو شرح کی محتاج ہے اور صوفیائے کرام میں یہ متداول ہے اور
اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اہلِ زبان کو معلوم ہو جائے اور ظاہر لفظ سے ہی مفہوم واضح کردے۔

الخاطر - مرضی کے مطابق حصولِ معنی کا خواستگار ہونا تاکہ اس کو جلد زوال ہو اور دوسری
خاطر آئے اور صاحب خاطر اس کے دل سے دفع کرنے پر قادر ہو اور اہلِ خاطر پہلے خاطر کے تابع ہوتے
ہیں۔ ان امور میں جو حق تعالیٰ سے بندہ پر بے وجہ آجائیں۔
اور کہتے ہیں کہ خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ پر ایک خاطر رونما ہوئے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ

دروازہ پر ہیں۔ آپ نے اس خطرہ کو اپنے سے دور کرنا چاہا کہ دوسرا خطرہ خاطر مبارک میں آیا۔ آپ اس کے دفع میں مشغول ہوئے کہ پھر تیسری بار خطرہ ہوا کہ حضرت جنید دروازہ پر تشریف فرما ہیں جا کر دیکھا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو دروازہ پر کھڑا پایا۔ حضرت جنید نے فرمایا۔ اے خیر نساج اگر تو پہلے خطرہ کو خاطر میں لے آتا اور سیرت مشائخ پر عمل پیرا ہو جاتا تو اتنی دیر میں دروازہ پر کھڑا نہ رہتا۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر خطرہ خاطر خیر میں آیا تو اس میں جنید کو کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنید شیخ خیر نساج تھے اور شیخ لامحالہ احوال مرید سے واقف ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا فرمانا صحیح تھا۔

الواقع سے مراد یہ ہے کہ جو دل میں مرید کے ظاہر ہو اور باقی رہے برخلاف خاطر کے کہ وہ باقی نہیں رہتا اور کسی حال میں طالب اس کے دفع کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے کہتے ہیں خَطَرَ عَلٰی قَلْبِی میرے دل میں خطرہ گذرا وَقَعَ فِی قَلْبِی۔ اور دل میں واقع ہوا ہے۔ تو دل خاطر کا محل ہے۔ لیکن واقعات دل کے ہی دل پر گذرتے ہیں غیر دل پر نہیں۔ کیونکہ دل کا دل وہ ہے جس میں تمام حدیث حق ہوتی ہیں۔ بدیں وجہ جب مرید کے دل میں راہ حق کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو اُسے قید کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کو واقعہ ہوا ہے۔ اور اہل زبان واقعہ میں مسائل اشکال بیان کرتے ہیں اور جب کوئی اس کا جواب دے اور شبہ اٹھائے تو کہتے ہیں یہ واقعہ حل ہوا لیکن محققین اسی طرف ہیں کہ واقعہ وہ ہوتا ہے جس پر حل روا نہ ہو اور جو حل ہو جائے وہ خاطر کا خطرہ ہوتا ہے واقعہ نہیں۔ کیونکہ اہل تحقیق کا بند حقیر نہیں ہوتا کہ اس کا حکم بدل جاتا ہے اور حال سے پھر جاتا ہے۔

الاختیار۔ یہ وہ ہے کہ حق کے اختیار کو اپنے اختیار پر اختیار کریں یعنی جو کچھ حق تعالےٰ نے ان کے لئے اختیار کیا ہے خواہ خیر ہو یا شر اسی کو پسندیدہ رکھیں۔

اور درحقیقت بندہ کا اختیار حق کو اختیار کرنا بھی اختیار حق سے ہوتا ہے اور اگر وہ بات نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ اسی کو اختیار کر دیتا تو وہ اپنا اختیار کبھی نہ چھوڑتا۔ اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ امیر کسے کہتے ہیں۔ فرمایا امیر وہ ہے جس کا اختیار نہ رہا ہو اور حق کے اختیار کو اس نے اختیار کر کے اسے اپنا اختیار بنایا ہو۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ کو ایک وقت بخار آیا۔ عرض کی الٰہی

مجھے آرام عطا فرما۔ آپ کو ندا آئی کہ جنید تو کون ہے جو میری ملکیت میں تصرف کرتا ہے اور اپنا اختیار ظاہر کرتا ہے۔ میں اپنی ملک میں تجھ سے زیادہ مدبر ہوں تو میرے اختیار کو اختیار کر اور اپنا اختیار ظاہر نہ کر۔ واللہ اعلم۔

الامتحان۔ اس لفظ سے امتحان دل اولیاء مراد ہے۔ اس لئے کہ ولی کے دل پر جانب اللہ کئی طرح کی بلائیں آتی ہیں۔ جیسے خوف۔ غم۔ ہیبت۔ قبض اور مثل اس کے جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ امتحان میں ڈالتا ہے۔ تقویٰ کے لئے انھیں بخشش ہے اور بڑا اجر اور یہ بہت بلند درجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

البلاء۔ بلاء سے مراد محبوں کے تن کا امتحان متعدد طرح سے سختیوں، بیماریوں اور رنج دمحن سے کیا جاتا ہے اور جس قدر بندہ پر بلا زیادہ قوی ہوتی جاتی ہے۔ اسے قرب حق زیادہ ملتا ہے اس لئے کہ بلا لباس اولیاء ہے اور برگزیدہ ہستیوں کا گہوارہ اور انبیاء کرام کی غذا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاء۔ ہم نبیوں کا گروہ ہیں بلا کے لئے لوگوں سے زیادہ سخت ہیں۔

پھر اولیاء، پھر مقرب لوگ، پھر ان کی مثل غرضیکہ بلا رنج کا نام ہے جو بندۂ مومن کے دل اور تن پر آتی ہے اور دراصل یہ اس کے حق میں نعمت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا راز بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کا درد اٹھانے کا ثواب ہوتا ہے۔ اور جو کفار پر بلا نازل ہوتی ہے۔ وہ بلا بمعنی استبلا نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کی کم بختی ہوتی ہے اور کافر کبھی شقاوت سے شفا نہیں پاتا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ بلا مرتبۂ امتحان میں بہت بڑا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ بلا کا اثر تن پر ہوتا ہے اور دل بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اور امتحان کا اثر دل پر ہوتا ہے اور یہ بہت قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

التحلی۔ کسی قوم سے قول و فعل میں مساوی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیس الایمان بالتحلی والتمنی ولکن ما وقر فی القلوب وصدقہ العمل۔ ایمان ظاہر داری سے نہیں لیکن دل میں وقر پیدا کرے اور عمل اُسے سچا کرے

تو یہ تحلی ایک گروہ کے نزدیک بعدن حقیقت معاملہ کے مشابہ ہونا تحلی کہلاتا ہے اور جو دکھاوے کے لئے ہے۔ ایسا کرے اور حقیقت میں نہ ہو محض ظاہرداری کرتا ہو وہ جلدی سے خوار ہو جاتا ہے اور اس کا بھید کھل جاتا ہے۔

التجلی۔ یہ انوارِ حق کی تاثیر ہے جو مقبولانِ بارگاہ پر ہوتی ہے۔ جس سے وہ اس درجہ پر پہنچتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔ اسی درجہ میں رویت بالقلب اور رویت بالعین دو صورتیں رکھی گئی۔ تجلی اگر چاہے دیکھے اگر نہ چاہے نہ دیکھے[1]

ایک صورت یہ ہے کہ کسی وقت دیکھ سکے اور کسی وقت نہ دیکھ سکے[2]

ایک وہ اہلِ نظر ہیں کہ اگر بہشت میں بھی دیکھنا نہ چاہیں نہ دیکھیں۔ کیونکہ ان کے لئے تجلی بے پردہ اختیار روا ہو جاتا ہے اور رویت بے پردہ جائز نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

التخلی۔ وہ بندہ کا ایسا شغل ہے جو مانع ذکرِ حق ہو جائے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ہاتھ خالی کرنا چاہے دنیا سے۔ دوسرے یہ کہ عقبیٰ سے اپنا دل خالی کر دے۔ تیسرے یہ کہ خواہش نفسانی کی متابعت کر اس سے اپنا سر خالی کر دے۔ چوتھے خلقت کی صحبت سے اپنے کو خالی کر لے اور اس کا اندیشہ بھی دل میں نہ آنے دے۔

الشرود۔ معنی شرود طلبِ خاص کے ہیں۔ یہ آفت و حجاب و بیقراری سے خلاصی پانے کے لئے حق کو طلب کرنا ہے۔ کیونکہ طلب پر تمام بلائیں حجاب سے آتی ہیں۔ تو اگر وہ طالب کا کشف حجاب ہے تو اس کے سفر اور تعلق کی ہر شے کو شرود کہتے ہیں۔ اس میں ابتدا طلب میں بیقراری زیادہ ہوتی ہے اور انتہا میں وصل قائم ہو جاتا ہے۔

القصود۔ یہ طلب مقصود کے لئے حقیقت ارادہ صحیح اس گروہ کا قصود ہے۔ یہ حرکت و سکون سے متعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دوست گرچہ دوستی میں ساکن ہوتا ہے یا قاصد مگر یہ خلاف عادت ہے۔ اس لئے کہ قاصدوں کا مقصد یا ظاہر پہ مؤثر ہوتا ہے یا ان کے باطن پریشان دیتا ہے مگر جو دوست بے وجہ طلب کرتے ہیں اور بدون حرکات قاصد ہوتے ہیں ان کے سبب صفتیں خود قصد ہوتی ہیں۔ اور جو انتہا کا قصد کرتے ہیں تو جب دوستی حاصل ہو جاتی ہے تو سب قصد ہو جاتے ہیں۔

---

[1] جیسے کسی نے کہا ہے دل کے آئینے میں ہے تصویر یار ÷ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔ (مترجم)

[2] بقول شاعر ہے گہے بر تارم اعلیٰ نشینم ÷ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم (مترجم)

اصطناع - اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ مہذب ہو جائے اور اس کی سب صفتیں فنا ہوں اور تمام حظوظ نفسانی اوصاف نفس بدل جائیں۔ تاکہ اوصاف ذاتی کے زوال اور اوصاف نفسانی کے تبدیل ہو جانے سے مجذوب ہو جائے اور اس درجۂ خاص میں انبیاء کرام ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو یہ درجہ نہیں ملتا۔ ایک گروہ مشائخ اسے انبیاء اور اولیاء میں بھی روا رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

الاصطفاء - اصطفاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کے دل کو اپنی معرفت کے لئے فارغ فرما دے تاکہ اس کی معرفت صفات اس کے دل میں جاگزیں ہو اور اس درجہ میں خاص وعام مومن سب بلکہ عاصی مطیع ولی نبی سب پہنچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا‌ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ - اور کتاب کا وارث کیا ہم نے اپنے بندوں سے تو ان میں ظالم ہیں اپنی جان میں اور ان میں میانہ رو ہیں اور ان میں سابق بالخیرات ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار

الاصطلام - اصطلام تجلیات حق ہیں کہ بندہ ان سے مقہور ہو جاتا ہے تاکہ امتحان لطف نفی میں اس کے ارادہ اور قلوب پر حاوی ہو اور مصطلم اور قلب ممتحن دونوں کے معنی ایک ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ الاصطلام زیادہ خاص ہے اور امتحان اس سے زیادہ رقیق ہے اور ارباب طریقت اصطلاح میں مروج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الرَّین - رین ایک حجاب ہے جو دل پر آتا ہے اور اس کا کشف ایمان کے بغیر نہیں اور وہ حجاب کفر اور گمراہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ کفار کی صفت ہے کَلَّا بَلۡ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ -

ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ وہ حجاب ہے جس کا زوال خود ممکن نہیں خواہ کسی صفت سے ہو کیونکہ کافر کا دل اسلام پذیر نہیں ہوتا۔ اور جو ان میں سے ایمان لاتے ہیں وہ خداوند تعالیٰ کے علم میں مومن ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ عالم۔

الغَین - یہ دل پر ایک پردہ ہوتا ہے جو استغفار سے اٹھ جاتا ہے اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک خفیف ایک غلیظ۔ غلیظ کا نزول غافلوں کے واسطے ہے اور خفیف اولیاء انبیاء

سب پر آ سکتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ فَاِنِّیْ لَا
سْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ۔ بے شک میرا دل پر پردہ کیا جاتا ہے۔ اور خفیف کے لئے
اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کے معنی گناہ سے اطاعت کی طرف جانا ہے اور رجوع کے معنی
ہیں اپنے آپ سے خداوند تعالیٰ کی طرف لوٹنا۔ تو توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور محبوں کا جُرم اپنی
ہستی کو دیکھنا بھی ہے۔ اگر کوئی خطا سے صواب کی طرف جائے تو کہتے ہیں کہ یہ قول راجع ہے۔
فلاں شخص راجع ہے۔ اور یہ تمام بحث میں نے توبہ کے باب میں بیان کردی ہے۔ واللہ اعلم

التلبیس۔ کسی چیز کا اس کی اصل کے خلاف دکھانے کو تلبیس کہتے ہیں۔ جیسے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَا یَلْبِسُوْنَ۔ البتہ پہنایا ہم نے جو پہنتے ہیں یعنی پردہ
ڈال دیا اور غیر حق تعالیٰ میں یہ صفت محال ہے۔ اس لئے کہ کافر کو نعمت سے دہی مؤمن کرتا
ہے اور مؤمن کو اپنی نعمت سے کافر بناتا ہے تاکہ اس کے اظہار حکم اور حقیقت کا وقت
ہر ایک میں آجائے اور جب اس گروہ سے ایک شخص نیک خصلتوں کو بری صفتوں میں چھپا دیتا
ہے کہتے ہیں یہ تلبیس کرتا ہے اور اس جگہ کے سوا اس عبارت کو استعمال نہیں کرتے اور نفاق
اور ریا کو تلبیس نہیں کہتے۔ گو اصل میں وہ بھی تلبیس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اقامت فعل حق کے
سوا تلبیس کا استعمال نہیں۔

الشرب۔ طاعت کی شیرینی کو اور کرامت کی لذت کو اور راحت انس کو یہ طائفہ
شرب کہتا ہے۔ اور کوئی شخص کوئی کام لذت شرب کے سوا نہیں کر سکتا۔ جیسے تن کا سیراب ہونا
پانی سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی دل کا شرب راحت اور شیرینی طاعات سے ہے اور میرے شیخ رضی اللہ
عنہ فرماتے ہیں کہ مرید بے شرب اور عارف باشرب ہوتا ہے۔ اور یہ ارادہ و معرفت سے خالی
ہوتے ہیں۔ اس لئے مرید کو چاہیے کہ اپنے کام سے شرب ہو۔ تاکہ ارادت حق طالب بجالائے
لیکن عارف کو شرب نہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ بدون ارادہ حق شرب سے اس پر ایسی حالت ہوجائے
کہ اگر اپنے نفس کی طرف رجوع کرے تو آرام نہ پائے۔ واللہ اعلم۔

الذوق۔ یہ شرب کی مانند ہوتا ہے۔ لیکن شراب راحتوں کے سوا مستعمل نہیں
اور ذوق رنج و راحت کو اچھا تحمل کرتا ہے جیسا کہ کوئی کہے ذُقْتُ الْحَلَاوَۃَ وَذُقْتُ الْبَلَاءَ

وَذُقْتُ الرَّاحَةَ تو سب درست ہیں۔ پھر شرب کو بھی کہتے ہیں شَرِبتُ بِکَاسِ الوَصْلِ اَوْبِکَاسِ الوُدِّ۔ اور ایسی ہی اور بھی مثالیں ہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْئاً۔ یعنی مزے سے کھاؤ پیو۔ اور جب ذوق کا بیان فرمایا۔ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ۔ دوسری جگہ فرمایا۔ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ۔ یہ حد دو الفاظ کے حکم ہیں جو صوفیوں کے ہم نے مروجہ اصطلاحات جمع کر دیں۔ اگر سب بیان کریں تو کتاب طویل ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کشفِ حجاب یازدہم، سماع

یاد رکھو حصولِ علم کے پانچ سبب ہوتے ہیں۔ اول سمع دوم بصر سوم ذوق چہارم شم پنجم لمس۔ سمع سُننے کا کام دیتا ہے۔ بصر دیکھنے کے ذریعے علم پہنچاتا ہے۔ ذوق چکھ کر حقیقتِ شے معلوم کی جاتی ہے۔ شم سونگھنے سے پتہ لگانا۔ لمس چھو کر مس کے ذریعے معلوم کرنا۔

یہ پانچ ذریعے جو دل کے لئے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں اور ہر چیز کا علم انہیں پانچ حسوں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے سماعت کے ذریعے آواز اور خبر کا علم ہوتا ہے۔ بصارت کے ذریعے رنگ اور شکلیں معلوم ہوتی ہیں۔ ذائقہ کے ذریعہ شیریں تلخ میٹھا پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ شامہ کے ذریعہ خوشبو بدبو کا علم حاصل ہوتا ہے۔

ان پانچ حواس سے چار کے مقامات خاص ہیں اور ایک تمام بدن میں پھیلا ہوا ہے۔ سماعت کے لئے کان۔ بصارت کے لئے آنکھ۔ ذائقہ کے لئے زبان۔ شامہ کے لئے ناک ہے۔ اور لمس کو تمام بدن میں جگہ ہے۔ اس لئے کہ آنکھ سوا دیکھنے کے اور کام نہیں کرتی۔ اور کان سُننے کے سوا اور کام نہیں دیتا۔ ناک سونگھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔ زبان چکھنے کے سوا اور کسی کام کی نہیں۔ لیکن تمام بدن سے نرم گرم کھردرا سرد وغیرہ معلوم کرنے والا لمس ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر ایک حس تمام اعضاء میں مثل لمس کے پھیلا ہوا ہو۔ اور معتزلہ کے نزدیک ہر حس اپنے محل کے سوا اور جگہ روا نہیں۔ مگر ان کا یہ قول باطل ہے۔ اس لئے کہ لمس کے سوا سب کے محل خاص ہیں۔ اور لمس کا کوئی محل خاص نہیں ہے۔ اور جب ایک بھی ان پانچ سے محل خاص نہیں رکھتا۔ سوائے ایک کے تو

اوروں کے واسطے بھی یہی صفت رہا ہے۔ حالانکہ یہاں یہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس قدر بیان ضروری تھا تاکہ تحقیقِ معنی ہو سکے۔ تو چار حواس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں سے چار سُننے دیکھنے سونگھنے چکھنے کے ہیں اور ایک چھُونا ہے۔ تو یہ امر جائز ہوا کہ حواس مجوبہ علم کو دیکھنا اور خوشبو سونگھنا ہے۔ نعمتوں کو چکھنا ہے اور ایک چھُونا ہے۔ تو یہ منہائے عقل ہوتے اور یہی اللہ کی طرف رہنما ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کان کے ذریعہ انسان جانتا ہے کہ جہان محدث ہے اور محل تغیر اور جو حادث ہے وہ محدث سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ پیدا کرنے والا ہے اور خالق جنس مخلوق سے نہیں۔ اس لئے کہ وہ خالق ہے یہ مخلوق ہے۔ یہ جسم پذیر ہے وہ پیدا کرنے والا۔ اور جسم دینے والا۔ یہ محدث ہے اور وہ اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ محدود ہے اور اس کا خالق غیر محدود اور سب اشیاء پر قادر ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ تمام معلومات کا علم اس کا تصرف ملک میں جاری ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے برہان صادق کے ساتھ رسول بھیجے اور جب تک اس کی معرفت کا وجوب سماعت سے علم نہ ہو لوگوں کا اس پر ایمان لانا اور رسولوں کا حکم ماننا واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ شرع کا وہی موجب ہے۔ اس سبب سے اہلِ سُنّت دنیا میں سماعت کو بصارت پر فضیلت دیتے ہیں اور اگر کوئی خطا کار کہے کہ کان محل خبر ہیں اور آنکھیں محل نظر اور ان سے ہی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو وہ سماعت سے زیادہ افضل ہے۔

میں کہتا ہوں ہم سمع سے جانتے ہیں کہ دیدارِ الٰہی مومنوں کو بہشت میں ہوگا کیونکہ دیدار کو عقل سے جائز ماننا اس کا حجاب کشف سے زیادہ اچھا نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے خبر سے معلوم کیا ہے کہ مومن کو کشف ہوگا اور اس کی نظر سے حجاب اُٹھ جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو سمع بصر سے افضل ہوا اور یہ بدیہہ ہے کہ تمام امورِ شریعت سماعت پر مبنی ہیں۔ اگر سماعت نہ ہوتی تو اس کا ثبوت محال ہوتا اور انبیاء علیہم السلام بھی آئے۔ پہلے انھوں نے فرمایا اور لے سُننے والوں نے سُنا تو ایمان لائے۔ پھر انھوں نے معجزات دکھائے اور معجزہ دیکھنے میں اس کی تاکید بھی کان سے تھی۔ تو دلائل سے جو سماعت کا انکار کرے وہ درحقیقت منکرِ شریعت ہے اور اس نے اس کا حکم اپنے اوپر چھپایا۔ اَب میں اس کا حکم جامع ظاہر کرتا ہوں۔ انشاء اللہ۔

تیسواں باب

سماع قرآن اور اس کے متعلقات

اعلیٰ ترین سُننے والی چیز جو دل کو فائدہ دے۔ کلام الٰہی عزاسمہٗ ہے اور اس کلام پاک کے سُننے پر تمام مؤمن اور کافر مکلف ہیں۔ خواہ آدمی ہوں یا جن و پری اور معجزہ قرآن ظاہر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے اور سُننے سے ملول نہیں ہوتا اور اس میں بڑی رقت ہے۔ حتیٰ کہ کفار یہ شب میں پوشیدہ طور پر آتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں ہوتے۔ یہ چھپ کر سنتے اور پسند کرتے بلکہ جامعیت کلام پر اور تعجب ہوتا۔ جیسے نضر بن حارث جو بڑا فصیح اللسان تھا اور عتبہ بن ربیعہ کو بلاغت میں جادو گر مانا جاتا تھا اور ابو جہل بن ہشام جو کلام و برہان میں شانِ یدِ بیضا دکھاتا تھا اور خطبات میں خاص شان دکھاتا اور مثل ان کے اور بلغاء و فصحاء عرب۔

حتیٰ کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے تھے کہ عتبہ سُنتے سُنتے بیہوش ہو گیا اور ابو جہل سے بعد میں کہنے لگا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے یہ مخلوقات کا کلام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے پریوں جنوں کو فوج در فوج کر کے بھیجا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام پاک سُنیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۔ ہم نے ایک کلام عجیب سُنا ہے۔ جس کے اثر سے مطلع کیا کہ قرآن بیمار دلوں کو صحت کی طرف لاتا ہے۔ یَهْدِیْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا۔ تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

اس لئے کہ اس کلام کی نصیحت تمام نصیحتوں سے بہتر ہے اور اس کے الفاظ نہایت مختصر

اور جامع ہیں۔ اس کا حکم تمام اوامر سے لطیف تر ہے۔ اس کی نہی تمام مناہی سے صاف ہے۔
اس کے مواعید سب وعدوں سے زیادہ دلربا ہیں اور اس کے عذاب کی شان تمام عذابوں سے
دل گداز ہے۔ اس کے قصے تمام قصوں سے زیادہ سیر کرنے والے۔ اس کی مثالیں سب مثالوں
سے زیادہ فصیح ہیں۔ اس کے سننے سے ہزاروں دل شکار ہوتے ہیں۔ اس کے لطیفے ہزار ہا جانوں کو بلا
میں مبتلا کرتے ہیں۔ دنیا داروں کو ذلیل کرتا ہے اور تارک الدنیا کو عزت دیتا ہے۔

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ان کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں
تلوار سونت کر ان کے قتل کو آمادہ ہوئے اور دل میں سے ان کی محبت نکال۔ حق تعالےٰ نے اپنی
مہربانی سے سورہ طٰہٰ کا لشکر گوشوں پر ان کی گھات میں بٹھا دیا۔ جب وہ بہن کے دروازہ پر آئے
تو بہن پڑھ رہی تھیں طٰہٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ
یَّخْشٰی۔ اے ماہ کامل ہم نے تیری طرف قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت میں پڑے
مگر ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔

یہ آیت سنتے ہی حضرت عمر کی جان اس کے دقائق کا شکار ہوئی اور ان کا دل اس کے
لطائف کی زنجیروں میں قید ہو گیا اور صلح اختیار کی اور ارادۂ قتل ترک کر کے مخالفت کی بجائے
موافقت کی طرف آئے اور مشہور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور یہ آیت پڑھی گئی۔ اِنَّ
لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا بے شک ہمارے پاس دوزخ
ہے اور کھانا گلا گھونٹنے والا عذاب دردناک ہے۔ یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔

اور مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو پڑھا اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ
لَوَاقِعٌ مَّا لَہٗ مِنْ دَافِعٍ۔ بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے۔ کوئی اس کے
دفع کرنے پر قادر نہیں۔ تو آپ نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ آپ کو اٹھا کر گھر لائے۔ ایک
ماہ تک آپ بیمار رہے۔ اس لئے آپ پر خوف خداوندی مسلط رہا۔

روایت ہے کہ ایک صحابی نے عبداللہ بن حنظلہ کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ لَھُمْ مِّنْ
جَھَنَّمَ مِھَادٌ وَّمِنْ فَوْقِھِمْ غَوَاشٍ۔ ان کے لئے جہنم کا بچھونا ہے اور ان کے لئے اوپر پردہ
ہے۔ آپ نے یہ سنتے ہی رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ راوی کہتا ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ ان کی جان

نکل گئی۔ پھر وہ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے کہا۔ بیٹھ جائیے۔ آپ نے کہا۔ اس آیت کی مصیبت مجھے بیٹھنے نہیں دیتی۔

روایت ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اے ایمان والو کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

آپ نے کہا الٰہی ان قلنا قلنا بک وان فعلنا فعلنا بتوفیقک فاین القول والفعل اے میرے رب اگر ہم کہیں تو تیری ہی توفیق سے کہتے ہیں اور اگر کریں تو تیری ہی توفیق سے کرتے ہیں تو کہاں ہے قول اور فعل۔ حضرت شبلی کی روایت ہے کہ ان کے سامنے فاذکر ربک اذا نسیت پڑھی گئی۔ یعنی یاد کر اپنے رب کو جب تو بھول جائے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ذکر کی شرط نسیان میں ہے اور سب جہان اس کے ذکر میں ہے۔ پھر آپ نے نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو کہا مجھے تعجب ہے اس جان پر جو کلام الٰہی سُنے اور نہ نکلے۔

ایک بزرگ نے فرمایا۔ ایک وقت میں کلام اللہ سے پڑھتا تھا۔ واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ یعنی ڈرو اس دن سے جب تم رجوع کرو گے اللہ کی طرف تو ہاتف غیبی نے پکارا آہستہ پڑھ کیونکہ چار پریاں اس کی مصیبت سے مر گئیں۔

ایک درویش فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال سے نماز میں قرآن کریم جواز سے زیادہ نہیں پڑھا اور نہ سُنا۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ فرمایا اس خوف سے کہ مجھ پر حجت ہو جائے گی۔

ایک روز میں شیخ ابو العباس شقانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہیں میں نے یہ آیت پڑھتے پایا۔ ضَرَبَ اللّٰہُ عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ۔ مثال دیتا ہے اللہ اس بندہ مملوک کی جو کسی شے پر قادر نہیں۔ اور رو رہے تھے کہ ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ میں نے گمان کیا کہ شاید دُنیا سے رحلت فرما گئے۔ میں نے عرض کیا حضور یہ کیا حال ہے۔ فرمایا گیارہ سال ہوئے کہ میں اس آیت تک آیا ہوں۔ اب اس سے آگے جا نہیں سکتا۔

حضرت ابو العباس عطا سے لوگوں نے پوچھا کہ حضور نے قرآن کریم کی روزانہ کتنی تلاوت مقرر کی ہے۔ اس سے قبل آٹھ پہر میں دو ختم کرتا تھا۔ اب چودہ سال سے آج تک سورہ انفال تک پہنچا ہوں۔ حضرت ابو العباس نے قصاب قاری کو فرمایا پڑھ۔ اس نے پڑھا یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا و

أَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ۔ اے عزیز ہم کو اور اہل کو ضرر پہنچا اور ہم تھوڑا سا اسباب لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر پڑھ۔ اس نے پڑھا۔ قَالُوا إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ۔ بولے اگر اس نے چرایا ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف چوری کر چکا ہے۔ آپ نے فرمایا اور پڑھ۔ اس نے پڑھا۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں بخشے گا۔ آپ نے عرض کیا۔ الٰہی میں یوسف کے بھائیوں سے زیادہ ہوں اور تو کرم میں یوسف سے زیادہ ہے۔ میرے ساتھ ایسا کر جیسا یوسف نے اپنے بھائیوں سے کیا۔

اور یہاں ہم ہم سب اس کلام پاک کے سننے پر مامور ہیں۔ تمام اہل اسلام خواہ وہ مطیع ہوں یا عاصی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس حکم میں سننا اور چپ رہنا خلقت پر حکم فرمایا۔ اس حال میں جب قرآن کریم پڑھا جائے اور یہ بھی فرمایا فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ۔ خوشخبری دے میرے ان بندوں کو جو سنتے ہیں کلام اور اچھی تابعداری کرتے ہیں۔ یعنی اس کا حکم مانتے ہیں۔ اور تعظیم سے سنتے ہیں اور یہ بھی فرمایا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔ یعنی وہ لوگ جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے۔ تو لرزجاتا ہے ان کا دل۔ اور یہ بھی فرمایا۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔ جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوئے خبردار ہو اللہ کا ذکر دلوں کا چین ہے اور ایسی بہت سی آیتیں ہیں کہ اس حکم کی تائید کرتی ہیں۔

پھر اس کے برخلاف وہ گروہ بھی ہے کہ کلام الٰہی کو سن کر کان سے دل کی طرف نہیں جانے دیتا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ اللہ تعالیٰ نے مہر کردی۔ ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ پردہ ڈالنے سے مراد گوش سماعت بند کرنا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جنتی قیامت کے روز کہیں گے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ۔

یعنی اگر ہم ایسے ہوتے کہ سُنتے اور سمجھتے تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

اور فرمایا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا۔ اور ایک گروہ ان سے وہ ہے جو آپ سے سُنتا ہے اور ہم نے کر دیا ہے ان کے دلوں پر حجاب تاکہ نہ سمجھ سکیں اور ان کے کان بہرے ہیں تو گویا وہ ایسے ہیں جیسے سُنا ہی نہیں۔ اور فرمایا۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ یہ ہی وجہ شکایت ہے یعنی تم ایسے نہ جاؤ جیسا اس گروہ نے کہا کہ ہم نے سُنا حالانکہ انھوں نے نہیں سُنا اور ایسی بہت سی آیتیں ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرمایا اقْرَأْ عَلَيَّ فَقَالَ أَنَا أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي۔ مجھ پر قرآن کریم پڑھ۔ ابن مسعود نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھوں۔ حالانکہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے کسی سے سنوں اور یہ دلیل واضح ہے اس بات پر سُننے والا قاری سے زیادہ کامل ہوتا ہے کیونکہ حضور نے فرمایا۔ میں غیر سے سُننا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

اس لئے کہ پڑھنے والا حال سے پڑھے یا غیر حال سے مگر سُننے والا بغیر حال کے نہیں سُنتا کیونکہ کلام کرنے میں ایک نوع تکبر ہوتی ہے اور سُننے میں تواضع۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شَيَّبَتْنِي سُورَةُ هُودٍ مجھے سورت ہود نے بوڑھا کر دیا۔ اور روایت ہے کہ یہ سورۃ ہود کی اس آخری آیت کے متعلق فرمایا۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔

اور یہ حقیقت ہے کہ انسان امور حقیقت میں حق پر قائم ہونے سے عاجز ہے۔ اس لئے بندہ بغیر توفیق حق کچھ نہیں کر سکتا تو جب فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ سُنا تو حیران ہوئے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں اس حکم پر قائم رہ سکوں تو دل کے رنج سے قوت جاتی رہی اور رنج پر رنج اتنا بڑھا کہ ایک روز تشریف لاتے۔ جب اُٹھنے لگے تو ہاتھ زمین پہ دھر کر قیام فرمایا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور کیا حال ہے۔ ابھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

جواں ہیں تو فرمایا سورۃ ہود نے ہمیں بوڑھا کر دیا۔ میں اس حکم کے سننے سے میرے دل پر ایسی کیفیت ہو گئی جیسے قوت ساقط ہو گئی ہو۔

حضرت ابو سعید خدری کے اصحاب سے ایک راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کنت فی عصابۃ فیہا ضعفاء المہاجرین وان بعضہم یستر بعضا فی العری وقاری یقرء علینا ونحن نستمع القرآۃ قال فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قام علینا فلما راہ القاری سکت قال فسلم فقال ماذا کنتم تصنعون قلنا یا رسول اللہ قاری یقرء علینا ونحن نستمع بقراءتہ فقال النبی علیہ السلام والحمد للہ الذی جعل فی امتی من امرت ان اصبر نفسی معہم قال ثم جلس وسطنا لیعدل نفسہ فینا ثم قال بیدہ ھکذا فتحلق القوم فلم یعرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم احد قال وکانوا ضعفاء المہاجرین فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابشروا صعالیک المہاجرین بالفوز التام یوم القیامۃ تدخلون الجنۃ قبل الاغنیاء بنصف یوم وکان مقدارہ خمس مائۃ عام۔

میں ایک ایسے ضعیف مہاجروں کی جماعت میں تھا کہ انھوں نے بعض بدن بعض جسم سے عریانی کے سبب چھپا رکھا تھا۔ اور ان میں ایک قاری پڑھ رہا تھا۔ ہم لوگ اس کی قرأت سن رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جب قاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ آرائی دیکھی وہ خاموش ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام علیک فرمایا اور پوچھا تم کیا کر رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قاری ہمیں قرآن کریم سنا رہا تھا۔ ہم سن رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے آدمی پیدا فرمائے۔ جن کے ساتھ میں صبر کرنے پر مامور ہوا۔ راوی کہتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہو گئے۔ پھر دست اقدس کے اشارہ سے ہمیں حلقہ کر کے بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ ہم نے حلقہ باندھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ضعیف مہاجروں نے نہ پہچانا کہ سب ضعیف کمزور تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بشارت دو مفلسوں مہاجرین

کو کامل کامیابی کی قیامت کے روز آدھے دن کے لئے جو پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔ غنی لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ بھی حدیث حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے ہے لیکن باختلاف الفاظ ہے مگر معنی سب کے ایک ہیں۔

فصل اور زرارہ ابن اوفی کبار صحابہ سے تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ آپ صحابہ میں امامت فرماتے تھے۔ ایک روز ایک آیت پڑھی اور نعرہ مار کر جان دے دی۔ حضرت جہنی کبار تابعین میں تھے۔ صالح مری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر ایک آیت پڑھی۔ بیہوش ہوئے اور جاں بحق ہوگئے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ میں کوفہ کے ایک گاؤں میں گیا۔ ایک بڑھیا کو دیکھا نماز میں کھڑی تھیں۔ ان کے آثار نیک ظاہر تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئیں۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب سلام کے بعد پوچھا تو قرآن کریم جانتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا کوئی آیت پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ انھوں نے آیت سن کر ایک آواز نکالی اور بیہوش ہوگئیں اور جان استقبال رویت حق کے لئے بھیج دی۔ رحمہا اللہ تعالےٰ احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں جنگل میں جارہا تھا کہ ایک جوان کو دیکھا کہ گدڑی کانٹے دار لئے کنوئیں پر کھڑا ہے۔ مجھے فرمایا۔ اے احمد قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کر تو بروقت آیا ہے۔ مجھے سماعت کلام کی احتیاج ہے۔

فرماتے ہیں کہ مجھے اس حال میں الہام ہوا کہ یہ آیت پڑھ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ جوان بولا قسم بخدا کعبہ تو نے وہی آیت پڑھی جو اس وقت فرشتے نے مجھے سنائی اور جان دی۔ اور اگر ایسی ایسی سب روایتیں بیان کردیں۔ تو اصل مقصد رہ جائے وباللہ التوفیق۔

اکتیسواں باب

سماع شعر اور اُس کے متعلقات

شعر سُننا مباح ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی کہا اور سُنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ من الشعر لحکمۃ اور فرمایا الحکمۃ ضالۃ المؤمن وَمَنْ وجدھا فھو احق بھا ۔ کلمہ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے ۔ تو جو اسے پائے تو وہ زیادہ اس کا حقدار ہے اور شعر سے وہ شعر مراد ہے کہ جس میں حکمت ہو اور حکمت چونکہ مومن کی گمشدہ چیز ہے کہ اس سے غائب تھی تو جب اسے پایا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصدق کلمۃ قالتھا العرب قول لبید یعنی سب سے سچا کلام جو عرب کے لوگوں میں کہا وہ لبید کا کلام ہے ۔

الا کل شئی ماخلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالۃ زائل

خبردار ہو ہر شئے اللہ تعالیٰ کے سوا باطل ہے اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے ۔

عمر بن شرید اپنے والد سے راوی ہیں کہ قال استنشدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل تری من شعر امیۃ ابی الصلت شیئا فانشدتہ مائۃ قافیۃ کلما مررت علی بیت قال ھیۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاد ان یسلم فی شعرہ ۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر سنانے کا حکم دیا اور فرمایا ۔ اُمیہ بن ابی الصلت کے شعر تجھے یاد ہیں ۔ تو میں نے سو قافیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنائے ۔ تو جب میں ایک بیت سے گذرتا تو فرماتے اور سُنا ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ قریب تھا کہ وہ اپنے شعروں میں اسلام لے آتا ۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بہت سی روایتیں ہیں ۔

اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ میں مغالطہ پر ہیں۔ چنانچہ ایک گروہ تو تمام اشعار کا سُننا حرام کہتا ہے اور شب و روز غیبت مسلمانوں کی کرتا ہے اور ایک گروہ سب قسم کے اشعار حلال کہتا ہے اور شب و روز چہرے، زلف خد و خال اور معشوق کی صفت غزل میں سُنتا ہے اور ہر ایک اس بحث میں ایک دوسرے پر دلائل لاتا ہے۔ اور میری مراد ان کے گفتے سُننے سے اثبات نفی ہے۔

مشائخ صوفیہ رضی اللہ عنہم کا اس بارہ میں یہ طریقہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے بارے میں سوال ہوا تو حضور نے فرمایا۔ كَلَامٌ حَسَنُهُ حَسَنٌ وَ قَبِيحُهُ قَبِيحٌ ۔ یعنی یہ کلام ہے حسن کلام حسن ہے اور قبیح قبیح ہے۔ جس کا سُننا حرام ہے۔ جیسے غیبت، بہتان، فواحشات، کسی کی مذمت یا کلمہ کفر خواہ وہ نظم میں ہو یا نثر میں سب حرام ہے۔

اور جس کلام کا نثر میں سُننا حلال ہے جیسے عقلی باتیں اور نصیحت اللہ تعالیٰ کی قدرت پہ دلائل مشاہداتِ حق میں نظر کرنا۔ یہ نظم میں بھی جائز ہے۔

غرضکہ جیسے حسن کا دیکھنا جو محل خطر ہو ممنوع ہے۔ اس کا چھونا حرام ہے۔ ایسے ہی نظم و نثر جو محرک شہوات ہوں و محل خطر ہیں۔ ایسا سُننا حرام ہے اور جو لوگ ایسے فحش مضمون کو حلال کہتے ہیں۔ ان کو دیکھنا اور چھونا بھی حلال کہنا چاہئے۔ اور ایسی صورت میں یہ بے دینی کفر ہے۔

اور جو کہتا ہے کہ میں آنکھ اور رخسار اور زلف کے بیان میں جلوۂ حق دیکھتا ہوں اور حق کو دیکھتا ہوں اور حق کو ڈھونڈتا ہوں۔ وہ در حقیقت واجب کرتا ہے کہ اور چیز کی طرف بھی دھیان کرے اور رخسار خال بھی اور کہے کہ میں اس جلوہ میں حق ڈھونڈتا ہوں۔

اس لئے کہ آنکھ اور کان جائے عبرت اور منبع علم ہے۔ اس لئے واجب ہے تاکہ دوسرا کہے کہ میں چھوتا ہوں۔ اس شخص کو جس کی صفت سُننا جائز ہے۔ اور دوسرا اس کا دیکھنا روا رکھے اور کہے ہیں اس میں حق دیکھتا ہوں اور ایک خواہش دوسری خواہش سے زیادہ اچھی نہیں ہوتی جس سے معنی معلوم ہو سکیں۔ ایسی صورت میں شریعت بالکل باطل ہوتی ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ ۔ دونوں آنکھیں زنا کرتی

ہیں توان سے نظر بندی کے ماتحت یہ حکم اٹھ جاتا ہے اور نامحرموں کے چھونے کی ملامت قطع ہو جاتی ہے اور حدود شرع بھی ساقط ہو جاتی ہے اور یہ واضح گمراہی ہے۔

اسی وجہ سے جب جاہل صوفیوں نے دیکھا کہ استغراق میں سماع والے شریک ہوتے ہیں۔ اس حال سے خیال کیا کہ یہ سب نفس کی پیروی میں کرتے ہیں۔ تو یہ حلال ہے۔ اگر حلال نہ ہوتا تو یہ نہ کرتے۔ ان کی تقلید میں انھوں نے باطن ترک کر کے ظاہر کیا اور خود ہلاک ہو کر دوسروں کو بھی ہلاک کیا اور یہ آفات زمانہ سے ایک آفت ہے۔ اس کا بیان اپنے موقعہ پر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

بتیسواں باب

سماع لحن و نغمہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زَیِّنُوْا اَصْوَاتَکُمْ بِالْقُرْآنِ۔ اپنی آوازیں قرآن کریم پڑھنے میں مزین کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ بڑھاتا ہے مخلوق میں جتنا چاہے۔ مفسرین نے کہا یہ آواز حسن کے متعلق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْمَعَ صَوْتَ دَاوٗدَ فَلْیَسْتَمِعْ صَوْتَ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیْ جو چاہے کہ داؤد علیہ السلام کی آواز سنے وہ ابوموسیٰ اشعری کی آواز سنے۔

احادیث میں ہے کہ بہشتیوں کے لئے بھی سماع ہوگا اور وہ ایسا ہوگا کہ ایک درخت سے آوازیں مختلف سروں میں آئیں گی۔ جب وہ مختلف آوازیں ملائی جائیں گی تو اس سے طبیعتوں کو بڑی لذت حاصل ہوگی۔ اور اس قسم کی آواز عام مخلوق میں عام ہوتی ہے۔ خواہ وہ آدمیوں میں ہو یا جانوروں میں۔ اس لذت کا باعث یہ ہے کہ روح لطیف ہے اور اس قسم کی آوازوں میں بھی لطافت

ہے تو جب روح ایسی آوازیں سنتی ہے تو جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور یہ اس گروہ کا قول
ہے جس کا ذکر ہو چکا اور محققین اہلِ خبر اس میں بہت کلام کرتے ہیں بلکہ سروں کے ملانے، زیر و بم
کی تحقیق میں انھوں نے کتابیں لکھی ہیں اور اس فن کو بڑی اہمیت دی ہے اور موجودہ زمانہ میں
ان کی صنعت کے آثار مزامیر میں ہیں، جو انھوں نے ایجاد کئے ہیں۔ ان کے ذریعے وہ خواہش
نفسانی، لہو و لعب، کھیل تماشے کی زینت کے لئے انھوں نے شیطان سے اتفاق کیا ہے۔ بلکہ اس
حد تک بڑھ کر روایات بنا کر سناتے ہیں کہ حضرت اسحٰق ایک باغ میں سرود کر رہے تھے۔ اور ایک
بلبل بول رہی تھی۔ وہ آواز سن کر خاموش ہو گئی اور سنتی رہی۔ حتیٰ کہ وہ درخت سے گر کر مر گئی۔

میں نے اس قسم کی بہت سی حکایتیں سنی ہیں۔ اس سے میری مراد یہ نہیں کہ یہ جو کہتے ہیں سب
ملاحتیں اور تالیف طبع کے لئے اور الحان دلوں کے لئے ہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں عرب کے ایک قبیلہ میں گیا
اور ایک امیر کے مہمان خانے میں اترا۔ میں نے وہاں ایک حبشی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا دھوپ
میں تھا۔ اس پر خیمہ لگا ہوا تھا۔ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں نے اس کی سفارش کے لئے خیال کیا۔ پھر
جب کھانا لایا گیا تو امیر بھی خود مہمانوں کی تعظیم کے لئے آیا تاکہ اپنے سامنے سب کو کھانا کھلائے
جب میرے سامنے کھانا آیا، میں نے کھانے سے انکار کر دیا اور عرب میں اس سے زیادہ کوئی چیز
معیوب نہیں سمجھی جاتی کہ مہمان کھانا نہ کھائے۔ چنانچہ امیر خود میرے پاس آیا اور کھانا نہ کھانے کی
وجہ دریافت کی۔ میں نے اسے کہا۔ مجھے تیری مہربانی سے بہت کچھ امید ہے۔ امیر نے کہا۔ آپ کو
میری تمام ملک میں تصرف کا حق ہے لیکن کھانا کھالو۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے تیری ملک کی
ضرورت نہیں۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ یہ غلام جو پابہ جولاں ہے۔ یہ مجھے دے دیا جائے
اور بس۔ اس نے کہا۔ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں لیکن اول اس کا قصور معلوم کر لیجئے۔ پھر جیسے
آپ چاہیں وہ کریں۔

میں نے پوچھا تو امیر نے کہا یہ میرا غلام ہے اور نہایت خوش الحان ہے۔ میں نے اسے
چند اونٹ دیئے تاکہ یہ کھیتوں میں جا کر دانہ وغیرہ لے آئے۔ اس نے ایک ایک۔ یہ دو دو اونٹ
کا بار لاد [illegible] راستہ میں گاتا ہوا آیا جس سے اونٹ مست ہو گئے اور دوڑتے ہوئے واپس

آئے اور جتنا بوجھ لاتا تھا۔ اس سے دو چند بوجھ لے آئے۔ جب اُن سے بوجھ اُتار لیا گیا تو وہ اونٹ
ایک ایک دو دو کر کے مر گئے۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر تعجب ہوا۔ میں نے کہا مجھے اس بات پر دلیل
کی ضرورت ہے۔ اتنے میں چند اونٹ گھاٹ پر آئے کہ پانی پئیں۔ امیر نے ان اونٹوں کے آدمیوں
سے پوچھا کہ یہ کتنے روز سے پیاسے ہیں۔ اُنھوں نے کہا تین چار روز سے پیاسے ہیں۔ امیر نے اس
غلام کو کہا کہ اب تو گا کر ان اونٹوں کو مست کر۔ اس نے گانا شروع کیا اور اونٹ اس کی آواز سن
کر پانی پینا بھول گئے۔ کسی نے پانی کی طرف رُخ نہ کیا اور دیوانہ وار جنگل کی طرف بھاگے اور پراگندہ
ہو گئے۔ اس کے بعد امیر نے غلام کو آزاد کر کے مجھے بخش دیا۔

اور اس قسم کے مشاہدے مجھے بلوچوں میں بھی ہوئے کہ وہ گدھے اور اونٹ لے کر چلتے ہیں
اور راستہ میں اپنے گانے سے انھیں مست کرتے ہیں۔ اور خراسان و عراق میں شکاری رات کو تھال
بجاتے ہیں جس سے جنگل کے ہرن کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ شکاری انھیں پکڑ لیتے ہیں۔

اور مشہور ہے کہ ہندوستان میں ایک گروہ جنگل میں جا کر سرود کرتا ہے اور انواع و اقسام کے
راگ گاتا ہے۔ جس سے ہرن اس آواز کی طرف آتے ہیں۔ یہ ان کے گرد پھر کر سرود کرتے رہتے ہیں
حتیٰ کہ وہ ہرن مست ہو کر آنکھیں بند کرتے ہیں اور سو جاتے ہیں۔ وہ لوگ انھیں پکڑ لیتے ہیں اور
شیر خوار بچوں میں یہ دستور ہے کہ جب وہ پالنے میں روتے ہیں تو ان کے پاس ان کی ماں یا کوئی
انواع اقسام کی آواز کرتا ہے وہ چپ ہو جاتے ہیں اور اس آواز کے سُننے میں محو ہوتے ہیں۔ اور
جو بچہ ایسی آواز پہ روتا ہوا چپ ہو جائے اطبا اس بچے کو زیرک کہتے ہیں۔

اور اس کا تجربہ اس طرح حاصل ہوا کہ ایک عجمی بادشاہ مر گیا۔ اس کا دو سالہ بچہ تھا۔ وزیروں
نے اسے تخت نشین کرنا چاہا۔ بزرجمہر نے کہا کہ اسے تخت نشینی سے پہلے امتحان کرنا ضروری ہے کہ
اس کے حواس درست ہیں یا نہیں تاکہ نظام مملکت کی اس سے اُمید ہو سکے۔ لوگوں نے پوچھا وہ امتحان
کیسے کیا جائے۔ اس نے گانے والے بلائے اور اس بچے کے آگے وہ گانے لگے۔ بچہ خوشی میں آیا اور ہاتھ
پاؤں مارنے لگا۔ بزرجمہر نے کہا یہ بچہ زیرک ہے۔ اس سے نظام مملکت کی اُمید ہے۔

اور عقلا کے نزدیک جس پر آواز کی تاثیر نہ ہو وہ بے حس ہے یا مجنوں ہے یا نفاق کرتا ہے یا

آدمی اور جانوروں کے طبقہ سے خارج ہے۔

اور ایک جماعت راگ سُننے کی اس وجہ میں مخالفت کرتی ہے کہ اس میں امر حق کی پیروی نہیں ہے اور فقہا کا اتفاق ہے کہ گانا سُننا اس وقت جائز ہے جب راگ رنگ کا سامان موجود نہ ہو اور آواز سُننے سے بری نیت ظاہر نہ ہو اور اس پر وہ دلائل میں بہت سے اخبار و احادیث لاتے ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ قالت کانت عندی جاریۃ تغنی فاستاذن عمر فلما احسہ و سمعت حِسّہ فرّت فلما دخل عمر تبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ عمر ما اضحکک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت عندی جاریۃ تغنی فلما سمعت حسك فرّت فقال عمر لا ابرح حتی اسمع ما کان سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعا رسول اللہ تلك الجاریۃ فاخذت تغنی و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمع ۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک گانے والی لونڈی گا رہی تھی۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ جب اس لونڈی نے معلوم کیا اور عمر کی آواز سُنی تو وہ بھاگ گئی۔ جب حضرت عمر داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے تھے۔ حضرت عمر نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے ہنسایا۔ حضور نے فرمایا۔ ہمارے پاس ایک لونڈی گا رہی تھی جب اس نے تمہاری آواز سنی تو بھاگ گئی۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ میں ضرور سنوں گا جو میرے حضور نے سُنا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بلایا۔ وہ آ کر گانے لگی۔ اور حضور سُن رہے تھے اور اکثر صحابۂ کرام سے ایسی روایات بیان کی ہیں۔ شیخ عبدالرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب روایات کو اپنی کتاب السماع میں جمع کیا ہے اور اس کی اباحت کا فیصلہ کیا ہے۔

لیکن مشائخ صوفیہ نے اسے مباح کہنا عوام کا کام بتایا ہے۔ اس لئے اعمال مشائخ میں وہی کام رائج ہے جس سے ثواب اور فائدہ حاصل ہو۔ مباح کاموں میں پڑنا عوام کا ہی کام ہے یا چوپایوں کا۔ بالغ بندوں کو چاہئے کہ ایسا کام کریں جس سے فائدہ حاصل ہو۔ ایک وقت میں مقام مرو میں تھا ایک محدث نے جو ائمہ حدیث میں مشہور تھے مجھ سے کہا۔ میں نے اباحت سماع میں کتاب لکھی ہے میں نے جواب دیا کہ یہ دین میں بڑی مصیبت کی بات ہے کہ ایک امام فن ایسی لہو کو جو سب جیالتوں

کی جز ہے۔ حلال کرے۔ پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ اگر آپ حلال نہیں جانتے تو آپ سماع کیوں کرتے ہیں نے کہا۔ اس کا حکم چند صورتوں پر ہے۔ ایک حال پر منحصر نہیں۔ اگر دل میں حلال تاثیر ہو تو حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہو تو حرام ہے۔ اور اگر مباح کی تاثیر ہو تو مباح ہے۔ اور جس کا ظاہر حکم گناہ ہے اس کے باطنی حال میں کئی وجوہ پر اس کا حکم ہے۔ ایک چیز پر مطلق حکم کرنا محال ہے۔

تینتیسواں باب

احکامِ سماع

اچھی طرح سمجھ لو کہ سماع کے متعلق اختلافِ طبائع کے ساتھ علیحدہ علیحدہ حکم ہیں۔ جیسے ارادت کے دلوں پر مختلف حکم ہیں اور یہ ظلم ہے کہ کوئی شخص اسے یکساں سمجھے۔ غرض کہ سُننے والے دو گروہ ہیں۔ ایک معنی سُننے والے دوسرے آواز سُننے والے اور ان دونوں میں فائدے بھی ہیں اور آفات بھی اس لئے کہ خوش آواز سُننے سے جو معنی آدمیوں میں مرکب ہوتے ہیں اور وہ جوش میں آتے ہیں۔ اس کے دو نتیجے ہیں۔ اگر طبیعت میں حق ہو تو حق زور دیتا ہے اور اگر باطل ہو تو باطل جوش مارتا ہے۔ جس کی طبیعت میں مادۂ فساد ہو تو وہ جب سماع کرے گا فساد ہی پیدا ہو گا۔ اور یہ دونوں باتیں حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایتوں سے ظاہر ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا تو آپ کو لحن عطا فرما کر گویا آپ کے گلے کو ساز بنا دیا۔ حتیٰ کہ پہاڑ بھی نرم ہوتے اور وحوش وطیور بھی سماعت داؤد علیہ السلام سے باہر آجاتے اور پانی چلتا ہوا ٹھہر جاتا۔ پرندے ہوا پر سے گر جاتے

روایات میں ہے کہ آپ کی آواز سُن کر پرندے ایک ایک ماہ تک مدہوش ہوتے کہ کچھ نہ کھاتے بچے نہ روتے نہ دودھ مانگتے۔ اور جب خلقت وہاں سے واپس جاتی تو بہت سے آدمی آپ کے

کلام سے متاثر ہو کر مر جاتے۔ حتیٰ کہ ایک بار تخمینہ لگایا گیا تو سات سو خوبصورت لونڈیاں اور بارہ ہزار بوڑھے مر گئے تھے۔ پھر مشیتِ حق اس طرف ہوئی کہ حق اور حقیقت بیں لوگوں شیعین حرص و آز سے جُدا کیا جائے۔ چنانچہ شیطان کی بے قراری نے زور پکڑا۔ اور اسے ان کے دلوں میں وسواس الخناس ڈالنے کی اجازت ملی۔ تاکہ وہ حیلہ سازی سے جو کچھ کر سکتا ہے کرے۔ تو اس نے جنسری اور طنبورہ کی ترکیب نکالی اور مجلسِ داؤد علیہ السلام کے مقابل ایک مجلس تیار کی۔

چنانچہ سامعین داؤد علیہ السلام کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک اہلِ شقاوت جو مزامیر کی طرف مائل ہو گیا۔ دوسرا صرف لحن داؤد کا مشتاق رہا۔ اور جو اہلِ معنی تھے وہ لحن داؤد کے سوا اور کسی طرف مائل نہ ہوئے۔ اس لئے کہ وہ حق کو بھی دیکھتے تھے اور اگر شیطانی ساز سُنتے تو اس میں منجانب اللہ انھیں فتنہ نظر آیا۔ اور جب لحن داؤد سُنتے تو اس میں ہدایت حق دیکھتے۔ حتیٰ کہ سب سے رہ گئے اور متعلقات سے رو گرداں ہو کر کماحقہ صواب کو صواب دیکھا اور خطا کو خطا۔ تو جس کا سماع ایسا ہے وہ جو کچھ سُنتا ہے سب اس کو حلال ہے اور ایک گروہ مدعیوں کا کہتا ہے کہ ہم پر سماع کا اثر برخلاف پڑتا ہے اور یہ محال ہے۔ اس لئے کہ کمال ولایت یہ ہے کہ ہر چیز کی اصلیت نظر آئے تاکہ اس کا دیکھنا صحیح ہو اور اگر اس کے برخلاف دیکھے تو وہ دیکھنا درست نہیں۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔ الٰہی ہمیں ہر چیز اپنی اصلیت میں دکھا دے۔ تو جب دیکھنا درست ہوا۔ یعنی چیزوں کو مطابق اصل تو چاہیئے کہ سماع میں وہ درست ہو اور اسے ایسا سُنے جیسا کہ وہ اپنی صفت اور حکم میں ہے اور جو لوگ ساز اور باجے میں مبتلا ہیں اور نفسانی خواہش اور شہوات میں ہیں۔ وہ برخلاف اصلیت کے سُنتے ہیں۔ اگر اس حکم کے مطابق اصل سماع کرتے تو سب آفات سے بچے رہتے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ گمراہوں نے کلامِ الٰہی سُنا اور اس سے ان کی گمراہی زیادہ ہو گئی جیسے نضر بن حارث نے کہا ھٰذَا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ یہ پہلے قصے ہیں اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب وحی تھا کہہ بیٹھا۔ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ اور ایک گروہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ کو دلیل بنا بیٹھا کہ اس کا دیدار نہیں ہو گا۔ اور ایک گروہ نے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کو مکان اور جہت کا ثبوت۔ اور ایک گروہ نے وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا کو حجت کی دلیل بنایا۔

جب ان کا دل گمراہی کا محل تھا۔ اسے کلام الٰہی سُننے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایسے ہی جب مرید نے شعر شاعر کی طرف نگاہ کی اور اس کی طبع پیدا کرنے والے کو دیکھا اور اپنے دلوں کو آراستہ کرنے والی چیز کا اس میں مطالعہ کیا اور فاعل فعل پر دلیل کی تو اس گروہ نے حق میں راستہ گم کیا اور باطل میں راستہ پایا اور ان معنیٰ کا انکار ظاہر مکابرہ ہے۔

اور مشائخ رضی اللہ عنہم نے ان معنیٰ میں لطیف نکات بیان کئے ہیں جو اس کتاب میں نہیں سمکتے۔

فصل میں اس فصل میں ثابت کرتا ہوں تاکہ کامل فائدہ ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں السماع واردا لحق یزعج القلوب الی الحق فمن اصغی الیہ بنفس تزندق ومن اصغی الیہ بحق تحقق۔ سماع واردِ حق ہے اور دلوں کا اُن کی طرف میلان ہے جو اسے حق سے سُنتا ہے وہ حق کی طرف راہ پاتا ہے اور نفس سے سُنتا ہے زندیق ہو جاتا ہے۔ اس سے حضرت ذوالنون کی مراد یہ نہیں ہے کہ سماع علتِ وصلِ حق ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ سُننے والے کو معنی حق سُننے چاہئیں نہ کہ آواز۔ اور اس کا دل ورودِ حق کا محل ہو۔ تو جب وہ معنی دل پر پہنچتے ہیں۔ دل کو ابھارتے ہیں۔

اور جو سماع تابع حق ہو وہ مکاشفِ حق ہوتا ہے اور جو نفس کے تابع ہو وہ محجوب ہوتا ہے۔ تاویل سے تعلق پیدا کرتا ہے اس کا ثمرہ کشف ہوتا ہے اور اس سماع سے پردہ لیکن زندقہ ایک فارسی لفظ سے معرب کیا گیا ہے اور عجمی زبان میں زندقہ زند تاویل ہے اور اس سبب سے انھوں نے اپنی کتاب کی تفسیر کو زند و پازند کہا ہے۔ اور جب اہل لغت چاہتے ہیں کہ ابنا مجوس کو کسی نام سے ظاہر کریں تو زندیق کہتے ہیں۔

اس بنا پر وہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ مسلمان کرے اس کے لئے تاویل ہے۔ اس لئے کہ اس کا ظاہر نقص ہے اور تنزیل دیانت دار قول ہے اور تاویل اس سے باہر ہے۔ اور مشتبہ فقیر جو آج ان میں سے باقی ہیں یہی کہتے ہیں اور یہ زندیق نام ان کے لئے علم ہے۔ تو اس سے ذوالنون مصری کی مراد یہ ہے کہ اہل تحقیق سماع محقق ہوتے ہیں اور نفسانی لوگ تاویل کنندہ۔ تو جو اس کی تاویل حقیقت سے دور کرتے ہیں وہ اس سبب سے گنہگار ہوتے ہیں۔

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ السّماع ظاہرہٗ فتنۃٌ و باطنہٗ عبرۃٌ فمن عرف الاشارۃ حل لہ استماع العبرۃ والا فقد استدعی الفتنۃ وتعرض للبلیۃ سماع بظاہر فتنہ ہے اور بباطن عبرت جو اس کے اشارات کا فہم حاصل کرلے۔ اس کے لئے سماع عبرت حلال ہے۔ ورنہ وہ فتنہ اپنے لئے بلا رہا ہے اور بلاؤں کے لئے اپنے کو پیش کر رہا ہے۔ یعنی جس کا دل بالکل حدیث حق میں مستغرق نہیں اس کے لئے سماع بلا ہے اور وہ مورد آفات ہے۔

حضرت ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا جبکہ ایک شخص نے کرکر سماع سے پوچھا لیتنا تخلصنا منہ راسأ براس۔ کاش کہ ہم اس سماع سے سربسر چھوٹ جاتے اس لئے کہ آدمی سب چیزوں کے حق ادا کرنے میں عاجز ہے جب کسی چیز کا حق فوت ہو جائے تو بندہ اس میں اپنا قصور دیکھتا ہے اور جب اپنا قصور دیکھتا ہے تو آرزو کرتا ہے کہ کاش اس سے چھوٹ جائے۔

ایک شیخ فرماتے ہیں السماع تنبیہ الاسرار لما فیہ من المغیبات سماع بیدار کرتا ہے رازوں کو اور لازم کرتا ہے کہ اس سے ہمیشہ حق کی جانب حاضر ہو جائے۔ اس لئے کہ رازوں کا غائب ہونا مدعیوں کے حق میں برا ہے اور یہ ان کی بری صفتوں سے ہے۔ اس لئے کہ اگر دوست سے دوست غائب ہو تو بھی دل سے حاضر ہوتا ہے اور جب غیبت آئے تو دوستی جاتی رہے۔ یہی میرے شیخ نے فرمایا ہے السماع زاد المضطرین فمن وصل استغنی عن السماع۔ سماع بھٹکے ماندوں کا توشہ ہے۔ جب پہنچ گیا اسے سماع سے استغنا حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وصل کے محل میں سماعت معزول ہوتی ہے کیونکہ سماع خبر ہے اور خبر غائب سے ہوتی ہے اور جب روبرو ہو گیا تو سننا جاتا رہا۔

حضری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایش اعمل بالسماع ینقطع اذا انقطع ممن یسمع منہ ینبغی ان یکون سماعک متصلا غیر منقطع۔ میں سماع کو کیا کروں کیونکہ جب سننا بند ہو جاتا ہے تو سماع بھی بند ہو جاتا ہے اور چاہئے کہ یہ تیرا سماع متصل ہو اور کبھی بند نہ ہو اور ہمت کا نشان اجتماع ہے۔

جب گلستان محبت میں جمع ہو کیونکہ جب بندہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے تو سب جہان حتی کہ جمادات سب اس کے لئے سماع ہو جاتے ہیں اور بہت بڑا درجہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

چونتیسواں باب

اختلافِ سماع

مشائخ و محققان کے اندر سماع میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع آلۂ غیب ہے اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ بحالتِ مشاہدہ سماع محال ہے۔ کیونکہ دوست وصل کے محل میں اور دوست کے دیکھنے کے وقت سماع سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ سماع خبر کے واسطے ہے اور خبر دیدار کے وقت دوری اور حجاب اور مشغول ہوتی ہے تو سماع مبتدیوں کا آلہ ہے۔ اس سے غفلت اور پراگندگی جمع ہو جاتی ہے اور جو جمع ہونا ضرور ہو اس سے پراگندہ ہو جاتا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع آلۂ حضور ہے اس لئے کہ محبت میں کلیت درکار ہے تاکہ کل محب کا کل محبوب میں مستغرق نہ ہو۔ وہ محبت میں ناقص ہے تو جیسا کہ دل کو وصل کے محل میں محبت نصیب ہے اور سر میں مشاہدہ اور روح کو وصل اور تن کو خدمت۔ تو چاہئے کہ کان کا نصیب بھی ہو جائے جیسے آنکھوں کو دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ کسی شاعر نے ہزل کے محل میں خوب کہا ہے جب کہ اس نے شراب کی دوستی کا دعویٰ کیا ہے ۔۔

الا فاسقینی خمرا وقل لی ھی الخمر ولا تسقینی سرا اذا امکن الجھر

یعنی مجھے شراب دے تاکہ میری آنکھیں دیکھیں اور ہاتھ چھوئیں اور زبان چکھے اور ناک سونگھے۔

ایک حاسہ ان میں سے بے نصیب رہ جاتا ہے اور وہ کان ہے تو اب کہے جا یہ شراب ہے تاکہ کان بھی اپنا حصہ پائے تاکہ تمام حواس میرے اس میں ہوں اور اس سے لذت پائیں۔

کہتے ہیں کہ سماع آلۂ حضور ہے۔ اس لئے کہ غائب خود غائب ہے اور غائب خود منکر ہوتا ہے اور منکر اس لائق نہیں ہوتا۔

تو سماع دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک بالواسطہ دوسرا بلاواسطہ۔

جو سنانے والے سے سنا جائے وہ آلۂ غیبت ہوتا ہے اور جو یار سے سُنا جائے وہ حضور کا آلہ ہوتا ہے۔ اس سبب سے کسی پیر نے کہا۔ میں مخلوق کو اس درجہ نہیں جانتا کہ اس کی بات سنوں یا اس کا ذکر کروں۔ مگر خاصانِ حق اس درجہ میں ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

پینتیسواں باب

مقاماتِ سماع

جاننا چاہیئے کہ ان میں سے ہر ایک کا سماع میں ایک رتبہ ہے۔ اس لئے کہ مشرب اور ذوقِ سماع بمقدارِ مرتبہ ہوتا ہے جیسے تائب جو کچھ سُنتا ہے اس کو حسرت اور ندامت کا مددگار ہوتا ہے اور مشتاق کے لئے شوق اور رویت کا سرمایہ ہوتا ہے۔ اور صاحبِ یقین کو یقین کا درجہ ہوتا ہے اور مرید کے لئے بیان کی تحقیق اور محب کو قطعِ تعلقات کا باعث اور فقیر کے لئے کل سے ناامیدی اور اصل سماع مثل آفتاب ہے جو سب چیزوں پر روشن ہوتا ہے۔ لیکن ہر چیز اپنے مرتبہ کے موافق اس سے مزہ پاتی ہے۔ ایک کو روشن کرتا ہے ایک کو پگھلا دیتا ہے ایک کو منور کرتا ہے۔ یہ سب گروہ جو ہم نے بیان کئے تین مرتبہ میں ہیں۔ ایک ان میں سے مبتدی ہے دوسرا متوسط ہے۔ تیسرا کامل۔ اور میں علیحدہ میں ہر ایک کے حال میں تین فصل بیان کرتا ہوں تاکہ تیرے قریب الفہم ہو۔

فصل جاننا چاہیئے کہ سماع واردِ حق ہے۔ اس کی ترکیب ہزل و لہو سے مرکب ہے اور مبتدی کی طبیعت کسی حال میں قابلِ ذکر نہیں اور ان ربانی معنی کے وارد ہونے سے طبع کو سوز اور قہر سے بلندی اور پستی ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک گروہ کے لوگ سماع میں بیہوش ہو جاتے ہیں اور ایک گروہ والے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو حدِ اعتدال سے باہر نہ

جائے اور اس کے لئے دلیل ظاہر ہے۔ اور مشہور ہے کہ روم کے شفاخانہ میں ایک عجیب باجہ بنایا گیا ہے جسے انگلیون کہتے ہیں اور جس چیز میں کوئی بڑی عجیب بات ہو۔ اس کا نام روم والے انگلیون رکھتے ہیں۔ جیسے کشادہ صحن کو انگلیون کہتے ہیں اور مانی کی نقاشی کو بھی انگلیون کہتے ہیں اور مثل اس کے مظاہر حکمت پر ایسے نام لاتے ہیں۔ اور اس سے مراد بہ اظہار حکم ہے۔ بلکہ وہ ایک ساز ہے کمال سے منڈھا ہوا۔ ہفتہ میں دو بار مریض کو اس کے پاس لے جاتے ہیں اور اسے بجاتے ہیں اور بیمار کے مرض کے اندازے تک اُسے بجاتے ہیں۔ پھر اُسے وہاں سے لاتے ہیں۔ اور جب کسی کو مارنا چاہیں تو اسے زیادہ مدت تک وہاں رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی مدتیں متغیر نہیں لیکن موت کے اسباب ہوتے ہیں۔ چنانچہ طبیب ہمیشہ سنتے ہیں۔ ان میں اس کا اثر ہوتا ہے نہ ہونا چاہیے۔

اس لئے کہ وہ طبیعت کے موافق ہو گیا ہوتا ہے اور مبتدیوں کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے اور میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے اس کی زندگی اس زہر سے ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام کا تمام زہر ہوتا ہے۔

میں نے ترکستان میں ایک شہر دیکھا جو سرحد اسلام پر ہے۔ وہاں ایک پہاڑ آتش فشاں تھا جو آگ کے شعلے دے رہا تھا۔ اور اس کے پتھروں سے نوشادر جوش مار کر ابل رہا تھا اور اس آگ میں چوہے تھے۔ جب انھیں اس آگ سے باہر لایا جائے تو وہ مر جاتے تھے۔ اس بیان سے مراد صرف یہ ہے کہ مبتدیوں کے لئے یہ سب اضطراب ہوتا ہے۔ جب ان پر وارد حق کا حلول ہو جاتا ہے تو پھر سب برداشت ہوتا ہے۔ جب متواتر کسی پر کوئی معاملہ ہو تو وہ موجب سکون ہو جاتا ہے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ روح الامین جب پہلی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تاب نہ لائے۔ جب بار بار جلوہ افروز ہوئے تو پھر جبریل علیہ السلام اگر ایک ساعت نہ آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنگدل ہو جاتے۔ اس کے بہت سے شواہد ہیں اور یہ حالات بھی مبتدیوں کے اضطراب کی دلیل ہیں اور منتہیوں کے سماع میں سکون کی حجت۔

اور مشہور ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ایک مرید تھا کہ سماع میں بہت بیقرار ہوتا اور درویش اس کی طرف مشغول ہوتے۔ حتیٰ کہ شیخ سے اس کی شکایت کی جنید نے اسے فرمایا۔ اگر

اس کے بعد تو سماع میں بیقرار ہوا تو میں تجھے صحبت سے مشرف نہ کروں گا۔ ابو محمد جریری فرماتے ہیں کہ میں سماع میں حضرت جنید کی طرف دیکھتا تھا۔ لب بند اور خاموش تشریف فرما تھے اور آپ کے بدن پر ہر بال سے چشمہ کھلا ہوا ہے۔ آپ ایک روز کامل ویسے ہی بیہوش پڑے رہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ سماع میں زیادہ درست تھے۔ یا پیر کی حرمت زیادہ تھی۔ کہتے ہیں ایک مرد نے سماع میں نعرہ مارا۔ پیر نے فرمایا۔ چپ رہ۔ اس نے سر گھٹنے پر رکھا۔ جب دیکھا تو انتقال کر چکا تھا۔

اور ابو سلم فارس بن غالب فارسی سے میں نے سُنا کہ ایک درویش سماع میں اضطراب کر رہے تھے۔ ایک نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھتے ہی انتقال کر گئے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک درویش کو دیکھا اس نے سماع میں جان دے دی اور رقی دراج سے راوی ہیں کہ میں ابن الفرطی کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے پر بصرہ اور ابلہ کے درمیان جا رہا تھا۔ ایک محل پر پہنچا۔ اس کے دروازے پر ایک مرد بیٹھا ہوا تھا اور ایک لونڈی اس کے سامنے بیٹھی تھی جو سرود کر رہی تھی اور یہ بیت پڑھ رہی تھی۔

فی سبیل اللہ ودًا کان منی لک ابذل　　　کل یوم تتلون غیر ھذا بیک اجمل

میری دوستی جو تجھ سے فی سبیل اللہ تھی مرے ساتھ بدلا کرے۔ اور ہر روز تو مبتلا ہوتا ہے کہ زیادہ اجمل ہے۔ اور ایک نوجوان کو دیکھا کہ محل کے نیچے کھڑا ہے۔ گدڑی اس کے جسم پر ہے اور چھاگل ہاتھ میں اور پکار رہا ہے۔ اے کنیزک تجھے خدا کی قسم یہ شعر ایک بار اور سُنا دے۔ میری زندگی میں ایک سانس زیادہ نہیں ہے۔ شاید اس شعر کے سُنتے ہی دم نکل جائے۔ کنیز نے وہ شعر پڑھا اور اس جوان نے نعرہ مارا اور جان دے دی۔ محل کے مالک نے اس کنیز کو آزاد کر دیا۔ اور محل سے نیچے اُترا۔ اور اس نوجوان کی تجہیز و تکفین کی اور بصرہ کے تمام رہنے والوں نے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ پھر وہ پیر مرد صاحب محل نے کھڑے ہو کر کہا۔ اے بصرہ والو۔ میں فلاں بن فلاں ہوں میں نے اپنی تمام ملکیت فی سبیل اللہ وقف کی اور سب غلام آزاد کئے۔ یہ کہا اور وہاں سے چل دیا۔ پھر اس کی خبر کسی کو نہ ملی۔

اس حکایت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مرید کو غلبہ سماع میں ایسا حال چاہئے تاکہ اس کے سماع سے گناہگار گناہوں سے نجات پائیں۔ اور موجودہ زمانہ میں مجالس سماع یہ ہیں کہ گمراہوں کا گروہ

فاسقوں کا مجمع اس میں شریک ہوتا ہے اور کتاب ہے کہ حق طریق سے سماع کرتے ہیں۔ فاسق لوگ ان پیروں کو اپنے موافق پاکر گناہوں پر زیادہ حریص ہو جاتے ہیں اور آخر دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں۔

لوگوں نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ہم عبرت حاصل کرنے کی غرض سے کلیسا جائیں تو جائز ہے یعنی اس ارادہ سے وہاں جائیں کہ ان کی ذلت اور کج فہمی دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور اپنی نعمت اسلام پر شکر کریں تو پھر اس میں ہمارا مواخذہ تو نہ ہوگا۔ شیخ نے فرمایا۔ اگر تم ایسے ہو کہ وہاں جاکر واپس آتے ہوئے ان میں سے چند آدمی اپنے ساتھ لا سکو تو تمہارے جانے میں مضائقہ نہیں اور اگر تم اس قابل نہیں ہو تو ہرگز نہ جاؤ۔ اس نے کہا اگر صاحب حجرہ شراب خانہ میں جاتا ہے تو خراباتی کہلاتا ہے اور خراباتی حجرہ میں آتا ہے تو صاحب حجرہ کہلانے لگتا ہے۔

ایک بزرگ شیخ نے فرمایا کہ میں بغداد جا رہا تھا اور ایک درویش میرے ساتھ تھا۔ میں نے ایک گوئیے کی آواز سنی جو یہ شعر گا رہا تھا۔

متی ان تکون حقا تکن احسن المنیٰ — والا فقد عشنا بھا زمنا رغدا

جب سماع راستی سے ہو تو سب آرزوؤں سے بہتر ہے۔ ورنہ یقیناً ہم نے سماع میں زندگی ہی گذاری ہے۔ اس درویش نے نعرہ مارا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ایسا ہی حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش دیکھا کہ وہ گانے والے کی آواز میں محو تھا۔ میں نے بھی اس طرف کان لگائے تو وہ یہ شعر گا رہا تھا ؎

امدّ کفی بالخضوع — الی الذی جاد بالصنیع

جس نے راگ سننے میں سخاوت کی اس کے پاس ترنج بھی کافی ہے۔ اس درویش نے نعرہ مارا اور گر پڑا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو اسے مردہ پایا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم خواص کے ساتھ راستہ میں جا رہا تھا۔ ایک پہاڑ پر میرے دل میں طرب و خوشی محسوس ہوئی۔ میں نے یہ شعر پڑھے ؎

صح عند الناس انی عاشق — غیر ان لم یعرفوا عشقی لمن

ما لیس فی الانسان شیء حسن — الا و احسن منہ صوت حسن

لوگوں میں صحیح ہے کہ میں عاشق ہوں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ میں کس کا عاشق ہوں۔ انسان میں کوئی

شے اچھی نہیں۔ لیکن اس میں ایک آواز خوب ہے۔
مجھے حضرت ابراہیم خواص نے فرمایا۔ یہ رباعی پھر پڑھ۔ میں نے پھر پڑھی۔ آپ نے چند قدم وجد سے زمین پر مارے۔ میں نے جب دیکھا تو آپ کے قدم پتھر میں ایسے دھنسے ہوئے تھے جیسے موم میں پھر آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا۔ میں بہشت میں تھا اور تو نے مجھے نہ دیکھا۔ اس قسم کی حکایتیں کتاب کی گنجائش سے بہت زیادہ ہیں۔ میں نے اپنے سامنے ایک درویش کو آذر بائیجان کے پہاڑوں میں جاتا دیکھا اور وہ متفکر ہو کر یہ بیت پڑھ رہا تھا اور زار زار روتا تھا ؎

واللہ ما طلعت شمس ولا غربت	الا وانت من قلبی ووسواسی
ولا جلست الی قوم احدثہم	الا وانت حدیثی بین جلاسی
ولا ذکرتک محزوناً ولا طرباً	الا وحبک مقرون بانفاسی
ولا ھممت بشرب الماء من عطش	الا رأیت خیالاً منک فی الکاسی
فلو قدرت علی الاتیان لزرتکو	سحبا علی الوجہ او مشیا علی الراسی

خدا کی قسم کوئی ایسا دن یا رات نہیں ہوئی۔ مگر تیری دھن مجھے لگی ہوئی ہے اور میں کسی قوم میں باتیں کرنے نہ بیٹھا۔ مگر ہم نشینوں میں تیرا ہی ذکر کرتا ہوں۔ اور میں نے غم یا خوشی میں تجھے یاد نہ کیا۔ مگر تیری محبت میرے ہر سانس میں موجود رہی اور میں نے پیاس میں کبھی پانی پینے کا ارادہ نہ کیا۔ مگر پیالہ میں تیری خیالی تصویر تھی۔ اگر میں قادر ہوتا تیری ذات پر۔ تو سر کے بل حاضر ہوتا یا چہرہ رگڑتا ہوا پہنچتا۔
یہ اشعار پڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر تغیر ہوا۔ تھوڑی دیر وہ پتھر کے سہارے سے بیٹھا اور جان دے دی۔

فصل اور مشائخ کے ایک گروہ نے قصائد اور اشعار اور قرآن مجید کا بالحان سُننا اور ایسے الحان میں پڑھنا مکروہ کہا ہے جو اس کی حد سے نکل جائے اور اس طرح گانے سے مریدین کو ڈرایا ہے اور خود اجتناب کیا ہے اور ممانعت میں مبالغہ کیا ہے۔
اور یہ چند گروہ ہیں اور ہر گروہ کے لئے اس میں علت اور وجہ ہے۔ ایک گروہ وہ ہے کہ اس طرح گانے پر حرام کی روایتیں دی ہیں اور گذشتہ لوگوں کے اتباع میں ان کے مقلد ہوئے ہیں۔ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کنیز شیریں کو سرود کرنے سے منع فرمانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو جو سرود کر رہا تھا دُرّے مارے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گانے والی کنیزکوں سے روکا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حبشیہ مغنیہ کے دیکھنے سے منع کیا گیا اور فرمایا وہ شیطان کی ہمنشیں ہے اور مثل اس کے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری بڑی دلیل غنا کی کراہت پر اجماع اُمت ہے۔ ہمارے زمانہ میں اور ہم سے پہلے لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ غنا مکروہ ہے حتیٰ کہ ایک گروہ اسے حرام کہتا ہے۔

اور اس قسم کے اقوال حضرت ابوالحارث بنانی سے منقول ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ایک قول ہے کہ فرماتے ہیں۔ میں سماع میں اس حد تک تھا کہ ایک رات ایک شخص میرے حجرہ کے دروازہ پر آیا اور کہا طالبانِ حضورِ حق کی جماعت جمع ہے اور ابوالحارث کی زیارت کی مشتاق ہے۔ میں نے کہا چلو اور باہر آیا۔ میں ابھی کچھ دیر اس کے پیچھے چلا تھا کہ ایک جماعت کے پاس پہنچا جو حلقہ باندھے بیٹھی تھی۔ ان کے درمیان ایک ضعیف العمر تشریف فرما تھے۔ اُنھوں نے میری تعظیم کی اور مجھ سے اجازت مانگی کہ چند بیت پڑھیں۔ میں نے اجازت دی۔

وہ خوش الحانی سے بیت پڑھنے لگے جس کا مضمون فراق کا شکوہ تھا۔ اتنے میں سب وجد کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور نعرے مارنے لگے۔ اور لطیف اشارے کر رہے تھے۔ میں ان کے حال پر تعجب کرتا تھا۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ پھر اس ضعیف العمر نے مجھ سے کہا۔ آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کون ہوں اور یہ اہلِ حلقہ کون ہیں۔ میں نے کہا تیرا اقبال مجھ سے سوال سے روکتا ہے۔

اس نے کہا میں عزازیل ہوں جسے اب ابلیس کہتے ہیں اور یہ سب میرے بچے ہیں اور اس طرح بیٹھنے اور غنا کرنے میں مجھے دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ میں خود مصیبت فراق میں ہوں اور خوش نصیبی کا زمانہ یاد کرتا ہوں۔ دوسرے پارسا لوگوں کو اس طرح گمراہ کر لیتا ہوں اور انھیں غلطی کا شکار کر لیتا ہوں۔

حضرت ابوالحارث بنانی فرماتے ہیں اس وقت سے میرے دل سے سماع کا خیال جاتا رہا۔

اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ میں نے شیخ امام ابوالعباس اشقانی سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک دن میں ایک مجلس میں تھا۔ ایک گروہ سماع کر رہا تھا۔ میں نے ان کے مابین شیاطین دیکھے کہ ناچ کر رہے تھے اور اس جماعت کی طرف توجہ کرتے تھے۔ یہ حلقہ اس سے گرم ہوتا تھا۔ دوسرا گروہ اس خوف سے کہ مرید بیہودگی اور بلا میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی عقیدت کا اور توبہ

ترک کر کے گناہ کی طرف رجوع نہ کریں اور خواہش نفسانی ان میں قوی نہ ہو جائے اور ہوس کا ارادہ ان کی صلاحیت
فسخ نہ کر دے۔ کیونکہ وہ محل بلا اور سرمایۂ فساد ہے اور سماع میں مشغول نہ ہو جائیں۔ ان میں نہ بیٹھے۔

اور حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے مرید کو استغفار توبہ کے وقت کہا
کہ اگر تو اپنا ایمان سلامت چاہتا ہے اور توبہ کی رعایت کرنا چاہتا ہے تو اس سماع سے جو صوفی
کرتے ہیں منکر ہو جا اور اپنے کو اہل سماع سے نہ سمجھ۔ جب تک تو جوان ہے اور جب بڈھا ہو جائے
تو اپنے گناہوں پر ملامت کر۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل سماع کے دو گروہ ہیں۔

ایک لاہی۔ دوسرا الٰہی۔

لاہی تو عین فساد ہے اور اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہے۔

اور الٰہی مجاہدات و ریاضات کے انہماک میں مخلوقات سے دل قطع کئے ہوئے اور موجودات سے
سے روگردان اور فتنوں کو اپنی ذات سے دور رکھے ہوئے ہیں۔ اور اس قسم کی جماعت سے بے غم
ہیں نہ ہی کامیاب ہیں۔ پھر ہم نے اس گروہ میں دیکھا تو ہمیں ان کی ترکیب اچھی نظر آئی اور اس
چیز سے جو ہمارے وقت کے موافق ہے مشغول ہونا اچھا معلوم ہوا۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ جب سماع میں عام فساد ہے اور ہمارے سننے سے عوام کا اعتقاد پراگندہ
ہوتا ہے اور ہماری وجہ سے عوام اس سے حجاب میں ہیں اور ہمارے ہی سبب گناہگار ہوتے ہیں تو ہمارا
فرض ہے کہ عوام پر شفقت کریں اور خواص کو نصیحت کریں تاکہ وہ اسے ترک کر دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا
کہ اغیار کو نصیحت ہو جائے گی اور اس فتنہ کو مٹانے کے لئے یہ طریق کافی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ اسلام میں انسان
کی خوبی یہ ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ دے جن کا نتیجہ کچھ نہ ہو اور اسے اختیار کرے جو ضروری ہے اور بیہودہ
بات میں مشغول ہونا تضیع اوقات ہے اور دوستوں کے ساتھ کہ دوست کا وقت عزیز ہوتا ہے اسے ضائع
نہ کرنا چاہئے اور دوسرے خاص گروہ نے کہا ہے کہ سماع خبر ہے اور اس کی لذت مراد کا حاصل کرنا اور
یہ بچوں کا کام ہے۔ ظاہر میں خبر کی کیا قدر ہے تو مشاہدہ کا کام ہی رکھنا چاہئے۔ یہ ہیں احکام سماع
کہ ہم نے مختصر بیان کئے۔ اب وجد اور وجود اور تواجد پر ایک باب مرتب کیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

چھتیسواں باب

وجد، وجود، تواجد

جاننا چاہیے کہ وجد اور وجود مصدر ہیں۔ ایک کے معنی غم ہیں اور دوسرے کے معنی پانا ہیں جب دونوں کا فاعل ایک ہوتا ہے تو ان میں مصدر کے سوا فرق نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہتے ہیں وَجَدَ يَجِدُ وُجُوداً وَوِجداناً اس میں معنی پا لینے کے ہیں اور وَجَدَ يَجِدُ وَجْداً کہیں گے تو اندوہگیں ہونے کے معنی ہوں گے۔ اور جب وَجَدَ يَجِدُ جِدَةً کہیں گے تو توانگر کے معنی لئے جائیں گے اور وَجَدَ يَجِدُ مَوْجُودَةً جب غصہ میں ہوتا ہو۔

ان سب کا فرق مصدروں سے معلوم ہوتا ہے۔ فعلوں میں فرق نہیں۔

خلاصہ یہ کہ فرق ان کا مصادر سے ہے نہ کہ افعال سے اور مراد اس گروہ کی وجد اور وجود سے اثبات دو حال کا کرنا ہے۔ جو بحالت سماع ان میں پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک قرین غم ہوتا ہے اور دوسرا حصول مراد سے کامیاب ہوتا ہے اور اندوہ کی حقیقت محبوب کا گم ہونا اور مراد سے رک جانا ہے اور پانا حصول مراد ہے اور حزن اور وجد میں یہ فرق ہے کہ حزن اس غم کا نام ہے جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس غم کو کہتے ہیں جو غیر کے نصیب محبت کی وجہ پر ہو اور یہ سب تغیرات طالب کی صفات ہیں والحق لا یتغیر۔ اور حق نہیں بدلتا۔ اور وجد کی کیفیت عبارت سے بیان نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ ایک الم ہے اور دیکھنے کے بعد الم کو قلم سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تو وجد طلب و مطلوب میں ایک راز ہوتا ہے جس کا بیان کشف غیب میں ہوتا ہے اور کیفیت سے وجود نشان ہے اور اشارہ کا اس میں دخل نہیں کیونکہ یہ بحالت مشاہدہ خوش ہے اور خوشی طلب سے نہیں ملتی اور وجود ایک فضیلت ہے جو محبوب سے محب کو ملتی ہے اور اس میں اشارہ کو دخل نہیں۔

اور میرے نزدیک وجد الم قلبی ہے۔ خواہ وہ خوشی سے ہو یا غم سے یا تکلیف یا آرام سے

اور وجود دل سے غم کا ازالہ ہے اور اس سے پی محبت مراد ہوتی ہے اور واجد کی صفت یہ ہے کہ جالت حجاب بوجہ شوق کے سبب حرکت میں آئے۔ ایسے حال میں کہ اس پر کشف ہو۔ اِمَّا زَفِیْرٌ وَاِمَّا نَفِیْرٌ وَاِمَّا حَنِیْنٌ وَاِمَّا اَنِیْنٌ اِمَّا عَیْشٌ وَاِمَّا طَیْشٌ اِمَّا کَرْبٌ وَاِمَّا طَرْبٌ یعنی ٹھنڈے سانس لینا یا چلانا، رونا یا زاری غم میں کرنا۔ خوشی یا غصہ کرنا۔ رنج یا فرحت کا مظاہرہ کرنا۔

اس میں مشائخ مختلف ہیں کہ وجد کامل ہے یا وجود۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وجود صفت مریدین کی ہے اور وجد صفت عرفا ہے۔ جب عارفوں کا درجہ مرید سے بلند ہے لازمی ہے کہ ان کا وصف ان سے کامل تر ہو۔ اس لئے کہ جو چیز دریافت کے تحت میں آئے وہ گھی گئی اور وہ صفت جو جنس ہے وہ ادراک ہے بالا اور ظاہر ہے کہ ادراک حد کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات حد سے بالا و برتر ہے تو بندہ نے جو کچھ پایا وہ مشرب ہے اور جو نہ پایا اس کا طالب ہے اور یہاں طلب منقطع اور طالب عاجز اور واجد کو اس حقیقت حق کا طالب کہا جا سکتا ہے اور اگر کہیں کہ وجد مریدوں کے سوز کا نام ہے اور وجود تحفہ محبان ہے اور محبوں کا درجہ مریدوں سے بلند ہوتا ہے تاکہ تحفہ سے کامل آرام حاصل ہو اور سوز میں طلب کا درجہ کم ہے اور یہ معنی ایک حکایت کے بغیر واضح نہ ہوں گے اور وہ حکایت یہ ہے۔

ایک روز حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ غلبۂ حال میں حضرت جنید کی خدمت میں آئے اور آپ کو غمناک پایا۔ پوچھا۔ اے شیخ کیا بات ہے۔ جنید نے فرمایا۔ من طلب وجد جس نے ڈھونڈا پالیا۔ حضرت شبلی نے عرض کیا۔ حضرت من وجد طلب صحیح ہے جس نے پایا اس نے طلب کیا۔ پھر مشائخ نے اس میں بیان کیا ہے کہ شبلی نے یہ اس لئے کہا کہ وجد سے ایک نشان دیا۔ دوسرے نے وجود کی طرف اشارہ کیا۔ میرے نزدیک حضرت جنید کا قول معتبر ہے۔ اس لئے کہ جب میں نے پہچانا کہ معبود ہماری جنس سے نہیں تو اسے غم زیادہ ہوتا ہے اور اس کے متعلق اس کتاب میں ذکر ہو چکا اور مشائخ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے کہ سلطان کا علم سلطان وجد سے زیادہ قوی ہونا چاہئے اس لئے کہ جب سلطان وجد قوی ہے تو درجہ محل خاطر میں ہوتا ہے اور جب سلطان علم قوی ہوتا ہے تو علم محل من میں ہوتا ہے۔ اور اس سبب سے یہ مراد ہے کہ ہر حال میں چاہئے کہ طالب علم اور متبع شرع ہو کیونکہ ۔۔۔ وجد میں مغلوب ہوتا ہے تو اس سے خطاب اٹھ جاتا ہے اور جب خطاب اٹھ گیا تو ثواب بھی اٹھ گیا۔ اور جب ثواب و عذاب جاتا رہا۔ عزت اور اہانت بھی جاتی رہی۔ اس وقت اس کا

حکم دیوانوں کا حکم ہوتا ہے۔ اولیاء و مقربین کا ان پر حکم نہیں ہوتا جب علم کی سلطنت حال کی سلطنت پر غالب ہوئی تو بندہ امر و نہی کی پناہ میں آیا اور عزت کے خیمہ میں پردہ نشین اور ہمیشہ مشکور ہوتا ہے

پھر جب سلطانِ حال سلطانِ علم پر غالب ہوتا ہے تو بندہ حدود سے باہر ہو جاتا ہے اور اپنے عمل نقص میں خطاب سے محروم رہتا ہے۔ اس حال میں معذور ہوتا ہے یا مغرور۔ بعینہ یہی حضرت جنید کا قول ہے جو انھوں نے فرمایا کہ راستے دو ہیں۔ ایک علم سے ایک عمل سے۔ جو عمل بے علم ہو اگرچہ اچھا ہو مگر جہالت اور نقص ہوتا ہے۔ اور علم اگرچہ بے عمل ہو عزت اور شرف ہوتا ہے۔

اسی وجہ میں حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کفر اهل الهمة اشرف من اسلام اهل المنية اہل ہمت کا کفر اشرف ہے کہ وہ کفران صورت پذیر نہیں ہوتا لیکن اگر فرض کریں تو اہل ہمت کا کفر اہل نیت کا ایمان سے بہتر ہے۔ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ نے شبلی کو فرمایا الشبلی سکرانٌ ولو افاق من سکرہ لجاء منه منذر ما ینتفع به شبلی مستی میں ہے اگر ہوش میں ہوتا تو البتہ ایسا منذر ہوتا جس سے کوئی نفع نہ پاتا۔

مشہور حکایتوں میں ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن مسروق اور ابو العباس بن عطا ایک جگہ جمع تھے اور ایک قوال بیت گا رہا تھا۔ یہ تواجد میں تھے۔ مگر حضرت جنید سکون میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے کہا۔ اے شیخ آپ کو اس سماع سے حظ نہیں۔ آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔ تو اسے بیٹھا خیال کرتا ہے اور وہ بادلوں کی طرح چلتا ہے اور وجد کی حالت میں۔

تواجد عین تکلف ہے اور یہ انعام اور شواہد حق کا اس پر جوش ہے اور وصل کی فکر اور تمنا مردوں کی چال ہے۔ ایک گروہ رسمی ہے جو حرکات ظاہری کی تقلید کرتا ہے اور رقص کی ترتیب کرتا ہے۔ ان کے اشارات کو آرائش دیتا ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ ایک گروہ محقق ہے۔ اس کی مراد حرکات اور رسوم سے حالات اور وجد کا طلب کرنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تشبه بقوم فهو منهم۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انھیں میں سے ہے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ اذا قرء تم القرآن فابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔ جب تم قرآن پڑھو تو رویا کرو۔ اگر رونا نہ آئے تو اوروں کو رلاؤ۔ اس خبر سے اباحت تواجد

ظاہر ہوتی ہے۔

اور اسی سبب سے اس پیر نے کہ ہزار فرسنگ جھوٹ پر چلتا ہوں اس سے ایک قدم راستی پر آتا ہے اور اس باب میں بہت زیادہ بیان ہے لیکن میں اس پر اختصار کرتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

سینتیسواں باب

رقص اور متعلقاتِ رقص

جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت میں رقص کی کچھ اصل نہیں البتہ بطریق ہزل ہو تو لغو ہے۔ اس لئے کہ جب کوشش کرکے کیا جائے تو سب عقلاء اسے لہو کہتے ہیں۔

اور مشائخ سے کسی نے اسے اچھا نہیں جانا اور جو بطور پھرتی اور بناوٹ کے ہو اور وہ مشائخ میں ملے ہوئے ہیں اور بنا بناکر اثر جاتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

اور جب وجدی حرکت اور عمل تواجد کے مانند ہو اور اہل ہزل اس کی تقلید کریں اور اس میں غلو کرکے اس سے ایک مذہب بنالیں وہ بھی باطل ہے۔

میں نے عوام میں ایک گروہ دیکھا جن کا یہ خیال تھا کہ تصوف کے اندر یہ بھی ایک مذہب ہے۔ انھوں نے یہ اختیار کیا۔ اور ایک گروہ اس کی اصل کا منکر ہے۔

غرضکہ ناچنا شرعاً عقلاً برا ہے۔ سب لوگوں نے اسے مومن سے محال مانا ہے اور کہا ہے کہ افضل لوگ ایسا کام نہیں کرتے۔ البتہ جب اس سے دل میں خفت حاصل ہو اور خفقان غالب آجائے۔

اور وقت زور دے اور حال اپنا اضطراب بیدار کرے اور ترتیب رسوم ظاہر ہو۔ اس سے جو اضطراب ہو وہ رقص ہے نہ کہ ناچنا کودنا۔ اس میں طبع پروری نہیں ہوتی بلکہ وہ جان کا گداز

کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ شخص طریق صواب سے بعید ہے جو اس کیفیت کو رقص کہتا ہے اور ایسی حالت ہے کہ اس کی ترجمانی زبان سے نہیں ہو سکتی۔ من لم یذق لا یدری النظر فی الاحداث جس نے مذاق عرفان نہیں چکھا وہ جوانوں کی طرف نظر کرنا نہیں جانتا۔

غرضیکہ نوجوانان عشق کی طرف دیکھنا ان کی صحبت میں بیٹھنا خطرناک ہے اور اسے جائز کہنے والا کافر طریقت ہے اور جو آثار اس میں بیان کرتے ہیں وہ نادان اور واہیات ہیں۔

میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا جو نوجوانوں کی تہمت سے اہل طریقت سے منکر تھا۔ میں نے دیکھا کہ انھوں نے ایک مذہب بنا لیا ہے۔

اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم ہر حال میں اسے آفت جانتے ہیں اور یہ حلولیوں کا ایک نشان اولیاء اللہ اور صوفیوں میں رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اڑتیسواں باب

جامہ دری

جاننا چاہیے کہ کپڑے پھاڑنا گروہ صوفیہ میں ایک جماعت میں رہا ہے اور بڑے بزرگوں کی مجلسوں میں یہ کام ہوا ہے۔ میں نے عالموں کا ایک گروہ دیکھا کہ وہ رقص کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ کپڑے پھاڑنا درست نہیں بلکہ فساد ہے اور یہ محال ہے کہ جس فساد سے ضلالت مراد ہو وہ بہتر بھی ہو۔ اور اکثر لوگ سالم کپڑے پھاڑتے اور قطع کرتے ہیں۔ پھر سیتے ہیں چنانچہ آستین تنا اور جیب و داماں علیحدہ علیحدہ کر کے سیتے ہیں۔

تو اس میں کچھ فرق نہیں کہ کپڑے کے سو ٹکڑے کریں اور ملا کر سئیں اور پانچ ٹکڑے کریں اور سئیں۔ اس لئے کہ کپڑے کا ٹکڑا سینے سے مومن کے دل میں راحت ہوتی ہے اور اس کی ضرورت عام ہوتی ہے۔ تو جو کپڑے گدڑی پر سیتے ہیں تو اس کی طریقت میں اصل نہیں۔

البتہ سماع میں بحالت صحت حواس پھاڑنا نہ چاہیے کہ وہ اسراف اور فضول خرچی ہے۔ لیکن اگر سُننے والے کو غلبہ ہو جیسے حکم الٰہی ادا نہ ہو سکے اور بے خبر ہو تو معذور ہے۔ جب ایک کا یہ حال ہو اور ایک گروہ اس کی موافقت میں کپڑے پھاڑے تو روا ہے اور طریقت میں کپڑا پھاڑنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک، وہ درویش جو خود حالت سماع میں مغلوب ہو کر خود کپڑے پھاڑے۔ دوسرا وہ کہ اپنے پیر اور پیشوا کے حکم سے کپڑے پھاڑے۔ وہ یا تو گناہ سے استغفار کرنے کی صورت میں یا سکر کی اور وجد کی حالت میں اور ان سب سے کپڑے پھاڑنا مشکل ہوتا ہے جو سماع سے ہو۔ یہ دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک مجروح کپڑا دوسرا درست کپڑا۔

مجروح کپڑے کی دو شرطیں ہیں۔ یا تو پھاڑنے کے بعد سیئیں اور بعد میں پہن لیں یا پھاڑنے کے بعد اور درویشوں میں تبرک کا تقسیم کریں۔

لیکن جب درست ہو تو دیکھنا چاہیے کہ کپڑا اچھالنے سے درویش کی کیا مراد ہے۔ اگر قوال کو دینے کا ارادہ ہو تو اُسے ہی دینا چاہیے۔ اور اگر جماعت کو دینا منظور ہو تو اسی کو دینا چاہیے اور اگر ا۔ نیر یونہی ڈال دیا تو پیر کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر وہ جماعت کو تقسیم کرنے کا حکم دیں تو پھاڑ کر تقسیم کریں یا ایک درویش کو دینا چاہیں دے دیں یا قوال کے حوالے کر دیں۔ اگر قوال کو دینا ہو تو درویش کی مراد اور اتفاق شرط نہیں۔

اور جب اتفاق کے بعد دینا ہو تو درویش کا کپڑا قوال کو نہ دے کیونکہ یہ نالائق کو دینا ہے اور وہ کپڑا اگر درویش نے حالت اختیار میں دیا ہوگا یا حالت اضطرار میں۔ دوسروں کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔

اور اگر جماعت کے ارادہ پر کپڑا جدا کیا ہے یا ان کی مراد کے بغیر تو اس کی موافقت شرط ہے جب کپڑا پھینکنے میں اتفاق کیا گیا تو پھر پیر کو زیبا نہیں کہ وہ درویشوں کا کپڑا قوال کو دے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ ان کا محب جو چاہے کرے درویشوں کو دے یا سب پھاڑ کر تقسیم کرے۔

اور اگر کپڑا مغلوبیت کی حالت میں گر پڑا ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اکثر کہتے ہیں قوال کو دینا چاہیے کیونکہ اس میں حدیث ہے۔ من قَتَلَ قَتِیلاً فَلَہ سَلَبُہ جس نے ماشق کو قتل کیا، اس کا لباس اسی کے لئے ہے۔ اگر وہ قوال کو نہ دیں تو شرط طریقت سے باہر ہو جاتے ہیں۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اس میں پیر کو بھی اختیار ہے۔ جیسا مذہب فقہا میں بادشاہ کی اجازت کے بغیر مقتول کا کپڑا قاتل کو نہیں دیتے۔ یہاں بھی یہ کپڑا بدون حکم پیر کے قوال کو نہ دینا چاہیے۔ لیکن اگر پیر کسی کو نہ دینا چاہے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

انتالیسواں باب

آدابِ سماع

جاننا چاہیے کہ شرط ادب سماع یہ ہے کہ جب تک ضرورت نہ ہو سماع نہ کرے اور اسے عادت نہ بنائے اور دیر کے بعد کرے تاکہ اس کی عظمت دل سے نہ جائے۔ یہ بھی لازم ہے کہ جب سماع کرے تو شیخ وہاں حاضر ہو اور عوام سے وہ جگہ خالی ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ قوال صاحبِ عزت ہو اور دل شغلوں سے خالی ہو اور طبیعت لہو ولعب سے متنفر ہو اور تکلف درمیان نہ ہو اور جب تک قوتِ سماع پیدا نہ ہو۔ یہ شرط نہیں کہ تو اس میں مبالغہ کرے۔

جب قوتِ سماع قوی ہو جائے تو اسے آپ سے ہٹانا شرط نہیں اور قوتِ سماع کا تابع ہو جائے۔ یعنی جو اس کا مقتضا ہو وہی کرے۔ اگر وہ قوت ہلائے تو ہلے۔ اگر ٹھہرائے تو ٹھہرا رہے اور قوتِ طبع اور سوز اور وجد میں فرق کرے اور چاہیے کہ سننے والے کو اس قدر طاقت دیدار ہو کہ واردِ حق قبول کر سکے اور اس کی داد دے سکے۔ اور جب اس کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو تکلف سے اسے اپنے آپ سے دفع نہ کرے اور جب اس کی قوت ٹوٹ جائے تو تکلف سے جذب نہ کرے اور چاہیے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے مدد کی امید نہ رکھے اور اگر کوئی مدد کرے تو منع نہ کرے اور اس کا اس کی نیت میں امتحان نہ کرے۔ کیونکہ اس میں آزمانے والے کو بہت پریشانی اور بے برکتی ہوتی ہے اور کسی کے سماع میں دخل نہ دے تاکہ اس کا وقت پراگندہ نہ ہو۔ اور اس کے روزگار میں تصرف نہ کرے۔

اور چاہیے کہ اگر قوال خوش گو ہو تو اسے یہ نہ کہے تو نے خوب کہا ہے اور اگر ناخوش کہے تو اسے برا نہ کہے ۔ یا اگر وہ شعر ناموزوں کہے جو طبع کو پریشان کرے تو یہ نہ کہے کہ اچھا کہو اور دل میں اس سے غصہ نہ کرے اور اسے درمیان نہ دیکھے بلکہ سب حوالۂ حق کرے ۔ اور وہ درست سنے اور اگر کسی گروہ کو سماع میں دیکھے تو اس کو اس سے فائدہ نہ ہو تو یہ شرط نہیں کہ اپنی ہوشیاری میں اس کی مستی نہ دیکھے اور چاہیے کہ اپنے وقت میں باآرام ہو ۔ اس سے اسے فائدہ ہوگا ۔ اور سلطانِ وقت کی عزت کرے تاکہ اس کی برکتیں اسے ملیں ۔

اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ مجھے وہ پسند ہے کہ مبتدیوں کو سماع میں نہ چھوڑیں تاکہ ان کی طبیعت پریشان نہ ہو کیونکہ اس میں بڑے خطرے ہیں اور سنت ہے ۔ اس لئے کہ عورتیں چھت سے یا بلند مکان سے انھیں ان کی حالتِ سماع میں دیکھتی ہیں اور اس سبب سے سننے والے کو سخت حجاب پڑتے ہیں ۔ اور چاہیے کہ جوان بچوں کو بھی اس کے درمیان نہ بٹھائیں اور ایسا نہ ہو کہ اس کے بعد جاہل صوفیوں نے ان باتوں کو مذہب بنا رکھا ہے اور سچ کو درمیان سے دور کر دیا ہے اور میں اس جنس کی آفتوں سے جو مجھ پہ گزریں استغفار کرتا ہوں اور خداوند تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں تاکہ مرے ظاہر و باطن کو آفات سے بچائے اور میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے حکموں کی رعایت رکھیں ۔ وباللہ التوفیق ۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ
محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین وسلم تسلیما کثیراً
کثیراً برحمتک یا ارحم الراحمین آمین ثم آمین تم

تصحیح کردہ
فقیر قادری محمد اعجاز الرضوی عفی عنہ